

عالمی کتاب خانہ
الروضۃ العارف

مکتبہ مولانا ابوالکلام آزاد

لاہور

پیشکش

مکتبہ مولانا ابوالکلام آزاد

لاہور

شرح سیر اللہ شام

الروض الانف

مؤلفہ

امام ابوالقاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی رحمہ اللہ

ضیاء المصباح فی سیر الانبیاء

لاہور - کراچی - پاکستان

شرح سیر ابن ہشام

جلد دوم

ترجمہ

الروض الانف

مؤلفہ

امام ابوالقاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین ۰ بھیر شریف

ضیاء المصنفین پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	شرح سیرت ابن ہشام ترجمہ روضہ الف (جلد دوم)
مؤلف	امام ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سیہلی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ ملک محمد بوستان، علامہ ذوالفقار علی، علامہ افتخار تبسم من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	قاری اشفاق احمد خان، انور سعید
زیر نگرانی	اگست 2005ء
تاریخ اشاعت	ایک ہزار
تعداد	محمد حفیظ البرکات شاہ
ناشر	12461
کمپیوٹر کوڈ	1350/- روپے کامل سیٹ
قیمت	

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس: 042-7238010

9۔ انکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7247350-7225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411 فیکس: 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

سیرت ابن ہشام

- 25 نبی محترم ﷺ کا اپنی قوم کو دعوت اسلام دینا
- 26 حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کا گھاٹیوں میں سجدہ ریزیاں کرنا
- 27 آپ کے محترم چچا کا تعاون
- 30 نبی محترم ﷺ کے لئے حضرت ابوطالب کی اعانت
- 34 حضرت ابوطالب کے اشعار
- 36 مسلمانوں کو ایذا رسانی
- 38 ولیدہ بن مغیرہ کا قرآن کے بارے موقف
- 40 ولید کے متعلق آیات قرآنیہ
- 42 حضرت ابوطالب اپنے اور اپنے محترم بھتیجے کے نسب پر فخر کناں ہیں
- 62 حضور ﷺ کی دعا اور ابر کرم کا نزول
- 65 ذکر مصطفیٰ ﷺ کی شہرت
- 66 ابن الاسلت اور اس کا قصیدہ
- 73 جنگ داحس
- 76 جنگ حاطب
- 77 حضرت حکیم بن امیر رضی اللہ عنہ کی اپنی قوم کو نصیحت
- 78 کفار مکہ کا ہولناک ظلم و تشدد
- 83 حضرت حمزہ کا قبول اسلام
- 86 عتبہ بن ربیعہ بارگاہ رسالت میں
- 88 بارگاہ رسالت میں قریش کا وفد
- 96 نصر بن حارث
- 104 اصحاب کہف کا واقعہ
- 118 سیاح شخص کے متعلق سوال کا جواب

- 123 روح کی حقیقت اور بعض دیگر آیات کا نزول
- 129 پہاڑوں کو رواں کرنا، مردوں کو زندہ کرنا
- 136 ابو جہل کی گستاخی
- 138 سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے صحابی
- 139 قریش مکہ چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے۔
- 143 جانثاران مصطفیٰ ﷺ پر ظلم و ستم کی انتہاء
- 144 بحسبہ استقامت، عاشق رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ
- 145 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام
- 147 حضرت ابوبکر صدیق اور رضائے الہی
- 147 حضرت عمار بن یاسر کی تکالیف
- 148 ہشام بن ولید کا واقعہ
- 151 سرزمین حبشہ کی طرف پہلی ہجرت
- 151 حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرام
- 154 بنو ہاشم اور بنو امیہ کے مہاجرین
- 155 بنو اسد اور بنو عبد شمس کے مہاجرین
- 155 بنو نوفل اور بنو اسد کے مہاجرین
- 156 بنو عبد بن قصی اور عبدالدار بن قصی کے مہاجر
- 156 بنو زہرہ، بنو ہذیل اور بہراء کے مہاجر
- 157 بنو تمیم اور بنو مخزوم میں سے مہاجرین
- 158 شمس کی وجہ تسمیہ
- 158 بنو مخزوم کے حلیفوں میں سے اور بنو نجیح کے مہاجرین
- 159 بنو سہم، بنو عدی اور بنو عامر کے مہاجرین
- 161 بنو حارث کے مہاجرین
- 161 مہاجرین حبشہ کی تعداد
- 162 ہجرت حبشہ کے متعلق اشعار

- 162 حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا قصیدہ
- 173 اہل مکہ کی سفارت
- 182 مہاجرین حبشہ اور نجاشی کی مدد
- 183 نجاشی کے حبشہ پر تسلط کی داستان
- 186 نجاشی کا اسلام اور اس پر نماز جنازہ
- 189 حضرت عمر فاروق کا قبول اسلام
- 202 تحریری معاہدہ کی خبر
- 203 ابولہب کا موقف
- 204 حضرت ابوطالب کا قصیدہ
- 209 ابو جہل کی جہالت
- 210 حضور ﷺ کی ذات والاصفات پر جو دستور
- 210 ابولہب اور اس کی بیوی
- 217 امیہ بن خلف
- 218 عاص بن وائل
- 219 ابو جہل
- 220 نضر بن حارث
- 222 ابن زبیری اور انھیں
- 226 ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط
- 231 ابو جہل
- 233 حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ
- 235 حبشہ سے واپس آنے والے مہاجرین
- 238 حضرت عثمان بن مظعون کی حیرت افزا داستان
- 239 حضرت ابوسلمہ، ابوطالب کی پناہ میں
- 241 حضرت ابوبکر صدیق اور ابن دغنے کی پناہ
- 243 صحیفہ کا پارہ پارہ ہونا

- 247 حضرت ابوطالب کا قصیدہ
- 253 حضرت حسان بن ثابت کا مرثیہ
- 255 حضرت طفیل بن عمرو کا قبول اسلام
- 257 حضرت طفیل کے والد ماجد اور زوجہ محترمہ کا اسلام
- 260 اشی بن قیس بن ثعلبہ کی عبرتناک داستان
- 266 اشی کا انجام
- 267 ابو جہل کی ذلت
- 267 ابو جہل اور ارشی
- 269 رکانہ اور اس کی کشتی
- 270 حبشہ نصاریٰ کا وفد
- 273 سورہ کوثر کا نزول
- 278 لفظ کوثر کا اشعار میں استعمال
- 280 وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۚ
- 280 وَلَقَدْ أَسْلَمْتُنِي بِرُؤْسِي ۚ وَمِنْ غَمْلِكَ
- 282 اسراء اور معراج
- 283 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت
- 284 حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت
- 284 حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث
- 285 حضرت حسن کی روایت
- 287 کیا معراج خواب میں ہوئی؟
- 296 زبان مصطفیٰ ﷺ سے بیان کردہ بعض انبیاء علیہم السلام کی صفات
- 298 حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ کی روایت
- 320 مذاق اڑانے والوں کا انجام
- 322 ولید اور ابیہاز سیر
- 326 ابیہاز سیر کے قتل کا بدلہ

- 327 سورۃ البقرہ کی آیت ربا کا نزول
- 328 ابواز پھر کا بدلہ
- 329 ام غیلان کا عمل
- 330 حضور ﷺ کو ستانے والے
- 330 حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوطالب کا وصال
- 331 حضور ﷺ، ابوطالب اور مشرکین مکہ
- 334 حضرت ابوطالب کا ایمان
- 336 حضرت ابوطالب کے پاس حضور ﷺ سے عہد لینے والوں کے متعلقہ آیات کا نزول
- 338 حضور ﷺ کا سفر طائف
- 341 حضور ﷺ کی پرسوز دعا
- 346 نصیبین کے جنات
- 348 مختلف قبائل کو تبلیغ
- 352 بنو کندہ کو دعوت اسلام
- 352 بنو کلب کو دعوت اسلام
- 352 بنو حنیفہ کو اسلام کی دعوت
- 353 بنو عامر کو دعوت اسلام
- 354 ایام حج میں اہل عرب میں تبلیغ
- 354 سوید بن صامت
- 357 ایاس بن معاذ کا اسلام اور ابوالحسیر کا قصہ
- 358 بنو خزرج کو اسلام کی دعوت اور عقبہ اولی
- 360 عقبہ کے پاس حضور ﷺ سے ملاقات کرنے والے بنو خزرج کے نام
- 361 بیعت عقبہ اولی
- 363 بیعت عقبہ
- 365 حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور وفد عقبہ
- 366 مدینہ طیبہ میں جمعہ کی پہلی نماز

- 372 حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر کا اسلام قبول کرنا
- 378 بیعت عقبہ ثانیہ
- 378 حضرت براء بن معرور اور ان کی نماز
- 382 حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کا اسلام لانا
- 383 بیعت کرنے والی دو خوش نصیب خواتین
- 383 حضرت عباس اور انصار
- 384 حضور ﷺ کا انصار سے معاہدہ
- 387 انصار میں بارہ نقیب
- 388 حضرت کعب بن مالک کے اشعار
- 390 حضرت عباس بن عبادہ کی بنو خزرج کو تنبیہ
- 390 دست مصطفیٰ ﷺ پر بیعت کرنے والی سب سے پہلی شخصیت
- 391 شیطان اور بیعت عقبہ
- 392 حضور ﷺ انصار کو جنگ کی اجازت نہیں دیتے
- 392 بیعت عقبہ کے بارے قریش کا رویہ
- 394 قریش انصار کو تلاش کرتے رہے اور حضرت سعد بن عبادہ کی اسیری
- 394 حضرت سعد کی نجات
- 397 حضرت عمرو بن جموح اور ان کا بت
- 399 حضرت عمرو بن جموح کا اسلام
- 400 عقبہ آخری کی بیعت کی شرائط
- 401 عقبہ میں حاضر ہونے والے خوش نصیبوں کے اسماء
- 401 بلحارث بن خزرج کے بلند اقبال لوگ
- 411 حضور ﷺ کو جہاد کی اجازت
- 414 مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کا اذن
- 414 حضرت ابوسلمہ اور ان کی زوجہ محترمہ کی ہجرت
- 416 حضرت عامر، ان کی اہلیہ اور بنو جحش کی ہجرت

- 424 حضرت عمر اور حضرت عیاش کی ہجرت
- 426 حضرت عمر کا حضرت ہشام بن عاصی کی طرف مکتوب
- 428 حضرت ولید بن ولید کا کارنامہ
- 430 حضرات حمزہ، زید، ابو مرثد، ابن مرثد، انسہ اور ابو کبشہ کی اقامت گاہ
- 434 دارندہ میں مشاورت اور ہجرت مصطفیٰ ﷺ
- 434 قریش کی مشاورت
- 437 شب ہجرت
- 441 ہجرت مدینہ
- 445 حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق غار ثور میں
- 450 حضور ﷺ کی سواری
- 450 ابو جہل کی گھناؤنی حرکت
- 451 جن کا ہدیہ عقیدت
- 451 حضرت ام معبد کا نسب
- 452 حضرت ابو بکر صدیق کی ہجرت کے بعد ان کے اہل خانہ
- 452 سراقہ بن مالک
- 461 ہجرت کا راستہ
- 463 قباء میں تشریف آوری
- 465 قباء میں حضور ﷺ کا مسکن
- 466 حضرت سہل بن حنیف اور مسلمان خاتون
- 467 مسجد قبا کی تعمیر
- 469 مختلف قبائل ابدی سعادت کے حصول کے لئے کوشاں
- 471 بنو مالک بن نجار کی سعادت
- 472 مسجد اور مسکن
- 473 حضرت عمار اور باغی گروہ
- 474 حضرت علی کا رجز

- 475 حضرت عمار کو حضور ﷺ کی وصیت
- 477 حضرت ابوالیوب کا گھرانہ
- 478 مہاجرین مکہ
- 480 مدینہ طیبہ میں اشاعت اسلام
- 480 ہادی حق کا پہلا خطبہ
- 481 دوسرا خطبہ
- 484 یہودیوں کے ساتھ تاریخی معاہدہ
- 490 مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات
- 493 حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ کا وصال
- 494 بنونجار کا شرف
- 495 اذان کا آغاز
- 496 حضرت عبداللہ بن وید کا خواب
- 501 حضرت ابوقیس صرمہ بن ابی انس
- 504 حضرت ابوقیس کا دوسرا قصیدہ
- 510 یہودیوں کا بغض و عناد
- 510 بنونضیر کے یہودی
- 511 بنو ثعلبہ کے یہودی
- 511 بنو قینقاع کے یہودی
- 511 بنو قریظہ کے یہودی
- 512 بنو زریق کے یہودی
- 515 حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا
- 517 حضرت مخیریق کا قبول اسلام
- 519 حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کی شہادت
- 520 وہ منافقین جو یہودیوں کے ساتھ تھے
- 520 بنو عمرو کے منافقین

- 520 بنو حبیب کے منافقین
- 520 جلاس کی منافقت
- 522 حارث بن سدید کا ارتداد اور فریب
- 522 بنو ضبیہ کے منافق
- 523 بنو لوزان کے منافق
- 523 بنو ضبیہ کے منافق
- 524 بنو ثعلبہ کے منافقین
- 525 بنو امیہ کے منافق
- 525 بنو عبید کے منافق
- 525 بنو نبیت کے منافق
- 526 بنو ظفر کے منافقین
- 528 بنو عبد الاہمل کے منافق
- 529 بنو جشم کے منافق
- 530 بنو عوف کے منافقین
- 531 علمائے یہود کی منافقت
- 533 منافقین کا مسجد نبوی سے اخراج
- 534 سورۃ بقرہ کی وہ آیات جو منافقین کے بارے نازل ہوئیں
- 538 اوس اور خزرج کے منافقین کے متعلق آیات
- 549 یہودیوں کا بے بنیاد دعویٰ
- 555 یہودیوں کے بارگاہ رسالت میں سوالات
- 557 یہود کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے انکار
- 557 خیبر کے یہودیوں کی طرف حضور ﷺ کا گرامی نامہ
- 559 ابویاسر اور اس کے بھائی کی خباثت
- 562 حضور ﷺ کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کے بعد یہود کا کفر
- 563 مالک بن صفیہ کا میثاق سے انکار

- 564 ابن حریملہ اور وہب کے بارے نازل ہونے والی آیات
- 565 جی بن اخطب اور اس کے بھائی کا کردار
- 566 ابن حریملہ کی تمنا
- 568 تحویل قبلہ کے وقت یہودیوں کا وادیا
- 571 یہودیوں کا تورات میں سے چھپانا
- 571 دعوت اسلام پر گستاخانہ جواب
- 572 بنو قینقاع کے بازار میں یہود کا اجتماع
- 572 بیت المدارس میں آپ کی تشریف آوری
- 573 حضرت ابراہیم کے بارے یہود و نصاریٰ کا اختلاف
- 574 یہودیوں کی انتہائی گھناؤنی سازش
- 575 ابورافع کی گستاخی
- 577 انبیائے کرام سے میثاق لینے کا تذکرہ
- 577 انصار کے مابین فساد کی کوشش
- 582 حضرت ابوبکر صدیق کی غیرت ایمانی
- 584 مومنین کو بخل کا مشورہ
- 584 انکار حق
- 587 نزول قرآن کا انکار
- 588 حضور ﷺ پر پتھر گرانے کی سازش
- 588 محبوب خداوندی ہونے کا دعویٰ
- 591 رجم کے حکم میں یہودیوں کا رجوع
- 593 دیت کی ادائیگی میں یہودیوں کا ظلم
- 594 حضور ﷺ کو فتنے میں ڈالنے کی سازش
- 595 حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار
- 596 حق کا دعویٰ
- 596 اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک

- 598 قیامت کے متعلق سوال
 599 یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں
 600 نزول کتاب کا مطالبہ
 601 ذوالقرنین کے متعلق سوال
 601 بارگاہ ربوبیت میں گستاخی
 602 الصمد

الروض الانف

- 25 صلوٰۃ کے لغوی معنی
 28 ابوالہتیری
 30 لو وضعوا الشمس فی یمنی
 32 البدء
 34 حضرت ابوطالب کے اشعار کی وضاحت
 38 قرآن کے متعلق ولید کی رائے
 41 ذُرَّائِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا
 43 حضرت ابوطالب کے قصیدہ لامیہ کی شرح
 62 دعائے مصطفیٰ اور رحمت کی بارش
 66 ابن الاسلت اور اس کا قصیدہ
 73 جنگ داحس
 78 قریش مکہ کا نہی رحمت پر ستم
 82 آپ ﷺ کو مدثر اور نذیر جیسے دنوازا القاب سے پکارنے کا سبب
 82 مفعول کا فعل سے مقدم ہونا
 83 حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سعادت
 87 عتبہ بن ربیعہ اور الرئی
 88 سرداران مکہ کے مطالبات
 93 عبد اللہ بن ابی امیہ

94	ابو جہل کی بد بختی
94	ادایت کی تفسیر
98	اساطیر الاولین
99	رستم کی داستانیں
104	سورۃ الکہف کے نزول کا سبب
105	حمد کو کتاب پر مقدم کرنے کی وجہ
105	الرقیم، اصحاب کہف
106	احصی کا اعراب
107	الغرب، تزاورا الشمس اور داستان کا فائدہ
113	آیۃ الاستثناء
114	وَلَقَدْ كُنَّا فِي الْكُهْفِ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تَسْعًا
115	سنہ اور عام میں فرق
118	ذوالقرنین
121	انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کا حکم
123	روح اور نفس
125	روح اور نفس کے درمیان فرق
127	روح سبب حیات ہے
129	نفس
132	بَيْتٌ مِنْ دُخْرٍ
136	جہنم کے داروغے اور ابوالاشدین
138	قریش کا موہوم مدح
143	کفر و معصیت پر اکراہ
147	آل یاسر
149	زنیرہ اور دیگر آزاد کردہ غلام
149	ام عیس

- 151 حبشہ کی ہجرت
- 154 سعد اور خالد فرزند ان عاص کا خواب
- 156 امة بنت خالد اور ان کے والد ماجد
- 158 عبد شمس
- 159 حضرت عمار مہاجرین حبشہ میں شامل نہ تھے
- 160 بنو حارث بن قیس
- 161 بنو زہرہ اور طلیب بن عبد
- 162 فاجعل عذابك
- 163 ان یعلو
- 163 اسم ان مصدر یہ کی طرف مضاف نہیں ہوتا
- 165 کما جحدت عاد و مدین والحجر
- 167 فان انالم ابرق فلا یسعنی
- 167 یلمن ما فی النفس اذ بلغ النقر
- 168 لام تعجب۔ اتیم ابن عمرو وللدی جاء بغضه
- 169 فی صرح بیضاء تقدع
- 169 من دوننا شرمان
- 170 انساب
- 171 اسلمک الا وباش
- 171 ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
- 172 نجاشی کی قبر پر نور
- 173 قریش کا نجاشی کے دربار میں اپنے سفیر بھیجنا
- 174 عمارہ بن ولید بن مغیرہ
- 177 اصحاب ہجرت کی نجاشی سے گفتگو
- 179 اللہ رب العزت کی طرف آنکھ کی اضافت
- 181 کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا معنی

183	النجاشی اصحمہ
185	ہجرت حبشہ سے ایک فقہی مسئلہ
186	نجاشی کا خط اور اس پر نماز جنازہ
189	حضرت عمر کا قبول اسلام
192	قرآن پاک کو چھونے کے لئے حضرت عمر کی تطہیر
198	اس روایت کے مشکل الفاظ کا حل
201	جمیل بن معمر
202	قریش کے تحریری معاہدہ کی خبر
206	لا خیر من حصہ اللہ بالحب
207	متن
208	القساسیۃ الشہب
210	ام جمیل، مسد اور اس کا عذاب
211	لہ صریف القعو بالمسد
213	جید اور عنق
214	حسن و جمال میں غلو
216	الفہر
217	مذمم اور حضرت خباب کی حدیث
219	ارایت
219	سد ذرائع
221	نضر بن حارث
222	ابن زبیری کا قول اور حضرت عزیر
226	اخنس بن شریق
229	نکتہ
231	شجرة الزقوم
232	المُعَوَّنَةُ فِي الْقُرْآنِ

- 233 ابن ام مکتوم
- 233 اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ط
- 235 غرائق کا قصہ اور اہل مکہ کا اسلام
- 238 الاکل شیء ما خلا اللہ باطل
- 241 حضرت ابوبکر اور ابن دغنه
- 243 صحیفہ قریش کا ریزہ ریزہ ہونا
- 245 شعب ابی طالب میں شرمناک مظالم
- 247 بحرینا
- 249 من لبس فیہا بقرقر
- 249 لها حدج سهم وقوس مرہد
- 251 رفرف الدرع احرد
- 253 حضرت حسان بن ثابت کا مرثیہ
- 257 ابن سخام
- 258 حناذی الشری
- 259 ذوالکفین
- 260 اعشی
- 261 لیلة ارمدا
- 262 مہلد
- 263 لینا غیر احرد
- 264 لیس عطاء الیوم
- 265 واللہ فاعبدا
- 267 الاراشی
- 268 من رجل یؤدینی علی ابی الحکم
- 268 ما فی وجہہ رائحة
- 269 رکانہ کی زور آزمائی

- 270 الذین قالوا انا نصاریٰ
- 272 غلام المہبیعہ، حضرت صہیب اور حضرت فکیہہ
- 273 ابتر اور کوثر
- 278 کوثر کا معنی
- 280 وَلَقَدْ اَسْتَهْزِئُ
- 281 وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا
- 282 مَا يَلْبِسُونَ ۝
- 282 حدیث معراج کے مشکل الفاظ کی تشریح
- 287 معراج نیند میں تھی یا عالم بیداری میں
- 292 براق کا مچلنا
- 293 ملائکہ کا من معک کہنا
- 294 باب الحفظ
- 294 سدرۃ المنتہی
- 294 آسمان دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات
- 295 پانی کا حکم
- 296 بیت المقدس میں تشریف آوری اور انبیاء علیہم السلام کے اوصاف
- 299 حضور ﷺ کا حلیہ مبارک
- 300 لیس بالمطہم
- 301 اللہ رب العزت کا دیدار
- 305 مختلف انبیائے کرام سے ملاقات
- 310 البیت المعمور
- 310 نماز کی فرضیت
- 311 بچاس نمازوں کی فرضیت
- 313 ملائکہ کے اوصاف
- 314 سفر معراج میں سو خوابوں کی حالت

- 316 ولد الحرام
- 317 قاضی کا فیصلہ حلال کو حرام نہیں کرتا
- 318 حضرت ادریس علیہ السلام کا مقام رفیع
- 318 حضرت موسیٰ کی امت محمدیہ میں سے ہونے کی خواہش
- 319 کچھ دیگر واقعات
- 320 مذاق اڑانے والے اور ملکان
- 320 حارث بن طلائع
- 322 ولید بن مغیرہ
- 323 ماء بجز عہ اطرقا
- 324 اَلَمْ تُقْسِسُوْا تَوْتُوْا الْوَلِیْدَ ظَلَامَةً
- 325 المعلنہج والمہیر
- 325 کما ارسى بمشقة ثیر
- 327 غدا اهل زوجی ذی المجاز
- 327 ربا کے متعلق نازل شدہ آیات
- 331 ابوطالب کی وفات اور ان کی وصیت
- 336 ان امشوا
- 336 حضرت خدیجہ الکبریٰ کا وصال پرناال
- 338 ہادی حق کا سفر طائف
- 339 فیذئرها علیہ
- 339 حضور ﷺ پر یہ روئےم
- 339 الی ظل حبنة
- 341 اللہ تعالیٰ کا نور اور وجہ
- 343 النور
- 344 عداں
- 346 نصیبین کے جنات

- 348 بنو شیبان بن ثعلبہ کو دعوت اسلام
352 بنو کندہ کو دعوت
353 بنو حنیفہ
354 ماثور
356 مجلہ لقمان
357 ابوالخسیر کی مکہ معظمہ آمد
358 انصار میں اسلام کا آغاز
359 امن موالی یہود انتم
359 عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ
360 القواقل
364 عورتوں کی بیعت
365 حضرت مصعب بن عمیر کی ہجرت
366 منزل
366 قیس بنت مھسن
366 جمعۃ المبارک کی پہلی نماز
367 نقیم الخضعات
368 ہزم البیت
368 جمعہ
371 لفظ جمعہ
371 ہفتے کے ایام
372 حضرت سعد اور حضرت اسید کا قبول اسلام
374 کافر کا اسلام قبول کرتے وقت غسل کرنا
377 بدی شکول
378 الجلیل
378 حضرت براء رضی اللہ عنہ کا نماز میں قبلہ رونا ہونا

- 379 حضور ﷺ کا قبلہ
- 383 حضرت ام عمارہ اور حضرت ام منیع
- 384 حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ
- 386 الہدم الہدم
- 387 بارہ نقیب
- 391 بانفذ صوت
- 392 یا اهل الجباب
- 392 هذا ازب العقبة
- 394 فعیل کی تذکیر و تانیث
- 394 رجل و ضیء شعشاع
- 395 تمطس القوم الخمر
- 395 ضرار بن خطاب
- 396 حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار
- 398 ولا تلک کالشاة
- 399 حضرت عمرو بن جموح کا قبول اسلام
- 400 الغبن، مستدن
- 400 دیان الدین
- 401 بعض نسبوں کی تشریح
- 402 قطبہ بن عامر
- 405 وزقہ
- 406 من سیدکم یا بنی سلیہ
- 410 خزیمہ
- 414 حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ
- 416 بنو جحش کی ہجرت
- 419 الردم

- 419 الى الله يوما وجهه لا يخيب
- 420 ولا قرب بالارحام اذلا تقرب
- 424 التناضب
- 426 اضاة بن غفار
- 426 حضرت هشام بن عاص
- 429 حضرت خبيب بن اساف
- 430 حضرت ابو كبشه
- 431 قباء
- 432 حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ
- 434 شیخ نجدی
- 437 نسیبا و سیطا
- 440 ریب النون
- 441 حضور ﷺ کو اذن ہجرت
- 442 مکمل ہجرت
- 443 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شدت مسرت سے گریہ باری
- 444 مکہ مکرمہ - مدینہ منورہ
- 445 غار ثور
- 448 رافضہ کے بہتان کا رد
- 450 اللہ تعالیٰ کی معیت
- 452 حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ
- 457 ام معبد کی داستان
- 458 حضرت حسان کا قصیدہ
- 459 ام معبد اور ان کے خاوند کا نسب
- 460 راہ ہجرت - عسفان
- 462 مجاج

- 463 عبا بید
- 463 اوس بن حجر کا قصہ
- 465 حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کی تاریخ
- 465 حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ
- 467 مسجد قباء کی تاسیس
- 468 تاریخ عربی
- 468 من اور ظرف زمان پر اس کا دخول
- 469 تَحَلَّحَلْتُ وَرَزَمْتُ
- 471 مرید اور اس کے مالک
- 472 تعمیر مسجد
- 473 حضرت عمار کی والدہ ماجدہ
- 475 مسجد نبوی کی تعمیر کتنی بار ہوئی؟
- 475 حجرات النبی ﷺ
- 476 اِنْكَسَرَ حُبُّ لَنَا
- 476 الثوم
- 477 حضرت ابوالیوب کا مقدس گھر
- 478 حضرت ابواحمد رضی اللہ عنہ
- 479 طوقتها طوق الحمامة
- 480 داعی حق کا پہلا خطبہ
- 481 احبوا الله من كل قبو بكم
- 183 ان الحمد لله احمدہ
- 484 حضور ﷺ کا یہودیوں سے معاہدہ
- 484 یہودی یثرب میں کب آئے؟
- 485 یثرب کا نام
- 490 صحابہ کرام کے مابین مواخات

- 492 حضرت ابودرداء کا نسب
- 493 فزع کا نسب
- 494 حضرت حاطب بن ابی بلتعہ
- 495 اذان کی ابتداء
- 501 حضرت ابو قیس صرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہ
- 507 افنون تغلسی
- 511 عبد اللہ بن صوریہ
- 512 بنو زریق اور بنو حارثہ کے یہودی
- 512 لبید بن اعصم کا جادو
- 513 فقہی مسئلہ
- 515 حضرت عبد اللہ بن سلام کا اسلام
- 517 حضرت مخیر لیق کا اسلام لانا
- 520 منافقین کا ذکر
- 527 زرہوں کی چوری
- 534 حضرت ابو محمد رضی اللہ عنہ
- 535 منافقین کے متعلق نازل کردہ آیات
- 535 ایمان بالغیب
- 543 بنو اسرائیل
- 559 ابویاسر کا واقعہ
- 568 تحویل قبلہ
- 575 ربانیمین
- 580 آناء اللیل کی تفسیر
- 581 علمائے یہود کے متعلق نازل کردہ آیات میں سے بعض جملوں کا ذکر
- 590 بنو اسرائیل میدان تیہہ میں
- 591 سنگسار ہونے والی عورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبی محترم ﷺ کا اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دینا

ابن اسحاق کہتے ہیں مردوں اور خواتین میں سے لوگ جوق در جوق دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے لگے۔ اسلام کا مبارک ذکر مکہ معظمہ میں پھیلتا گیا۔ لوگ اس کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ اللہ کا پیغام لوگوں کو واضح الفاظ میں پہنچائیں۔ اس حق کا اعلان بباغ و بیل کریں جو اللہ رب العزت کی طرف سے آپ ﷺ کے قلبِ منیر پر نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ لوگوں کو بارگاہِ ربوبیت کی طرف بلائیں۔ داعیِ حق ﷺ نے تین سال تک دینِ اسلام کی تبلیغ کو پوشیدہ رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۸۹﴾ (الحجر)

سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے۔ (۱)
وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۹۰﴾ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۹۱﴾
(الشعراء) وَقُلْ إِنِّي أَنَا الْبَشِيرُ وَالنَّذِيرُ ﴿۸۹﴾ (الحجر: ۸۹)

”اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور نیچے کیجئے اپنے پروں کو مؤمنوں کے لئے اور فرمائیے کہ میں تو بلاشبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔“

ابن ہشام کہتے ہیں ”إِصْدَعْ“ کا معنی ہے کہ آپ ﷺ حق و باطل کے مابین فرق کر کے

صلوٰۃ کے لغوی معنی

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے اَنَّا طَالِبٌ حَدِيثَ عَلِيِّ رَسُولِ اللَّهِ۔ کہ حضرت ابو طالب نے حضور ﷺ کے ساتھ شفقت فرمائی اور آپ ﷺ کی مکمل معاونت کی ”الْحَدِيثُ“ پیٹھ کے بل جھکنے کو کہتے ہیں پھر یہ لفظ کسی دوسرے پر مہربان ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کا معنی کسی دوسرے پر انتہائی شفقت کرنا ہے جس طرح کہ نابغہ کہتا ہے۔

حَدِيثٌ عَلَى بَطْنٍ ضَبٌّ كُلُّهَا إِنَّ ظَالِمًا فِيهِمْ وَ إِنَّ مَظْلُومًا ضَبُّهُ كَمَا قَبْلَ مَجْهُدٍ (مجھ پر شفقت کرنے لگے)۔ خواہ ان میں سے کوئی ظالم تھا یا مظلوم (ہر ایک نے مجھ پر مہربانی کی)۔

لوگوں کو آگاہ فرمائیں۔ ابو ذؤیب الہذلی، جس کا نام خویلد بن خالد تھا، وحشی گدھوں اور گدھیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَكَانَهُنَّ رَبَابَةٌ وَكَانَهُ بَسْرٌ يَفِيضُ عَلَى الْقِدَاحِ وَيَصْدَعُ
گویا کہ وہ گدھیاں ایک جماعت ہیں اور گدھا ایسا جا باز ہے جو جوئے کے تیروں پر غالب آ کر انہیں توڑ دیتا ہے یعنی وہ قرعہ اندازی کر کے ان کے حصوں میں تفریق کرتا ہے۔ (یہ شعر اس کے ایک قصیدہ سے ماخوذ ہے)۔

رو بہ بن عجاج کا شعر ہے۔

أَنْتَ الْحَلِيمُ وَالْأَمِيرُ الْمُنْتَقِمُ تَصْدَعُ بِالْحَقِّ وَتَنْفِي مَنْ ظَلَمَ
تم بردبار بھی ہو اور منتقم مزاج امیر بھی ہو اور تم حق کا واضح اعلان بھی کرتے ہو اور جو ظلم کرتا ہے اس کا انکار بھی کرتے ہو۔

حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کا گھاٹیوں میں سجدہ ریزیاں کرنا ابن اسحاق کہتے ہیں۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان مکہ شرفہ کی گھاٹیوں کی طرف تشریف لے جاتے اور اپنی قوم سے چھپ کر نماز ادا فرما لیتے۔ حضرت سعد بن ابی

اسی طرح الصلوٰۃ بھی ”الصلوین“ سے مشتق ہے اس کا معنی بھی انعطاف اور مڑنا ہے صلویں ان دو رگوں کو کہتے ہیں جو پشت سے شروع ہو کر رانوں تک جاتی ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں صَلَّی عَلَیْہ۔ یعنی وہ اس کی سمت مڑا۔ پھر رحمت و شفقت کو ”صلوٰۃ“ سے تعبیر کرنے لگے۔ رحمت کو صلوٰۃ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس میں انتہائی مبالغہ مقصود ہو۔ جس طرح درود شریف ہے۔ صَلَّی اللہُ عَلَی مُحَمَّدًا۔ یہ رَحِمَ اللہُ مُحَمَّدًا فِی الْحَنُوِّ وَالْعَطْفِ (اللہ تعالیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے رحم فرمائے) سے زیادہ بلیغ اور رقیق ہے دراصل الصلوٰۃ کا تعلق محسوسات کے ساتھ ہے لیکن مبالغہ اور تاکید کا اظہار کرتے ہوئے اس سے یہ معنی مراد لیا جاتا ہے جس طرح کہ شاعر کہتا ہے۔

فَمَا ذِلْتُ فِي لَيْنِي لَهُ وَتَعْطِفِي عَلَيْهِ كَمَا تَحْنُو عَلَى الْوَلَدِ الْأُمِّ
میں ہمیشہ اس پر نرمی اور ملائمت کا اظہار کرتا رہا جس طرح ایک ماں اپنے لخت جگر پر رحمت و شفقت کرتی رہتی ہے۔

وقاص رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ معظمہ کی کسی گھاٹی میں مصروف نماز تھے۔ اچانک مشرکین کی ایک جماعت نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے صحابہ کرام کی اس ادائے بندگی پر عیب لگانے شروع کئے اور اسے عجیب سمجھنے لگے۔ حتیٰ کہ نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کے سر پر اونٹ کا جبر امارا جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔ یہ پہلا خون تھا جو مسلمانوں نے اللہ کی رضا کے لئے بہایا۔

آپ ﷺ کے محترم چچا کا تعاون

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ”جب تاجدارِ عرب و عجم ﷺ نے اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت

اسی سے اہل عرب کا قول ہے صَلَّيْتُ عَلَى النَّبِيِّ فِي اس کے لئے اس شخص کی سی دعا مانگی جو اس پر مہربانی اور شفقت کرتا ہو۔ اسی لئے الصلوٰۃ کا معنی ہمیشہ دعا کے لئے ہی مستعمل ہے یہ کہنا صَلَّيْتُ عَلَى الْعَدُوِّ (میں نے دشمن کے لئے بد دعا کی) درست نہیں کیونکہ اس میں شفقت، محبت اور رحمت کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس کا حقیقی معنی العطف ہے اسی لئے اسے علی سے متعدی کیا گیا ہے صَلَّيْتُ عَلَيْهِ کا معنی حَنَوْتُ عَلَيْهِ ہے دعا کے لئے صرف دَعَوْتُ لَهُ ہی استعمال ہوگا لیکن جب یہ لفظ دشمن کے لئے بد دعا اور شر کے لئے استعمال ہو تو پھر ”علی“ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ الصلوٰۃ اور دعا میں یہی فرق ہے لیکن اہل لغت ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ الصلوٰۃ مطلق دعا کے معنی میں ہے۔ وہ نہ تو اسے لام سے اور نہ ہی علی سے متعدی کرتے ہیں لیکن ان کو مقید کرنا ضروری ہے جس طرح کہ ہم نے ذکر کیا ہے کبھی ”الْحَدَبُ“ مخالفت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب یہ قَعَسُ (سینہ نکال کر اور پیٹھ دھنسا کر بیٹھنا) کے ساتھ متصل ہو۔ مثلاً شاعر کہتا ہے۔

إِذَا حَدَبُوا فَالْقَعَسَ وَإِنْ هُمْ تَقَاعَسُوا لِيَتَنَزَّعُوا مَا خَلَفَ ظَهْرَكَ فَاحْدَبْ
اگر وہ پیٹھ کے بل جھک جائیں تو تو سینہ نکال کر بیٹھ اور اگر وہ اس لئے سینہ نکالیں کہ اس چیز کو چھین لیں جو تیری پیٹھ کے پیچھے ہے تو پھر تو پشت کے بل جھک جا۔

وَلَنْ يَنْهِنَهُ قَوْمًا أَنْتَ مَخَالِفُهُمْ كَمَثَلِ وَقَبِكَ جُهَالًا بِجُهَالٍ
فَالْقَعَسُ إِذَا حَدَبُوا وَاحْدَبْ إِذَا قَجَسُوا وَوَادِنْ الشَّرُّ مِنْقَالًا بِمِنْقَالٍ
اس قوم کو کوئی خوفزدہ نہیں کر سکتا جسے تو ڈرانے والا ہو یہ اسی طرح ہے جس طرح تو جاہل کے ساتھ جاہل کو ذلیل کرتا ہے جب وہ پیٹھ کے بل جھک جائیں تو تو سینہ تان لے اور جب وہ سینہ تان لیں تو تو پیٹھ کے بل جھک جا۔ اور شر کا وزن مثقال کے بدلے مثقال کے ساتھ کر۔

دی اور اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق اعلانیہ تبلیغ فرمائی تو آپ ﷺ کی قوم نے نہ تو اسے عجیب سمجھا اور نہ ہی اس پیام حق کی عیب جوئی کی لیکن جب آپ ﷺ نے ان کے معبودانِ باطلہ کی تردید فرمائی اور ان کے عیوب بیان فرمائے تو انہیں یہ بات انتہائی ناگوار لگی۔ ان لوگوں کو چھوڑ کر جنہوں نے نورِ اسلام سے اجالا پالیا تھا باقی تمام لوگ آپ ﷺ سے عداوت و بغض پر متفق ہو گئے۔ اس وقت مسلمان تعداد میں قلیل تھے اور خفیہ طور پر اپنی کوششوں کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان گھمبیر حالات میں آپ ﷺ کے محترم چچا خواجہ ابوطالب نے آپ ﷺ سے انتہائی شفقت کا اظہار کیا۔ اس طرح نبی محترم ﷺ دین اسلام کو وسعتیں عطا فرماتے رہے۔ کوئی امر بھی آپ ﷺ کو پیغام حق سنانے سے باز نہ رکھ سکا۔ جب قریش مکہ نے دیکھا کہ حضور ﷺ کو کوئی چیز بھی تبلیغ دین سے منحرف نہیں کر سکتی۔ آئے روز حضور ﷺ ان کے معبودانِ باطلہ کے عیوب بیان کر رہے ہیں ان کے باہمی افتراق و انتشار کا سبب بن رہے ہیں آپ ﷺ کے محترم چچا نے بھی آپ ﷺ کی حمایت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور وہ آپ ﷺ کی بھرپور تائید کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت ابوطالب کبھی بھی نبی اکرم ﷺ کو ان کے سپرد نہیں کریں گے تو قریش کے اشراف میں سے چند چیدہ لوگ جناب ابو طالب کی خدمت میں گئے ان میں سے ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فھر، (ابن ہشام کہتے ہیں ابو سفیان کا نام صخر تھا ابوالبختری، عاص بن ہشام بن حارث بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابوالبختری کا نام عاص بن ہاشم تھا)، اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، ابو جہل (اس کا نام

ابوالبختری

ابن اسحاق نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو حضرت ابوطالب کے پاس آئے تھے۔ ان میں ابوالبختری بن ہشام بھی تھا۔ ابن اسحاق کے نزدیک اس کا نام عاصی بن ہشام تھا جب کہ ابن ہشام کے نزدیک اس کا نام عاص بن ہاشم تھا۔ ابن اسحاق کا قول ابن کلبی کے قول سے موافقت کرتا ہے جبکہ ابن ہشام کا قول زبیر، ابن ابی بکر اور مصعب کے قول سے مطابقت رکھتا ہے۔ میں نے شیخ ابو بکر کی کتاب کے حاشیہ میں پڑھا ہے کہ اس کا نام سفیان بن عاصی تھا۔

عمر و اور کنیت ابوالحکم تھی)، ابن ہشام بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بن یقطہ بن مرہ بن کعب بن لوی، حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی کے دو بیٹے نبیہ اور منبہ اور عاص بن وائل شامل تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ان کے ہمراہ کچھ اور بھی لوگ تھے وہ حضرت ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

”اے ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو گالیاں دیتا ہے، ہمارے دین کے عیب نکالتا ہے، وہ ہمیں نادان اور کم عقل کہتا ہے حتیٰ کہ وہ ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے یا تو اسے منع کریں کہ وہ ایسے کاموں سے رک جائے یا پھر ہمارے درمیان سے ہٹ جائیں۔ تمہارا بھی وہی دین ہے جو ہمارا ہے ہم اسے تمہاری طرف سے بھی کافی ہو جائیں گے۔“

حضرت ابوطالب نے ان کے ساتھ انتہائی نرمی سے گفتگو کی اور خوبصورت انداز سے ٹال کر انہیں واپس بھیج دیا۔ حضور اکرم ﷺ انتہائی جانفشانی سے اپنی مصروفیات میں مشغول رہے آپ ﷺ دین الہی کا اظہار فرماتے رہے۔ لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ اور مشرکین کے مابین حالات دوبارہ کشیدگی اختیار کر گئے۔ اسی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے ان کے سینے بغض و عناد سے بھر گئے۔ قریش مکہ اکثر نبی اکرم ﷺ کا تذکرہ کرتے رہتے۔ وہ لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف برا بیچتے کرتے۔ انہیں حضور ﷺ کی مخالفت پر اکساتے۔ مذکورہ بالا وفد دوبارہ حضرت ابوطالب کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا۔

”اے ابوطالب! آپ ہم میں سے عمر، قدر و شرف اور رتبہ میں بڑے ہیں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی عرض کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی تبلیغ سے روکیں۔ قسم بخدا! ہم صبر نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباء کو دشنام طرازی کی جائے، ہمیں نادان و بے وقوف کہا جائے، ہمارے معبودوں کے عیب نکالے جائیں، یا تو آپ اسے روکیں یا پھر ہم اس سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ دوسری صورت میں آپ کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ دونوں گروہوں میں سے ایک نیست و نابود ہو جائے“ ایسی نازیبا باتیں کر کے وہ لوٹ گئے۔ حضرت ابوطالب پر اپنی قوم کی یہ عداوت اور فراق بڑا دشوار گزرا۔ آپ نہ ہی حضور ﷺ کو قریش مکہ کے حوالے کر سکتے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کو یوں چھوڑنا نہیں پسند تھا۔

نبی محترم ﷺ کے لئے حضرت ابوطالب کی اعانت

ابن اسحاق فرماتے ہیں۔ مجھے یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ بن الاخنس نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان سے بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابوطالب نے وفد قریش کی یہ پریشان کن گفتگو سنی تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو بلا بھیجا۔ جب آپ ﷺ تشریف لے آئے تو حضرت ابوطالب یوں عرض گزار ہوئے۔

”اے میرے بھتیجے! ابھی ابھی آپ کی قوم میرے پاس آئی تھی انہوں نے اس طرح تکلیف دہ گفتگو کی ہے۔ آپ مجھ پر بھی رحم کریں اپنی ذات پر بھی ترس کریں۔ مجھ پر وہ بارگراں نہ ڈالیں جس کو اٹھانے کی مجھ میں سکت نہیں“ حضرت ابوطالب کی یہ گفتگو سن کر حضور ﷺ کو اپنے عم محترم کے متعلق یہ گمان ہوا کہ شاید وہ انہیں چھوڑ دیں گے، انہیں دشمن کے حوالے کر دیں گے اور وہ آپ ﷺ کی نصرت و اعانت سے معذرت کا اظہار کریں گے۔ پھر پیکر جرأت و استقامت ﷺ نے فرمایا۔

يَا عَمِّ وَاللَّهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يُظْهِرَ اللَّهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ۔

اے عم محترم! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں، چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تاکہ میں تبلیغ دین سے دست کش ہو جاؤں تو میں پھر بھی اسے نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ یا تو

لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي

ابن اسحاق نے تاجدار نبوت ﷺ کا یہ فرمان مبارک ذکر کیا ہے اس میں آپ ﷺ نے سورج کو اپنے دائیں دست اقدس کے ساتھ مختص فرمایا ہے کیونکہ یہ ایک روشن نشانی ہے جبکہ چاند کو بائیں ہاتھ سے مختص کیا ہے کیونکہ وہ ایک ایسی علامت ہے جس میں داغ ہیں۔

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ ”میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج اور چاند ہمیشہ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں سے ہر ایک کے ہمراہ کچھ ستارے بھی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا اس جنگ میں تو کس کے ہمراہ تھا اس نے کہا میں چاند کے ساتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تو داغدار نشانی کے ساتھ تھا۔ تو یہاں سے چلا جا اور آئندہ میرے لئے کوئی کام سر انجام نہ دینا۔ یہ شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مثل تھا آپ نے اسے معزول کر دیا۔ جنگ نہ ہونے

اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ دے دے یا میں اس کی راہ میں شہادت سے سرخرو ہو جاؤں۔“ پھر نبی اکرم ﷺ گریہ بار ہو گئے چشمانِ مقدس سے آنسو کی جھڑی لگ گئی اور اٹھ کر جانے لگے۔ ابھی جانے کا قصد فرمایا ہی تھا کہ حضرت ابوطالب نے کہا ”اے میرے بھتیجے! میرے پاس تشریف لائیں۔“ حضور ﷺ اپنے محترم چچا کے قریب تر ہو گئے انہوں نے عرض کی ”اے میرے بھتیجے! آپ ﷺ جیسے پسند کریں تبلیغ کریں۔ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی آپ کو کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب کفارِ قریش کو یقین ہو گیا کہ ابوطالب نہ تو حضور ﷺ کو چھوڑیں گے اور نہ ہی آپ ﷺ کو ان کے سپرد کریں گے تو وہ عمار بن ولید بن مغیرہ کو حضرت ابوطالب کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ان سے یہ درخواست کی ”اے ابوطالب! یہ عمار بن ولید ہے یہ قریش کے تمام جوانوں سے زیادہ قوی اور صاحبِ جمال ہے اسے اپنا بیٹا بنالیں یہ تمہارا مددگار اور معاون ہوگا۔ اور اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اسی نے ہی تمہارے اور تمہارے آباء کے دین کی مخالفت کی ہے۔ اسی نے ہی تمہاری قوم میں تفرقہ ڈالا ہے اور اسے عقل و دانش سے عاری کہا ہے ہم اسے قتل کر دیں گے (نعوذ باللہ منہ) اس طرح آدمی کے بدلے آدمی تمہیں مل جائے گا۔“ قریش مکہ کی یہ ہرزہ سرائی سن کر حضرت ابوطالب نے فرمایا ”تم میرے ساتھ کتنا برا سودا کر رہے ہو تم مجھے اپنا بیٹا دے رہے ہو کہ میں اسے تمہارے لئے پروان چڑھاؤں اور اپنا نورِ نظر تمہیں اس لئے دے دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ قسم بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

معظم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی نے کہا ”اے ابوطالب! اللہ کی قسم! تمہاری

یہی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے لڑا اور قتل ہوا اس کا نام حابس بن سعد تھا۔ حضور ﷺ نے ضربِ الشل بیان فرماتے وقت سورج اور چاند کو مخصوص فرمایا ہے کیونکہ ان کا نور محسوس ہوتا ہے اور وہ نور جو بارگاہِ ربوبیت سے آپ ﷺ کے پاس آیا تھا قریش مکہ کی خواہش تھی کہ آپ ﷺ اسے ترک فرمادیں یقیناً وہ نور مخلوق سے افضل و اشرف تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ۔ جب قریش مکہ نے چاہا کہ آپ ﷺ نورِ اعلیٰ کو چھوڑ دیں تو بلاغتِ نبویہ کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ نورِ ادنیٰ اس کے بالمقابل ذکر کریں اور نورین میں سے اعلیٰ کے ساتھ اختصاص فرمائیں اور وہ مبارک نشانی ہے جسے آپ نے دایاں کے ساتھ مخصوص فرمایا اس کی بلاغت اور حکمت اہل دانش پر مخفی نہیں۔

قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے اور تمہیں اس امر سے نجات دلانے کی بھرپور کوشش کی ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ قریش کی کسی بات کو تم قبول نہیں کرو گے۔ جناب ابوطالب نے مطعم سے کہا ”اللہ کی قسم! انہوں نے مجھ سے انصاف نہیں کیا۔ لیکن تو نے فیصلہ کر

البداء

ابن اسحاق نے لکھا ہے اَنْ قَدْ بَدَا لِعَبِّہ..... بدأ کا معنی ظاہر ہونا ہے رائے کو بھی بدأ کہتے ہیں کیونکہ پہلے یہ بھی مخفی ہوتی ہے۔ بعد میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ البداء اور البدو مصدر ہیں جبکہ بدأ اسم ہے مصدر کے متعلق یوں نہیں کہا جاسکتا بَدَا لَهُ بُدُوٌ جس طرح کہ یہ کہنا مناسب نہیں ظَهَرَ لَهُ ظُهُورٌ۔ کیونکہ جو یہاں ظاہر اور عیاں ہو رہا ہے وہ اسم بدأ وغیرہ ہے۔ ابوعلی کا شعر ہے۔

لَعَلَّكَ وَالْمَوْعُودُ حَقٌّ وَفَانُهُ بَدَا لَكَ فِي تِلْكَ الْقُلُوصِ بَدَا
شاید تم اور وہ وعدہ جس کا پورا ہونا یقینی ہو چکا ہے۔ تمہارے لئے ان جوان اونٹوں میں (حصہ) واضح ہو چکا ہے۔

کیونکہ البدو کا معنی ”الظہور“ ہے اس لئے البداء کے ساتھ ذات باری تعالیٰ کا وصف بیان کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس ذات کریمانہ کے لئے کوئی چیز پردہ اخفاء میں نہیں جس کا ظہور ہو حکم کے نسخ کا تعلق بدأ کے ساتھ نہیں جس طرح کہ بعض جہلاء نے وہم کیا ہے بلکہ اس سے مراد اس حکم کو تبدیل کرنا ہے جس کو ذات باری تعالیٰ نے اپنے اندازے کے مطابق اور اپنے علم کے اعتبار سے مقرر فرمایا ہو۔ اگر بداء کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا بھی جائے تو اس کا معنی ارادہ ہوگا۔ یہ وہ مجاز ہے جس کے اطلاق کی کوئی راہ نہیں مگر جبکہ صاحب شرع ﷺ کا اذن ہو۔ ہمارے اس نقطہ نظر کی دلیل وہ حدیث مبارک بھی ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے اندھے، گنجه اور برص والے کے متعلق فرمایا بَدَا اللّٰهُ اَنْ يَّبْتَلِيَهُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں آزمائے۔ اس حدیث شریف میں بدأ، اَرَادَ کے معنی میں ہے۔ بعض رافضی اور یہودی بدأ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ مثلاً رافضیوں میں سے ابن اعین اور اس کے پیروکار بدأ کو اللہ رب العزت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اسے اور نسخ کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ بعض یہودی بھی نسخ کو بدأ نہیں سمجھتے اور بعض اسے رافضیوں کی طرح بدأ کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ روایت کیا جاتا ہے کہ شیر خدا مشکل کشا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن نماز ادا فرمائی پھر تبسم فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے تبسم کناں ہونے

لیا ہے کہ تو مجھے ضرور ذلیل و رسوا کرے گا اور میرے خلاف میری قوم کی مدد کرے گا جو تیری منشأ ہو وہ کر۔“

پھر معاملہ سنگین ہو گیا۔ قوم کے اختلافات فزوں تر ہو گئے۔ جاہلیت کی حمیت کام دکھانے لگی۔ لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ اس وقت خواجہ ابوطالب نے مطعم بن عدی، بنو عبد مناف اور دیگر قبائل قریش کو مخاطب کر کے یہ اشعار کہے۔ ان اشعار میں انہوں نے قریش کے اس مطالبہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

کاسبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مجھے ابوطالب یاد آرہے ہیں۔ جب نماز فرض ہوئی انہوں نے مجھے دیکھا کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک کھجور کے نیچے نماز ادا کر رہا ہوں انہوں نے کہا ”یہ کیا فعل ہے جو میں دیکھ رہا ہوں“۔ جب ہم نے انہیں بتایا تو انہوں نے کہا یہ کام تو عمدہ ہے لیکن میں اسے ہرگز انجام نہ دوں گا۔ میں پسند نہیں کرتا کہ میری پشت مجھ سے بلند تر ہو جائے۔ اَنَهْدُ۔ قریش مکہ نے جناب ابوطالب کو عمارہ بن ولید کی پیشکش کرتے ہوئے کہا تَاهُذًا اَنَهْدُ فَتَىٰ فِی قُرَیْشٍ۔ انہد کا معنی سب سے قوی اور طاقتور ہے وہ گھوڑا جو سب سے آگے رہے اسے فَرَسٌ نَهْدٌ کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی التَّقَدُّمُ ہے اسی سے ہے نَهْدٌ قَذٰی الْجَارِیَةِ۔ عمارہ بن ولید وہی شخص تھا جسے قریش نے عمرو بن عاص کے ساتھ حبشہ بھیجا تھا وہاں اس پر جادو ہو گیا اور یہ مجنوں ہو گیا ان شاء اللہ اس کا تفصیلی تذکرہ عنقریب آ رہا ہے۔

بعض سیرت نگار لکھتے ہیں جب قریش مکہ نے حضرت ابوطالب سے کہا کہ محمد عربی ﷺ کے بدلے عمارہ کو لے لیں تو انہوں نے فرمایا۔ ”کیا تم نے کسی اونٹنی کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بچے کے علاوہ کسی اور پر شفقت اور مہربانی کرتی ہو۔ میں اپنا تخت جگر اس لئے تمہیں دوں کہ تم اسے قتل کر دو اور تم سے تمہارے بیٹے کو اس لئے لے لوں تاکہ اس کی کفالت و نگہداشت کروں اور اسے روٹیاں کھلاتا رہوں“۔ ابن اسحاق کی روایت کا بھی تقریباً یہی معنی ہے۔

فَحَقِیْبَ الْاَمْرِ۔ معاملہ شدید ہو گیا یہ حَقِیْبَ الْبَعِیْرِ سے مشتق ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹ کی بھرپور کوشش اور جدوجہد سے اس کا تنگ گر جائے اور جب اس پہ تنگ (رسی) اتنا شدت سے باندھا گیا ہو کہ اس کا پیشاب کرنا بھی مشکل ہو تو کہا جاتا ہے حَقِیْبَ الْبَعِیْرِ پھر یہ لفظ اس معاملہ کے لئے استعمال ہونے لگا جو انتہائی مشکل اور گراں ہو۔ شَرِی الْاَمْرِ کا معنی ہے شر کا پھیل جانا۔ الشری بھی اسی سے مشتق ہے۔ وہ پھوڑے جو جسم پر پھیل جاتے ہیں اسی سے ہے شَرِی جِلْدُ الرَّجُلِ۔

حضرت ابوطالب کے اشعار

أَلَا قُلْ لِعَمْرٍو وَالْوَلِيدِ وَ مُطْعَمٍ أَلَا لَيْتَ حَظِّي مِنْ حَيَاطَتِكُمْ بَكْرُ
ارے! تم عمرو، ولید اور مطعم سے کہہ دو کہ کاش مجھے تمہارے اعتماد پر ایک جوان اونٹ مل جاتا۔

مِنَ الْخُورِ حَبَابٌ كَثِيرٌ رُغَاوَةٌ يُرِشُ عَلَى السَّاقَيْنِ مِنْ بَوْلِهِ قَطْرُ
نا توانی نے اسے کوتاہ قد بنا دیا ہو، وہ بہت زیادہ بلبلاتا ہو اور پیشاب کے قطرات اس کی پنڈلی پر ٹپک رہے ہوں۔

تَخَلَّفَ خَلْفَ الْوَرْدِ لَيْسَ بِلَا حَقٍّ إِذَا مَا عَلَا الْفَيْفَاءُ قِيلَ لَهُ- وَبُرُ
ایک اس کی صفت یہ بھی ہو کہ وہ پانی پینے والے اونٹوں سے ہمیشہ پیچھے ہی رہے ان سے کبھی بھی مل نہ پائے اور اسے و بر (بلی) کہا جائے۔

أَدَى أَخَوَيْنَا مِنْ أَبِينَا وَأَمِنَّا إِذَا سُنِلَا قَالَا إِلَى غَيْرِنَا الْأَمْرُ
میں اپنے ان دو بھائیوں کو دیکھتا ہوں جو ہمارے باپ اور ماں کی طرف سے ہیں جب ان سے اس معاملہ کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں یہ کام ہمارے دائرہ اختیار میں نہیں۔ کسی اور کے اختیار میں ہے۔

حضرت ابوطالب کے اشعار کی وضاحت

أَلَا لَيْتَ حَظِّي- الخ۔ جوان اونٹ میرے لئے تم سے زیادہ نفع بخش ہوتا۔ جس طرح کہ طرفہ نے عمرو بن ہند کے متعلق کہا ہے۔

فَلَيْتَ لَنَا مَكَانَ الْمَلِكِ عَمْرٍو رُغَاوَةٌ حَوْلَ قَبِينَا تَخُورُ
کاش بادشاہ عمرو کا مکان ہمارے لئے دودھ دینے والا ہوتا جو ہمارے خیمے کے ارد گرد آوازیں نکالتا رہتا۔ الْخُور کا معنی انتہائی کمزور الْخَبْخَابُ کا معنی چھوٹا ہے شیخ ابو بحر کی کتاب کے حاشیہ میں جناب ہے انہوں نے اس کا معنی بہت زیادہ گرنا کیا ہے إِذَا مَا عَلَا الْفَيْفَاءُ قِيلَ لَهُ- وَبُرُ۔ اس کے چھوٹے پن کی وجہ سے اسے بلی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مکان کی بلندی اور بعد کی وجہ سے آنکھ کو چھوٹا دکھائی دیتا ہو۔ اگر اہل عرب کا قول "الْفَيْفُ" نہ ہوتا تو پھر الفیفاء کو الْقَضْقَاض اور الْجَرَجَارُ کے باب سے کرنا بہتر ہوتا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دونوں الف زائدہ

بَلَىٰ لَّهُمَا أَمْرٌ وَلَكِنْ تَجَرَّجُنَا كَمَا جَرَجْتَ مِنْ رَّاسِ ذِي عُلْقٍ صَخْرٌ
بلکہ یہ کام تو ان کے دائرہ اختیار میں ہے لیکن وہ اس طرح گرے ہیں جس طرح کوہ ذی
علق سے پتھر لڑھکتا ہے۔

أَخْصُ خُصُوصًا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا هُمَا نَبَذَانَا مِثْلَ مَا يُنْبَذُ الْجَحْرُ
میں عبد شمس اور نوفل سے خصوصاً شکوہ کناں ہوں انہوں نے ہمیں اس طرح علیحدہ کر دیا ہے
جس طرح انگارہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

هُمَا أَغْمَرَا لِلْقَوْمِ فِي أَخْوِيهِمَا فَقَدْ أَصْبَحَا مِنْهُمْ أَكْفُهُمَا صِفْرٌ
انہوں نے اپنے بھائیوں کو سرعام رسوا کیا لیکن اب ان کی کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ ان کی
ہتھیلیاں خالی ہو چکی ہیں یعنی وہ اپنے قبیلے میں تنہا اور یکتا ہو گئے ہیں۔

وَتَيْمٌ وَ مَخْزُومٌ وَ ذَهْرَةُ مِنْهُمْ وَ كَانُوا لَنَا مَوْلَىٰ إِذَا بَغَى النَّصْرُ
بنو تیم، بنو مخزوم اور بنو زہرہ نے بھی اپنا تعلق انہی کے ساتھ قائم کر لیا ہے حالانکہ جب مدد کی
پکار دی گئی تو اس وقت وہ ہمارے حلیف تھے۔

فَوَ اللَّهِ لَا تَنْفَكُ مِنَّا عَدَاوَةٌ لَا مِنْهُمْ مَا كَانَ مِنْ نَسْلِنَا شَفْرٌ
جب تک ہماری نسل میں سے کوئی ایک باشندہ بھی رہے گا قسم بخدا! ہماری عداوت برقرار
رہے گی۔

فَقَدْ سَفَهَتْ أَحْلَامُهُمْ وَ عَقُولُهُمْ وَ كَانُوا كَجَفْرِ بِنَسٍّ مَا صَنَعَتْ جَفْرٌ
ان کی عقل و دانش بوسیدہ ہو گئی ہے۔ وہ جفر کی مانند ہو گئے ہیں اور جفر کے کرتوت کتنے

ہیں۔ اور یہ قلق اور سلس کے باب سے ہیں جس کے ف کلمہ کو دوبارہ لکھا گیا ہے نہ کہ عین کلمہ کو۔ ایسے
الفاظ بہت کم ہیں مثلاً قلق۔ سلس۔ ثلث اور سدس۔ ہم نے ایسے کلمات کو جمع کیا ہے ہم انہیں کسی اور
جگہ ذکر کریں گے۔ فیفاء کا الف الحاق کے لئے نہیں ہے کہ یہ غیر منصرف ہو کیونکہ فَعْلَالٌ کے وزن پر
کوئی کلمہ نہیں اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ یہ تضقاض اور اس کے باب سے ملحق ہو تو ہم کہیں گے کہ
تضقاض ثنائی مضاعف ہے اس کے ساتھ ثلاثی کو ملحق نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح کہ ثلاثی کے ساتھ
رباعی کو ملحق نہیں کیا جاسکتا۔ اکبر کو اقل سے ملحق نہیں کیا جاسکتا۔ اسے فیفاء بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس
کا الف تانیف کے لئے نہیں کیونکہ اسے تانیف کی دو علامتوں کے مابین جمع نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت
بیارطاة وغیرہ کے باب سے ہوگا گویا اسے ایک جیسیم خاتون سے ملحق کیا گیا ہے۔

برے ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں اس قصیدے میں سے ہم نے وہ دو اشعار حذف کر دیئے ہیں جن میں قدرے بے حیائی تھی۔

مسلمانوں کو ایذا رسانی

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر قریش نے ان قبائل کو ابھارا۔ جن میں نبی محترم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ جنہوں نے آپ ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ ہر قبیلہ ان مسلمانوں پر جھپٹ پڑا جو اس میں موجود تھے۔ وہ انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور انہیں دین برحق چھوڑنے پر مجبور کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ حضرت ابوطالب نے بھی حضور ﷺ کے تحفظ میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جب ابوطالب نے قریش کے کرتوت دیکھے تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا انہیں نبی اکرم ﷺ کے تحفظ کی ترغیب دی۔ اور آپ ﷺ کی نصرت و اعانت پر ابھارا۔ ان دونوں قبائل نے ان کی صدا پر لبیک کہا وہ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ کی بھرپور تائید کرنے لگے، لیکن اللہ کا دشمن ابولہب ملعون پھر بھی علیحدہ ہی رہا اس نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا ساتھ نہ دیا۔

حضرت ابوطالب کے اشعار

جب حضرت ابوطالب نے اپنی قوم کی اس جدوجہد کا مشاہدہ کیا جو انہوں نے نبی محترم

ذی علق۔ علق کو غیر منصرف نہیں بنایا گیا یا تو اسے جگہ کا نام بنادیا گیا ہے یا اس لئے کہ یہ علم ہے اور اسم علم کو منصرف پڑھنا اشعار میں عام ہے خواہ وہ نہ ہی مونث ہو اور نہ عجمی ہو۔ حضرت عاس بن مرداس رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ يَفُوقَانِ مِرْدَاسَ فِي الْمَجْمَعِ
کوئی قلعہ یا کوئی گھوڑا جمع میں مرداس سے فائق نہیں ہو سکتے تھے۔
دوسرے شاعر کا قول ہے۔

يَا مَنْ جَفَانِي وَمَلَأَ نَسِيَّتَ أَهْلًا وَسَهْلًا وَمَاتَ مَرَحِبُ لَنَا دَانِيَّتَ مَالِي قَلًا
اے وہ شخص جس نے مجھ پر جفا کی ہے اور جو اکتا گیا ہے اور جو اپنے اہل اور نرم زمین کو

ﷺ کے لئے کی تھی۔ ان کی اس محبت و عقیدت کا نظارہ کیا جو وہ نبی اکرم ﷺ سے کر رہے تھے تو انہوں نے اپنی قوم کی تعریف کی۔ انہیں ان کی ماضی کی شاندار روایات یاد کرائیں۔ محبوب مکرم ﷺ کی عظمت و شرافت کو عیاں کیا۔ آپ ﷺ کے مقام کی رفعتوں کو آشکارا کیا تا کہ یہ قابلِ آپ ﷺ کے تحفظ کی سر توڑ کوشش کریں اور حضور ﷺ پر اپنی محبتیں اور عقیدتیں نچھاور کریں۔ اس وقت انہوں نے یہ اشعار کہے۔

إِذَا اجْتَمَعَتْ يَوْمًا قُرَيْشٌ لِّمَفْخَرٍ فَعَبْدٌ مُّنَافٍ سِرَّهَا وَ صَبِيئُهَا
جب بھی قریش کسی قابلِ فخر کارنامے کے لئے جمع ہوئے تو عبد مناف ان کے لئے دل اور روح رواں ثابت ہوئے۔

فَإِنْ حُصِّلَتْ أَشْرَافُ عِبْدِ مُنَافِيهَا فَفِي هَاشِمٍ أَشْرَافُهَا وَقَدِيئُهَا
جب بنو عبد مناف میں سے بہترین لوگوں کو شمار کیا جائے تو ہاشم کے لوگ ہی بہترین اور عمدہ ہوں گے۔

وَأَنْ فَخَرَتْ يَوْمًا وَإِنْ مُحَمَّدًا هُوَ الْمُصْطَفَى مِنْ سِرِّهَا وَكَرِيئُهَا
جب کبھی انہوں نے کسی پر فخر کیا تو بلاشبہ محمد عربی ہی وہ ہستی ہوں گے جو ان کے عمدہ اور کریم لوگوں میں سے برگزیدہ ہوں گے۔

تَدَاعَتْ قُرَيْشٌ غَنًّا وَ سَبِيئُهَا عَلَيْنَا فَلَمْ تَظْفَرْ وَ طَاشَتْ حُلُومُهَا
قریش نے ہمارے خلاف اپنے ہر اچھے، برے آدمی کو صدادی لیکن کامیابی ان کے مقدر میں نہ ہوئی جس کی وجہ سے ان کی عقلیں زائل ہو گئیں۔

بھول چکا ہے جب تو نے دیکھا کہ میرا مال قلیل ہے تو مرحب مرچکا تھا۔
اس شعر میں مرحب کو غیر منصرف نہیں بنایا گیا اس کتاب میں ایسی نئی مثالیں آئیں گی اور وہاں اس کی شرح کر دی جائے گی۔ اگر دینی غلقِ الصخرِ تنوین کو حذف کر کے پڑھا جائے تا کہ دوسرا کن جمع نہ ہوں تو یہ بہت عمدہ ہے جس طرح یہ آیت پڑھی گئی ہے۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ ”(اے حبیب) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے،
أَحَدٌ میں تنوین کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ ابن ابی عمرو بن العلاء کی روایت ہے شاعر کہتا ہے۔
حَمِيدُ الَّذِي أَمَّجَ دَارَهُ وَلَا ذَاكِرُ اللَّهِ إِلَّا قَلِيلًا۔

وہ حمید جس کی وجہ سے اس کے گھر کو استحکام نصیب ہوا وہ اللہ کا قلیل ہی ذکر کرنے والا ہے۔

وَ كُنَّا قَدِيمًا لَا نُقِرُّ ظِلَامَةً إِذَا مَا تَوَّأ صَعَرَ الْخُدُودُ نُقِيبُهَا
ہماری پرانی عادت یہ ہے کہ ہم ظلم کو باقی نہیں رہنے دیتے۔ جب لوگ تکبر کی وجہ سے رخسار
نیڑھے کرتے ہیں تو ہم انہیں سیدھا کر لیتے ہیں۔

وَ نَحْيِي حِمَاَهَا كُلَّ يَوْمٍ كَرِيهَةٍ وَ نَضْرِبُ عَنْ أَحْجَارِهَا مَنْ يَرُومُهَا
ہر مشکل وقت میں ہم اپنی قوم کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے قلعوں اور پناہ گاہوں کی
حفاظت کرتے ہیں۔

بِنَا اِنْتَعَشَ الْعُودُ الدَّوَاءُ وَ اِنَّمَا بَاكُنَا فِنَا تَنْدَى وَ تَنْبِي اَرُومَهَا
ہماری وجہ سے سوکھی لکڑیاں سبز و شاداب ہو گئیں ہمارے پہلوؤں میں ان کی جڑیں عمیق
ہوتی ہیں اور تراوت حاصل کرتی ہیں۔

ولید بن مغیرہ کا قرآن کے بارے میں موقف

قریش مکہ ولید بن مغیرہ کے پاس گئے۔ وہ ان سب سے عمر رسیدہ تھا اس نے قریش مکہ سے کہا
اے گروہ قریش! حج کی ادائیگی کا زمانہ قریب آچکا ہے عنقریب عرب کے وفود تمہارے پاس آنے
لگیں گے۔ وہ تمہارے اس صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پہلے ہی سن چکے ہیں۔ تم سب ان کے

حضرت ابوطالب کا شعر اِذَا جُمِعَتْ يَوْمَ الدِّارِ فِي سِرِّهَا كَمَعْنَى وَسَطُهَا (اس کا وسط ہے)
سِرُّ الْوَادِي سے مراد وادی کا درمیان ہے۔ ”وَسَطُ“ کے متعلق پہلے کافی تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ
صرف شہادت اور نسب میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ نَضْرِبُ عَنْ أَحْجَارِهَا۔ ہم ان کے قلعوں اور پناہ
گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ایک روایت میں ”أَحْجَارِهَا“ بھی ہے یہ بحر کی جمع ہے اور استعارۃ
گھروں اور مسکنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

قرآن کے متعلق ولید کی رائے

ابن اسحاق نے ولید بن مغیرہ کا تفصیلاً تذکرہ کیا ہے۔ قریش مکہ نے اس سے کہا کہ ہم حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہیں گے تو اس نے کہا ”ان کے کلام میں شعروں جیسا ہزج اور رجز نہیں ہے۔ ہزج
شاعروں کے نزدیک شعر کی معروف قسم ہے۔ اس کے مادۂ اشتقاق کے متعلق میں آگاہ نہیں ہوں۔ ممکن
ہے یہ مکھی کے اوصاف میں سے ہو اور اس کا معنی مترنم ہو۔ ”الرَّجَزُ“؛ ممکن ہے کہ یہ دَجَزَاتُ الْحَصْلِ
سے مشتق ہو اس کا معنی پالان کو درست کرنا ہے۔ اس سے مراد اشعار کے حصوں کو درست کرنا ہے۔ یہ

متعلق ایک رائے پر اتفاق کرلو۔ آپس میں اختلافات نہ کرنا اس طرح تم ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگو۔ باہمی اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی خود ہی تردید کرنے لگو گے۔“

قریش مکہ نے ولید سے کہا ”اے ولید! تم ہی کسی رائے کا اظہار کرو جس پر ہم سب متفق ہو جائیں۔“ ولید نے کہا ”نہیں! تم اپنی اپنی رائے کا اظہار کرو میں سنتا ہوں۔“ قریش نے کہا ”ہم کہیں گے کہ یہ کاہن ہیں“ ولید نے کہا ”نہیں قسم بخدا! یہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کو خوب دیکھا ہے۔ ان میں کاہنوں جیسا نہ تو زمزمہ ہے اور نہ ہی سجعہ ہے۔“ قریش مکہ نے کہا ”ہم کہیں گے کہ یہ مجنوں ہیں۔“ ولید نے اس رائے سے بھی اختلاف کرتے ہوئے کہا ”نہیں وہ مجنوں بھی نہیں ہیں۔“ ہم سودا سے بھی خوب آشنا ہیں۔ نہ ان کی آواز سودائیوں جیسی ہے اور نہ ہی وہاں شیطانی وسوسہ کا عمل دخل ہے۔“ ولید کا یہ جواب سن کر قریش مکہ نے ایک اور رائے کا اظہار کیا کہ ہم کہیں گے کہ یہ شاعر ہیں۔ ولید نے کہا ”وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم شعروں کی تمام اقسام رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط سے آگاہ ہے یہ شاعر بھی نہیں ہیں۔“ قریش مکہ نے ولید کی یہ تردید سن کر کہا ”ہم کہیں گے کہ یہ جادوگر ہیں۔“ ولید نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں ہیں۔ ہم جادوگروں اور ان کی ساحری سے آشنا ہیں ان میں ان جیسی جھاڑ پھونک اور گرہیں باندھنا نہیں ہے۔“ عاجز آ کر قریش مکہ نے کہا ”اے ابو عبد شمس! اب تم ہی بتاؤ۔“ ولید نے کہا ”اللہ کی قسم! ان کے کلام

بھی ممکن ہے کہ یہ رَجَزِ النَّاقَةِ سے مشتق ہو۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹنی کھڑے ہوتے وقت کانپنے لگے۔ جس طرح کہ شاعر کا قول ہے: حَتَّى تَقُومَ تَكْلِفُ الزَّجْرَاءِ۔ تو پڑھنے والیوں کے تکلف کو برقرار رکھتا ہے۔ گویا کہ ایسے اشعار کو پڑھنے والا لرز نے لگتا ہے۔ زمزمہ: کمزوری آواز کو زمزمہ کہتے ہیں مثلاً وہ آواز جو گھوڑے پانی پیتے وقت نکالتے ہیں اسی طرح کہا جاتا ہے زَمَزَمَ الرُّعْدُ۔ بجلی کا آواز نکالنا۔ کاہنوں کی آواز بھی اسی طرح ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی کیفیت جانتا ہے گھوڑوں کی یہ آواز تو ان کی ناک سے آتی ہے۔ أَصْلُهُ لَعْدَقُ وَإِنْ فَرَعَهُ لَجَنَازَةٌ۔ یہ اس کھجور سے استعارہ ہے جس کی جڑیں مستحکم ہوں اور جس کی شاخیں سرسبز و شاداب ہوں عذق کھجور کو کہتے ہیں ابن ہشام کی روایت میں غرق ہے لیکن ابن اسحاق کی روایت زیادہ فصیح ہے کیونکہ یہ ایک مکمل استعارہ ہے جو کلام کے آخر کو اس کے اول سے تشبیہ دے رہا ہے۔ عذق کا معنی کثیر پانی ہے کہا غَيْدَقَ الرَّجُلُ۔ اس کا تھوک زیادہ ہو گیا۔ حضور ﷺ کے چچاؤں میں سے ایک کا نام غیداق تھا۔ یہ نام ان کی سخاوت کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔ گوہ کے بچے کو بھی غیداق کہتے ہیں۔ غیداق، حسل سے بڑا ہوتا ہے۔

میں مٹھاس ہے۔ اس کی جڑیں مستحکم اور اس کی شاخیں ثمر آور ہیں۔ قسم بخدا! ان نازیبا امور میں سے جس امر کو بھی ان کی طرف منسوب کرو گے اس کا جھوٹ عیاں ہو جائے گا۔ تم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یہ بتا سکتے ہو کہ یہ جادوگر ہیں۔ یہ ایسا جادو لے کر آئے ہیں جس سے یہ آدمی کو اس کے باپ سے، آدمی کو اس کے بھائی سے، آدمی کو اس کی بیوی اور اس کے قبیلے سے جدا کر دیتے ہیں۔“ قریش مکہ یہ رائے سن کر وہاں سے چلے گئے۔ جب حج کا زمانہ آیا تو وہ مختلف راستوں پر بیٹھ گئے۔ جو شخص بھی وہاں سے گزرتا وہ اسے نبی اکرم ﷺ سے ڈراتے اور اس سے آپ ﷺ کا تذکرہ کرتے۔

ولید کے متعلق آیاتِ قرآنیہ

اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

ذُرِّانِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۖ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۖ وَبَنِينَ شُهُودًا ۖ وَمَهْذُ لَهُ تَنْهِيدًا ۖ (المدرثر)
”آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے پیدا کیا ہے اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان۔“

لَمْ يَطْمَعْ أَنْ أَزِيدَ ۖ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِأَيَّتِنَا عَنِيدًا ۖ سَأَرْثِيهِ صَعُودًا ۖ إِنَّهُ فُكِّرَ وَقَدَّرَ ۖ لَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۖ لَمْ يَقْدِرْ ۖ لَمْ يَنْظُرْ ۖ لَمْ يَحَسَّ ۖ وَبَسَرَ ۖ لَمْ أَذْهَبْ وَاسْتَكْبَرَ ۖ

ذُرِّانِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا

ان آیات کا نزول ولید کے بارے میں ہوا ہے ان میں عظیم دھمکی اور شدید وعید ہے کیونکہ اس کا معنی ہے مجھے اور اسے چھوڑ دیں۔ عنقریب آپ دیکھ لیں گے کہ میں اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہوں۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قَدْ نَرَىٰ تَوَلَّىٰ وُجْهَكَ الْغَوِيَّةَ الَّتِي تُبْذَرُ ۚ هَٰذَا الَّذِي يَشِرُ (القلم: ۴۴) ”مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیں جو اس کلام کی تکذیب کرتا ہے“ یہ ایسا کلمہ ہے جو ناراض اس وقت کہتا ہے جب اس کا غصہ اور غضب شدت اختیار کر جاتا ہے اور وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی سفارش کی جائے وہ ناراض ہو رہا ہوتا ہے اس آیت کا معنی یہ ہے اے محمد مصطفیٰ ﷺ نہ تو آپ ﷺ کا استغفار کرنا اور نہ کسی دوسرے کا استغفار کرنا کافر کو فائدہ دے سکتا ہے۔ يَنْهِنَ شُهُودًا ایسے جو ان بیٹے جو اس کے ساتھ ہمیشہ رہتے ہیں انہیں سفر کرنے اور پردیس میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے پاس مال وافر تھا مال محدود سے مراد بارہ ہزار یا اس سے زائد دینار ہو سکتے ہیں۔ مَهْذُ لَهُ تَنْهِيدًا۔ میں نے اس کے لئے

فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۖ إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۖ (المدرثر) ”پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے، اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی، پھر دیکھا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔“

عَنْبِدَا کا معنی دشمن ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں عید کا معنی معاند اور مخالف ہے رُوْبَةُ بن عجاج کا قول ہے۔ وَنَحْنُ ضَرَابُونَ رَأْسِ الْعَنْدِ۔ ”ہم مخالفین کے سروں پر شمشیر زنی کرنے والے ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں ”بَسْر“ چہرے کی بد صورتی کو کہتے ہیں عجاج کا قول ہے۔

مُضَبَّرُ اللَّحْمِ بَسْرًا مِنْهَا وہ انتہائی بد صورت چہرے کا مالک ہے ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اللہ رب العزت نے اپنے رسول مکرم ﷺ پر ان لوگوں کے لئے کلام اتارا جو آپ ﷺ پر عیب جوئی کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

كَمَا أُنزِلْنَا عَلَى الْمُتَقْسِمِينَ ۚ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۖ قَوْمًا يَكُونُ لَكَ لَكْسُ لَتَمَّ أَجْمَعِينَ ۖ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ (النجم) ”جیسے اتارا ہم نے ان بانٹنے والوں پر جنہوں نے کر دیا تھا قرآن کو پارہ پارہ پس آپ کے رب کی قسم ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے۔“

ابن ہشام کہتے ہیں عِضِينَ کا واحد عِصَّةٌ ہے عِصْوَةٌ کا معنی ہے اسے جدا جدا کر دو رو بہ کہتا ہے۔ وَلَيْسَ دِينُ اللَّهِ بِالْمَعْصِي۔ دین الہی کو پارہ پارہ نہیں کیا جاسکتا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں ”پھر حج کرنے والے ہر اس شخص سے نبی محترم ﷺ کا تذکرہ کرتے

عذاب تیار کر رکھا ہے میں اسے آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جاؤں گا۔ سَأَرْهَقُهُ صَعُودًا۔ صعود جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی مسافت ستر سال ہے۔ کافر کو اس کے اوپر چڑھنے کا حکم ملے گا۔ جب وہ بڑی مشکل سے چوٹی تک پہنچے گا تو اسے وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا۔ وہ سانس بھی نہ لے سکے گا۔

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَرًا۔ اس پر لعنت ہو کہ اس نے کیسا اندازہ لگایا ہے۔ کیف یہاں حروف شرط میں سے ہے کہا گیا ہے کہ یہ قتل کے معنی میں ہے یعنی وہ اس قابل ہے کہ اس پر قتل کا دعویٰ کیا جائے۔

جس سے وہ ملتے ہر جا حضور ﷺ کا چہ چاہونے لگا۔ تمام عرب میں حضور ﷺ کا ذکر پھیل گیا۔

حضرت ابوطالب اپنے اور اپنے محترم بھتیجے ﷺ کے نسب پر فخر کنناں ہیں جب حضرت ابوطالب کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں عرب کی عوام آپ کے اور آپ کی قوم کے پیچھے نہ پڑ جائے تو انہوں نے اس وقت وہ مشہور و معروف قصیدہ کہا جس میں انہوں نے حرم مکہ سے پناہ لی۔ اس میں اس رتبہ کا ذکر کیا جو آپ کو وہاں حاصل تھا۔ آپ نے اپنی قوم کے عظیم لوگوں سے اظہارِ محبت کیا۔ انہیں اور دیگر لوگوں کو بتا دیا کہ وہ کبھی بھی نہ تو رسولِ مکرم ﷺ کو کسی کے سپرد کریں گے اور نہ ہی کسی لالچ میں آکر انہیں چھوڑیں گے۔ حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ کا تحفظ کرتے کرتے مر جائیں گے۔

انہوں نے اپنے اشعار میں کہا۔

وَلَمَّا رَأَيْتُ الْقَوْمَ لَا وَدَّ فِيهِمْ وَ قَدْ تَقَطَّعُوا كُلَّ الْعُرَى وَالْوَسَائِلِ
جب میں نے دیکھا کہ قوم کی باہمی محبت والفت ختم ہو گئی ہے اور انہوں نے ہر رشتہ، ناٹھ توڑ لیا ہے۔

ابن ہشام نے بسر کا معنی لکھا ہے اس کا معنی قہر بھی ہے اور اس کا معنی اونٹنی پر اونٹ کا وقت سے قبل ہی جفتی کے لئے چڑھنا بھی ہے۔ عِصْمِین، عِصْمَةُ سے مشتق ہے اس کا معنی تفریق ڈالنا ہے۔ حدیث میں ہے۔ لَا تَعْصِمُهُ فِي مِيرَاثٍ إِلَّا مَا احْتَمَلَهُ الْقَسَمُ۔

میراث میں صرف اسی چیز کی تقسیم ہوگی جو تقسیم ہونے کا احتمال رکھتی ہو۔ اس حدیث کا معنی ابن قاسم کے مذہب کے موافق ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تقسیم کے بعد نفع رساں نہ رہے یا تقسیم کرنے سے شریکین کو نقصان برداشت کرنا پڑے اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا لیکن حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی رائے اس کے برعکس ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل پکڑتے ہیں۔

وَمَا قُلٌ مِنْهُ اَوْ كَثُرُ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا (النساء: ۷) اس ترکے سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عِصْمِین، عِصْمَةُ کی جمع ہے اور اس کا معنی جادو ہے بطور دلیل یہ شعر پڑھا جاتا ہے۔

اَعُوْذُ بِرَبِّيْ مِنَ النَّافِثَاتِ فِي الْعَقْدِ الْعَاضَةِ الْمُعْصَةِ

میں اپنے رب سے ان عورتوں سے پناہ مانگتا ہوں جو جادو کی ہوئی گرہوں پر پھونکیں مارنے والی

ہیں۔

وَقَدْ صَارَ حُؤْنَا بِالْعَدَاوَةِ وَالْآذَى وَ قَدْ طَاوَعُوا أَمْرًا الْعُدُوِّ الْمَزَايِلِ
انہوں نے ہم سے عداوت اور دشمنی کی اور علیحدہ ہو جانے والے دشمن کا حکم بجالائے۔

وَقَدْ خَالَفُوا قَوْمًا عَلَيْنَا أَظْنَةً يَعْضُونَ غِيْظًا خَلَفْنَا بِالْأَنَامِلِ
انہوں نے ان لوگوں سے معاہدے کئے جو ہم پر غلط الزامات لگاتے تھے جو ہماری عدم
موجودگی میں شدت غضب کی وجہ سے انگلیاں کاٹتے تھے۔

صَبَرْتُ لَهُمْ نَفْسِيْ بِسَرَّاءٍ سَمَحَةٍ وَأَبْيَضَ عَضْبٍ مِنْ ثَرَاثِ الْمَقَاوِلِ
میں لچکدار نیزے اور اس تلوار کو ہاتھ میں لے کر مقابلے کے لئے نکل آیا جو ہمیں بادشاہوں
سے وراثت میں ملی تھی۔

وَأَخْضَرْتُ عِنْدَ الْبَيْتِ رَهْطِيْ وَإِخْوَتِيْ وَ أَمْسَكْتُ مِنْ أَثْوَابِهِ بِالْوَصَائِلِ
میں نے اپنے قبیلے اور بھائیوں کو بیت الحرام کے پاس جمع کیا اور بیت اللہ کی سرخ دھاری
دار چادریں پکڑ لیں۔

قِيَامًا مَعًا مُسْتَقْبِلِينَ رَتَاجَهُ لَدَى حَيْثُ يُقْضَى حَلْفُهُ كُلُّ نَافِلٍ
میں سب کی معیت میں اس عظیم دروازے کی سمت منہ کر کے کھڑا تھا جہاں ہر قسم اٹھانے والا

حضرت ابوطالب کے قصیدہ لامیہ کی شرح

أَبْيَضَ عَضْبٍ مِنْ ثَرَاثِ الْمَقَاوِلِ۔ ہم اقیال اور مقاول کی شرح پہلے کر چکے ہیں۔ تراث کا اصل
وراث ہے۔ لیکن چند مقامات پر ہی واؤ کو تاء میں تبدیل کرتے ہیں اس کی وجہ کلمہ کی تغلیل میں تاء کا
کثرت سے ہونا ہے تراث اس مال کو کہتے ہیں جو ورثہ چلتا ہے ایک قوم سے دوسری قوم کو ملتا ہے۔
توریت اور توراث میں یہ تاء مستعمل ہے اسی طرح تباہ البیت میں بھی یہ تاء مستعمل ہے توجہ اور توجیہ
وغیرہ میں بھی یہ تاء ہے جب بھی کلمہ کو منصرف بنانے میں تاء پائی جاتی ہے تو واؤ کو اس سے تبدیل کر
دیتے ہیں جس طرح ریحان میں کیا جاتا ہے۔ یہ روح سے مشتق ہے تصریف کلمہ میں یاء کی کثرت کی
وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تراث اور اس کے باب میں بعید ہے کیونکہ وہ یاء جو کلمہ کے مادہ کے
ساتھ ہے زائدہ ہے جبکہ ریحان کی یاء اس طرح نہیں ہے۔ التکاء اور تتری بھی اسی طرح ہیں توج کی
بھی یہی کیفیت ہے کیونکہ اہل عرب اسے اَتْلَجَ پڑھتے ہیں واؤ کو تاء میں تبدیل کر کے ادغام کرتے
ہیں۔ اسی طرح دَمْلَجَ بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ریحان اور اس کے باب کے زیادہ مشابہ ہے کیونکہ مُتْلَجَ
کی پہلی تاء اصلی ہے جب اسے مضاعف کہا جائے پھر بھی اس کی تاء اصلی ہی ہے یہ اس باب کا راز ہے

قسم اٹھاتا ہے۔

وَحَيْثُ يُنِيخُ الْأَشْعَرُونَ رِكَابَهُمْ بِبُفْفَى السَّيُولِ مِنْ إِسَافٍ وَ نَائِلِ
یعنی اس جگہ پر جلوہ افروز ہوئے جہاں اشعری اپنی سواریاں بٹھاتے ہیں۔ اساف اور نائل
کے پاس جہاں سیلاب کی گذرگاہ ہے۔

مُوسِمَةُ الْأَعْضَادِ أَوْ قَصْرَاتِهَا مُحَيَّةٌ بَيْنَ السَّدِيسِ وَ بَازِلِ
وہ اونٹ جن کے بازوؤں یا جوڑوں پر علامتیں لگائی گئی ہوں۔ ان کی عمر آٹھ اور نو سال کے

مقابل سے مراد جناب ابوطالب کے آباء و اجداد ہیں۔ وہ بادشاہ نہ تھے صرف انہیں بادشاہ سے تشبیہ
دی گئی ہے۔ ان میں کوئی ایک بھی بادشاہ نہ تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے
پوچھا۔ کیا حضور ﷺ کے آباء میں سے کوئی بادشاہ بھی گذرا ہے تو انہوں نے کہا نہیں۔ ممکن ہے اس
تلوار سے مراد وہ تلوار ہو جو بادشاہوں نے ان کے والد گرامی مرتبت کو دی تھی جب حضرت عبد
المطلب ابن ذی یزن کے پاس گئے تو اس نے انہیں عظیم الشان عطیات دیئے۔ حضرت عبدالمطلب
اور قریش اسے حبشہ پر فتح کی مبارک باد دینے گئے تھے۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کی ولادت سے دو سال
بعد کا ہے۔

مُوسِمَةُ الْأَعْضَادِ أَوْ قَصْرَاتِهَا۔ اس سے مراد وہ نشانات ہیں جو ان کے بازوؤں پر لگائے گئے
تھے۔ ایسے نشان کو سطاق کہا جاتا ہے ران پر نشان کو خباط اور کلائی پر نشان کو رقمہ کہا جاتا ہے پہلو کے
نشان کو کشاح، گردن کے نشان کو عطاء، علقطان اور شعب کہا جاتا ہے یہ نشان ٹیڑھے ڈنڈے کی طرح
ہوتا ہے۔ گردن پر ایک اور نشان بھی ہوتا ہے جسے قید الفرس کہا جاتا ہے۔ زاجر کہتا ہے۔

كُومٌ عَلَى أَعْنَاقِهَا قَيْدُ الْفَرَسِ تَنْجُو إِذَا اللَّيْلُ قَدَانِي وَالتَّبَسَّ
وہ ایسے اونٹ ہیں جن کی گردنوں پر قید الفرس (نشان) ہے جب رات ظلمت بھری اور تاریک
ہوتی ہے تو وہ نجات پا جاتے ہیں۔

اونٹوں کے نشانات کے کئی نام ہیں۔ ابو عبید نے ”کتاب الابل“ میں اکثر ذکر کیا ہے ان نشانات
میں سے الشَّيْطَانَةُ، الْمَفْعَاةُ اور الْقُرْمَةُ ناک کے نشان کو کہتے ہیں۔ الجوف اور الخطاف گردن
کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ الذَّلْو، الْمُشْط، الْفِرْقَانِج، الثَّوْقُور، اور الدِّمَاغِ آنسو بہنے کی جگہ کے نشان
کو کہا جاتا ہے۔ کنپٹی کے داغ کو الصِّدَاع، رخسار سے لے کر آنکھ تک کے داغ کو اللِّجَام کہتے ہیں۔
بَعِيرٌ مَلْجُومٌ اسی سے مشتق ہے۔ الْهَلَال، الْخِرَاشِ کنپٹی سے لے کر ٹھوڑی تک کے نشان کو کہا جاتا

ماہین ہو اور وہ بندھے ہوئے ہوں۔

تَرَى الْوَدْعَ فِيهَا وَ الرُّحَامَ وَ زِينَةَ بَاعْنَاقِهَا مَعْقُودَةً كَلْعَنَائِكِل

اونٹوں کے نشانات کے کئی نام ہیں۔ ابو عبید نے ”کتاب الاہل“ میں اکثر کا ذکر کیا ہے ان نشانات میں سے الْمَشِيطَنَةُ، الْمَفْعَاةُ اور الْقُرْمَةُ ناک کے نشان کو کہتے ہیں۔ الجرف اور الخطاف گردن کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ الذَّلْو، الْمَشِط، الْفِرْقَاج، الثَّوْقُور، اور الدِّمَاغ آنسو بہنے کی جگہ کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ کنٹی کے داغ کو الصِّداغ، رخسار سے لے کر آنکھ تک کے داغ کو اللِّجَام کہتے ہیں۔ بَعِيرٌ مَلْجُومٌ اسی سے مشتق ہے۔ الھلال، الخِرَاش کنٹی سے لے کر ٹھوڑی تک کے نشان کو کہا جاتا ہے۔ قَصْرَاتِهَا۔ یہ قصرۃ کی جمع ہے یہ گردن کی بنیاد ہے اعضاء پر معطوف ہونے کی وجہ سے مکسور ہے اس کا منصوب ہونا درست نہیں جس طرح کہا جاتا ہے هُوَ ضَارِبُ الرَّجُلِ وَ زَيْدًا۔ کیونکہ ان کا قول مَوْسِمَةُ الْاَعْضَاءِ صفت مشبہ سے ہے یہ صرف مضمر ہونے کی صورت میں ہی عمل کرتی ہے۔ اسم فاعل کا جب مکسور پر عطف ہوتا ہے تو اس میں اضمار ہوتا ہے کیونکہ صفت بالمعنی عمل نہیں کرتی یہ لفظی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتی ہے جو اس کے اور اسم فاعل کے ماہین ہوتی ہے جب لفظ زائل ہو جاتا ہے تو یہ عمل نہیں کرتی یہ اسم فاعل کے ساتھ مخالفت اس لئے بھی کرتی ہے کیونکہ اس کا معمول اس سے مقدم نہیں ہو سکتا جس طرح مفعول اسم فاعل سے مقدم ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا منصوب فی المعنی فاعل ہوتا ہے اور فاعل مقدم نہیں ہو سکتا صفت حال کے معنی میں ہی عامل ہوتی ہے جبکہ اسم فاعل حال اور استقبال کے معنی میں عامل ہو سکتا ہے جب اس پر الف لام آجائے تو یہ ماضی کا معنی بھی دے سکتا ہے۔ اگر مَوْسِمَةُ الْاَعْضَادِ کو، مَوْسِمَةُ الْاَعْضَادِ پڑھا جائے تو جائز ہے حدج کے شعر میں ہے کَبْكُورٍ مَّقَانَاةَ الْبَيَاضِ۔ الْبَيَاضُ کو منصوب اور مرفوع پڑھنا جائز ہے اس صورت میں مقاناة پر تنوین ہوگی۔ مکسور پڑھنے میں تو کوئی اخفاء نہیں ہے۔ جب الْقَصْرَاتُ کو مکسور پڑھا جائے تو اس کا عطف ”الاعضاد“ پر ہوگا۔ اس میں اس شخص کے لئے دلیل ہے جو کہتا ہے هُوَ حَسَنٌ وَجْهًا۔ جس طرح کہ سیبویہ سے روایت ہے جب اس نے یہ پڑھا۔

كُمَيْتَا اَعَالِي جَوْنَتَا مُصْطَلَاھِمَا۔ حضرت ام زرع کی حدیث صَفْرُ رِدَائِهَا مِلُّ كَسَائِهَا مَثَلُ حُسْنِهِ وَجْهَهَا۔ میں بھی یہی دلیل پائی جاتی ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا وصف بیان کرتے ہوئے و صاف فرماتے ہیں۔ شَشْنُ الْكَفَّيْنِ طَوِيلُ اَصَابِعِهِ۔ اس میں بھی یہی دلیل ہے۔

تَرَى الْوَدْعَ فِيهَا۔ ان سے مراد وہ موتی ہیں جنہیں پرویا جاتا ہے اور عورتیں اور بچے زیبائش کے لئے

توان کی گردنوں میں حسین موتی، سنگ مرمر اور دیگر زیبائش کی اشیاء بندھی ہوئی پائے گا جو کھجور کے خوشوں کی مانند لٹک رہی ہوں گی۔

أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ كُلِّ طَائِعٍ عَلَيْنَا بِسُوءٍ أَوْ مُلْجٍ بِيَاطِلٍ
میں اللہ تعالیٰ کی ہر اس شخص سے پناہ لیتا ہوں جو ہم پر برے الزامات لگاتا ہو اور باطل پر مصر ہو۔
وَمِنْ كَاشِحٍ يَسْعَى لَنَا بِبُعِيْبَةٍ وَمِنْ مُلْجٍ فِي الدِّينِ مَا لَمْ نَحَاوِلْ
میں ایسے کینہ پرور شخص سے پناہ مانگتا ہوں جو ہم پر عیب لگانے کی سعی کرتا ہے اور ہم کو ایسے
دین سے ملانے کی کوشش کرتا ہے جس کا ہم ارادہ بھی نہیں کرتے۔

وَتَوَدُّ وَ مَنْ أَرْسَى ثَبِيرًا مَكَانَهُ وَ دَاقٍ لِيَرَقَى فِي حِرَاءٍ وَ نَازِلٍ

انہیں استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

الْسِّنُّ مِنْ جَلَنَزِيْزٍ عَوَزِمٍ خَلَقِ وَالْجِلْمُ حِلْمٌ صَبِيٌّ يَّرْسُ الْوَدْعَهُ
وہ انتہائی موتی، فربہ اور بوسیدہ اونٹنی سے عمر رسیدہ ہے اور حلم اس بچے کے حلم کی طرح ہے جو موتی کو چوستا ہے۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

إِنَّ الرُّوَاةَ بِلَا فِهْمٍ لَمَّا حَفِظُوا مَثَلُ الْجِمَالِ عَلَيْهَا يُحْمِلُ الْوَدْعُ
لَا الْوَدْعُ يَنْفَعُهُ حَمْلُ الْجِمَالِ لَهُ وَلَا الْجِمَالُ بِحَمْلِ الْوَدْعِ تَنْتَفِعُ
بے شک جب راوی بغیر سمجھے یاد کر لیتے ہیں تو وہ ان اونٹوں کی مانند ہوتے ہیں جن پر موتی لادھے جاتے ہیں۔ نہ تو موتی کے لئے اونٹ کا اٹھانا نفع بخش ہو سکتا ہے اور نہ ہی اونٹ موتی کو اٹھا کر فائدہ مند ہو سکتا ہے۔

روایت کیا جاتا ہے کہ ان جواہرات کو سمندر باہر پھینکتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ یہ ایک جانور ہے جس کا مسکن سمندر ہے جب سمندر اسے باہر پھینکتا ہے تو وہ مر جاتا ہے۔ اس کا رنگ حسین اور چمکدار ہوتا ہے اس میں پتھر کی مانند سختی ہوتی ہے اس کو چیر کر اس سے ہار بنائے جاتے ہیں اس کا نام بھی وَدْعَةُ (چھوڑ دیا) سے مشتق ہے کیونکہ سمندر اسے پھینک دیتا ہے۔ یہ وَدْعُ بھی قبض کی مانند ہے الودع پڑھا جائے تو یہ ان اشیاء میں سے ہوگا جس کا نام مصدر سے رکھا جاتا ہے۔

الرُّخَامُ۔ وہ پتھر جسے تراش کر موتی بنائے جاتے ہیں یہ پتھر بڑا حسین اور سفید ہوتا ہے۔

الْعُثَاكِلُ۔ اس سے مراد العثاکیل ہے یاہ کو ضرورت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ ابن مضاہ

کوہ ثور اور اس ذات بے ہمتا کی پناہ جس نے شبیر کو اس کی جگہ پر نصب کیا اور کوہ حراء پر چڑھنے اور اترنے والے کی پناہ۔

وَبِالْبَيْتِ، حَقُّ الْبَيْتِ، مِنْ بَطْنِ مَكَّةَ وَبِاللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَيَسَّ بِغَافِلٍ
بیت اللہ اور بیت اللہ کے حقوق کی پناہ۔ جو مکہ کی وادی میں ہے اور اللہ رب العزت کی پناہ۔
وہ ذات جو لمحہ بھر بھی کسی سے غافل نہیں رہتی۔

وَبِالْجَحْرِ الْمُسَوَّدِ إِذْ يَسْخُونَهُ إِذَا اكْتَفَوْهُ بِالضُّحَى وَالْأَصَائِلِ
اور حجر اسود کی پناہ جسے لوگ چومتے ہیں اور صبح و شام اس کا احاطہ کیے رکھتے ہیں۔
وَمَوْطِيْ اِبْرَاهِيْمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةً عَلَى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلٍ
اور اس پتھر کی پناہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم چومنے کا شرف ملا۔ اس وقت
آپ علیہ السلام عریاں پاؤں تھے۔ آپ کے مبارک قدم کے نشانات وہیں پڑ گئے۔
وَأَشْوَاطُ بَيْنَ الْمَرَوْتَيْنِ إِلَى الصَّفَا وَمَا فِيهَا مِنْ صُورَةٍ وَ تَمَائِلِ

نے کہا ہے فِيهَا الْعَصَافِر۔ اس سے بھی عصافیر مراد ہے۔

عَلَيْنَا أَظْنَةُ۔ أَظْنَةُ۔ ظَنِين کی جمع ہے اس کا معنی قرابت ہے اگر یہ ضاد کے ساتھ ہو تو پھر یہ ان کی
تعریف کے لئے ہوگا۔ یہ أَشْحَةُ عَلَيْنَا (ہم پر بڑے حریص) کے معنی میں ہوگا جس طرح کہ حافظ
(عمر بن بحر) کا شعر ہے۔

لَوْ كُنْتُ فِي قَوْمٍ عَلَيْكَ أَشْحَةُ عَلَيْكَ إِلَّا إِنَّ مَنْ طَاحَ طَاحُ
اگر تو اس قوم میں ہوتا جو تیرے متعلق حد درجہ حریص ہوتی خبردار! حیران ہونے والا حیران ہی ہوتا
ہے۔

يُودُونَ لَوْ خَاطُوا عَلَيْكَ جُلُودَهُمْ وَهَلْ يَذْفَعُ الْبُوتَ النَّفُوسُ الشَّحَائِحُ
وہ خواہش کرتے کہ تجھ پر اپنی جلدیں چڑھا دیتے۔ کیا ایسے حریص لوگ موت کو روک سکتے
ہیں۔ نُوْر۔ مکہ معظمہ کا ایک پہاڑ۔ قَبِيْر بھی ایک پہاڑ کا نام ہے۔ روایت کیا جاتا ہے کہ ہذیل کا ایک
شخص اس پہاڑ میں مر گیا پھر یہ پہاڑ اسی کے نام سے معروف ہو گیا جس طرح کوہ ابوقبیس، قبیس بن
شالح کی وجہ سے معروف ہے۔ قبیس جرہم کا ایک شخص تھا۔ یہ عمرو بن مضاض اور اس کی چچا زاد میہ کے
مابین چغل خوری کیا کرتا تھا۔ میہ نے نذر مانی کہ وہ عمرو سے گفتگو نہیں کرے گی۔ عمرو اس سے شدید
محبت کرتا تھا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ وہ قبیس کو قتل کر دے گا۔ اسی خوف سے قبیس کوہ ”ابوقبیس“ کی طرف

اس سعی کی قسم جو حجاج صفا اور مروہ کے مابین کرتے ہیں اور ان دو عظیم پہاڑوں کے مابین جو تصاویر اور تماثل ہیں ان کی پناہ۔

وَمَنْ حَجَّ بَيْتَ اللَّهِ مِنْ كُلِّ رَاكِبٍ وَ مِنْ كُلِّ ذِي نَذِيرٍ وَ مِنْ كُلِّ رَاكِبٍ
ہر اس شخص کی پناہ جو بیت اللہ کا حج کرنے کی سعادت حاصل کرے خواہ وہ سوار ہو یا نذر مانے والا ہو یا پیادہ ہو۔

وَبِالْمَشْعَرِ الْأَقْصَى إِذَا عَمَدُوا لَهُ إِلَّا إِلَى مُفْطَى الشَّرَاحِ الْقَوَابِلِ
جب حاجی میدان عرفات کا قصد کرتے ہیں میں اس وقت اس کی پناہ مانگتا ہوں اور کوہ الال سے اس مقام تک کی پناہ جہاں نالے بالمقابل ہو کر وسعت اختیار کرتے ہیں۔

وَتَوَقَّافِهِمْ فَوْقَ الْجِبَالِ عِشِيَّةً يُقِيمُونَ بِالْأَيْدِي صُدُورَ الرُّوَاحِلِ
وقت شام پہاڑوں پر کھڑے ہونے والوں کی پناہ کا خواہاں ہوں جو اپنے ہاتھوں سے سواریوں کے سینوں کو درست کرتے ہیں۔

بھاگ گیا پھر اس کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ خود مر گیا تھا یا کہ عمرو نے اسے ہلاک کر دیا تھا۔ اسی لئے اس پہاڑ کا نام کوہ ابوقبیس پڑ گیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے جسے ابن ہشام نے ایک اور کتاب میں ذکر کیا ہے۔ وَدَاقٍ لِبَرْقِي۔ اس کے متعلق بھی پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ دونوں روایتوں میں صحیح یہ ہے وَدَاقٍ لِبَرْقِي حَرَاءٌ وَنَازِلٍ۔ علامہ برقی کہتے ہیں ابن اسحاق نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے درست بھی یہی ہے۔ حضرت امام سیہلی فرماتے ہیں یہ وہم یا تو ابن ہشام کو ہوا ہے یا علامہ البکائی کو۔ وَبِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ۔ اس میں زحاف ہے اس کو الکف کہتے ہیں۔ اس سے مراد مفاعیلین کے نون کو حذف کر دینا ہے اور وہ الاسود کے بعد واؤ ہے جس طرح کہ حندج کا یہ قول ہے۔

أَلَا رَبُّ يَوْمَ لَكَ مِنْهُمْ صَالِحٌ۔ اس میں لام کے بعد زحاف ہے۔

الاصائل۔ اصلیت کی جمع ہے الْأَصْلُ؛ اصل کی جمع ہے کیونکہ فعلیۃ کی جمع فاعل کے وزن پر آتی ہے۔ الاصلیۃ، الاصل کی معروف لغت ہے بعض علمائے لغت گمان کرتے ہیں کہ اصائل، آصال کی جمع ہے اور آصال، اصل کی جمع ہے جس طرح کہ اطناب اور طنب۔ اُصْلُ، اصل کی جمع ہے جس طرح کہ زعف، زعیف کی جمع ہے ایک قول کے مطابق اصائل جمع الجمع کی جمع ہے لیکن قول درست نہیں کیونکہ جمع الجمع کی جمع کلام میں نہیں پائی جاتی۔ دوسری بات یہ ہے جب اہل لغت اس جمع کی جمع نہیں بناتے جو ادنیٰ عدد کے لئے نہ ہو تو مناسب تر یہی ہے کہ وہ جمع الجمع کی جمع نہ بنائیں۔ دراصل انہیں غلط فہمی اس

وَلَيْلَةٍ جَمْعٍ وَالنَّازِلِ مِنْ مَنَىٰ وَهَلْ فَوْقَهَا مِنْ حُرْمَةٍ وَ مَنَازِلِ
اس رات کی پناہ جب حاجی منی میں جمع ہو کر خیمہ زن ہوتے ہیں کیا کوئی مقام حرمت و مرتبہ
میں اس مقام سے اوپر بھی آشیاں بند ہو سکتا ہے۔

وَجَمْعٍ إِذَا مَا الْمُقَرَّبَاتُ أَجَزَفَهُ سِرَاعًا كَمَا يَخْرُجْنَ مِنْ وَقْعٍ وَابِلٍ
میدانِ عرفات کی پناہ جس کی طرف گھوڑے اس قدر برق رفتاری سے جاتے ہیں جس طرح وہ
بارش کے نازل ہوتے وقت دوڑ کر جاتے ہیں۔

وَبِالْجَمْرَةِ الْكُبْرَىٰ إِذَا صَدُّوا لَهَا يَوْمُئِذٍ قَذْفًا رَأْسَهَا بِالْجَنَادِلِ
مجھے جمرہ کبریٰ کی پناہ جب حاجی اس کی جانب بڑھتے ہیں وہ سنگریزوں سے اس کا سر پھوڑ
دینا چاہتے ہیں۔

وَكِنْدَةً إِذْ هُمْ بِالْحِصَابِ عَشِيَّةً تُجَمِّزُ بِهِمْ حُجَّاجُ بَكْرَيْنَ وَائِلٍ
کندہ کی پناہ جب وہ وقت شام کنکریاں مارنے والی جگہ کو مسکن بناتے ہیں اور ان کے پاس
سے بنو بکر بن وائل کے حاجی گذرتے ہیں۔

حَلِيفَانِ شَدَّاعَقْدَ مَا اخْتَلَفَا لَهُ وَرَدًا عَلَيْهِ عَاطِفَاتِ الْوَسَائِلِ
وہ دونوں قبائل اتنے عمدہ حلیف ہیں کہ انہوں نے اپنے ہر عہد کو انتہائی مستحکم بنایا اور تعلقات
کی نوازشوں کو اسی کی طرف موڑ دیا۔

ہمزہ کی وجہ سے ہوئی ہے جو اصل اور اصیل کے فاء کلمہ میں ہے اسی طرح اصائل میں بھی ہے کیونکہ یہ
فعاصل کے وزن پر ہے انہوں نے اس ہمزہ کو زائدہ سمجھ لیا ہے جس طرح کہ اقادیل میں ہے اگر ایسا ہوتا
تو پھر صاد فاء کلمہ ہوتا۔ جبکہ یہ اس کا عین کلمہ ہے جس طرح کہ یہ اصیل اور اصل میں ہے۔ اگر اصائل،
آصال کی جمع ہوتی تو پھر جمع کا ہمزہ، اصلی ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل سے اسے ادا اصیل
کہا جاتا۔ ان علمائے لغت کے اس قول کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افعال کی جمع افاعیل ہو تو
آخری کلمہ سے پہلے یاء کا ہونا ضروری ہوتا ہے جس طرح اقادیل میں ہے اس طرح یہ اصادیل میں
ہوتا۔ اصائل میں آخری کلمہ سے قبل حرف مد یا لین نہیں ہے یہ تو فعاصل کا ہمزہ ہے ان کے قول کے غلط
ہونے کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اصل کو جمع کثیر بنایا ہے مثلاً زعفر۔ پھر انہوں نے گمان
کیا ہے کہ آصال اس کی جمع ہے کیا کہ انہوں نے ان طعن کہا ہے جس طعن کوئی یہ کہے کہ زعفر،
از عاف کی جمع ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ پھر آصال کس کی جمع ہے تو ہم نہیں کہے کہ یہ اس اصل کی جمع ہے

وَحَظَّيْهِمْ سُرَّ الرِّمَاحِ وَتَرَّحَهُ وَ شَبْرَقَهُ وَخَذَ النِّعَامِ الْحَوَامِلِ
وہ دامنِ کوه میں موجود درختوں، اس کی نباتات اور شبرق کو روندنے کی پناہ۔ اس وقت اس کی کوشش تیز رفتار شتر مرغ کی کوشش کی طرح ہوتی ہے۔

فَهَلْ بَعْدَ هَذَا مِنْ مَعَاذٍ لِعَائِدٍ وَ هَلْ مِنْ مُعِينٍ يَتَّقِي اللَّهَ عَازِلٍ
کیا اس کے بعد کسی پناہ طلب کرنے والے کے لئے بھی کوئی پناہ گاہ ہے اور کیا کسی ملامت کرنے والے کی پناہ کے بعد بھی کسی پناہ کی جستجو ہو سکتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا خوف بھی رکھتا ہو۔
يُطَاعُ بِنَا أَمْرٌ لِعَدَا وَدَّ اَنَّا تُسَدُّ بِنَا اَبْوَابُ تَرْكٍ وَكَابِلِ
ہمیں چھوڑ کر ہمارے دشمنوں کی باتیں سنی جاتی ہیں ان کی تو خواہش ہے کہ ہمارے لئے ترکی اور کابل کے راستے مسدود ہو جائیں۔

كَذَّبْتُمْ وَبَيَّتَ اللَّهُ نَتْرُكُ مَكَّةَ وَنَظَعْنَ إِلَّا أَمْرُكُمْ فِي بِلَابِلِ
بیت اللہ کی قسم! تم نے یہ بات کر کے جھوٹ بولا ہے کہ ہم مکہ معظمہ کو چھوڑیں گے اور کہیں عازم سفر ہو جائیں گے۔ یہ صرف تمہارے تصورات کی رنگینی ہے۔

كَذَّبْتُمْ وَبَيَّتَ اللَّهُ نُبْزَى مُحَضَّداً وَ لَمَّا نَطَاعِنُ دُونَهُ وَ نَنَاضِلِ
اللہ کے محترم گھر کی قسم! تمہاری یہ بات بھی جھوٹی ہے کہ ہم محمد ﷺ کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں گے۔ حالانکہ ہم نے ابھی تک ان کے تحفظ کے لئے نہ تو نیزہ بازی کی ہے نہ ہی تیر اندازی کی ہے۔

جو اسم مفرد اصائل کے معنی میں ہے یہ اس اصل کی جمع نہیں جو خود جمع ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ اصل واحد ہے جس طرح کہا جاتا ہے اصیل واحد ہے ہم کہیں گے بعض ارباب لغت نے ایسے کہا ہے انہوں نے الاغشی کے اس قول سے دلیل پکڑی ہے۔

يَوْمًا بِاطْيَبٍ مِنْهَا لَشَرٍّ رَائِحَةٍ وَلَا بِأَحْسَنَ مِنْهَا إِذْ دَنَا الْأَصْلُ
جس روز شریف آدمی قریب ہو اس روز سے زیادہ معطر اور معتبر اور خوبصورت روز اور کوئی نہ ہو سکا اس شعر میں ”دَنَا الْأَصْلُ“ دَنَا الْأَصِيلُ کے معنی میں ہے یہ اس صورت میں ہوگا جب اصل کا اصیل کے معنی میں استعمال درست مانا جائے۔ ورنہ اصیل کی جمع آصال ہوگی اور اس میں یاء زائدہ محذوف ہو گی۔ جس طرح کہ طوی (کنواں) اور اطواء میں ہے لیکن میں کسی ایک شخص کو بھی نہیں جانتا جس کا نقطہ نظر ہو کہ جمع الجمع کی جمع بھی بن سکتی ہے۔ البتہ زجاجی اور ابن عزیز کا یہ قول ہے وَمَوْطِي

وَنُسَلِّمُهُ حَتَّى نُصْرِعَ حَوْلَهُ وَ نَذْهَلُ عَنْ آبْنَانَا وَالْحَلَالِیلِ
تمہاری یہ بات بھی صداقت پر مبنی نہیں کہ ہم انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے یہاں تک
کہ ہم ان کے ارد گرد اپنی جانوں کے نذرانے پیش کریں گے اور اپنی اولاد اور بیویوں کو بھول
جائیں گے۔

وَيَنْهَضُ قَوْمٌ فِي الْحَدِيدِ إِلَيْكُمْ نُهُوضَ الرِّوَايَا تَحْتَ ذَاتِ الصَّلَاصِلِ
تمہاری طرف ایک آہن پوش قوم اس طرح آئے گی جس طرح پانی لانے والی اونٹنیاں
برتن لے کر اوپر اٹھتی ہیں۔

حَتَّى تَرَى ذَالْضُّغْنِ يَرْكَبُ رَدْعَهُ مِنْ الطَّعْنِ فِعْلَ الْاَنْكَبِ الْمُتَحَامِلِ
حتیٰ کہ تو دیکھے گا کہ ایک کینہ پرور شخص نیزہ کھا کر روکنے سے بھی نہ رکے گا اور حاملہ اونٹنیوں
کی طرح مشکل سے چل رہا ہو۔

وَإِنَّا لَعَمْرُ اللَّهِ- إِن جَدَّ مَا أَرَى لَتَلْتَبَسَنَّ أَسْيَافُنَا بِالْأَمَائِلِ
اللہ تعالیٰ کی ابدیت کی قسم! اگر وہ واقعہ رونما ہو گیا جو ابھی میرے خیال میں پوشیدہ ہے تو پھر
ہماری تلواریں کئی برگزیدہ لوگوں میں پیوست ہو جائیں گی۔

بِكَفْيٍ فَتَى مِثْلِ الشَّهَابِ سَمِيدَعٍ أَحْيَى ثَقَّةٍ حَامِي الْحَقِيقَةِ بَاسِلِ
یہ تلواریں اس جوان کے جوان ہاتھوں میں ہوں گی جو شہاب کی مانند درخشاں، قابل اعتماد،

إِبْرَاهِيمَ۔ اس سے مراد وہ مقدس جگہ ہے جہاں آپ علیہ السلام نے اس وقت قدم مبارک رکھے تھے
جب آپ علیہ السلام کی فرخندہ فال بہونے آپ علیہ السلام کا سردھونے کی سعادت حاصل کی تھی۔ آپ
اپنی سواری پر ہی رہے اور اپنا سر نیچے جھکا دیا تا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو اس
سعادت کے حصول میں آسانی رہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا
سے اجازت مانگی کہ وہ مکہ معظمہ میں موجود اپنے اہل خانہ سے ملاقات کے خواہاں ہیں تو انہوں نے
آپ سے یہ عہد لیا تھا کہ آپ علیہ السلام وہاں اپنی سواری سے نیچے تشریف نہیں لائیں گے اور سلام
کرنے سے زیادہ گفتگو بھی نہیں کریں گے۔ یہ عہد اس غیرت کی وجہ سے لیا گیا تھا جو حضرت سارہ کو
حضرت ہاجرہ سے تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مبارک قدم پتھر پر رکھے تو وہیں ان
کے نشانات پڑ گئے۔ ارشادِ باری ہے۔ فِيهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيمَ (آل عمران: ۹۷) اس میں
روشن نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے۔ یعنی ان نشانیوں میں سے ایک مقام ابراہیم

حقیقت کا حامی اور بہادر ہوگا۔

شُهُورًا وَّ أَيَّامًا وَحَوْلًا مُّجَرَّمًا عَلَيْنَا وَتَاتِي حِجَّةٌ بَعْدَ قَابِلِ
ہماری اسی کیفیت میں کئی ماہ، کئی دن اور کئی سال گزر جائیں گے اور موسم حج کے گزرنے
کے بعد دوسرے حج کا زمانہ آجائے گا۔

وَمَا تَرَكُ قَوْمٍ لَا أَبَالَكَ سَيِّدًا يَحُوطُ الدَّمَارَ غَيْرَ ذَرْبِ مَوَاطِلِ
تیرا باپ فناء ہو جائے قوم کا ایسے عظیم سردار کو چھوڑ دینا کتنا قبیح فعل ہے جو امور کی نگہداشت
بھی کرتا ہو، بخش کلامی بھی نہ کرتا ہو اور اپنے کام کسی دوسرے کے سپرد کرنے والا بھی نہ ہو۔

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامَى، عِصْمَةُ لِلدَّرَامِلِ
وہ نور فشاں ذات جس کے رخِ زیبا کے وسیلہ سے بارشِ طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کا
سرپرست اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔

يَلُوذُ بِهِ الْهَلَاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ فَهَمَّ عِنْدَهُ فِي رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ
بنو ہاشم کے کنگال لوگ ان کے ہاں پناہ لیتے ہیں اور وہ ان کی رحمت اور فضل کے سایہ میں
ہیں۔

بھی ہے۔ جو شخص ”مقام“ کو آیات سے بدل بناتا ہے وہ کہتا ہے کہ مقام، مقامتہ کی جمع ہے۔ بعض علماء
فرماتے ہیں کہ پتھر پر آپ کے قدموں کے نشانات اس وقت پڑے تھے جب آپ نے بیت اللہ کی
دیواروں کو بلند فرمایا تھا۔ بَيْنَ الْمَرَوَتَيْنِ۔ یہ تثنیہ ہے جو جمع کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے
گذر چکی ہے۔ مَثَلًا مَكْتَبَيْنِ، حَتَّتَيْنِ اور غُنْزِيَّتَيْنِ وغیرہ۔ اگرچہ یہ تثنیہ ہیں مگر جمع کی جگہ استعمال
ہوئے ہیں۔ حقیقت میں یہ واحد ہیں۔ ان کا اشعار میں جمع کی جگہ تثنیہ ذکر کرنے کی علت بھی پہلے گذر
چکی ہے۔ الْبَشْعَرُ الْآفِصَى۔ اس سے مراد میدانِ عرفات ہے۔ الْآلَا سے مراد عرفہ کا پہاڑ ہے۔ نابغہ
کہتا ہے يَزْنَ الْآلَا سَيْرُهُنَّ التَّدَافِعُ۔ وہ عورتیں کوہِ الال کو دیکھنے جاتی ہیں۔ ان کی چال میں ایک
دوسرے کو ہٹانا ہوتا ہے اس پہاڑ کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ جب حجاج اسے دیکھتے ہیں تو وہ دوڑ کر
اس کی سمت جاتے ہیں تاکہ میدانِ عرفات میں آسانی سے خیمہ زن ہو سکیں زاجر کہتا ہے۔

مُحَمَّدُ أَبِي الْحَبَابِ لَا تَشْلِي بَارَكَ فِيكَ اللَّهُ مِنْ ذِي آلِ
اسے ابی حباب کے پچھیرے غصے میں نہ ہو کوہِ الال کے لوگوں کی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے
با برکت کرے۔

لَعَبْرِي لَقَدْ أَجْرِي أَسِيدٌ وَبِكْرُهُ إِلَى بُغْضِنَا وَ جَزَانَا لَا كِلِ
تیری زندگانی کی قسم! اسید اور اس کے جوان بیٹے نے ہم سے دشمنی کرنا چاہی اور انہوں نے
کھانے والے کے لئے ہمیں پارہ پارہ کر دیا۔

وَ عُثْمَانُ لَمْ يَرْبِعْ عَلَيْنَا وَقَنْفُذٌ وَلَكِنْ أَطَاعَا أَمْرَ تِلْكَ الْقَبَائِلِ
نہ تو عثمان نے ہماری طرف توجہ کی اور نہ ہی قنفذ نے بلکہ وہ انہی قبائل کے احکام بجالائے۔
أَطَاعَا أَبِيَا وَابْنَ عَبْدِ يَغُوْثِهِمْ وَلَمْ يَرْقُبَا فِينَا مَقَالََةَ قَائِلِ
انہوں نے ابی اور ابن عبد یغوث کی اطاعت کی اور ہمارے حق میں بات کرنے والے کی
بات نہ سنی۔

كَمَا قَدْ لَقِينَا مِنْ سُبَيْعٍ وَنَوْفَلٍ وَكُلُّ تَوَلَّى مُعْرِضًا لَمْ يُجَامِلِ
سبیع اور نوفل کی جانب سے بھی ہمیں اسی سلوک کا سامنا کرنا پڑا ہر ایک نے روگرداں ہو کر
پیٹھ پھیر لی اور عمدہ رویے کا مظاہرہ کسی نے نہ کیا۔

فَإِنْ يُلْفِيَا أَوْ يُمَكِّنِ اللَّهُ مِنْهُمَا نَكِلُ لَهُمَا صَاعًا بِصَاعِ الْمَكَائِلِ
اگر وہ کہیں پائے گئے یا اللہ تعالیٰ نے ان پر تسلط کی قوت بخشی تو ہم بھی انہیں بازار کی قیمت
کے برابر صاع کے بدلے صاع میں ہی ناپیں گے۔

وَذَاكَ أَبُو عَمْرٍو أَبِي غَيْرٍ بُغْضِنَا لِيُظْعِنَا فِي أَهْلِ شَاءٍ وَجَامِلِ

الشَّرَاجُ - شرح کی جمع ہے۔ پانی کی گذرگاہ کو شرح کہتے ہیں۔ قواہل - آمنے سامنے۔
وَ حَظِيهِمْ سُرَّ الصِّفَاحِ - صفا، صفا کی جمع ہے۔ پہاڑ کی سطح کو صفاح کہتے ہیں۔ السُّر
سے مراد ممکن ہے سر (بول کا درخت) ہو۔ اسے سُر اور سُر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اور میم
کے ضمہ کو ماقبل سین کی طرف منتقل کرنا بھی جائز ہے جس طرح کہ حُسْن اور حُسْن میں ہے یہ بھی
ممکن ہے کہ اصل میں بھی سین پر ضمہ ہی ہو اور یہ ضمہ غالباً ان افعال میں منتقل کیا جاتا ہے جن سے کسی کی
مدح یا مذمت کی جاتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے حُسْنٌ ذَا آدِبًا یہ دراصل حُسْنٌ ذَا آدِبًا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے
کہ سُرَ اسْمُ اور سُرَاء کی جمع ہو جس طرح کہ یہ نباتات کی جمع بن سکتی ہے۔ اسی طرح جب کسی
درخت میں انتہائی شادابی پائی جائے تو اس کی صفت ”ذُھنہ“ لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
مُذْهَمَّتَانِ - وہ دونوں باغ انتہائی سبز و شاداب ہوں گے۔ حتیٰ کہ وہ مائل بہ سیاہی ہوں گے۔ فَبِوَاقِهِ
ایک بوٹی ہے جسے خشک حالت میں حُلّی اور تر حالت میں ثمرق کہا جاتا ہے۔ نُبَذِي مُحَنَّدًا - ہم محمد

ابو عمرو نے تو ہماری عداوت کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیں بکریوں اور اونٹوں والوں میں بسنے پر مجبور کرے۔

يُنَاجِي بِنَافِي كُلِّ مُنْسِيٍّ وَ مُصْبِحٍ فَنَاجِ أَبَا عَمْرٍ وَ بِنَا ثُمَّ حَاتِلِ
ابو عمرو صبح و شام ہمارے خلاف سرگوشیاں کرتا ہے اے ابو عمرو! تو ہمارے خلاف سرگوشی کرے پھر ہم سے مکر و فریب بھی کر لے۔

وَيُوَلِّي لَنَا بِاللَّهِ مَا إِنْ يَغْشُنَا بَلَى قَدْ تَرَاهُ جَهْرَةً غَيْرُ حَاتِلِ
وہ قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ وہ ہم سے فریب نہیں کرے گا لیکن تو اس کے فریب و مکر کو عیاں دیکھ سکتا ہے جس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔

أَضَاقَ عَلَيْهِ بُغْضُنَا كُلَّ تَلْعَةٍ مِنْ الْأَرْضِ بَيْنَ أَخْشَبِ فَجَاوِلِ
کوہِ اشب سے لے کر شام و عراق کے محلات تک تمام زمین کے نشیب و فراز ہمارے بغض کی وجہ سے اس پر تنگ ہو گئے ہیں۔

وَسَائِلُ أَبَا الْوَلِيدِ مَا ذَا حَبَوْتَنَا بِسَعْيِكَ فِينَا مُعْرِضًا كَالْمُخَاتِلِ
ذرا ابو الولید سے تو پوچھو کہ تو جب فریبی شخص کی طرح روگرداں تھا تو تو نے اپنی اس جدوجہد سے ہمارا کیا بگاڑ لیا ہے۔

وَكُنْتُ أَمْرًا مِمَّنْ يُعَاشُ بِرَأْيِهِ وَرَحْمَتِهِ فِينَا وَلَسْتُ بِجَاهِلِ
تو اس سے نا آشنا تو نہیں ہے کہ تو وہ شخص تھا جو ہم میں اپنی رائے اور اپنی شفقت کی وجہ سے زندگی بسر کر رہا تھا۔

فَعْتَبَةُ لَا تَسْمَعُ بِنَا قَوْلَ كَاشِحٍ حَسُوْدُ كَذُوْبٍ مُبْعِضِ دِي دَغَاوِلِ
اے عتبہ! ہمارے خلاف کسی دشمن، حاسد، جھوٹے، کینہ پرور اور فساد کی گفتگو نہ سن۔

عربی علیہ السلام کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں گے؟ اُنْهُوَ ضَ الرّوایا اس سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو پانی لاتیں ہیں۔ رَوَايَا کا واحد رَاوِیہ ہے اسے الْأَسْقِیْمِہ بھی کہتے ہیں۔ اس جمع کی اصل دَوَاوِی ہے پھر قیاس سے ”روالی“ بن گئی جس طرح حَوْل کی جمع حَوَائِل ہے لیکن اہل لغت پہلے یاء کو مقدم کرتے ہیں پھر کسرہ کو فتح میں تبدیل کرتے ہیں اس طرح یہ ”فوالع“ کے وزن پر ہو جاتا ہے۔ دَوَاوِی میں دو دَوَاو جمع ہیں۔ ۱۔ فَوَاعِل کی دَوَاوِ ۲۔ وہ دَوَاوِ جو فعل کا عین کلمہ ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسری دَوَاوِ کو جمع میں ہمزہ سے تبدیل کر دیا جائے کیونکہ ان دونوں کے درمیان الف ہے پھر اسے یاء میں تبدیل کر

وَمَرَّ أَبُو سَفْيَانَ عَنِّي مُعْرِضًا كَمَا مَرَّ قَيْلٌ مِّنْ عِظَامِ الْبَقَاوِلِ
ابوسفیان میرے پاس سے اس طرح پیٹھ پھیر کر گذرا جس طرح عظیم سرداروں میں سے کوئی
سردار گذرا ہو۔

يَفِرُّ إِلَى نَجْدٍ وَبَرْدٍ مِّبَاهِهِ وَيَزْعُمُ إِنِّي لَسْتُ عَنْكُم بِغَافِلٍ
وہ بلند ٹیلوں اور ٹھنڈے پانیوں کی زمین کی طرف بھاگ رہا ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ میں
تم سے غافل نہیں ہوں۔

وَيُخْبِرُنَا فِعْلَ النَّاصِحِ أَنَّهُ شَفِيقٌ وَيُخْفِي عَارِمَاتِ الدَّوَابِلِ
وہ بڑے خیر خواہ شخص کی طرح ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ وہ بڑا مشفق ہے اور مخفی اذیت ناک
چیزوں کو چھپاتا ہے۔

أَمْطِعُمْ لَمْ أَعُدْكَ فِي يَوْمٍ بَحْدَةٍ وَ لَا مُعْظِمٌ عِنْدَ الْأُمُورِ الْجَلَائِلِ
اے مطعم! میں نے نہ تو تجھے مشکل گھڑی میں تنہا چھوڑا ہے اور نہ ہی قیامت خیز مصائب
میں تجھ سے کنارہ کشی کی ہے۔

وَلَا يَوْمَ خَصِمٍ إِذْ اتَّوَكَّ إِلِدَةُ أُولَى بَحْدٍ مِّنَ الْخُصُومِ السَّاجِلِ
نہ ہی میں نے جنگ کے وقت تیرا ساتھ چھوڑا ہے جب تیرے پاس طاقتور قوی اور جری
دشمن آگئے۔

أَمْطِعُمْ إِنَّ الْقَوْمَ سَامُوكَ حُطَّةً وَ إِنِّي مَتَى أُوَكَّلُ فَلَسْتُ بِوَائِلٍ
اے مطعم! قوم نے تیرے ساتھ انتہائی سخت رویہ اختیار کیا ہے لیکن جب مجھے موقع مل گیا تو

دیا جائے جس طرح خطایا اور اس کے باب میں کیا جا ا ہے۔ ان کی جمع میں ہمزہ ثقل پیدا کرتا ہے۔
الصَّلَاحُ۔ پانی والے برتن ”غیر ذَرَبٍ هَوَاكِلِ“۔ ذَرَب۔ ذَرَب سے مخفف ہے اس کا معنی فحش گو
زبان ہے۔ ”مواکل“ وہ شخص ہوتا ہے جو خود کوئی کام سرانجام نہ دے سکے اور اپنے امور دوسروں کے
سپرد کرے۔ قَمَلُ الْمَتَامَى۔ قیموں کی نگرانی کرتے ہیں۔ ”فِي أَهْلِ الشَّاءِ وَالْبَحَامِلِ“ الشَّاءِ
وَالشَّوَى۔ الباقر والبقر کی مانند اسم جمع ہیں۔ شاء کا واحد نہیں ہے۔ شوی بھی اسی کے لفظ سے ہے
واحد میں شاة کہا جاتا ہے لیکن یہ شاء سے نہیں کیونکہ شاة کے لام کلمہ میں یاء ہے کیونکہ اس کی تصغیر شویعہ
اور جمع شیاہ آتی ہے۔ جائل بھی اسم جمع ہے۔ یہ الباقر کے قائم مقام ہے۔ بَيْنَ أَخْشَبٍ فَجَادِلِ۔
أَخْشَبُ سے مراد، اخشاب ہیں مکہ کے پہاڑوں کو اخشاب کہا جاتا ہے اسے اخشب کے وزن پر اس

میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔

جَزَى اللّٰهُ عَنَّا عَبْدَ شَمْسٍ وَ نَوْفَلًا عَقُوبَةً شَرًّا عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ
اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کو شرارت کی ایسی سزا دے جس میں جلدی ہو
تاخیر نہ ہو۔

بِمِيزَانٍ قِسْطٍ لَا يُخْسُ شَعِيرَةً لَهُ شَاهِدٌ مِنْ نَفْسِهِ غَيْرُ عَائِلٍ
وہ سزا جو ایسے ترازو میں تولی گئی ہو جو جو بھر بھی کمی نہ کرے اور مجرم کا ضمیر بھی اس کی گواہی
دے یہ سزا ظالمانہ نہیں ہے۔

لَقَدْ سَفَهَتْ أَحْلَامُ قَوْمٍ تَبَدَّلُوا بَنِي خَلْفٍ قَيْضًا بَنًا وَالْغِيَا طِلَّ
اس قوم کی عقل و دانش جواب دے گئی جنہوں نے ہمیں چھوڑ کر بنو خلف اور غیاطل کو اختیار کیا
ہے۔

وَنَحْنُ الصَّبِيحُ مِنْ ذُوَابَةِ هَاشِمٍ وَآلِ قُصَيٍّ فِي الْخُطُوبِ الْآوَائِلِ
ہم وہ خالص النسل ہیں جو بنو ہاشم اور بنو قصی سے تعلق رکھتے ہیں اور گزشتہ اہم معاملات کی
روح رواں ہم ہی رہے ہیں۔

وَسَهْمٌ وَ مَخْزُومٌ تَمَالَوْا وَآلَبُوا عَلَيْنَا الْعِدَا مِنْ كُلِّ طَيْلٍ وَخَامِلٍ
بنو سہم اور بنو مخزوم نے دشمنوں میں سے ہر کینے اور گھٹیا شخص کو ہمارے خلاف ابھارا اور
ترغیب دی۔

فَعَبَدَ مُنَافٍ أَنْتُمْ خَيْرُ قَوْمِكُمْ فَلَا تُشْرِكُوا فِي أَمْرِكُمْ كُلَّ وَاعِلٍ

لے لایا گیا ہے کیونکہ یہ اجل کے معنی میں ہے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی زائد حروف کو حذف کر کے بھی
جمع بنالی جاتی ہے۔ تصغیر بھی اسی طرح بناتے ہیں۔ الجادل۔ مجدل کی جمع ہے۔ اس کا معنی محل ہے گویا
اس سے جگہ کے پہاڑوں اور شام یا عراق کے محلات کے درمیان مکہ مراد ہے۔ فَمُجَادِلٍ کی فاء اتصال
کا معنی دیتی ہے لیکن واو اس معنی پر دلالت نہیں کرتی جس طرح شاعر کا قول ہے بَيْنَ الدُّخُولِ
فَحَوْمَلٍ۔ اور تمہارا یہ قول مُطَرْنَا بَيْنَ مَكَّةَ فَالْمَدِينَةِ۔ اس کا مطلب ہے مکہ معظمہ سے لے کر مدینہ
طیبہ تک ابر کرم برستا ہے۔ لیکن واو اس معنی کو ادا کرنے سے قاصر ہے اُولٰی جَذَلٍ مِنَ الْخُصُومِ
الْمَسَاجِلِ۔ مساجل کو جیم اور حاء دونوں سے روایت کیا گیا ہے۔ اگر یہ جیم سے ہو تو اس کا معنی گفتگو میں
کسی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اس کی اصل ہجل (ڈول) سے پانی نکالنا ہے۔ گویا کہ یہ مساجل کی جمع ہے

اے عبد مناف! تم اپنی قوم میں سے بہترین ہو تم اپنے معاملہ میں ہر گراں فروش کو شامل نہ کیا کرو۔

لَعَبْرِي لَقَدْ وَهَنْتُمْ وَ عَجَزْتُمْ وَ جِئْتُمْ بِأَمْرِ مُخْطِئٍ لِلْمَفَاصِلِ
میری حیاتی کی قسم! تم کمزور اور عاجز ہو چکے ہو اور تم ایسا معاملہ لے کر آئے ہو جو ایسے نشانے سے خطا کرنے والا ہے جو جوڑوں پر پڑے۔

وَ كُنْتُمْ حَدِيثًا حَطَبَ قَدْرٍ وَأَنْتُمْ الْآنَ حِطَابُ أَقْدَرٍ وَمَرَّاجِلٍ
پہلے تم صرف ایک ہنڈیا کا ایندھن تھے جب کہ اب تم بہت سی ہنڈیوں اور دیگیوں کا ایندھن بن چکے ہو۔

لَيَهْنِيءُ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ عَقُوقُنَا وَ خِذْلَانُنَا وَ تَرَكْنَا فِي الْمَعَالِ
بنو عبد مناف کو ہماری نافرمانی، رسوائی اور مشکل اوقات میں ہمیں چھوڑنا مبارک ہو۔
فَإِنْ نَكَ قَوْمًا نَتَّيْرُ مَا صَنَعْتُمْ وَ تَحْتَلِبُوهَا لِقَحَّةٍ غَيْرَ بَاهِلٍ
ہماری شان تو یہ ہے کہ ہم تمہارے برے اعمال کی پردہ پوشی کرتے ہیں لیکن تمہاری کیفیت یہ ہے کہ تم اس اونٹنی کی طرح دودھ نکالتے جاتے ہو جسے دو ہانہ گیا ہو۔

وَ سَانِطٌ كَانَتْ فِي لُؤْيٍ بْنِ غَالِبٍ نَفَاهُمْ إِلَيْنَا كُلُّ صَقَرٍ حُلَاحِلٍ
وہ تعلقات جو لوی بن غالب سے تھے حلاصل کے شکرے (ہر بہادر آدمی) نے ہم سے وہ تعلقات ختم کر لیے ہیں۔

وَرَهْطٌ نَفِيلٌ شَرٌّ مِنْ وَطِيٍّ الْحَصَى وَالْأَمُّ حَافٍ مِنْ مَعَدٍ وَ فَاعِلٍ

اور مفاعل کا زائدہ الف حذف کر دیا گیا ہے یا یہ مسجل کی جمع ہے یہ خصوم کی صفت ہے جبکہ مساعل، محل کی جمع ہے اس سے مراد زبان ہے۔ یہ خصوم کی صفت نہیں ہے۔ یہ اضافت کی وجہ سے مکسور ہے یعنی خَصْمَاءُ الْأَلْسِنَةِ۔ ابن احرر کا قول ہے۔ مَنْ خَطِيبٌ إِذَا مَا انْحَلَّ مِسْحَلُهُ جب اس کی زبان کھل جائے تو پھر خطیب کون ہو سکتا ہے؟۔ یہاں محل سے مراد زبان ہے یہ بھی محل سے مشتق ہے۔ اس کا ایک معنی بہنا ہے حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ جب ان کے امتحان کا وقت ختم ہوا فَجَاءَتْ سَحَابَةٌ فَسَحَلَتْ فِي الْبَيْدَرِ الْآخِرِ فِضَّةً۔ پس ایک بادل آیا جس نے آپ کی ایک کھلیان میں سونا برسا دیا دوسرا بادل آیا جس نے دوسرے کھلیان میں چاندی کی بارش کر دی۔

بنو نضیل کا قبیلہ زمین روندنے والوں میں سے سب سے زیادہ شریر ہے اور اولادِ معد کے عریاں پاؤں اور جوتے پہننے والوں میں سے سب سے زیادہ کمینہ ہے۔

فَأَبْلِغْ قُصِيًّا أَنْ سَيَنْشُرُ أَمْرُنَا وَ بَشِّرْ قُصِيًّا بَعْدَنَا بِالتَّخَاذُلِ
بنو قصی کو یہ پیغام پہنچا دو کہ عنقریب ہمارا معاملہ وسیع ہو جائے گا اور انہیں بشارت دے دو کہ تمہارے لئے ہمارے بعد رسوائی ہی ہے۔

وَلَوْ طَرَقَتْ لَيْلًا عَظِيمَةً إِذَا مَا لَجَأْنَا دُونَهُمْ فِي الْمَدَائِلِ
اگر کسی رات بنو قصی پر کوئی عظیم آفت آگئی تو پھر انہیں بچانے کے لئے ہم کوئی دخل اندازی نہیں کریں گے۔

وَلَوْ صَدَقُوا ضَرْبًا بِحِلَالِ بُيُوتِهِمْ لَكِنَّا أَسَىٰ عِنْدَ النِّسَاءِ الْمَطَافِلِ
اگر دشمن نے ان کے گھر میں گھس کر شمشیر زنی کی تو ہم پھر بچوں والی خواتین کے پاس نمونہ ہوں گے۔

وَ كُلُّ صَدِيقٍ وَابْنِ أُخْتٍ نَعْدُهُ لَعَنِي وَجَدْنَا غِيَةً غَيْرَ طَائِلِ
میری زندگی کی قسم! ہر دوست اور ہر وہ شخص جسے ہم اپنا بھانجا تصور کرتے ہیں ہم نے اسے پایا ہے کہ اس کا ہمیں ایک دن چھوڑ کر بھی ملنا سودمند نہیں ہے۔

سِوَى أَنْ رَهْطًا مِنْ كِلَابٍ بِنِ مَرْءَةٍ بَرَاءٍ إِلَيْنَا مِنْ مَعْقِلِهِ عَاذِلِ

قَيْضًا کا معنی معاوضہ ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ذوالجوشن سے کہا اِنْ بَشْتِ قَايِضَتُكَ بِهَ الْمُخْتَارِ مِنْ دُرُوعٍ بَذَرٍ فَقَالَ۔ مَا كُنْتُ لِأَقِيضَهُ الْيَوْمَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ۔ ”اگر تو چاہتا ہے تو میں تجھے اس گھوڑے کے عوض بدر کی ذر ہیں دے دیتا ہوں اس نے عرض کی میں آج اس گھوڑے کے عوض کوئی چیز نہیں لوں گا۔“ ذوالجوشن کو ابن القراء بھی کہا جاتا ہے۔ ابوالشیم کا شعر ہے۔

لَا تَنْكَرِي صَدِيٍّ وَلَا الْوَرَاضِي لَيْسَ الْمِقْلُ عَنِ الزَّمَانِ بِوَارِضٍ
بُذِلْتُ مِنْ بَرْدِ الشَّبَابِ مَلَانَةٌ عَاقِلًا وَ بَشْسَ مَقُوبَةً الْمُقْتَضِ
تو میرے امراض اور روکنے کا الکار نہ کر زمانہ سے ناراض شخص اس سے راضی نہیں ہو سکتا۔ شباب کی حسین چادر کے عوض مجھے پرانا کپڑا دیا گیا ہے۔ یہ معاوضہ کتنا برا ہے۔

غیاطیل سے مراد بنو سہم ہیں کیونکہ ان کی ماں کا نام غیطلہ تھا۔ اس کا نسب پہلے گزر چکا ہے۔ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ بنو سہم کو غیاطیل اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے ایک شخص نے اس جن کو قتل کر دیا

لیکن کلاب بن مرہ کا ایک قبیلہ اس سے مستثنیٰ ہے انہوں نے ہم سے کسی قسم کی قطع تعلقی نہیں کی۔

وَهَنَالَهُمْ حَتَّى تَبَدَّدَ جَمْعُهُمْ وَ يَحْسِرَ عَنَّا كُلُّ بَاغٍ وَ جَاهِلٍ
ہم نے انہیں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ ان کی جمعیت منتشر ہو گئی ہے۔ ہر باغی اور جاہل ہم سے دور ہو جاتا ہے۔

وَ كَانَ لَنَا حَوْضُ السِّقَايَةِ فِيهِمْ وَ نَحْنُ الْكُدَى مِنْ غَالِبٍ وَ الْكَوَاهِلِ
ہمارا پانی پلانے کا حوض انہی میں تھا۔ بنو غالب میں ہم ایک سخت چٹان کی مانند تھے۔
شَبَابٌ مِنَ النُّطْقِيِّينَ وَ هَاشِمٍ كَبِيضُ السُّيُوفِ بَيْنَ أَيْدِي الصَّمَاقِلِ
خوشبو والوں کے اور بنو ہاشم کے جوان ایسے ہیں کہ گویا کہ وہ صیقل کرنے والوں کے ہاتھوں میں چمکتی تلواریں ہیں۔

فَمَا أَدْرَكُوا دَحْلًا وَ لَا سَفَكُوا دَمًا وَ لَا عَالَفُوا إِلَّا شَرَّ الْقَبَائِلِ
نہ تو انہوں نے بدلہ لیا اور نہ ہی خونریزی کی اور نہ ہی قبائل میں سے شریر لوگوں کے علاوہ مخالفت کی۔

بِضَرْبٍ تَرَى الْفِتْيَانَ فِيهِ كَأَنَّهُمْ ضَوَارِي أُسُودَ فَوْقَ لَحْمٍ مَحْرَاوِلِ
ایسی شمشیر زنی ہوگی جس میں تو جوانوں کو دیکھے گا کہ گویا وہ چیرنے والے شیر ہیں جو گوشت

جو بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا جس کی وجہ سے مکہ معظمہ پر اندھیرا چھا گیا حتیٰ کہ لوگ شدت ظلمت سے گھبرا گئے۔ غیطلہ، شدید تاریکی کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح اکھڑے ہوئے درخت، آواز کے اختلاط، وحشی گائے اور اونگھ کی زیادتی کو بھی غیطلہ کہتے ہیں۔ یُحَسُّ اس کا معنی کی کرنا ہے۔ ہر چیز میں کمی کرنے والے کو حسیس کہتے ہیں۔ حُطْب رُكْب کی طرح اسم جمع ہے یہ جمع نہیں ہے۔ ان کی تصغیر حُطْبُ اور رُكْبُ آتی ہیں۔ ”حُطْبُ اقْدَارِ“ یہ حاطب کی جمع ہے۔ اس کی تصغیر نہیں آتی۔ تصغیر کے لئے اسے واحد کی طرف لوٹانا پڑے گا۔ پھر حُوتِ طَبُون کہا جائے گا۔

مِنْ كُلِّ طَيْلٍ وَ عَاطِلٍ۔ طَيْلٌ چور کو کہتے ہیں (ابی بحر) العین میں ہے کہ طمل فحش گوانسان کو کہتے ہیں۔ فقیر اور بھیڑے کو بھی الطمل کہا جاتا ہے۔ لِقْحَةُ غَمْرٍ بَاهِل۔ باہل اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے تھنوں کے سروں پر دھاگانہ باندھا گیا ہو اور اسے دوہا جاسکتا ہو۔ اسے نَاقَةُ مَضْرُودَةٍ بھی کہتے ہیں۔ یہ دھاگا اس لئے باندھا جاتا ہے تاکہ اس کا بچہ دودھ نہ پی سکے لیکن مصراۃ اس معنی میں مستعمل

کے ٹکڑوں پر پڑے ہیں۔

بَنِي أَمَّةٍ مَحْبُوبَةٍ هِنْدَكِيَّةٍ بَنِي جَنْحٍ عُبَيْدٍ قَيْسِ بْنِ عَاقِلٍ
اے ہندی محبوبہ لونڈی کے بچو! اے بنو حنح عبید بن قیس بن عاقل کی اولاد۔
وَلَكِنَّا نَسْلُ كِرَامَ لِسَادَةٍ بِهِمْ نَعْيُ الْأَقْوَامِ عِنْدَ الْبَوَاطِلِ
لیکن ہم تو عمدہ نسل کے وہ سردار لوگ ہیں جن کے ذریعے جنگ کے وقت اقوام کو موت کا
پیام سنایا جاتا ہے۔

وَنِعَمَ ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ غَيْرِ مُكَدِّبٍ زُهَيْرٌ حُسَامًا مُفْرَدًا مِنْ حَمَائِلِ
زہیر قوم کا کتنا عمدہ بھانجا ہے جسے جھٹلایا نہیں جاتا وہ ایک ایسی تلوار کی مانند ہے جسے نیام
سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔

أَشْمٌ مِنَ الشَّمِّ الْبَهَائِلِ يَنْتَبِيْ إِلَى حَسَبٍ فِي حَوْمَةِ الْمَجْدِ فَاضِلِ
وہ عظیم سرداروں سے بھی عظیم تر ہے وہ اس عظیم نسب کی طرف منسوب ہے جو فضیلت و
بزرگی میں بہت آگے ہے۔

لَعَبْرَى لَقَدْ كَلِفْتُ وَجْدًا بِأَحْمَدَ وَإِخْوَتِهِ دَأْبَ الْمَحِبِّ النَّوَصِلِ
مجھے اپنی عمر کی قسم! میں اسی طرح احمد مجتبیٰ ﷺ اور ان کے بھائیوں کی محبت میں گرفتار
ہوں جس طرح دائمی محبت کسی کی محبت کا اسیر ہوتا ہے۔

نہیں ہے یہ لفظ اس اونٹنی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنا دودھ اپنی کھیری میں جمع کر لیتی ہے۔ یہ ماء
صری (ٹھہرا ہوا پانی) سے مشتق ہے۔ ابو علی نے ”بارغ“ میں خطا کی ہے انہوں نے مصراۃ کو مصرورة
کے معنی میں کیا ہے۔ اس کی ایک بعید وجہ ہے وہ یہ ہے کہ ان کے لئے دوراء میں سے ایک کو یاء میں
بدلنے کی دلیل پکڑی جاتی ہے مثلاً قَصِيْتُ أَظْفَارِي لَیْکِنَ مَعْنٰی کے اعتبار سے یہ بعید ہے۔ کہا جاتا ہے
کہ ایک عورت اپنے خاوند کے تعاقب میں تھی وہ کہتی تھی کہ وہ اس کے پاس اس اونٹنی کی طرح آئی ہے
جس کے تھنوں پر کوئی دھاگا نہیں باندھا جاتا۔ اس نے اپنے خاوند سے کہا أَطْعَمْتُكَ مَاءً دَوْمِي
وَأَبْسَمْتُكَ مَكْتُومِي وَجِئْتُكَ بِأَهْلًا غَيْرَ ذَاتِ صِرَارٍ۔ میں نے تجھے اپنا سالن کھلایا، اپنے سر نہاں
سے تجھے آگاہ کیا اور تیرے پاس اس اونٹنی کی طرح آئی جس کے تھنوں پر دھاگانہ باندھا گیا ہو۔ حضور
ﷺ نے فرمایا لَا تُورِدِ الْإِبِلَ بُهْلًا فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَرْضَعُهَا۔ اپنی اونٹنی کو دھاگا باندھے بغیر
گھاٹ پر نہ لے جاؤ کیونکہ شیطان انہیں دودھ لیتے ہیں۔

فَلَا ذَالَ فِي الدُّنْيَا جَمَالًا لِأَهْلِهَا وَزَيْنًا لِّمَن وَالَاهُ رَبُّ الشَّكَاكِلِ
 امر و شوارکار ب ان لوگوں کو دنیاوی جمال سے آراستہ کرے اور انہیں مزین فرمائے جنہوں
 نے محمد ﷺ اور ان کے بھائیوں سے محبت کی۔

فَمَنْ مِثْلُهُ فِي النَّاسِ أَيُّ مُؤَمِّلٍ إِذَا قَاسَهُ الْحَكَامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ
 لوگوں میں سے آپ ﷺ کی مثل کون ہے کس سے امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں؟ جب
 فضائل میں زیادتی کا فیصلہ کرنے والوں نے فیصلہ کیا انہیں آپ ﷺ سے برتر نظر نہ آیا۔
 حَلِيمٌ رَّشِيدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ يُوَالِي إِلَهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلٍ
 وہ بردبار، ہدایت یافتہ، عادل ہیں اور جلد باز نہیں ہیں وہ ایسے معبود سے محبت کرتے ہیں جو ان
 سے غافل نہیں ہے۔

فَوَ اللَّهِ لَوْ لَا أَنْ أَجَى بِسَبِيَّةٍ تُجَرُّ عَلَى أَشْيَاخِنَا فِي الْمَحَافِلِ
 اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری وجہ سے ہمارے بزرگوں کو محافل میں برا بھلا کہا
 جائے گا۔

لَكِنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلَى كُلِّ حَالَةٍ مِنَ الدَّهْرِ جِدًّا غَيْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ
 تو پھر ہم آپ ﷺ کی ہر حالت میں اتباع کرتے اور یہ بات از روئے مذاق نہیں ہے۔
 لَقَدْ عَلِمُوا أَنْ ابْنَنَا لَا مُكَذِّبٌ لَدَيْنَا وَلَا يُعْنَى بِقَوْلِ الْبَاطِلِ
 یہ بات سب جانتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنے نورِ نظر کی تکذیب کرنے والا نہیں اور
 جھوٹوں کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی جاسکتی۔

فَاصْبَحَ فِينَا أَحْمَدُ فِي أَرْوَمَةٍ تُقْصِرُ عَنْهُ سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ
 احمد مجتبیٰ ﷺ ہم میں ایسے والدین کے ہاں جلوہ نما ہوئے ہیں کہ ظلم کرنے والوں کے

بِرَاءٌ عَلَيْنَا۔ کہا جاتا ہے قومِ برِاءٌ و برِاءٌ و برِاءٌ، برِاءٌ کی جمع ہے مثلاً کریم کی جمع کرام آتی
 ہے۔ برِاءٌ مصدر ہے جیسا کہ سلام مصدر ہے برِاءٌ اور برِاءٌ میں ہمزہ فعل کا لام کلمہ ہے کہا جاتا ہے رَجُلٌ
 بِرِاءٌ و رَجُلَانِ بِرِاءٍ۔ اس کو کسرہ دینا یا ضمہ دینا صرف جمع میں جائز ہے جبکہ برِاءٌ کی اصل برِاءٌ ہے جیسا
 کہ کرماء ہے اہل لغت دو ہمزوں کے اجتماع کو ثقیل سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ ہمزہ کو حذف کر دیتے ہیں
 اس کا وزن فعلاء تھا۔ جب وہ ہمزہ حذف کر دیا گیا جو فعل کا لام کلمہ ہے تو اس کا وزن فعلاء ہو گیا فعال
 کے مشابہ ہونے کی وجہ سے یہ میر منصف نے اس سے سب راوی ہوئے ہیں۔ (برِاءٌ، برِاءٌ)

ہاتھ ان کی شان کم کرنے سے قاصر ہیں۔

حَدِثْتُ نَفْسِي دُونَهُ وَ حَمِيَّتَهُ وَ دَافَعْتُ عَنْهُ بِالْذُّرَا وَالْكَلاَئِلِ
میں نے آپ کے لئے اپنے نفس کو انتہائی دکھ میں ڈالا ہے میں نے آپ ﷺ کی بھرپور
حمایت کی ہے اپنی پشت اور سینے سے آپ ﷺ کا دفاع کیا ہے۔

فَإِيْدَهُ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهِ وَأَظْهَرَ دِينًا حَقَّهُ غَيْرُ بَاطِلٍ
لوگوں کے پروردگار نے اپنی اعانت سے آپ ﷺ کی تائید کی اور آپ ﷺ کا دین حق
غالب کر دیا وہ دین جو باطل نہیں ہے۔

رِجَالٌ كِرَامٌ غَيْرُ مِيلٍ نَمَاهُمْ إِلَى الْخَيْرِ آبَاءُ كِرَامٍ الْمَحَاصِلِ
وہ کریم لوگ ہیں کسی کی طرف جھکاؤ نہیں رکھتے ان کے عظیم مقاصد والے آباء نے انہیں
بھلائی کی طرف بلایا ہے۔

فَإِنْ تَكُ كَعْبٌ مِنْ لُؤْيٍ صُعَيْبَةٌ فَلَا بُدَّ يَوْمًا مَرَّةً مِنْ تَزَايِلِ
اگر بنو کعب کا بنو لؤی سے قریبی تعلق ہے تو پھر اس اتفاق کا کسی دن منتشر ہو جانا بھی ضروری
ہے۔

حضور ﷺ کی دعا اور ابر کرم کا نزول

ابن ہشام کہتے ہیں مجھے ایک قابل اعتماد شخص نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ قحط
سالی کا شکار ہو گئے۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور قحط کی شکایت کی۔ نبی اکرم ﷺ
منبر پر تشریف لے گئے اور باران رحمت کے لئے دعا مانگی۔ ابھی چند ساعتیں ہی گزریں تھیں کہ

کی نسبت برائی اور برائی آتی ہے۔ بعض اہل لغت نے براء کو فعال کے وزن پر جمع مانا ہے اور ایسے
الفاظ آٹھ ہیں۔ فَرِيو، فُرَاء، عَرْن، عُرَان..... نحاس نے اسے براء کہا ہے۔

دعائے مصطفیٰ ﷺ اور رحمت کی بارش

اوپر بیان کردہ حدیث مبارک کئی اسناد سے مروی ہے ان کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے۔
حَسْبُ آتَاءِ أَهْلِ النَّوَا حِي..... ضَوَا حِي، ضَا حِيہ کی جمع ہے۔ اس زمین کو کہتے ہیں جو درختوں
سے خالی ہو اور وہاں سیلاب کے آنے کا بھی خطرہ ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر شہر کے خارج کو ضاحیہ کہا
جاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا۔ دوسری حدیث میں ہے اَللّٰهُمَّ ارْخُفْهُ عَنَّا۔ مولا! اسے ہم سے
اٹھا لے۔ یہ دعا مانگنے کا عمدہ ادب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور وہ نعمت ہے جو اس سے

بارش نازل ہونا شروع ہو گئی پھر چند دن بعد وہی لوگ دوبارہ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے بارش کی زیادتی کی شکایت کی آپ ﷺ نے دعا مانگی۔

اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا۔ مولا ہمارے ارد گرد برسا ہم پر نہ برسا

مدینہ طیبہ پر سے بادل ہٹ گئے اور ایک دائرہ کی شکل میں اس کے ارد گرد برسنے لگے۔ اس وقت ہی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَوْ اَدْرَكَ اَبُو طَالِبٍ هَذَا الْيَوْمَ لَسَرَّكَ۔ اگر ابوطالب آج کا دن پالیتے تو وہ مسرور ہو جاتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ان کے اس شعر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى..... آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ ابن ہشام کہتے ہیں۔ ابوطالب کا قول ثَبْرَقَةٌ۔ ابن اسحاق کے علاوہ کسی اور سے روایت ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ اَلْغَيَاطِطِلُ سے مراد بنو ہم بن عمرو بن ہصیص کے بعض افراد ہیں ابوسفیان بن حرب بن امیہ، مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف، زہیر بن ابی

طلب کی جاتی ہے پھر اس سے یہ مطالبہ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس نعمت کو اٹھالے، اور اس نعمت کو ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ سے تو دعا کی جاتی ہے کہ وہ مصائب کو مٹا دے اور نعمتوں کو فزوں کرے۔ اس واقعہ میں بارش طلب کرنے کی کیفیت کی بھی تعلیم ہے۔ آپ ﷺ نے عرض کی اللَّهُمَّ مَنَابِتِ الشَّجَرِ لیکن آپ ﷺ نے یہ نہیں عرض کی اِصْرِفْهَا اِلَى مَنَابِتِ الشَّجَرِ مولا! اسے درختوں کے اگنے کی جگہ کی طرف پھیر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ لطف کی وجہ سے خوب آشنا ہے اور وہ اس مصلحت سے بھی خوب آگاہ ہے جو اس بارش، شبنم اور نمی سے مطلوب ہے اور ان کی کیفیت اور مقدار سے بھی آگاہ ہے۔

اعتراض: اگر یہ کہا جائے کہ ابوطالب نے یہ کیسے کہا وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بَوَجْهٍ۔ حالانکہ انہوں نے کبھی مشاہدہ نہیں کیا تھا کہ حضور ﷺ نے بارش کی دعا مانگی ہو کیونکہ آپ ﷺ نے ایسی تمام دعائیں مدینہ طیبہ میں سفر اور حضر کی حالت میں کیں۔ وہاں مشاہدہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ان دعاؤں کو کتنی جلدی شرف قبولیت سے نوازا۔

جواب: ابوطالب نے عبدالمطلب کی زندگی میں بھی ایسے واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ اسی واقعہ کو پیش نظر رکھ کر ہی انہوں نے یہ شعر کہا ہے۔ ابوسلمان حمد بن محمد بن ابراہیم البستی النیساپوری روایت کرتے ہیں کہ رقیقہ بنت ابی صنی بن ہاشم کہتی ہیں قریش کو کئی سال لگا تار قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جس سے زمین خشک ہو گئی، ہڈیاں نرم ہو گئیں۔ اسی اثناء میں کہ میں سورہی تھی میرے ساتھ میرا بھائی بھی تھا، میں نے بلند آواز سنی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا۔ ”اے گروہ قریش! تم میں نبی کریم ﷺ تشریف لا چکے

امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم اور اس کی والدہ عاتکہ بنت عبد المطلب ہے۔
ابن اسحاق کہتے ہیں اسید کے جوان بیٹے کا نام عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ بن
عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھا۔ عثمان بن عبید اللہ سے مراد طلحہ بن عبید اللہ التیمی کا بھائی تھا قنقد
سے مراد عمیر بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کا بیٹا تھا ابو الولید سے مراد عقبہ
بن ربیعہ ہے اور ابی سے مراد بن شریق، بنوزہرہ بن کلاب کا حریف ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں چونکہ غزوہ بدر کے دن یہ لوگوں کو لے کر پیچھے ہٹ گیا تھا اس لئے اس کا
نام احنس پڑ گیا ورنہ اس کا نام ابی تھا اس کا تعلق بنو علاج سے تھا علاج سے مراد ابن ابی سلمہ بن
عوف بن عقبہ ہے۔ اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہے سمیع بن
خالد ہے ابو بلحارث بن فہر اور نوفل بن خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی ہے اسے ابن عدویہ
بھی کہتے تھے۔ یہ قریش کے شیطان لوگوں میں سے تھا۔ اسی نے ہی اس وقت حضرت ابو بکر
صدیق اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کو اکٹھا باندھا تھا جب انہوں نے اسلام قبول کیا
تھا۔ اسی وجہ سے وہ قرینین کے لقب سے ملقب ہوئے۔ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم
نے اسے غزوہ بدر کے دن واصل جہنم کیا تھا۔ ابو عمرو سے مراد قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد
مناف ہے ”قَوْمٌ عَلَيْنَا اِظْنَةُ“ سے مراد بنو بکر بن عبد مناة بنت کنانہ ہے۔ مذکورہ بالا تمام افراد
کا تذکرہ ابوطالب نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔

ہیں۔ ان کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے وہ موسلا دھار بارش اور شادابی کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے ہیں
ارے! تم اپنے قبیلے میں سے ایک لمبا، موٹا، سفید، بلند آواز اور ستواں ناک والا شخص تلاش کرو۔ اس
کیلئے ایک ایسا فخر ہوگا جس کا وہ اظہار نہ کر رہا ہوگا۔ وہ عظیم شخص اور اس کا مبارک بچہ خلوص کا اظہار
کریں۔ ہر وادی کا ایک ایک شخص ان کے پاس جائے، تمام صاف پانی سے غسل کریں۔ عمدہ خوشبو
لگائیں، بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کریں۔ ارے! ان میں ایک طیب و طاہر ذات ہے۔ وہ شخص ابر
رحمت کیلئے دعا مانگے۔ پوری قوم آمین کہے ارے! پھر تم پر ایسا ابر کرم برے گا کہ تم ہمیشہ شاداں رہو
گے۔“ بنت ابی صفی کہتی ہیں۔ ”یہ سن کر میں گھبرا گئی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میری عقل
جواب دے گئی۔ میں نے تمام لوگوں کو اپنا خواب سنایا حرم اور حرمت کی قسم! مکہ کے بایوں میں سے ہر
شخص نے کہا مذکورہ بالا صفات تو شبیۃ الحمد (عبد المطلب) کی ہیں تمام قریش ان کے پاس جمع ہو گئے ہر
وادی میں سے ایک ایک شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تمام نے غسل کیا، خوشبو لگائی، بیت اللہ

ذکر مصطفیٰ ﷺ کی شہرت

جب نبی محترم ﷺ کا ذکر مبارک عرب میں پھیلا، شہروں میں آپ ﷺ کے تذکرے ہونے لگے تو مدینہ طیبہ میں بھی آپ ﷺ کا چرچا ہوا نبی اکرم ﷺ کی اس شہرت سے پہلے یا بعد کوئی بھی قبیلہ آپ ﷺ کو اوس اور خزرج سے زیادہ نہ جانتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہودیوں کے حلیف تھے وہ ان کے شہروں میں مقیم تھے۔ یہودی علماء انہیں نبی اکرم ﷺ کے متعلق بتایا کرتے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ کا ذکر مبارک مدینہ طیبہ میں ہونے لگا تو لوگوں نے اس اختلاف کا بھی تذکرہ کیا جو آپ ﷺ اور قریش کے مابین ہوا تھا۔ اس وقت ابوقبیس بن الاسلت نے یہ قصیدہ لکھا۔ اس کا تعلق بنو واقف سے تھا۔

کا طواف کیا اور حجر اسود کو چوما پھر کوہ ابی قُبیس پر چڑھ گئے۔ تمام لوگ حضرت عبدالمطلب کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ وہ انتہائی نرم چال چل رہے تھے بالآخر وہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ گئے لوگوں نے آپ کے دامن کو تھام لیا۔ حضرت عبدالمطلب کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کا سعادت مند پوتا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے انہیں اپنے کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کم عمر تھے پھر حضرت عبدالمطلب نے بارگاہ ایزدی میں التجاء کی ”اے مولا! اے محتاجی کو دور فرمانے والے، مصیبت کو ختم کرنے والے تو سب کچھ جانتا ہے تجھے سکھایا نہیں جاسکتا، تیری بارگاہ سے ہی مانگا جاتا ہے تو ذرہ بھر بھی بخیل نہیں ہے۔ مولا! یہ تیرے بندے اور لونڈیاں ہیں۔ یہ تیرے حرم کے صحن میں جمع ہیں۔ یہ اپنی قحط سالی کے لئے تیری بارگاہ میں عرض کناں ہیں۔ اے رب غفور! ہماری التجاء کو سن لے ہم پر موسلا دھار اور خوشگوار بارش نازل فرما“۔ بیت اللہ کی قسم! ابھی لوگ اپنی اپنی جگہ پر ہی تھے کہ آسمان بارش سے پھٹ پڑا اور اتنا سیلاب آیا کہ وادی تنگ ہو گئی۔

اس روایت کو ابوسلیمان نے ابن الاعرابی سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن علی نے، یعقوب بن محمد سے، انہوں نے عبدالعزیز بن عمران سے، انہوں نے ابن خویصہ سے، وہ محزمہ بن نفیل سے اور وہ اپنی والدہ رقیقہ بنت ابی مسلمی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ واقعہ رقیقہ سے ہی ایک اور سند سے بھی روایت کیا گیا ہے جس میں ہے ارے! تم اپنے قبیلے میں سے ایک بھاری جسیم اور عظیم شخص کو تلاش کرو۔ جن کی ابرو گھنی ہوں۔ حضرت عبدالمطلب کے ساتھ حضور ﷺ بھی تھے.....

ابوقیس بن الاسلت، اس کا نسب اور اس کے بارگاہ رسالت میں عقیدت کے پھول ابن ہشام کہتے ہیں ابن اسحاق نے یہاں ابوقیس کو بنو واقف کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ حدیث فیل میں اسے خطمہ سے منسوب کیا ہے کیونکہ اہل عرب بعض اوقات کسی آدمی کا نسب اس کے دادا کے بھائی سے ملا دیتے تھے کیونکہ دادا سے دادا کا بھائی زیادہ شہرت کا حامل ہوتا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ ابو عبیدہ نے مجھے بتایا ہے کہ حکم بن عمرو الغفاری نعلیہ کی اولاد میں سے تھا۔ نعلیہ غفار کا بھائی تھا اس سے مراد غفار بن ملیل ہے۔ نعلیہ بھی مکیل بن ضمیرہ بن بکر بن عبد مناة کا بیٹا تھا۔ عتبہ کو غزوہ ان السملی کا بیٹا بھی کہتے تھے۔ یہ مازن بن منصور اور سلیم بن منصور کی اولاد میں سے تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں ابوقیس بن الاسلت کا تعلق بنو وائل سے تھا۔ وائل، واقف اور خطمہ اس کے بھائیوں میں سے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ابوقیس قریش سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ وہ ان کا داماد بھی تھا۔ ارنب بنت اسد بن عبد العزی بن قصی اس کی بیوی تھی وہ اپنی بیوی کے ساتھ قریش کے ہاں کئی سال ٹھہرا کرتا تھا۔ اس نے ایک ایسا قصیدہ لکھا جس میں بیت اللہ کی عظمت کا ذکر کیا، قریش کو وہاں قتل و غارت کرنے سے منع کیا۔ انہیں وہاں ایک دوسرے کو اذیت دینے سے روکا۔ ان کی فضیلت و شرف کا تذکرہ کیا۔ انہیں نبی اکرم ﷺ کو تکلیف نہ دینے کے لئے کہا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی آفات یاد کرائیں۔ ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں کا انجام یاد کرایا وہ اپنے

ابن الاسلت اور اس کا قصیدہ

ابن ہشام نے ان تمام لوگوں کو ہلکا سا تعارف کرا دیا ہے جن کا تذکرہ ابو طالب نے اپنے قصیدہ میں کیا ہے پھر انہوں نے ابن الاسلت کے قصیدے کا تذکرہ کیا ہے۔ اسلت کا نام عامر تھا۔ انتہائی چسٹی ناک والے کو اسلت کہا جاتا ہے۔ یہ بد دعا بھی دی جاتی ہے سَلَّتَ اللّٰهُ اَنْفَهُ۔ اللہ تعالیٰ اس کی ناک کو چپٹا کرے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ حضرت بشر بن عاصم کو کسی شہر کا گورنر مقرر کریں۔ انہوں نے حضرت بشر کو خط لکھا اور یہ عہدہ قبول کرنے کے لئے کہا لیکن حضرت بشر نے انکار کر دیا اور فرمایا ”مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے رسول مکرم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ ”روزِ حشر عہدہ داران کو لایا جائے گا وہ جہنم کے پل پر کھڑے ہو جائیں گے ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو گا وہ اسے دائیں ہاتھ سے پکڑے گا حتیٰ کہ اسے نجات عطا

اشعار میں کہتا ہے۔

يَا رَاكِبًا اِمَّا عَرَضَتْ فَبِلَّغْنِ مُغْلَغَلَةً عَنِّي لُوًى بَنَ غَالِبِ
اے شہسوار! اگر تو حرمِ کعبہ کی طرف جا رہا ہے تو میری طرف سے بنو لوی بن غالب کو پیغام پہنچا دینا۔

رَسُولُ امْرِي قَدْ رَاعَهُ ذَاتُ بَيْنِكُمْ عَلَى النَّأْيِ مَخْزُونٍ بِذَلِكَ نَاصِبِ
ایسے شخص کا قاصد بن کر جا جسے تمہارے باہمی اختلاف نے مغموم کر دیا ہے اور تمہارے فراق میں مضطرب اور پریشان ہے۔

وَقَدْ كَانَ عِنْدِي لِلْهُوْمِ مُعَرَّسٌ فَلَمْ أَقْضِ مِنْهَا حَاجَتِي وَمَا رَبِيْ
غموں اور دکھوں کی ظلمت مجھ پر چھا گئی ہے نہ تو ان سے میری حاجت پوری ہوئی ہے اور نہ میرے مقصد میں کامیابی ہوئی۔

نَبِيَّتُكُمْ شَرَجَيْنِ كُلِّ قَبِيلَةٍ لَهَا اَزْمَلٌ مِنْ بَيْنِ مُذَلِّكٍ وَ حَاطِبِ
مجھے تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ تم دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہو۔ جن میں سے ایک گروہ ایندھن اکٹھا کر رہا ہے اور دوسرا اسے آگ لگانے کے لئے کوشاں ہے۔ ہر قبیلے نے غل مچا رکھا ہے۔

أَعْيَدُكُمْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ صُنْعِكُمْ وَ شَرِّ تَبَاغِيْكُمْ وَ دَسِّ الْعَقَارِبِ
میں تمہارے کرتوتوں کے شر سے، تمہاری باہمی عداوت و بغاوت کے شر سے اور بچھوؤں کے کاٹنے سے تمہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

کرے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوگا تو پل اسے آگ کی وادی میں پھینک دے گا۔ وہ وادی جو آگ کی وجہ سے شعلہ فشاں اور شرر بار ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کی طرف پیغام بھیجا۔ ان کے آنے پر آپ نے حضرت ابوذر سے پوچھا کیا آپ نے یہ حدیث حضور اکرم ﷺ سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! قسم بخدا! اس وادی کے بعد آگ کی ایک اور وادی ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا لیکن انہوں نے کوئی جواب دینا پسند نہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ آگ کس کے حصہ میں آئے گی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مَنْ سَلَّتْ اللّٰهُ اَنْفَهُ وَ عَيْنَيْهِ وَ اَضْرَعَ خَدَّهُ اِلَى الْاَرْضِ۔ جس کے ناک اور آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا ہوگا اور اسے ذلیل کیا ہوگا۔

وَإِظْهَارِ أَخْلَاقٍ وَ نَجْوَى سَقِيمَةٍ . كَوَعَزِ الْأَشَافِي وَقَعَهَا حَقٌّ صَائِبٌ
میں اللہ تعالیٰ کی اخلاق کے اظہار اور ایسی جنگوں کے متعلق سرگوشی کرنے سے پناہ مانگتا
ہوں جن کی نوکیں آریوں کی طرح سیدھی ہوتی ہیں۔

فَدَكَّرَهُمْ بِاللَّهِ أَوَّلَ وَهَلَةٍ وَإِحْلَالَ أَحْرَامِ الظُّبَاءِ الشَّوَاذِبِ
سب سے پہلے انہیں اللہ کا نام لے کر نصیحت کر اور حرم پاک کی کمزور ہریوں کو حلال سمجھنے
سے روک۔

وَقُلْ لَهُمُ وَاللَّهُ يَحْكُمُ حُكْمَهُ ذَرُوا الْحَرْبَ تَذْهَبُ عَنْكُمْ فِي الرِّاحِ
ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ جاری کرتا ہے کہ تم جنگ سے پناہ لو وہ تمہیں چھوڑ کر وسیع
میدانوں کی طرف چلی جائے گی۔

مَتَى تَبْعَتْوَهَا تَبْعَتْوَهَا ذَمِيمَةٌ هِيَ الْغَوْلُ لِلْأَقْصَيْنِ أَوْ لِلْأَقَارِبِ
جب بھی تم جنگ لڑو گے اس کے نتائج برے ہی ہوں گے۔ یہ بیگانوں اور عزیز واقارب
کے لئے ہلاکت ہے۔

تَقْطَعُ أَرْحَامًا وَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ وَ تَبْرِي السَّدِيفَ مِنْ سَنَامٍ وَ غَارِبِ
جنگ رشتوں کو منقطع اور اقوام کو ہلاک کر دیتی ہے۔ یہ پیٹھ سے اور کوہان سے گوشت کو کاٹ
کر رکھ دیتی ہے۔

وَ تَسْتَبْدِلُوا بِالْأَتْحِيَّةِ بَعْدَهَا سَلِيلًا وَأَصْدَاءَ نِيَابِ الْمَحَارِبِ

الْمُغْلَلَةُ۔ کسی چیز کی انتہا تک داخل ہونے کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے ہے تَغْلَلٌ فِي الْبِلَادِ۔
شہروں میں داخل ہونے میں دور تک جانا۔ اس کی اصل تَغْلَلٌ اور مُغْلَلَةٌ ہے لیکن ایک لام کو غین میں
تبدیل کر دیا گیا ہے جس طرح کہ مضاعف میں اکثر کیا جاتا ہے یہ الْغُلُّ اور غِلَالَةٌ سے مشتق ہے
غُلٌّ اس پانی کو کہا جاتا ہے جس کو نباتات اور درخت چھپالیں الْغِلَالَةُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے
نیچے آنے والی شے کو چھپالے۔ نُبَيْتُكُمْ شَرٌّ جَمِينٍ۔ شَرٌّ جَمِينٍ سے مراد دو مختلف فریق ہیں نُبَيْتُكُمْ
مشکل لفظ ہے شیخ کے حاشیہ میں نُبَيْتُكُمْ ہے۔ معنی میں یہ زیادہ واضح ہے اس میں کچھ زحاف ہیں لیکن
اس سے معنی میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا جبکہ لفظ "النَّبَيْتُ" کا اس شعر میں استعمال معنی کے اعتبار سے
بعید ہے الْآذَمَلُ۔ آواز، الْكَذْبِيُّ آگ جلانے والا۔ الْحَاطِبُ لکڑیاں اکٹھی کرنے والا۔ جنگ کی
آگ کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔

جنگ کے بعد تم یمنی چادروں کے بدلے چھوٹی چھوٹی ذرہیں اور زنگ آلود ذرہوں کے نیچے تمہیں کپڑے پہننے ہوں گے۔

و بِالْمِسْكِ وَالْكَافُورِ غَيْرًا سَوَابِغًا كَانَ قَتِيرِيهَا عَيُونُ الْجَنَابِ
مشک اور کافور کے بدلے تمہیں گرد آلود لمبی زرہیں پہننا پڑیں گی۔ ان کے حلقے ٹڈیوں کی آنکھوں کی مانند ہوں گے۔

إِيَّاكُمْ وَالْحَرْبَ لَا تَعْلَقَنَّكُمْ وَ حَوْضًا وَ حِثَمَ الْمَاءِ مَرَّ الْمَشَارِبِ
جنگ سے بچو کہیں یہ تمہیں چمٹ نہ جائے۔ یہ ایک ایسے حوض کی طرح ہے جس کا پانی نقصان دہ اور تلخ ہے۔

تَزَيْنَ لِلْأَقْوَامِ ثُمَّ يَرَوْنَهَا بِعَاقِبَةٍ إِذْ بَيَّنَّتْ، أُمُّ صَاحِبِ
جنگ اقوام کے لئے اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے جب بالآخر یہ واضح ہوتی ہے اور لوگ اس کا انجام دیکھتے ہیں تو یہ دوست کی والدہ کی طرح بڑھیا ہوتی ہے۔

تُحْرِقُ، لَا تُشْوِي ضَعِيفًا وَ تَنْتَجِي ذَوِي الْعِزِّ مِنْكُمْ بِالْحَتُوفِ الصَّوَابِ
یہ جلا دیتی ہے، کسی کمزور سے اس کا نشانہ خطا نہیں ہوتا یہ تم میں سے معززین پر سیدھے نیزے لے کر حملہ آور ہوتی ہے۔

أَلَمْ تَعْلَمُوا مَا كَانَ فِي حَرْبٍ دَاحِسٍ فَتَعْتَبِرُوا أَوْ كَانَ فِي حَرْبٍ حَاطِبٍ
کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جنگ داحس میں کیا ہوا تھا یا جنگ حاطب میں کیا ہوتا تھا پس تم اسی سے عبرت پکڑو۔

أَرَى غُلَّ الرَّمَادِ وَمِصْصَ جَنْبٍ وَ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ لَهَا ضِرَامٌ
فَإِنَّ النَّارَ بِالْعُودَيْنِ تُذَلِّى وَ إِنَّ الْحَرْبَ أَوَّلُهَا الْكَلَامُ
میں راکھ کے مابین آگ کی چنگاری کی چمک دیکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ بھڑک اٹھے۔ آگ دو لکڑیوں سے جلائی جاتی ہے لیکن جنگ کا آغاز گفتگو سے ہوتا ہے۔

الغول۔ ہلاک، غضب کو غول الجلم (غضب، حلم کو تباہ کر دیتا ہے) کہا جاتا ہے الغول، پیٹ کے درد کو کہتے ہیں۔ لَا فِيهَا غَوْلٌ کی تفسیر میں امام بخاری نے یہی لکھا ہے۔ إِحْلَالُ إِحْرَامِ الظُّبَاءِ الشَّوَابِ۔ تمہارا شہر حرمت والا ہے جس میں کمزور ہرن پناہ گزین ہوتے ہیں۔ وہ ہرن زیادہ مسافت طے کرنے کی وجہ سے حد درجہ ناتواں ہو چکے ہوتے ہیں۔ جب اس حرم پاک میں ہرن کا خون بہانا

وَكَمْ قَدْ أَصَابَتْ مِنْ شَرِيفٍ مُسَوِّدٍ طَوِيلِ الْعِمَادِ، ضَيْفُهُ غَيْرُ خَائِبٍ
جنگ نے ان عظیم سرداروں کو کتنی مصیبت میں ڈال دیا جن کی عمارات بلند و بالا تھیں اور جن
کے مہمان کبھی بھی خائب و خاسر ہو کر نہ لوٹے تھے۔

عَظِيمِ رَمَادِ النَّارِ يُحَمَّدُ امْرَأَةً وَذِي شَيْبَةٍ مَحْضٍ كَرِيمِ الْمَضَارِبِ
مہمان نوازی کی وجہ سے اس کی آگ کی راکھ بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اس کے کام کی تعریف
کی جاتی تھی۔ وہ بڑا بااخلاق، پر خلوص اور شمشیر زن تھا۔

وَمَاءٌ هَرِيقٌ فِي الضَّلَالِ كَأَنَّمَا أَذَاعَتْ بِهِ رِيحُ الصَّبَا وَالْجَنَائِبِ
اور اس پانی کی طرح جسے چٹیل میدان میں پھینک دیا گیا ہو اور مشرقی اور جنوبی ہوائیں اسے
ارد گرد بکھیر دیا ہو۔

وَيُخَبِّرُكُمْ عَنْهَا امْرَأَةٌ حَقٌّ عَالِمٌ بِأَيَّامِهَا وَالْعِلْمُ عِلْمُ التَّجَارِبِ
جنگ کی ان کیفیات کے متعلق وہ شخص بتا رہا تھا جو ان سے پوری طرح آشنا ہے اور علم،
در اصل تجربات کا علم ہی ہوتا ہے۔

فَبِيعُوا الْحِرَابَ مِلْحَارِبٍ وَادْكُرُوا حِسَابَكُمْ وَاللَّهُ خَيْرٌ مُحَاسِبٍ
آلات جنگ کو عبادت گاہوں کے عوض فروخت کر ڈالو۔ اپنا حساب یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ
بہترین محاسبہ کرنے والا ہے۔

وَلِيَّ امْرَأَةٍ، فَاخْتَارَ دِينًا فَلَا يَكُنْ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا غَيْرَ رَبِّ الثَّوَاقِبِ
جس نے دین اختیار کیا اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ کا خود نگہبان ہوتا ہے۔ ستاروں کے رب
کے علاوہ تم پر کوئی اور نگران نہیں ہونا چاہئے۔

جائز نہیں تو پھر تمہاری خونریزی کیسے روا ہو سکتی ہے؟ إِحْرَامُ الطَّبَاءِ سے مراد ہرن کا حرم میں داخل ہونا
ہے۔ جو شخص بھی شہر حرام میں داخل ہوا سے محرم کہا جاتا ہے۔ الْآتَحْيِيَّةُ۔ نرم کپڑے جو یمن میں بنائے
جاتے ہیں۔ الشَّلِيلُ۔ چھوٹی ذرہ۔ أَصْدَاءُ جَمْع ہے اور صَدَاءُ الْحَدِيدِ سے مشتق ہے۔ الْقَتِيرُ۔
ذرہ کے سرے۔ ان کوٹڈی کی آنکھوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تنوخی نے اپنے شعر میں بھی یہ معنی استعمال
کیا ہے۔

كَاتَوَابِ الْأَرَاقِمِ مَزَقَّتْهَا فَخَاطَطَتْهَا بِأَعْيُنِهَا الْجَرَادُ

ساپوں کے کپڑوں کی مانند۔ جن کو پہلے ٹڈی نے پھاڑا پھر انہیں اپنی آنکھوں سے سی دیا۔

اَقْبِسُوا لَنَا دِينًا حَنِيفًا فَانْتُمْ لَنَا غَايَةٌ قَدْ يُهْتَدَى بِالدِّوَانِبِ
ہمارے لئے دین حنیف قائم کرو تم ہی ہماری انتہا ہو۔ کبھی کبھی بلند یوں سے بھی راہ نمائی
حاصل کی جاتی ہے۔

وَ اَنْتُمْ لِهَذَا النَّاسِ نُورٌ وَ عِصْمَةٌ تَوْمُونٌ، وَالْاَحْلَامُ غَيْرُ عَوَازِبِ
تم ان لوگوں کے لئے نور اور عصمت ہو۔ تمہاری پیروی کی جاتی ہے۔ دانا کم عمر لوگ بھی ہو
سکتے ہیں۔

وَ اَنْتُمْ اِذَا مَا حَصَلَ النَّاسُ جَوْهَرٌ لَّكُمْ سُرَّةُ الْبَطْحَاءِ شَمُّ الْاَرَانِبِ
جب لوگوں کا خلاصہ نکالا جائے تو تم ہی ان کے جوہر ہو تم بطحا کے سردار اور اونچی ناک
والے ہو۔

تَصُونُونَ اَجْسَادًا كِرَامًا عَتِيقَةً مُهَذَّبَةً الْاَنْسَابِ غَيْرَ اَشَائِبِ
تم کریم اور آزاد اجسام کی حفاظت کرتے ہو ان کے نسب اتنے پاکیزہ ہیں کہ ان میں مخلوط
ہونے کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

يُرَى طَالِبُ الْحَاجَاتِ نَحْوَ بَيُوتِكُمْ عَصَائِبَ هَلَكِي تَهْتَدِي بِعَصَائِبِ
محتاج شخص تمہارے گھروں کی طرف دیکھتا ہے۔ تباہ شدہ لوگوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کی
راہ نمائی کرتا ہے۔

لَقَدْ عَلِمَ الْاَقْوَامُ اَنَّ سَرَائِكُمْ عَلَى كُلِّ حَالٍ خَيْرٌ اَهْلِ الْحَبَابِ

تَزَيْنَ۔ یہ شعر عمرو بن معدی کرب کے ان اشعار کی مانند ہے۔

الْحَرْبُ اَوَّلُ مَا تَكُونُ فَتِيَّةٌ تَسْعَى بِبِزَّتِهَا لِكُلِّ جَهُولٍ
ابتداء میں جنگ ایک دوشیزہ کی طرح نظر آتی ہے جو ہر جاہل کے لئے کپڑے پہن کر مچلتی ہے۔
حَتَّى اِذَا اشْتَغَلَتْ وَ ثَبَّ ضِرَامُهَا وَلَتْ عُجُوزًا غَيْرَ ذَاتِ خَلِيلٍ
حتیٰ کہ جب وہ شعلہ بار ہو جاتی ہے اور اس کا انگارہ جوان ہو جاتا ہے تو وہ اس بڑھیا کی مانند پیٹھ
پھیر جاتی ہے جو کسی کی دوست نہیں بنتی۔

شَطَاءٌ جَزَتْ رَاسَهَا فَتَنَكَّرَتْ مَكْرُوْهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِيلِ
وہ سفید و سیاہ بالوں والی بڑھیا کی مانند ہوتی ہے جس نے اپنے بال کتر وادیئے ہوں۔ وہ اتنی بد
صورت ہو جاتی ہے کہ اسے سونگھنے یا چومنے سے کراہت آتی ہے۔

فَلَمْ آتَاكُمْ نَصْرُ دِي الْعَرْشِ رَدَّهُمْ جُنُودُ الْمَلِكِ بَيْنَ سَافٍ وَ حَاصِبٍ
جب عرشِ کریم کے مالک کی مدد تمہارے پاس آپہنچی اور سلطانِ اعظم کے لشکر نے انہیں لوٹا
دیا وہ لشکر جو مٹی برسانے اور سنگریزے برسانے والوں کے مابین تھا۔

فَوَلُّوا سِرَاعًا هَارِ بَيْنَ، وَلَمْ يَوُبْ إِلَى أَهْلِهِ الْيَلْحِبِشِ غَيْرُ عَصَائِبِ
وہ جلدی جلدی بھاگتے ہوئے ڈور گئے اور اہل حبشہ کا ہر گروہ اپنے گھر پہنچنے سے پہلے منتشر
ہو چکا تھا۔

فَإِنْ تَهَلَّكُوا، تَهْلِكُ مَوَاسِمَ يُعَاشُ بِهَا، قَوْلُ أَمْرِي غَيْرِ كَذِبٍ
اگر تم برباد ہو گئے تو ہم بھی ہلاک ہو جائیں گے اور حج کے وہ ایام جن پر معیشت کا دار و مدار
ہے وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہ اس شخص کا قول ہے جو جھوٹا نہیں ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ وَمَاءُ هَرِيقٍ، فَبِيعُوا الْحُرَابِ، وَلِيَّ أَمْرِي اور عَلَى الْقَذَفَاتِ
والے اشعار مجھے ابوزید انصاری وغیرہ نے سنائے ہیں۔

جنگِ داحس

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابن الاسلت نے اپنے قصیدہ میں جنگِ داحس کا ذکر کیا ہے۔ ابو
عبیدہ النخوی نے مجھے بتایا ہے کہ داحس قیس بن زہیر بن جدیمہ بن رواحہ بن ربیعہ بن حارث بن

وَلِيَّ أَمْرِي فَاخْتَارَ دِينًا فَإِنَّمَا۔ یہ عبارت دراصل ہو وَلِيَّ أَمْرِي فَاخْتَارَ دِينًا تھی ابو حسن کے نزدیک
فاءِ زائدہ ہے وہ زیداً فَاضْرِبْ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں بھی فاءِ معلقہ (زائدہ) ہے دیگر علمائے نحو
اس فاء کو عاطفہ بناتے ہیں۔ وہ اس سے قبل فعل مضمر مانتے ہیں گویا کہ اصل عبارت یوں تھی وَلِيَّ أَمْرِي
تَدْنِينَ فَاخْتَارَ دِينًا تھی۔ بَيْنَ سَافٍ وَ حَاصِبِ۔ السانی اس شخص کو کہتے ہیں جو مٹی پھینک رہا ہو۔
کنکریاں مارنے والے کو حاصِب کہتے ہیں۔ الجباحب۔ منی کے گھر۔ (ابن اسحاق) علامہ برقی کہتے
ہیں منی کے ایک گڑھے کا نام جباحب تھا جس میں قربانیوں کا خون جمع ہوتا تھا۔ اہل عرب اس پر فخر کرتے
تھے اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔ ایک قول کے مطابق او جھ کو بھی جباحب کہتے ہیں۔

جنگِ داحس

ابن ہشام نے جنگِ داحس کے متعلق انتہائی مختصر لکھا ہے۔ داحس قیس بن ابی زہیر کے گھوڑے کا
نام تھا۔ داحس کا معنی مدحوس (سوجھا ہوا) ہے جس طرح دافق کا معنی مدفوق ہے۔ دحس کا معنی کسی تنگ

مازن بن قطیعہ بن عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان کے گھوڑے کا نام تھا۔ اس نے اسے حذیفہ بن بدر بن عمرو بن زید بن جویہ بن لوذان بن ثعلبہ بن عدی بن فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان کی گھوڑی کے ساتھ دوڑایا اس کا نام ”غبراء“ تھا۔ حذیفہ نے اپنی قوم کے چند افراد کو چھپا دیا اور انہیں کہا کہ اگر وہ دیکھیں داحس دوڑ جیت رہا ہے تو وہ اس کے چہرے پر کوئی چیز مار دیں۔ داحس دوڑ میں غبراء سے آگے نکل گیا۔ ان پوشیدہ افراد نے داحس کے منہ پر ضرب لگائی جس سے وہ وہیں رک گیا اور غبراء جیت گئی۔ داحس کے سوار نے قیس کو حقیقت حال بتائی۔ قیس کے بھائی مالک بن زہیر نے غبراء کے چہرے پر طمانچہ مارا حمل بن بدر نے مالک کو مارا پھر ابو جنید العبسی نے عوف بن حذیفہ کو قتل کر دیا پھر بنو فزارہ کے ایک شخص نے مالک کو قتل کر دیا حمل بن بدر، حذیفہ بن بدر کا بھائی کہتا ہے۔

جگہ زور سے ہاتھ ڈالنا ہے۔ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک لڑکے کے پاس سے گذرے۔ وہ بکری کی کھال اتار رہا تھا آپ ﷺ نے اسے ایک طرف ہونے کے لئے کہا تا کہ آپ ﷺ اسے دیکھ سکیں۔ ثُمَّ دَحَسَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِيَدِهِ بَيْنَ الْجُلْدِ وَاللَّحْمِ۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی کھال اور جلد کے درمیان اپنا ہاتھ ڈالا حتیٰ کہ آپ ﷺ کا دست اقدس اس کی بغل تک پہنچ گیا۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی اور وضوء نہ کیا۔

داحس بھی اسی نام سے مشہور تھا کیونکہ اس کی ماں بنو تمیم کے ایک شخص کی بیوی تھی۔ پھر وہ بنو ربوع کے ایک شخص کی زوجیت میں چلی گئی اس کا نام قرداش بن عوف تھا، اس کی گھوڑی کا نام ”جلوی“ تھا، ذوالعقال، حوط بن جابر کا خوبصورت گھوڑا تھا، دو لڑکیاں اسے پانی پلانے کے لئے لے گئیں، اس گھوڑے نے جلوی کو دیکھ لیا۔ وہ اس کے قریب ہوا وہاں موجود بچے یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے۔ دونوں لڑکیوں کو حیا آئی انہوں نے اپنے سر جھکا لئے ذوالعقال نے جلوی سے جفتی کر لی جب حوط کو یہ خبر ملی تو وہ غصے کی حالت میں آیا اس نے اپنا ہاتھ مٹی پر مارا پھر وہ ہاتھ جلوی کی رحم میں داخل کر دیا اور زر کے پانی کو رحم سے نکال دیا لیکن رحم میں کچھ پانی موجود رہا جس سے ایک بچہ پیدا ہوا اس کا نام داحس رکھا گیا۔ اس میں ظاہر روایت یہ ہے کہ یہ لابن اور تامر کی طرح ہے یہ فاعل بمعنی مفعول نہیں ہے۔ یہ داحس بن ذی العقال بن اعوج ہے بعض علماء کی روایت کے مطابق ”اعوجیہ“ گھوڑے اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ ابن سبل کے متعلق گذر چکا ہے۔ یہ غنی بن یعصر کے پاس تھا۔ یہ شعر اسی کے متعلق کہا گیا ہے۔

قَتَلْنَا بِعَوْفٍ مَالِكًا وَ هُوَ ثَارُنَا فَإِنْ تَطَلَّبُوا مِنَّا سِوَى الْحَقِّ تَنَدَّمُوا
ہم نے عوف کے بدلے مالک کو قتل کر دیا اور وہ ہمارا بدلہ تھا اگر تم نے حق کے علاوہ ہم سے
کسی اور چیز کا مطالبہ کیا تو تمہیں نادم ہونا پڑے گا۔
ربیع بن زیاد العبسی کا شعر ہے۔

أَفْبَعَدَ مَقْتَلِ مَالِكِ بْنِ ذُهَيْرٍ تَرْجُوُ النِّسَاءَ عَوَاقِبَ الْأَطْهَارِ
کیا مالک بن زہیر کے قتل کے بعد عورتیں طہروں کے نتائج (اولاد) کی امید کرتی ہیں۔
اس طرح بنو عبس اور فزارہ کے مابین جنگ چھڑ گئی۔ حذیفہ بن بدر اور حمل بن بدر قتل ہو
گئے۔ قیس بن زہیر بن جذیمہ حذیفہ کا مرثیہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہے۔

كَمْ فَارِسٍ يُدْعَى وَ لَيْسَ بِفَارِسٍ وَ عَلَى الْهَبَائَةِ فَارِسٌ ذُو مَصْداقٍ
فَابْكُوا حَذِيفَةَ لَنْ تَرِثُوا مِثْلَهُ حَتَّى تَبِيدَ قَبَائِلُ لَمْ تُخْلَقِ
کتنے سواروں کو شہسوار کہا جاتا ہے حالانکہ وہ شہسوار نہیں ہوتے مقام ہباءہ پر ایک شاہ سوار

إِنَّ الْجَوَادَ ابْنَ الْجَوَادِ بْنِ سَبَلٍ إِنَّ دَائِيَّوَا جَادَ وَإِنْ جَادَ وَبَلٌ
بلاشبہ جواد بن جواد بن سبل کی کیفیت یہ ہے کہ جب دوسروں کا سر چکرانے لگتا ہے تو وہ تیز رفتار ہو
جاتا ہے اور جب وہ تیز ہوتا ہے تو اور مضبوط ہوتا ہے۔

ذوالعقال کی تعریف میں جریر کہتا ہے۔

تُمْسِي جِيَادُ الْخَيْلِ حَوْلَ بِيوتِنَا مِنْ آلِ أَعْوَجٍ أَوْلَادِي الْعُقَالِ
آل اعوج یا ذوالعقال کے عمدہ گھوڑوں نے ہمارے گھروں کے ارد گرد رات بسر کی۔
ربیع بن زیاد کے شعر آفْبَعَدَ مَقْتَلِ..... میں اقواء ہے اقواء سے مراد قسم اول میں سے نصف
سبب کا حذف ہے اقواء پر تفصیلاً بحث پہلے گذر چکی ہے قوافی کے اختلاف کو اکتفاء کہتے ہیں۔ یہ الکف
سے مشتق ہے۔ اسے اقواء بھی کہتے ہیں گویا کہ یہاں رفع کو کسرہ کے برابر تسلیم کیا گیا ہے۔ تَرْجُوُ
النِّسَاءَ..... اُخْطَلِ نے بھی اسی مفہوم کا ایک شعر کہا ہے۔

قَوْمٌ إِذَا حَارَبُوا شَذُّوا مَا زَرَهُمْ دُونَ النِّسَاءِ وَ لَوْ بَاتَتْ بِأَطْهَارِ
وہ عظیم قوم وقت جنگ اپنے تہہ بندوں کو شدت سے باندھ لیتی ہے اور ان کی عورتیں اگرچہ طہر کا
وقت بھی گزار رہی ہوں وہ پھر بھی ان کے قریب نہیں جاتے۔

تھا جو اس نام کا صحیح مصداق تھا تم سب حذیفہ پر رولو مرثیہ خوانی کے لئے تمہیں اس جیسا شخص نہ مل سکے گا اگرچہ وہ قبائل بھی ہلاک ہو جائیں جو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے۔
قیس بن زہیر کہتا ہے۔

عَلَى أَنَّ الْفَتَى حَمْلَ بْنَ بَدْرِ بَغَى وَالظُّلْمَ مَرَّتَعَهُ وَخِيمَ
اس کے باوجود کے حمل بن بدر نے زیادتی کی اور ظلم کی چراگاہ تو نا موافق آب و ہوا والی ہے۔

قیس کا بھائی حارث بن زہیر کہتا ہے۔

تَرَكْتُ عَلَى الْهَبَاءِ غَيْرَ فَخْرٍ حَذِيفَةَ عِنْدَهُ قِصْدُ الْعَوَالِي
مجھے کوئی فخر نہیں کہ میں نے حذیفہ کو ”ہباءۃ“ پر چھوڑ دیا ہے جبکہ اس کے ارد گرد نیزوں کے ٹکڑے پڑے تھے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ قیس نے داحس اور الغبراء نامی گھوڑے اور حذیفہ نے الخطار اور الحففاء نامی گھوڑے بھیجے تھے لیکن پہلا قصہ درست ہے۔ یہ ایک طویل داستان ہے اگر مجھے سیرتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے تسلسل کے انقطاع کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اسے تفصیل سے لکھتا۔

جنگِ حاطب

ابن ہشام کہتے ہیں۔ حاطب سے مراد حاطب بن حارث بن قیس بن ہیشہ بن حارث بن امیہ بن معاویہ بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس ہے۔ اس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا۔ وہ یہودی حزر ج کا پڑوسی تھا۔ یزید بن حارث بن قیس بن مالک بن احمر بن حارث بن ثعلبہ بن کعب بن حزر ج بن حارث بن حزر ج نے رات کی سیاہی میں بنو حارث بن

کہا جاتا ہے کہ داحس کی خونریز جنگ چالیس سال تک لڑی گئی۔ اس کے دوران کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی کیونکہ وہ حالت جنگ میں اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاتے تھے۔ علامہ الاصبہانی نے ذکر کیا ہے کہ داحس کی جنگ جبلہ کے دن کے بعد چالیس سال ہوتی رہی یومِ جبلہ کے متعلق گذر چکا ہے۔ انہی ایام میں حضور ﷺ جہانِ رنگ و بو میں تشریف لائے۔ لبید کہتا ہے۔

حزرج کے ساتھ اس پر شہنشاہ مارا۔ اس یزید کو ابن فہم بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ماں کا نام فہم تھا۔ اس کا تعلق قین بن جسر سے تھا۔ اس طرح اوس اور خزرج کے مابین جنگ چھڑ گئی بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ خزرج کو اوس پر فتح ہوئی۔ اسی دن سوید بن صامت بن خالد بن عطیہ بن حوط بن حبیب بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس قتل ہوا۔ اسے مجذر بن زیاد نے قتل کیا۔ اس کا نام عبد اللہ تھا۔ یہ بنو عوف بن خزرج کا حلیف تھا۔ غزوہ احد کے دن مجذر حضور ﷺ کی معیت میں جہاد کے لئے نکلا۔ حارث بن سوید بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ حارث بن سوید نے مجذر کو دھوکے سے قتل کر کے اپنے باپ کا بدلہ لے لیا۔ یہ واقعہ اپنے مقام پر آئے گا (ان شاء اللہ) اس جنگ کی تفصیلات کے تذکرے سے مجھے وہی چیز مانع ہے جس کی وجہ سے میں جنگ داحس کو تفصیل سے نہ لکھ سکا۔

حضرت حکیم بن امیہ رضی اللہ عنہ کی اپنی قوم کو نصیحت

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ حکیم بن امیہ بن حارث بن الاوقص السلمی بنو امیہ کے حلیف تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے ان کی بات کو تسلیم کیا جاتا تھا یہ اپنی قوم کو حضور ﷺ کی عداوت سے منع کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

هَلْ قَائِلٌ قَوْلًا مِّنَ الْحَقِّ قَاعِدٌ عَلَيْهِ وَ هَلْ غَضَبَانُ لِلرُّشْدِ سَامِعٌ
کیا حق بات میں سے کچھ کہنے والا بیٹھ سکتا ہے اور کیا غضب ناک شخص بھلائی کی کوئی بات

وَ غَنِيْمَتٌ حَرَسًا قَبْلَ مَجْرَى دَاحِسٍ لَوْ كَانَ لِلنَّفْسِ اللَّجُوجِ خُلُودٌ
داحس کی دوڑ سے کچھ عرصہ قبل میں غنی ہو گیا تھا۔ کاش جھگڑا نفس کو مداومت نصیب ہوتی۔ جنگ جبلہ کے وقت لبید کی عمر دس سال تھی۔ حرسا کا معنی زمانے کا کچھ حصہ ہے اس کی جگہ سبتا بھی منقول ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہے داحس اور الغبراء کی یہ دوڑ فزارہ کے علاقہ میں ہوئی تھی۔ جنگ داحس آخری ایام میں زمین قیس میں ”قلہی“ کے مقام پر لڑی گئی۔ وہیں عبس اور منولہ کے مابین صلح ہوئی، منولہ بنو فزارہ: شمع، عدی اور مازن کی والدہ تھی۔ سرزمین حجاز میں بھی ایک قلہی نامی مقام ہے اسی مقام پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس وقت خلوت نشینی اختیار کی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اسی مقام پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہ تو کسی سے گفتگو کریں گے اور

سن سکتا ہے۔

وَهَلْ سَيِّدٌ تَرْجُو الْعَشِيرَةَ نَفْعَهُ لِأَقْصَى الْمَوَالِي وَالْأَقَارِبُ جَامِعٌ
کیا ایسا کوئی سردار ہے جس سے قبیلہ فائدہ رساں ہونے کی امید کر سکے جو دور کے رشتہ
داروں اور قریبی عزیزوں کو جمع کرنے والا ہو۔

تَبَرَّأْتُ إِلَّا وَجْهَ مَنْ يَمْلِكُ الصَّبَا وَاهْجُرْكُمْ مَا دَامَ مُذِلٌّ وَ نَازِعٌ
میں تمام سے برأت کا اظہار کرتا ہوں مگر اس شخص سے نہیں جسے جذبات پر قابو ہے۔ جب
تک تم باہمی عداوت اور جھگڑے میں رہو گے میں تم سے قطع تعلق رہوں گا۔

وَأَسْلِمُ وَجْهِي لِلدَّيْلِ وَ مَنْطِقِي وَ لَوْ دَاعَنِي مِنَ الصَّدِيقِ رَوَائِعُ
میں اپنے چہرے کو معبودِ برحق کے لئے جھکاتا ہوں اور اپنی گفتگو کو بھی اسی کے سپرد کرتا ہوں
اگرچہ مجھے دوست کی طرف سے دھمکیاں دی جاتی رہیں۔

کفار مکہ کا ہولناک ظلم و تشدد

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ پھر قریش مکہ کی حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے

نہ ہی کسی سے کچھ سنیں گے حتیٰ کہ صلح ہو جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حدیفہ کی گھوڑی کا نام خفاء تھا یہی
گھوڑی غبراء کے ساتھ دوڑائی گئی تھی۔ شاعر کہتا ہے۔

إِذَا كَانَ غَيْرُ اللَّهِ لِلْمَرْءِ عُدَّةً أَتَتْهُ الرِّزَايَا مِنْ وَجُوهِ الْفَوَائِدِ
فَقَدْ جَرَتْ الْحَنْفَاءُ حَتْفَ حُدَيْفَةٍ وَ كَانَ يَرَاهَا عُدَّةً لِلشَّدَائِدِ
جب انسان اللہ سے تعلق توڑ کر اپنا ساز و سامان تیار کرے تو اسے وہاں سے تکالیف پہنچتی ہیں
جہاں سے اسے فوائد ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ خفاء نے حدیفہ کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ حالانکہ وہ اسے
مصائب کا سامان سمجھتا تھا۔

حربِ حاطب سے مراد وہ جنگ ہے جس کا آغاز حاطب بن حارث بن قیس بن ہیشہ سے ہوا۔
اسے اسی کی طرف منسوب کیا گیا۔ یہ جنگ اوس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی۔

قریش مکہ کا نئی رحمت پرستم

ابن اسحاق، واقدی، التیمی اور ابن عقبہ وغیرہ نے اس ضمن میں کئی واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ان کے
الفاظ اور معانی ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بعض نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان روح فرسا

عداوت شدت اختیار کر گئی۔ انہوں نے اپنے احمقوں کو نبی رحمت ﷺ کے خلاف اکسایا، انہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا، اذیت دی اور آپ ﷺ پر شاعر، جادوگر، کاہن اور مجنوں ہونے کے الزامات لگائے گئے۔ لیکن نبی دو جہاں ﷺ دین متین کی تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ ﷺ کفار کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کے دین کے عیب نکالتے رہے۔ انہیں بتوں کی پوجا سے منع فرماتے رہے اور ان کے اس کفر پر اپنی نفرت کا اظہار کرتے رہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے یحییٰ بن عروہ بن زبیر نے اپنے والد محترم اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے دیکھا ہے کہ قریش مکہ نبی محترم ﷺ سے دشمنی کا اظہار کرنے کے لئے آپ ﷺ کو کیسے ستاتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ”ایک دفعہ میں وہاں موجود تھا۔ قریش کے سردار حجر میں جمع تھے۔ انہوں نے رسول مکرم ﷺ کا تذکرہ کیا، انہوں نے کہا۔ ”ہم نے جتنے صبر کا مظاہرہ اس شخص پر کیا ہے اتنا کسی اور شخص پر نہیں کیا اس نے ہماری عقلوں کو احمق کہا، ہمارے آباء کو گالیاں دیں، ہمارے دین کے عیب نکالے، ہماری جمعیت کو منتشر کیا، ہمارے معبدوں کو برا بھلا کہا۔ ہم

تکالیف میں سے قریش کے بے وقوفوں کا آپ ﷺ کے سراقدس میں مٹی ڈالنا، آپ ﷺ کے در اقدس کے دروازے پر گوبر، لید اور خون پھینکنا، آپ ﷺ کی ہنڈیاں میں بکری کی رحم پھینکنا، امیہ بن خلف کا آپ ﷺ کے چہرہ انور کی طرف تھوکنا، عقبہ بن ابی معیط کا آپ ﷺ کی مبارک گردن کو روندھنا، اس وقت آپ ﷺ کعبہ معظمہ کے پاس سجدہ کناں تھے، آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں شدت تکلیف سے باہر آنے لگیں، حجر کے پاس بھی قریش نے آپ ﷺ کا گلا گھونٹا۔ قریش وہاں اسی مقصد کے لئے جمع ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے ان تکالیف کا ذکر کیا ہے۔ دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کا گلا سختی سے دبوج لیا۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو چھڑانے کے لئے اٹھے۔ کفار مکہ نے ان کو داڑھی مبارک اور سر کے بالوں سے پکڑ کر کھینچا حتیٰ کہ ان کے سر مبارک اور داڑھی کے اکثر بال گر گئے۔ جہاں تک آپ ﷺ کو دشنام طرازی، ہجو، برے القاب سے پکارنا اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام اور احباء کو تکلیف دینے کا تعلق ہے، ابن اسحاق نے اس کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ابو جہل نے حضرت عمار بن یاسر کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے کہا، ”تو محمد ﷺ پر اس لئے ایمان لائی ہے کہ تو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان سے عشق کرتی ہے“، پھر اس نے آپ کی شرمگاہ پر نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا۔

نے اس شخص کے ایک عظیم معاملہ پر صبر کیا۔“ اسی اثناء میں حضور ﷺ بھی وہیں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ حجرِ اسود کے پاس تشریف لائے۔ اسے بوسہ دیا پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سرداروں کے پاس سے گذر گئے۔ جب آپ ﷺ ان کے پاس سے گذرے تو انہوں نے آپ ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ اس کے اثرات میں نے چہرہ مصطفیٰ ﷺ پر محسوس کئے جب آپ ﷺ دوسری مرتبہ ان کے پاس سے گذرے تو انہوں نے پھر گستاخانہ جملے بولے۔ اب آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”اے قریش مکہ! سنو، اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہارے لیے موت بن کر آیا ہوں۔“ آپ ﷺ کے ایک کلمہ سے کفار مکہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں سے تیز اور چست بھی نرم لہجے میں گفتگو کرنے لگے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا۔ اے ابوالقاسم! ﷺ آپ تشریف لے جائیں۔ قسم بخدا! آپ ﷺ جاہل نہیں ہیں۔“

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں۔ ”رسول اللہ ﷺ کا شانہ اقدس میں تشریف لے آئے۔“

آپ ﷺ کو مدثر اور نذیر جیسے و لنوازالقاب سے پکارنے کا سبب ابن اسحاق نے حضور ﷺ کا یہ فرمان دَقْرُوْنِيْ، دَقْرُوْنِيْ (مجھ پر چادر ڈال دو) ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُوْنَ قُمْ فَأَنْذِرْ بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ نبی محترم ﷺ سے لطف و رحمت کا اظہار کرنے کے لئے یہاں آپ کو ایسے و نشیں لقب سے پکارا گیا ہے۔ اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ جب کسی سے محبت و الفت کا اظہار کرتے تو اسے اس لقب سے بلاتے جو اس حالت سے مشتق ہوتا جس میں مخاطب ہوتا تھا۔ مثلاً آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا قُمْ يَا نُوْمَانُ۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملاحظہ فرمایا۔ ان کے پہلو پر مٹی لگی تھی۔ آپ ﷺ نے انہیں یوں پکارا۔ قُمْ يَا اَبَا تُرَابٍ۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اس کرب و اذیت کی کیفیت میں آپ ﷺ کے اسم مبارک سے پکارتا یا ایسے حکم سے یاد فرماتا ہے جس میں یہ محبت و الفت کی کیفیات نہ ہوتیں تو یقیناً آپ ﷺ خوف زدہ ہو جاتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یوں پکارا۔ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُوْنَ تو آپ ﷺ مانوس ہوئے۔ آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کا پروردگار آپ ﷺ سے راضی ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب

دوسرے روز پھر قریش کے سردار حجر میں جمع ہوئے۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ ”کیا تمہیں کچھ علم ہے تمہاری طرف سے انہیں کیا پیام ملا اور ان کی جانب سے تمہیں کیا ملا۔ انہوں نے وہ باتیں بھی کیں جو تم ناپسند کرتے تھے لیکن پھر بھی تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ وہ اسی قسم کی گفتگو کر رہے تھے کہ نئی محترم ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ تمام قریش یکبار آپ ﷺ پر جھپٹ پڑے۔ آپ ﷺ کو گھیر لیا اور کہنے لگے۔ کیا آپ ﷺ ہی وہ ہیں جو اس طرح کہتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کے دین اور معبودانِ باطلہ کے جو عیوب نکالتے تھے انہوں نے وہ بیان کئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! میں ہی وہ شخص ہوں جو یہ کہتا ہے۔“

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے قریش کے ایک شخص کو دیکھا اس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک کے دامن کو پکڑ لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اشکبار ہو کر آپ ﷺ کی مدد کے لئے اٹھے۔ انہوں نے فرمایا۔

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ۔ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ قریش آپ ﷺ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ وہ شدید ترین اور سب سے سنگدل اذیت تھی جو میں نے قریش مکہ کو آپ ﷺ کو دیتے ہوئے دیکھا۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نورِ نظر حضرت ام کلثوم رضی

تاجدارِ عرب و عجم ﷺ کو اہل طائف کی جانب سے شدید اذیت کا سامنا کرنا پڑا اس وقت آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ آپ ﷺ نے بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی مولا! اگر تو مجھ پر ناراض نہیں ہے تو پھر مجھے کسی تکلیف کی کوئی پروا نہیں۔“ آپ ﷺ کا مطلوب رب تعالیٰ کی رضا کا حصول تھا اسی لئے آپ ﷺ کو مصائب و مشکلات کے یہ کوہِ گراں آسان لگتے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اور قُمْ فَأَنْذِرْ کے درمیان کیا تعلق ہے اور ان کے معانی کے مابین کیا رابطہ ہے حتیٰ کہ یہ بلاغت کے قانون اور فصاحت کے حکم میں مشابہت ہو جائیں۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ نذیر آپ ﷺ کا وصف ہے آپ ﷺ نے اس وصف کا اظہار یوں فرمایا۔ اَنَا النَّذِيرُ الْعَرِيْنُ۔ میں واضح ڈرانے والا ہوں۔ یہ مثال اہل عرب کے ہاں مشہور تھی۔ نذیر عریان اسے کہا جاتا تھا جو دشمن کے قریب ہونے سے ڈرائے اور اپنے اس ڈرانے میں مبالغہ کرے۔ وہ نذیر جاد اس شخص کو کہتے تھے جو اپنے کپڑے اتار دیتا تھا اور اسی سے اپنے دشمن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اللہ عنہا کی اولاد میں سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ”اس روز میرے والد محترم کے سر مبارک میں شدید درد تھا کیونکہ قریش مکہ نے ان کے سر اور داڑھی کے بال کھینچے تھے۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بال بہت زیادہ تھے۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں۔ مجھے بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ وہ اذیتیں جو حضور اکرم ﷺ کو قریش مکہ نے دیں ان میں سے ایک شدید ترین اذیت یہ بھی تھی کہ ایک روز آپ ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے آپ ﷺ کو رستہ میں جو شخص بھی ملتا خواہ وہ غلام ہوتا یا آزاد وہ آپ ﷺ کو تکلیف دیتا۔ آپ ﷺ اپنے گھر کو لوٹ آئے اور تکلیف کی وجہ سے ارد گرد چادر لپیٹ لی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنْذِرْ ۚ (مذثر) اے چادر لپیٹنے والے اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے۔

تاکہ دشمن اس کی آواز سن کر اس پر حملہ نہ کر دے۔ کہا جاتا ہے کہ اس ضرب المثل کی اصل یہ ہے کہ بنو نضیم کے ایک شخص سے اس کے دشمن نے کپڑے چھین لئے۔ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے، پھر وہ اپنی قوم کے پاس اس حالت میں ڈرانے کے لئے گیا۔ آپ ﷺ کے اس فرمان سے یہی مقصود ہے کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کو بروقت دشمن سے آگاہ کرے۔ التذثر، عریان کا متضاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنْذِرْ اور نذیر جاد جسے نذیر عریان کہا جاتا ہے میں معنی کے اعتبار سے بھی اتفاق اور مشابہت ہے۔ معنی میں محبت و خلوص کا بھی اظہار ہے اور لفظ میں بھی جزالت و عظمت ہے۔

مفعول کا فعل سے مقدم ہونا

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد ہے رَبَّكَ فَكَلِّمْ۔ اپنے رب کی تکبیر بیان کر دے اور کی عظمت و بڑائی بیان نہ کر دے اور مخلوق کا کوئی معاملہ آپ ﷺ کو بھاری نہ لگے۔ فعل امر پر مفعول کی تقدیم میں اخلاص ہے مثلاً اِيَّاكَ تَعْبُدُ وَاِيَّاكَ تَسْتَعِينُ۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ یعنی ہم تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے اور تیرے بغیر کسی سے مدد نہیں چاہتے یہ نہیں فرمایا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد چاہتے ہیں حدیث شریف میں ہے جب بندہ کہتا ہے اِيَّاكَ تَعْبُدُ وَاِيَّاكَ تَسْتَعِينُ۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میرے لئے عبادت کو خالص کیا اور اس پر مجھ سے مدد چاہی پس یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ بنو اسلم کے ایک شخص نے مجھے بیان کیا ہے (وہ شخص انتہائی ذہین تھا) کہ ایک دفعہ ابو جہل حضور ﷺ کے پاس سے گذرا۔ اس وقت آپ ﷺ کوہ صفا کے پاس تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے دشنام طرازی کی، آپ ﷺ کو اذیت دی، دین اسلام پر عیب جوئی کی آپ ﷺ کے معاملہ کو ست کہا، لیکن نہی محترم ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پہاڑ کے پاس ہی عبد اللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کا گھر تھا اس کی لونڈی اس لرزہ خیز منظر کو دیکھ رہی تھی۔ ابو جہل نہی جہاں ﷺ کو تکلیف دینے کے بعد قریش کی مجلس میں آ بیٹھا۔ سردارانِ قریش کعبہ کے پاس جمع تھے۔ کچھ دیر بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کمان گلے میں

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سعادت

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام حالہ بنت اہیب بن عبد مناف بن زہرہ تھا۔ اہیب حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کا چچا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے ہالہ سے شادی کی اور اسی وقت حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی شادی اپنے نورِ نظر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کر دی پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر نہی الحرمین ﷺ جلوہ افروز ہوئے اور ہالہ کے ہاں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ثویبہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اس نے حضور ﷺ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر مؤرخین نے یہ اضافہ کیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "جب مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے کہا کہ میں بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین پر ہوں تو مجھے ندامت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنے آباء اور اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے ساری رات قلق و اضطراب میں گزاری۔ لمحہ بھر کے لئے بھی نہ سوسکا۔ پھر میں کعبۃ اللہ کے پاس آیا اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری کی کہ وہ حق کے لئے میرا سینہ کھول دے اور شک و شبہات کے بادل دور کر دے۔ میری دعا بھی مکمل ہی ہوئی تھی کہ مجھ سے باطل کا اندھیرا چھٹ گیا۔ میرا دل نور یقین سے بھر گیا۔ صبح صبح میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ اور نبی اکرم ﷺ کو اپنی قلبی کیفیت سے آگاہ کیا۔ حضور ﷺ نے بارگاہِ ربوبیت میں میری ثابت قدمی کے لئے التجاء کی۔" جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سعادت اسلام سے بہرہ اندوز ہوئے تو یہ شعر کہے۔

ڈالے ہوئے شکار سے واپس آ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک ماہر تیر انداز تھے اور تیر سے شکار کھیلتے تھے۔ آپ جب بھی شکار سے واپس آتے پہلے بیت اللہ کا طواف کرتے۔ قریش کی ہر محفل میں جاتے۔ انہیں سلام کرتے ان کے ساتھ کچھ دیر محو گفتگو رہتے پھر گھر جاتے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو انان قریش میں سے معزز ترین تھے۔ آپ طبیعت کے بھی انتہائی سخت تھے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس تشریف لائے تو حضور نبی اکرم ﷺ اپنے گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ جب آپ عبداللہ بن جدعان کے گھر کے پاس سے گزرنے لگے تو اس کی لونڈی نے آپ سے کہا ”اے ابوعمارہ! کاش آپ اس سنگد لانہ رویہ کو دیکھ لیتے جو ابھی ابوالحکم بن ہشام نے آپ کے بھتیجے (محمد فداہ روحی دامی دابی) سے کیا ہے۔ ابوالحکم نے دیکھا کہ حضور ﷺ یہاں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ ﷺ کو برا بھلا کہا۔ آپ ﷺ کو اذیت دی اور ان باتوں کی انتہا کر دی جو آپ ﷺ کو سخت ناپسندیدہ تھیں۔ پھر ابو جہل چلا گیا لیکن حضور ﷺ نے اس سے کلام تک نہ کی۔“

حَبِّدْتُ اللَّهَ حِينَ هَذَى فَوَادِي إِلَى الْأَسْلَامِ وَالَّذِينَ الْحَنِيفِ
میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی۔ اسلام قبول کرنے کے لئے جو دین حنیف ہے۔

الَّذِينَ جَاءَ مِنْ رَبِّ عَزِيزٍ خَبِيرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيفٌ
وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو عزت والا ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمانے والا ہے۔

إِذَا تَلَيْتُ رَسَائِلَهُ عَلَيْنَا تَحْذَرُ دَمْعُ ذِي اللَّبِّ الْحَصِيفِ
جب اس کے پیغاموں کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل مند اور زیرک انسان کے آنسو پکھنے لگتے ہیں۔

رَسَائِلُ جَاءَ أَحْمَدُ مِنْ هُذَاهَا بَيِّنَاتٌ مُبَيِّنَةٌ الْحُرُوفِ
یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں۔

أَحْمَدُ مُصْطَفَىٰ فِينَا مُطَاعٌ فَلَا تَغْشَوهُ بِالْقَوْلِ الضَّعِيفِ
احمد مصطفیٰ ﷺ وہ ہیں جن کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے کوئی کمزور قول اور عقل و فہم سے گری ہوئی بات ان کا گھیراؤ نہیں کرتی۔

اللہ نے ارادہ فرمالیا تھا کہ وہ عزت و کرامت کا تاج حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سر پر سجائے۔
لوٹدی کی گفتگو سن کر آپ سخت غصہ میں ہو گئے۔ آپ بھاگ کر جانے لگے۔ کسی کے پاس ایک لمحہ
کے لئے بھی نہ ٹھہرے۔ انہوں نے ذہن بنالیا تھا کہ ابو جہل جہاں بھی ملے وہ فوراً حملہ کر دیں گے۔
جب وہ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ابو جہل اپنی قوم کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، وہ
سیدھے اس کی طرف گئے اس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور کمان کو فضا میں لہرا کر اس کے سر پر دے
مارا۔ اس کے سر سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا ”کیا تو محمد عربی (فداہ
روحی و امی و ابی) ﷺ کو برا بھلا کہتا ہے حالانکہ میں نے بھی انہی کا دین اختیار کر لیا ہے اور جو کچھ وہ
کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں۔ اب اگر تجھ میں طاقت ہے تو پھر مجھ سے بھی وہی سلوک کرو؟“ بنو
مخزوم کے چند لوگ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف لپکے تاکہ ابو جہل کی مدد کریں۔ ابو جہل نے
انہیں کہا ”ابو عمارہ کو چھوڑ دو قسم بخدا! میں نے ان کے بھتیجے کو سخت برا بھلا کہا ہے۔“

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام مکمل کیا۔ نئی محترم ﷺ کے ان احکام کی پیروی کی جن
کی پیروی آپ کی قوم کر رہی تھی۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو
قریش کو معلوم ہو گیا کہ اب حضور ﷺ طاقتور اور مضبوط ہو گئے ہیں اور اب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ
آپ ﷺ کا دفاع کریں گے۔ اس طرح انہوں نے حضور ﷺ کو اذیتیں دینے میں کمی کی۔

فَلَا وَاللّٰهِ نُسَلِّهُ لِقَوْمٍ وَّ لَمَّا نَقَضَ فِيهِمْ بِالشُّيُوفِ
اللہ رب العزت کی قسم! ہم انہیں دشمن کے حوالے ہرگز نہیں کریں گے اور ہم نے ابھی تک
ان کے درمیان تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا۔

وَنَتْرُكُ مِنْهُمْ قَتْلَى بِقَاعٍ عَلَيَّهَا الطَّيْرُ كَالْوَرْدِ الْعُكُوفِ
ہم ان کے مقتولوں کو ہموار زمین پر پھینک دیں گے۔ ان پر ایسے پرندے آئیں جو چکر
لگانے والے لشکر کی مانند ہوں گے۔

وَقَدْ خَبِرْتُ مَا صَنَعْتُ ثَقِيفَ بِهِ فَجَزَى الْقَبَائِلَ مِنْ ثَقِيفٍ
جو سنگدلانہ سلوک بنو ثقیف نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہو گیا ہے۔
إِنَّ النَّاسَ شَرُّ جَزَاءٍ قَوْمٍ وَ لَا أَسْقَاهُمْ صَوْبَ الْخَرِيفِ
اللہ تعالیٰ بنو ثقیف کے ان قبائل کو بری سزا دے اور موسم خریف کی بارش سے انہیں محروم کر

عتبہ بن ربیعہ بارگاہ رسالت ﷺ میں

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے یزید بن زیاد نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ قوم کا سردار تھا ایک دن رسول مکرم ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرماتھے۔ عتبہ قریش کی محفل میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا ”اے گروہ قریش! کیا میں محمد عربی (فداہ روجی) ﷺ کے پاس نہ جاؤں اور ان سے گفتگو کروں۔ ان پر چند امور پیش کروں۔ ممکن ہے وہ ان میں سے بعض قبول کر لیں اور ہم ان کے مقاصد کو پورا کر لیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ ہم سے رک جائیں؟ یہ اس دور کا واقعہ ہے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دامن اسلام سے وابستہ ہوئے تھے اور آئے روز صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ عتبہ کی بات سن کر قریش مکہ نے کہا ”اے ابوالولید! تم ان کے پاس ضرور جاؤ اور ان سے بات چیت کرو“۔ عتبہ ان کی مجلس سے اٹھ کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آ بیٹھا۔ کہنے لگا ”اے میرے بھتیجے! تمہیں معلوم ہے کہ تم ہم میں سے قبیلہ کے اعتبار سے بلند ہو۔ نسب کے اعتبار سے اعلیٰ ہو۔ تم اپنی قوم کے پاس ایک امر عظیم لے کر آئے ہو۔ تم نے ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا ہے، اس سے تم نے ان کی عقلوں کو احمق قرار دیا ہے، ان کے دین اور معبودوں پر عیب جوئی کی ہے۔ ان کے گزشتہ آباء کو کافر قرار دیا ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ میں تمہیں چند امور پیش کرتا ہوں۔ تم ان میں غور و فکر کرو ممکن ہے ان میں سے بعض تمہارے لئے قابل قبول ہوں“۔ حضور ﷺ نے کہا ”اے ابوالولید! کہو میں سن رہا ہوں“۔ ابوالولید نے کہا ”اے میرے بھتیجے! اگر اس امر (تبلیغ دین) سے تمہارا مقصد مال کا حصول ہو تو ہم تمہارے لئے مال جمع کر دیں گے تم ہم سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ گے۔ اگر تمہارا مطمع نظر شرف و فضل ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بناتے ہیں۔ تمہارے بنا کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوا کرے گا۔ اگر اس امر سے تمہارا مدعا شاہی اور سلطنت ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر یہ امر کسی رئی (جن) کی وجہ سے ہو۔ جو صرف تمہیں نظر آتا ہو۔ تم اس سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکتے ہو تو ہم تمہارا علاج بھی کر دلائیں گے۔ ہم اپنا مال خرچ کریں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے شفا یاب کرے گا۔ یہ عام سامئلہ ہے کتنی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص پر جن غالب آ گیا پھر اس کا علاج ہوا تو وہ صحیح ہو گیا۔“ جب عتبہ اپنی گفتگو سے فارغ ہو گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ”اے ابوالولید! اپنی گفتگو مکمل کر چکے ہو“۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اب مجھ سے کچھ سنو“۔ ابوالولید نے کہا ”فرمائیں میں سن رہا ہوں“۔ آپ ﷺ یوں گویا ہوئے۔

حَمَّ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ كَتَبَ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝ بِشِيرَاءٍ

وَذَيُّوْا۟ فَاَعْرَضْ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَاَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیۡ اَكْثَرِ مِمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ
(فصلت: ۵۱) ”حاءِ میم اتارا گیا (یہ قرآن) رحمٰن ورحیم (خدا) کی طرف سے یہ ایسی کتاب
ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے
لئے ہے جو علم (وہم) رکھتے ہیں یہ مژدہ سنانے والا اور (بروقت) خبردار کرنے والا ہے۔ بایں ہمہ
منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ اسے قبول نہیں کرتے اور (ہٹ دھرموں) نے کہا کہ
ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں۔“
نئی محترم ﷺ نے آگے تلاوت جاری رکھی۔ رقت آمیز تلاوت سن کر عتبہ پر سکتہ طاری ہو
گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ پیچھے باندھ لیے ان پر سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ انتہائی انہماک سے
قرآن پاک سننے لگا۔ جب حضور اکرم ﷺ آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ فرمایا پھر
فرمایا ”اے عتبہ! تو نے کلام الہی سن لیا ہے اب تو جان یا وہ جانے۔“

عتبہ اپنے ساتھیوں کے پاس جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سردارانِ قریش نے عتبہ کو دیکھ کر کہا
”ہم اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں، ابوالولید وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جو چہرہ وہ لے کر گیا تھا۔“
جب وہ ان کی محفل میں بیٹھ گیا تو انہوں نے کہا ”اے ابوالولید! کیا خبر لائے ہو“ ابوالولید نے کہا
”میں نے وہاں ایک ایسا کلام سنا ہے قسم بخدا! میں نے اس سے پہلے اس جیسا کلام کبھی نہیں سنا۔
بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ ہی کہانت ہے۔ اے قوم قریش! میری بات مانو اس کو اپنے
حال پر چھوڑ دو۔ تم اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ خدا کی قسم جو کلام میں سن کر آیا ہوں اس کا بہت بڑا
نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر عرب کے دوسرے قبائل اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا خاتمہ کر دیں تو
تمہارا مطلب بغیر کسی تکلیف کے پورا ہو جائے گا اور اگر سارے عرب پر اس نے غلبہ پالیا اور ان
پر حکومت قائم کر لی تو وہ حکومت تمہاری ہی ہوگی وہ عزت جو اس وقت اسے ملے گی وہ بھی تمہاری

عتبہ بن ربیعہ اور الرنی

عتبہ کا قول ہے: اِنْ كَانَ هٰذَا رَنِيًا۔ بنی تمیم کی لغت میں راء کے کسرہ کے ساتھ (رِنِی) ہے۔ ہر وہ
فعل جس کا عین کلمہ ہمزہ ہو اس سے وہ فعلیل کا صیغہ اسی طرح بناتے ہیں۔ ہمزہ کے علاوہ دیگر حروف
حلق بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ وہ اس کے فاکلمہ کو کسرہ دیتے ہیں، مثلاً رحیم، شہید وغیرہ۔ الرنی فعلیل
کے وزن پر مفعول کا صیغہ ہے اور یہ صرف جنات میں سے ہو سکتا ہے۔ جنات کے علاوہ فعلیل، مفعول
کے معنی میں ان امور میں آتا ہے جن میں فعل کا اثر مفعول پر عیاں ہو مثلاً جرح، قتل، ذبح اور حسین،

عزت ہوگی اس طرح تم خوش نصیب ترین قوم ہو جاؤ گے۔ اور خون ریزی کے بغیر ہی عرب کے تاج و تخت کے تم مالک بن جاؤ گے۔“

قریش مکہ یہ سن کر چیخ اٹھے اے ابوالولید! اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا ہے۔ تم بھی اپنے مذہب سے مرتد ہو گئے ہو۔ عتبہ بولا۔ میں نے اپنی رائے تمہیں بتادی، اب جو تمہاری مرضی تم وہ کرو۔

بارگاہ رسالت میں قریش کا وفد

ابن اسحاق کہتے ہیں قبائل قریش کے فرخندہ فال مرد اور عورتیں اسلام قبول کرنے لگے۔ مکہ معظمہ میں اسلام کا نور روز بروز فروز تر ہوتا گیا۔ قریش جسے قید کر سکتے تھے انہوں نے اسے پابند سلاسل کیا۔ وہ جسے آزمائش میں مبتلا کر سکتے تھے انہوں نے اسے آزمائش میں ڈالا۔ بعض اہل علم نے مجھے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نصر بن حارث، نبوعبدالدار کے چند افراد، ابوالبحتری بن ہشام، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابو جہل بن ہشام، عبد اللہ بن ابی

لیکن شکر سے شکیر، ذکر سے ذکیر اور لطم سے لطم نہیں آئے گا۔ اگر کسی کے چہرے پر لطمہ (تھپڑ) کے نشانات پڑ جائیں تو پھر اس کے لیے لطم مستعمل ہو سکتا ہے۔ ”لَطِمَ الشَّيْطَانُ“ استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جب عمرو بن سعید الاشدر قتل ہو گیا تو ابن زبیر نے کہا اَلَا اِنَّ اَبَا ذُبَانَ قَتَلَ لَطِمَ الشَّيْطَانِ۔ ”ابو ذبان نے لطم الشیطان کو قتل کر دیا ہے۔ وَكَذَلِكَ تُؤْتَى بَعْضُ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“ (انعام)

”اور اسی طرح ہم مسلط کرتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے۔“

اہل عرب حمد سے حمید کا صیغہ اس طرح بناتے ہیں جس طرح کرم سے کریم کا صیغہ بناتے ہیں۔ اس طرح وہ جن کو رئی کہتے ہیں، اگرچہ وہ رویا (دیکھنا) مرئی (جسے دیکھا جائے) میں مؤثر نہیں ہوتا لیکن اہل عرب اس کے ساتھ قرین اور نجی کی طرح کا معاملہ کرتے ہیں۔

سرداران مکہ کے مطالبات

سرداران مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے بہت سی نشانیوں مثلاً پہاڑوں کا ان سے دور چلا جانا اور نبی

امیہ، عاص بن وائل، حجاج کے بیٹے نبیہ اور منبہ اور امیہ بن خلف نے باہمی مشاورت کی کہ غروب آفتاب کے بعد کعبہ معظمہ کے پاس جمع ہو جائیں۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا ”محمد عربی (فداہ روحی وای وابی) ﷺ کی طرف پیغام بھیجو۔ جب وہ آئیں تو ان سے بات چیت کرلو، بلکہ خوب بحث کرو تا کہ تم ان کے بارے میں معذور سمجھے جاؤ۔“ انہوں نے نئی محترم ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا۔ ”آپ ﷺ کی قوم کے معززین جمع ہوئے ہیں تاکہ آپ ﷺ سے بات چیت کریں۔ آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائیں“ حضور اکرم ﷺ جلدی جلدی ان کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ سمجھے کہ جس چیز کے متعلق میں انہیں بتایا کرتا تھا شاید اس کی حقیقت کا وہ ادراک کر چکے ہیں۔ نئی محترم ﷺ ان کے ایمان کے لئے بڑے حریص تھے۔ آپ ﷺ ان کی ہدایت کے خواہاں تھے، ان پر کوئی مصیبت بھی آپ ﷺ پر بڑی گراں گزرتی تھی۔ نئی محترم ﷺ ان کے پاس تشریف فرما ہوئے، وہ سب نئی محترم ﷺ سے یوں عرض گزار ہوئے۔ ”اے محمد (ﷺ)! ہم نے آپ ﷺ کی طرف پیغام اس لئے بھیجا ہے تاکہ ہم آپ ﷺ سے گفتگو کر سکیں۔ ہم عرب کے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے اپنی قوم کو اس طرح مصیبت سے دوچار کیا ہو جس طرح آپ ﷺ نے کیا ہے، آپ ﷺ نے ہمارے آباء کو برے الفاظ سے یاد کیا، دین پر عیب جوئی کی، معبودان (باطلہ) کو گالیاں دیں، عقل و دانش کو احمق کہا، جمعیت کو توڑا اور اسی طرح آپ ﷺ نے ہر قبیلہ معاملہ کو اپنے اور ہمارے مابین کھڑا کر

اکرم ﷺ پر ملائکہ کا نازل ہونا وغیرہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت سے نا آشنا تھے جو مخلوق کی آزمائش میں مقصود ہوتی ہے اور جو رسل عظام اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی عبادت کرنے میں پنہاں ہے اور ان کا ایمان دلائل میں غور و فکر کا نتیجہ ہو اور اسی پر انہیں ثواب ملے اور اگر پردہ اٹھا دیا جائے اور انہیں علم ضروری حاصل ہو جائے تو اس طرح اس پر ثواب و عقاب مرتب ہونے کی حکمت باطل ہو جائے گی کیونکہ انسان کو اس چیز پر اجر نہیں دیا جاتا جس میں اس کے کسب کا عمل دخل نہ ہو، جس طرح اسے جسم کی رنگت اور بالوں کی تخلیق پر کوئی اجر نہیں ملتا، انہیں اجر اس دلیل کی وجہ سے دیا جاتا ہے، جس میں غور و فکر علم کسی کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ افعال قلب کے کسی فعل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ وہ دلیل میں غور و خوض کرنا ہے معجزہ کی رسول کے صدق پر دلالت اسی اعتبار سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ وہ لوگوں کو ایسی گفتگو سے حکم فرماتا جسے وہ سن لیتے اور انہیں رسولوں کے بھیجے جانے سے مستغنی کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو دنیا اور آخرت میں منقسم کر دیا ہے۔ ایک امر وہ ہے جسے دنیا میں غور و فکر، تفرقہ و اعتبار، دلائل سے جانا جاتا

دیا۔ اگر اس امر (تبلیغِ دین) سے آپ ﷺ کا مقصد حصولِ مال ہے تو ہم آپ ﷺ کے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ ثروت مند ہو جائیں گے، اور اگر آپ ﷺ اس سے شرف و سرداری کی تمنا کر رہے ہیں تو ہم آپ ﷺ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں، اگر آپ ﷺ اس سے سلطنت و امارت کے متمنی ہیں تو ہم آپ ﷺ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں، اور اگر یہ کسی جن کی وجہ سے ہے تو ہم آپ ﷺ کو شفا یاب کرنے کے لئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، حتیٰ کہ آپ ﷺ کو شفاء مل جائے یا ہم آپ ﷺ کو معذور سمجھیں گے۔

سردارانِ قریش کی یہ تکلیف وہ گفتگو سن کر داعیِ اعظم ﷺ نے فرمایا۔ ”مجھے یہ ہرگز تکلیف نہیں جس کا تم تذکرہ کر رہے ہو۔ میں جو آفاقی پیغام لے کر آیا ہوں اس سے میرا مقصود تم سے مال و دولت کا مطالبہ نہیں۔ نہ میں تمہارا سردار بننا چاہتا ہوں۔ نہ تم پر بادشاہی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اسی نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے بشیر اور نذیر بن جاؤں، اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچاؤں اور تمہارے لئے مجسمہِ خلوص بن جاؤں، اگر تم میرے پیغام کو قبول کر لو گے تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارے لئے خوش قسمتی ہوگی۔ اگر تم نے میرا انکار کر دیا تو پھر میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ فرمادے۔“

ہے کیونکہ یہ دنیا عبادتِ گاہ اور آزمائش کا گھر ہے دوسرا وہ امر ہے جو آخرت میں معاینہ اور اضطراب سے حاصل ہوگا۔ اس پر کوئی ثواب یا جزا نہ ملے گی۔ دارِ آخرت میں جزاء انہی اعمال پر مرتب ہوگی جو دنیا میں انعقاد پذیر ہوں گے۔ اس میں یہی حکمت ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَعْلَٰؤُنَ (الاسراء: ۵۹)

اور ہمیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے۔

مفسرین فرماتے ہیں مختلف آیات مثلاً پہاڑوں کا ان سے پرے ہٹ جانا اور ملائکہ کا نزول وغیرہ کی تکذیب اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا تقاضا کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مہلت نہ دیتا اور انہیں عذاب میں مبتلا کرنے میں جلدی فرماتا جس طرح اس نے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اور آلِ فرعون کے ساتھ کیا تھا اگر قریش کی وہ شرائط پوری کر دی جاتیں جن کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا اور نبی اکرم ﷺ ان کے اختیار کردہ معجزات کا ظہور فرمادیتے پھر وہ ان کی تکذیب کرتے تو انہیں بالکل مہلت نہ دی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس امت میں معزز فرمایا جس کی طرف آپ ﷺ مبعوث

یہ بصیرت افروز گفتگو سن کر سردارانِ قریش نے کہا۔ ”اے محمد عربی (ﷺ) اگر آپ ﷺ ہماری جانب سے کسی چیز کو قبول نہیں کرتے تو پھر آپ ﷺ بخوبی آگاہ ہیں کہ ہمارا شہر تمام لوگوں کے شہروں سے تنگ ہے، ہمیں سب سے کم پانی دستیاب ہے، ہماری زندگی سب سے زیادہ شدید ہے، آپ ﷺ ہمارے لئے اس رب سے التجاء کریں جس نے آپ ﷺ کو وہ پیغام دے کر بھیجا جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو ہٹا دے جنہوں نے ہماری وادی کو ہمارے لئے تنگ کر دیا ہے، وہ ہمارے لئے ہمارے شہروں کو وسعت بخش دے۔ وہ ہمارے لئے ان میں اسی طرح نہریں رواں فرما دے جس طرح شام و عراق میں نہریں رواں دواں ہیں۔ وہ ہمارے گزشتہ آباء کو زندہ کر دے۔ ان زندہ کئے جانے والوں میں قصی بن کلاب ضرور ہوں، وہ سچے انسان تھے ہم ان سے آپ ﷺ کے پیغام کے متعلق پوچھیں گے کہ کیا یہ سچ ہے یا جھوٹ۔ اگر انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کر دی اور آپ ﷺ نے ہمارے مطالبات پورے کر دیئے تو ہم بھی آپ ﷺ کی تصدیق کر دیں گے۔ اس سے ہمیں آپ ﷺ کے اس مقام سے بھی آشنائی ہو جائے گی جو آپ ﷺ کو بارگاہِ ربوبیت میں حاصل ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے۔ حضورِ نئی محترم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا۔ ”میں تمہاری طرف اس لئے مبعوث نہیں ہوا۔ میں تو بارگاہِ خداوندی سے وہی پیغام لے کر آیا ہوں جس کے ساتھ اس نے

ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ ان تیرہ بختوں کو بھی جانتا تھا جنہوں نے آپ ﷺ کو جھٹلانا تھا اور اللہ رب العزت کو ان خوش قسمت لوگوں کا بھی علم تھا جنہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کرنا تھی اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا آپ ﷺ ہر نیک اور بد کے لیے پیکرِ رحمت ہیں، صالحین کے لئے تو آپ ﷺ دنیا و آخرت میں رحمت ہیں۔ بدکاروں کے لئے آپ ﷺ کی رحمت یہ ہے کہ وہ حسف، غرق، اور آسمان سے اولے والے بادلوں سے محفوظ ہو گئے۔ بعض مفسرین نے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ قریش کے سرداروں نے یہ علامات ہدایت کے حصول کے لئے طلب نہ کی تھیں بلکہ انہوں نے عداوت و استہزاء کے طور پر ایسا کیا تھا انہوں نے نبوت کے ایسے دلائل دیکھے تھے جن میں ایک انصاف پسند شخص کے لئے یقیناً شفاء تھی یہ ارشادِ بانی اسی حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ (العنکبوت: ۵۱) ”کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب۔“

لَوْ لَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُّبِينَةٌ كَانَتْ بِدَاهِنَةٍ تُنَبِّئُكَ بِالْخَبِيرِ

مجھے مبعوث کیا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام تم تک پہنچا دیا ہے، اگر تم اسے قبول کر لو تو یہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خوش بختی ہے۔ اگر تم اس کا انکار کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔“

سردارانِ مکہ نے تیسرا مطالبہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر آپ ﷺ یہ نہیں کرتے تو پھر اپنی ذات کے لئے کچھ مانگ لیں۔ بارگاہِ ربوبیت میں التجاء کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ساتھ ایسا فرشتہ بھیجے جو آپ کی ان باتوں کی تصدیق کرے جو آپ ﷺ ہمیں بتاتے ہیں اور وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیغام کو ہمارے سامنے دوبارہ بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کیلئے باغات، محلات اور سونے چاندی کے خزانے پیدا فرمادے، جو آپ ﷺ کی ضروریات کو پورا کر دیں، آپ ﷺ بھی تو اسی طرح بازارِ شریف لے جاتے ہیں جس طرح ہم بازار جاتے ہیں اور اسی طرح روزگار تلاش کرتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں۔ اس طرح ہم آپ ﷺ کی فضیلت اور منزلت سے آگاہ ہو جائیں گے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جس طرح کہ آپ ﷺ کا گمان ہے“ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ”میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا، میں اپنے رب سے ایسا سوال نہیں کروں گا۔ میں تمہاری طرف اس مقصد کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔ اس نے تو مجھے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اگر تم نے میرا پیغام قبول کر لیا تو یہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خوش قسمتی ہے اور اگر تم نے انکار کر دیا تو میں حکم الہی کے سامنے صبر کروں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ فرمادے۔ اب قریش کے سرداروں نے کہا ”آپ ﷺ کا گمان یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کا رب چاہے تو آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر گر سکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہے تو کر دو ہم آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا نہیں دیتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اگر حضور ﷺ کے واضح دلائل نہ بھی ہوتے پھر بھی آپ ﷺ کا رخ زیبا ہی تجھے حقیقت حال سے آگاہ کر دیتا۔

ابن اسحاق نے ایک روایت میں ذکر کیا ہے۔ سردارانِ قریش نے حضور ﷺ سے یہ بھی مطالبہ کیا تھا کہ آپ ﷺ ان کے لئے کوہِ صفا کو سونے کا بنادیں، حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان سے کہنے لگے۔ ”تم نے جو مطالبہ کیا ہے اگر تم چاہو تو میں اسے پورا کر دیتا ہوں، اگر تم نے پھر بھی جھٹلایا تو پھر تمہیں مہلت نہ دی جائے گی۔“ سردارانِ قریش نے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ اگر چاہے تو تمہیں ایسے عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے۔“ قریش کے سرداروں نے کہا ”اے محمد عربی (فداکِ روحی و امی و ابی) ﷺ کیا آپ ﷺ کا رب یہ نہیں جانتا تھا کہ ہم عنقریب آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھیں گے اور آپ ﷺ سے وہ سوالات پوچھیں گے جو ابھی ہم نے پوچھے اور ان چیزوں کا مطالبہ کریں گے جن کا ہم نے ابھی مطالبہ کیا ورنہ وہ ہمارے ان سوالات کے متعلق تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیتا اور وہ آپ ﷺ کو یہ بھی بتا دیتا کہ اب وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے، ہمیں تو معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ کو پیامہ کا ایک رخصت نامی شخص سب کچھ سکھاتا ہے۔ قسم بخدا! ہم رخصت پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد عربی (فداکِ روحی) ﷺ ہم نے آپ ﷺ کے سامنے اپنے عذر پیش کر دیئے ہیں، ہم آپ ﷺ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا، ہم آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ﷺ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کو ہمارے سامنے نہیں لے آئیں گے۔“ جب انہوں نے نبی محترم ﷺ سے ایسی نازیبا گفتگو کی تو آپ ﷺ وہاں سے جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ عبد اللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ آپ ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کا بیٹا تھا۔ اس نے آپ ﷺ سے کہا ”اے محمد (فداکِ روحی) ﷺ آپ کی قوم نے آپ ﷺ کے سامنے چند چیزیں رکھیں لیکن آپ ﷺ نے انہیں قبول نہ کیا، پھر انہوں نے آپ ﷺ سے اپنے لیے چیزیں طلب کیں تاکہ اس سے وہ بارگاہِ ربوبیت میں آپ ﷺ کا مقام جان سکیں، اس طرح وہ آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع کریں لیکن آپ ﷺ نے ایسا بھی نہ کیا پھر انہوں نے آپ ﷺ سے اس عذاب کا مطالبہ کیا جس سے آپ ﷺ انہیں ڈراتے ہیں، آپ ﷺ نے نزولِ عذاب کے لئے بھی بددعا نہ کی۔ اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا، حتیٰ کہ آپ ﷺ آسمان کے ساتھ ایک سیڑھی لگا دیں، پھر آپ ﷺ اس پر چڑھیں۔ میں تمام منظر دیکھتا رہوں، حتیٰ کہ آپ ﷺ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر وہاں سے آپ ﷺ کے ساتھ چار ملائکہ آئیں تو آپ ﷺ کے لئے یہ گواہی دیں کہ آپ ﷺ

عبد اللہ بن ابی امیہ

ابو امیہ کا نام حذیفہ تھا۔ عبد اللہ نے کہا میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاؤں گا، حتیٰ کہ آپ ﷺ آسمان پر چڑھ جائیں..... اسی عبد اللہ نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے اسلام کا ذکر عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ قسم بخدا! اگر آپ ﷺ نے ایسا کر بھی دیا پھر بھی میرا گمان ہے کہ میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔“ یہ ہرزہ سرائی کر کے وہ چلا گیا۔ حضور ﷺ بھی اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے، آپ ﷺ بہت زیادہ حزین و غمگین تھے کیونکہ جب سردارانِ قریش نے آپ ﷺ کو بلایا تھا تو آپ ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیتے لیکن جب ان کی یہ بے رخی دیکھی تو آپ ﷺ کو انتہائی دکھ ہوا۔

جب حضور وہاں سے تشریف لے گئے تو ابو جہل نے کہا ”اے گروہِ قریش! محمد (ﷺ)“

ابو جہل کی بد بختی

اوپر بیان کردہ روایت کو النسوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ ابو جہل جو نبی حضور ﷺ کے قریب ہوا فوراً لٹے پاؤں واپس پلٹا۔ لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہوا۔ اس نے کہا جب میں ان کے قریب ہوا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے اور ان کے مابین آگ کی خندق، خوف اور پرہیز۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”اگر وہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کا انگ انگ جدا کر دیتے۔ امام سنوی نے ہی ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابو جہل نے حضور ﷺ سے کہا کہ میں نے تمہیں نماز سے منع نہیں کیا قسم بخدا! مکہ کی تمام محافل سے میری محفل معزز ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَرَأَيْتَ الَّذِي يُنْفِلُ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ۖ اَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ۖ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۖ اَرَأَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰى ۖ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۖ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۖ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۖ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۖ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۖ (علق) (اے حبیب) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو سر... پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لئے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔

آر ایت کی تفسیر

محمد بن یزید کہتے ہیں اس آیت میں کچھ عبارت محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ اَرَأَيْتَ الَّذِي يُنْفِلُ عَبْدًا إِذَا صَلَّى۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی اسی طرح ہے۔ اَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى۔ بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔

اصل عبارت یوں ہوگی اَلَمْ يَسْ مَنْ يَنْهَاهُ بِضَلٰى۔ کیا وہ شخص جو حضور کو عبادت سے روکتا ہے وہ گمراہ نہیں ہے لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (علق: ۱۵) ہم اسے پکڑ کر آگ کی طرف لے جائیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں سفح کا معنی اس کا ذلیل کرنا اور اس کا قہر ہے۔ النَّادِی، النَّادِی اور مُنْتَدِی

نے ہمارے تمام مطالبات رد کر دیے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ ہمارے دین کے عیب نکالتے ہیں، ہمارے آباء کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ہماری عقل و دانش کو احمق گردانتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو دشنام سناتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل میں ان کے لئے اتنا بھاری پتھر لے کر بیٹھوں گا جتنا میں اٹھا سکا۔ جب وہ اپنی نماز میں سجدہ ریز ہوں گے میں پتھر ان کے سر پر مار دوں گا۔ اس وقت تم خواہ مجھے ان کے سپرد کر دینا یا میرا تحفظ کرنا۔ اس کے بعد بنو عبد مناف جو چاہیں کر لیں۔“ سردارانِ قریش نے کہا اللہ کی قسم! ہم تجھے کسی کے سپرد نہیں کریں گے جو تیرے ذہن میں ہے وہ کر گزر۔ صبح کے وقت ابو جہل نے حسب وعدہ ایک بھاری پتھر لیا اور حضور ﷺ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ حسب معمول تشریف لائے۔ مکہ معظمہ میں آپ ﷺ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ جب آپ ﷺ نماز ادا فرماتے تو آپ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان نماز ادا فرماتے۔ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں کی جانب رخ زیبا کر لیتے۔ نبی محترم ﷺ نماز ادا فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ قریش مکہ اپنی اپنی محافل میں بیٹھ چکے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ ابو جہل کیا کرتا ہے جب حضور ﷺ سجدہ ریز ہوئے تو ابو جہل نے پتھر اٹھایا اور آپ ﷺ کی جانب آیا۔ جب قریب پہنچا تو فوراً پیچھے کی طرف بھاگا۔ چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ رعب و دبدبہ کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ وہ ہاتھ جس میں پتھر اٹھایا ہوا تھا وہ سوکھ چکا تھا۔ حتیٰ کہ پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ یہ منظر دیکھ کر قریش اس کے پاس گئے اور کہنے لگے ”اے ابوالحکم! تجھے کیا ہوا ہے“ اس نے کہا ”میں اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اٹھا جس کا میں نے کل رات تم سے وعدہ کیا تھا جب میں محمد عربی (فداہ روجی) ﷺ کے پاس گیا تو مجھے ایک نراونٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے اس سے قبل اتنی جسامت، اتنی موٹی گردن والا اور اتنے

کا معنی ایک ہی ہے۔ اس سے مراد قوم کی وہ محفل ہوتی ہے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتی ہے۔ مفسرین حضرات نے اس کے متعلق ایسے اقوال بیان کئے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب تر ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ابو جہل کا قبیلہ ہے یا اس کا گروہ ہے یا اس کی مجلس ہے۔ اَرَأَيْتَ، اَخْبِرْنِي کے معنی میں ہے اس لئے سیبویہ کے نزدیک اس کا الغاء جائز نہیں ہے جس طرح تیرے اس قول میں عَلِمْتُ لَعْنُوہِ عَلِمْتُ اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرُو لِيْکِن اَرَأَيْتَ میں یہ جائز نہیں ہے اور تیرے اس قول میں نصب دینا ضروری ہے۔ اَرَأَيْتَ زَيْدًا اَبُوہُ مِنْ هُوَ۔ سیبویہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام میں اَخْبِرْنِي کا لفظ اس کے تمام حالات کی خبر دینے کا تقاضا نہیں کرتا۔ حضرت امام سہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”قرآن پاک“ کا ظاہر سیبویہ کے قول کے خلاف تقاضا کرتا ہے مگر بیان کے

بڑے بڑے جبروں والا اونٹ نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھے نکل جانا چاہتا تھا۔“
ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا۔ ”وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے اگر ابو جہل قریب ہوتا تو وہ اسے پکڑ لیتے۔“

نصر بن حارث

جب ابو جہل نے انہیں اپنی ہیبت ناک داستان سنائی تو نصر بن حارث بن کلدہ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کھڑا ہو گیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ نصر کا نسب یوں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ نصر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف۔ ابن اسحاق کہتے ہیں نصر نے کہا اے گروہ قریش! تمہیں ایک اہم معاملہ کا سامنا ہے جس کا حل ابھی تک تمہارے پاس نہیں ہے۔ محمد (عربی ﷺ) تمہارے درمیان ایک نوخیز جوان ہیں، وہ تم میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ سب سے زیادہ راست گو اور سب سے زیادہ امین تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی کنٹی پر سفیدی ظاہر ہوئی اور وہ تمہاری طرف وہ پیغام لے کر آئے جو وہ لے کر آئے ہیں تو تم نے انہیں جادوگر کہا۔ اللہ کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہیں۔ ہم نے جادوگروں کو بھی دیکھا ہے اور ان کی گرہ بندی اور جھاڑ پھونک بھی دیکھی ہے۔ تم نے انہیں کاہن کہا، اللہ کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں ہیں۔ ہم نے کہانت بھی دیکھی ہے اور ان کی قافیہ بندی بھی دیکھی ہے۔ تم نے ان پر شاعری کا الزام لگایا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم شاعری کو بھی جانتے ہیں۔ ہم اس کی تمام اقسام سے آگاہ ہیں۔ ہم اس کی ہرج اور رجز کو جانتے ہیں۔ تم نے کہا وہ مجنون ہیں۔ قسم بخدا وہ مجنون بھی نہیں ہیں۔ ہم نے جنوں کو بھی دیکھا ہے، ان میں نہ تو اس جیسا گلا گھٹنا ہے اور نہ ہی اس طرح دوسرے اور نہ ہی اس طرح خلط ملط ہونا ہے۔ اے گروہ قریش! اپنے متعلق خوب غور و خوض کر

بعد۔ کیونکہ قرآن مجید میں مُلَغَاة ہے کیونکہ استفہام ہی اس کا مطلوب ہے اور اللہ کے اس فرمان میں اسی پر واقع ہے اَرَأَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى اَلَمْ يَعْلَمِ (العلق: ۱۳) اَلَمْ يَعْلَمِ استفہام ہے اور اَرَأَيْتَ اسی پر واقع ہے اسی طرح اَرَأَيْتُمْ وَاَرَأَيْتُكُمْ (سورة الانعام) میں ہے کیونکہ استفہام اس کے بعد ہے مثلاً اس کے بعد ہے هَلْ يُمْهِلُكَ اِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ۔ لیکن سیبویہ نے اس قول میں اسی سے منع کیا ہے۔ اَرَأَيْتَ وَاَرَأَيْتُكَ اَبُو مَنْ اَنْتَ۔ جس بیان کا تذکرہ سیبویہ نے کیا ہے وہ درست ہے مگر جب استفہام اَرَأَيْتَ کے بعد ہو مستفہم عنہا جملہ اَرَأَيْتَ کا مفعول بھی نہ ہو بلکہ اس کا مفعول محذوف ہو جس پر شرط دلالت کرے ان تمام صورتوں میں اس کے بعد شرط ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کا معنی ہے اَرَأَيْتُمْ

لو۔ وہ تمہارے پاس ایک عظیم امر لے کر آئے ہیں۔“ نصر بن حارث قریش کے شیطانوں میں سے تھا۔ وہ ان تیرہ بختوں میں سے تھا جو حضور ﷺ کو اذیتیں دیا کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کی عداوت میں پیش پیش تھا۔ وہ بد بخت حیرہ گیا وہاں سے ایرانی بادشاہوں کی داستانیں سیکھیں اور رستم اور اسفندیار کے قصے یاد کئے۔ جب حضور ﷺ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کو یاد فرماتے اور اپنی قوم کو اس عذاب سے ڈراتے جو سابقہ امتوں پر نازل ہو چکا تھا۔ جب آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے جاتے تو نصر اس جگہ بیٹھ جاتا اور کہتا۔ ”اے گروہ قریش! اللہ کی قسم! میری باتیں محمد عربی ﷺ کی گفتگو سے عمدہ ہیں۔ میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں ان کی باتوں سے عمدہ باتیں بتاؤں گا۔“ پھر وہ ایرانی بادشاہوں، رستم اور اسفندیار کے قصے بیان کرتا، پھر کہتا ”محمد (مصطفیٰ ﷺ) کی گفتگو میری گفتگو سے عمدہ کیسے ہو سکتی ہے؟“

ابن ہشام فرماتے ہیں، مجھے معلوم ہوا کہ اسی شخص نے کہا تھا سَآنَزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ ”میں بھی عنقریب اسی طرح کا کلام نازل کروں گا جس طرح کا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔“ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت پہنچی ہے کہ اس نصر کے متعلق قرآن پاک کی آٹھ آیات نازل ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی کے متعلق ہے۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلَیْنَ ۝ (القلم۔ ۱۵) ”جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔“

جب نصر بن حارث نے قریش مکہ سے یہ کہا تو انہوں نے اسے اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ طیبہ کے یہودی علماء کی طرف بھیجا قریش نے انہیں کہا کہ وہ ان علماء سے حضور ﷺ کے متعلق پوچھیں۔ انہیں آپ ﷺ کے وصف بیان کریں اور آپ ﷺ کے کلام کے متعلق آگاہ کریں۔ وہ اہل کتاب ہیں جو علم وہ رکھتے ہیں ہم اس سے محروم ہیں۔ یہ دونوں مدینہ طیبہ آئے

صَنِيعُكُمْ اِنْ كَانَ كَذًا وَكَذًا۔ اس طرح کہنے والے کا یہ قول اَرَايْتَ اَنْ لَقِيتَ الْعُدُوَّ اتَّقَاتِلُهُ اَمْ لَا اَصْلَ فِي يَوْمٍ هُوَ۔ اَرَايْتَ رَايَكَ اَوْ صَنِيعَكَ اِنْ لَقِيتَ الْعُدُوَّ۔ حرف شرط اِنْ اس محذوف پر دلالت کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ مستفہم عنہا جملہ ایک علیحدہ منقطع کلام ہے مگر اس میں بیان کی زیادتی ہے اگر شرط کو زائل کر دیا جائے اور استفہام کو اس کی جگہ رکھا جائے تو یہ عمدہ نہیں ہوگا جس طرح یہودیہ نے کہا ہے مگر یہ عَلِمْتَ، هَلْ عَلِمْتَ اور هَلْ رَاَيْتَ میں بہتر ہے۔ اَرَاَيْتَ میں اس کی قباحت واضح ہے کیونکہ اس میں اخبرنی کے معنی پائے جاتے ہیں۔

اور علمائے یہود سے رسول محترم ﷺ کے متعلق سوال کیا اور انہیں آپ ﷺ کے اوصاف بتائے اور کچھ کلامِ الہی بھی سنایا۔ انہوں نے علماء سے کہا۔ ”تم اہل تورات ہو، ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ تم ہمیں ہمارے اس صاحب کے متعلق بتاؤ۔“ علمائے یہود نے کہا ”ہم تمہیں تین اشیاء بتاتے ہیں تم آپ ﷺ سے ان کے متعلق پوچھ لو۔ اگر انہوں نے ان کا جواب دے دیا تو وہ نبی مرسل ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر وہ ایک سچے انسان نہیں ہیں، پھر ان کے متعلق اپنی رائے قائم کر لینا۔ ان سے ان جوانوں کے متعلق پوچھو جو پہلے زمانہ میں کہیں پناہ گزیں ہو گئے تھے، ان کی حکایت بڑی عجیب ہے۔ ۲۔ آپ ﷺ سے اس شخص کے متعلق پوچھو جو عازم سفر رہا، حتیٰ کہ وہ زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچ گیا۔ ۳۔ آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کرو، اگر وہ تمہیں ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمادیں تو پھر وہ سچے نبی ہیں ورنہ ان کا دعویٰ نبوت سچا نہیں ہے۔“ نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن مناف بن قصی مکہ معظمہ واپس آ گئے، وہ سردارانِ قریش کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے ”اے گروہ قریش! ہم ایسی چیز لے کر آئے ہیں جو تمہارے اور محمد (فداہِ روحی) ﷺ کے مابین فیصلہ کر دے گی، علمائے یہود نے ہمیں ان سے چند امور کے متعلق سوالات پوچھنے کے لئے کہا ہے، اگر وہ ان کا جواب دے دیں تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ اس کا دعویٰ جھوٹا ہے اور تم ان کے متعلق ایک رائے قائم کر سکتے ہو۔“

وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ”اے محمد (فداکِ روحی) ﷺ ہمیں ان جوانوں کے متعلق بتائیں جو پہلے زمانہ میں کہیں پناہ گزیں ہوئے تھے ان کی داستان بڑی عجیب

اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ

اساطیر کا واحد اسطورة ہے جس طرح احادیث کا واحد حدیث ہے۔ اس سے وہ داستانیں مراد ہیں جنہیں سابقہ لوگوں نے رقم کیا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسطار کی جمع اساطیر ہے۔ یہ سَطْر سَطْر کی جمع اُسْطُر ہے اور اس کی جمع اجمع اساطیر ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نصر بن حارث قریش کو رستم اور اسفند یار کی حکایتیں سناتا تھا اور وہ داستانیں سناتا تھا جو وہ ایران کے شہروں سے سیکھ کر آیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت مبارکہ اسی کے متعلق نازل ہوئی: وَمَنْ قَالَ سَاطِرٌ مِّثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ (انعام: ۹۳) اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسا نازل کیا ہے اللہ نے۔

ہے۔ ہمیں اس شخص کے متعلق بتائیں جو زمین میں محو سفر رہا حتیٰ کہ وہ اس کے مشارق و مغارب تک پہنچ گیا اور ہمیں روح کے متعلق بتائیں“ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں ان اشیاء کے متعلق تمہیں کل بتاؤں گا۔ آپ ﷺ نے ”ان شاء اللہ“ نہ کہا۔ سردارانِ قریش واپس چلے گئے سیرت نگار لکھتے ہیں آپ ﷺ نے پندرہ راتیں انتظار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل نہ کی اور نہ ہی جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ اہل مکہ مختلف افواہیں پھیلانے لگے۔ انہوں نے کہا ”محمد (عربی ﷺ) نے تو ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا لیکن آج پندرہ راتیں گزر چکی ہیں لیکن ابھی تک انہوں نے ہمیں کسی چیز کے متعلق نہیں بتایا“۔ وحی کے توقف کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ انتہائی مغموم تھے۔ اہل مکہ کی باتیں بھی اذیت دے رہی تھیں پھر حضرت جبرائیل بارگاہِ صمدیت سے سورۃ الکہف لے کر آئے۔ اس میں آپ ﷺ کو ان کے ایمان نہ لانے پر غمزدہ ہونے پر بھی تنبیہ کی گئی تھی۔ اس مبارک سورہ میں اصحابِ کہف، مشرق و مغرب کے سیاح اور روح کے متعلق بھی بتایا گیا تھا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے جب حضرت جبرائیل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا۔ ”اے جبرائیل! تم اتنی دیر میرے پاس نہ آئے حتیٰ کہ مجھے سوئے ظن ہونے لگا“۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی۔

رستم کی داستانیں

تاریخ طبری میں ہے رستم کے باپ کا نام ریمان تھا لہذا سب بن کی اجونے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد رستم کی یساسب بن کی لہراست کے ساتھ ہمیشہ معرکہ آزمایا رہتا تھا۔ ان ناموں سے پہلے ”کی“ کا معنی بہاء (رونق) ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی بدلہ لینا ہے۔ اسی لئے یہ بادشاہ، ”الکیدیہ“ کے نام سے معروف تھے۔ رستم بنی ریمان کا سردار تھا۔ یہ ترکی بادشاہوں میں سے تھا۔ کی یاسب اپنے بیٹے پر ناراض ہو گیا اور اس کے جنگی کارناموں پر حسد کرتے ہوئے اسے قید کر دیا، حتیٰ کہ اس کا صرف تذکرہ باقی رہ گیا۔ اس وقت ترک ایرانی شہروں پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے یاسب کی دولڑکیوں کو گرفتار کر لیا ان میں سے ایک کا نام خمانہ تھا۔ جب یاسب نے دیکھا کہ وہ ان کے حملوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس نے اپنے بیٹے کو قید سے آزاد کر دیا۔ اسی لڑکے کا نام اسفندیار تھا۔ بادشاہ اس سے راضی ہو گیا اور اسے اپنے لشکر کا امیر بنا دیا پھر وہ رستم کی طرف گیا، ان کے مابین بہت سی جنگیں ہوئیں جن کا تذکرہ طوالت کا سبب ہوگا۔ بالآخر اس نے رستم کو قتل کر دیا۔ اس کی فوج کو ہلاک کر دیا۔ اس

وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
نَسِيًّا (مریم: ۶۴)

اور (جبرائیل میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو
ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا
رب بھولنے والا۔

لِيُنْذِرَ رَابِئًا شَدِيدًا لِّدُنِّهِ (الكهف: ۲)

”(اور معاش و معاد کو) درست کر نیوالی ہے تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ہوتی ہے۔“ دنیا میں جلد ملنے والی سزا اور آخرت میں عذاب الیم سے ڈرائے۔ یہ
عذاب آپ ﷺ کے اس پروردگار کی طرف سے ہوگا جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر
مبعوث فرمایا۔

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۖ مَا كَثِيرٌ فِيهِ اَبْدَانٌ ۝

(کہف)

اور یہ مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بے شک ان کے لئے بہت
عمدہ جزا ہے وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد۔
وہ دائمی مقام ہوگا۔ وہ اس میں مریں گے نہیں۔ وہ خوش نصیب لوگ جنہوں نے

کے شہروں پر غلبہ پالیا اور اپنی بہنوں کو آزاد کروالیا پھر اسفندیار اپنے والد سے بھی پہلے مر گیا، اس کا باپ
تقریباً سو سال تک حکمران رہا، پھر بہمن بن اسفندیار کو ولی عہد بنایا۔ اپنی موت کے بعد اسے والی مملکت
بنایا۔ بہمن کا معنی حسن نیت ہے۔ یہ تقریباً ایک سو سال تک اقتدار کا والی رہا، اس کے دو بیٹے تھے۔
۱۔ ساسان۔ ۲۔ دارا۔ ان کا کچھ تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔ یہی وہ ساسانی خاندان ہے جن کے عہد میں
آفتاب اسلام طلوع ہوا۔ کی قباذ کے ذکر میں رستم کا ذکر بھی گذر چکا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے
عہد سے قبل اس کا زمانہ تھا۔ کی قباذ کی وفات کے بعد رستم کی قاؤوس کا وزیر بنا۔ اس کے لئے جنات مسخر
تھے کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہی انہیں حکم فرمایا تھا۔ اس کی سلطنت و حکومت کے
متعلق وہ حیرت انگیز داستانیں ہیں کہ ایک دانا شخص ان کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ امام الطبری نے اپنی
تاریخ میں کچھ داستانیں لکھی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس نے بھی نمرود کی طرح آسمان پر چڑھنے کا
ارادہ کیا لیکن ہوانے اسے نیچے پٹخ دیا۔ اس کی عمارت تباہ ہو گئی پھر اس کے پاس اس کا کچھ لشکر جمع ہوا۔

آپ ﷺ کے پیغام کی تصدیق کی اور جن اعمال کا آپ ﷺ نے حکم دیا وہ انہیں بجالاتے رہے لیکن یہ جزاء ان لوگوں کے لئے نہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی۔

وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا (کہف: ۴)

اور تا کہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے (فلاں کو اپنا)

بیٹا۔

قریش مکہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ ہم ملائکہ کی پوجا کرتے ہیں وہ اللہ کی بیٹیاں

ہیں۔

مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ

”اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ (کی ذات و صفات) کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو“

جنہوں نے ان کے فراق کو عظیم سمجھا اور ان کے دین کے عیب نکالے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهُمْ (کہف: ۵)

کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے۔

وہ دیگر بادشاہوں کی مانند کبھی غالب آجاتا اور کبھی مغلوب ہو جاتا۔ وہ اپنا لشکر لے کر یمن کی طرف گیا۔ عمرو ذوالاذا عار نے اس کا مقابلہ کر کے اس کو شکست سے دوچار کیا اور اسے گرفتار کر کے جیل میں پھینک دیا حتیٰ کہ رستم آیا وہ عمرو کا مشیر تھا اس نے اسے کسی نہ کسی طرح عمرو سے بچالیا اور اسے ایران کے شہروں کی طرف بھیج دیا۔ اس کے بیٹے شادوخش کی قراسیات شاہ ترک کے متعلق بھی ایک عجیب داستان مشہور ہے۔ رستم شادوخش کا نگران بھی تھا، بچپن میں اسی نے ہی اس کی کفالت کی تھی، شادوخش کی بھی عجیب داستانیں مشہور تھیں۔ بالآخر قراسیات نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کا بیٹا کی خسرو اس کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کے اور ترک کے مابین وہ جنگی معرکہ ہوئے جن کی مثالیں سننے میں نہیں آئیں، بالآخر اس کو فتح نصیب ہوئی۔ فتح کے بعد اس نے اپنے دشمنوں سے وہ سلوک کیا جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، اس کا دل سرور ہو گیا اس نے دنیا کو چھوڑ دیا اور زمین میں سیاحت کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ اہل فارس اس سے تنگ آ گئے انہیں اس کے بعد اپنی جمعیت کے انتشار کا خطرہ لاحق ہوا اور وہ دشمن کے غلبہ سے خوفزدہ رہنے لگے۔ پھر کی لہر اسب بن کی اجو بن کی کینہ بن کی قاؤس ان کا بادشاہ بنا۔ مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ رستم جسے اسفندیار نے قتل کیا تھا کیا وہی رستم تھا جو کی قاؤس کا ساتھی تھا یا اس کے علاوہ کوئی اور تھا۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ وہ نہ تھا کیونکہ قاؤس اور کی یستاسب کے مابین بہت مدت تھی،

ان کا یہ قول مراد ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ

وہ نہیں کہتے مگر (سرتاسر) جھوٹ تو کیا آپ (فرطِ غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ

عَلَىٰ أَثَرِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (کہف)

ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔

جب آپ ﷺ کی یہ آرزو پوری نہ ہو تو ان پر غم کرتے ہوئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں بَاخِعٌ نَفْسِكَ کا مطلب ہے اپنے نفس کو ہلاک کرتے ہوئے۔ ابو عبیدہ نے مجھے بتایا ہے کہ ذوالرمة کا شعر ہے۔

أَلَا أَيُّهَا الْبَاخِعُ الْوَجْدُ نَفْسَهُ لِمَشَىٰ نَحْتَهُ عَنْ يَدَيْهِ الْمَقَادِرُ
اے وہ شخص! جس کے نفس کو ایسی چیز کی محبت نے تباہ کر دیا ہے جسے تقادیر نے ان کے ہاتھوں سے روک دیا ہے۔

اس کی جمع باخعون اور بخعة ہے۔ اہل عرب کا مقولہ ہے قَدْ بَخَعْتُ لَهُ نَصِيحِي وَ نَفْسِي میں نے اس کے لئے اپنے خلوص اور اپنے نفس کو برباد کر دیا ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِيَبْلُوَهُمْ آيُهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (کہف: ۷)

میں گمان کرتا ہوں کہ یہ ترک تھا اور اس کے کارنامے کیدیہ کے عہد حکومت میں ظہور پذیر ہوئے۔ جب یہ جنگ میں مصروف ہو گئے تھے تو انہوں نے بخت نصر کو عراق کا عامل بنایا۔ اس نے بنی اسرائیل میں بہت خونریزی کی، بیت المقدس کو منہدم کر دیا، تورات کو جلایا، انبیاء کی اولاد کو قتل کیا، ان کے بادشاہوں کی بیویوں کو قیدی بنایا اور ان کی اولاد کو پابند سلاسل کیا۔ جب وہ عرب کے شہروں میں داخل ہوا تو اس کی عیش و عشرت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔ تفسیر و تاریخ کی کتب میں اس کے ظلم کی داستانیں رقم ہیں۔

یہ مختصری گفتگو تھی جو ابن اسحاق کی کتاب میں رستم اور اسفندیار کے تذکرے کی کچھ وضاحت کرتی ہے۔ کیدیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل اقتدار کے والی بنے ان کا پہلا بادشاہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے دو سو سال قبل افریدون کے زمانہ میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور آخری بادشاہ اسکندر بن قلیس کے زمانہ تک رہا سکندر نے ہی ان سے سلطنت چھینی تھی اسی نے ہی دارا بن دارا کو قتل کیا تھا، یہ ان کا آخری بادشاہ تھا پھر اشغانیہ کو حکومت کرنے کا موقع ملا لیکن اس کے ساتھ ساتھ

بے شک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لئے باعثِ زینت و آرائش تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔
ابن اسحاق کہتے ہیں یعنی ان میں سے کون میرے حکم کی اتباع کرتا ہے اور میری اطاعت کرتا ہے۔

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُؤًا (کہف: ۸)

اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں (دیران کر کے) چٹیل میدان غیر آباد۔

صعید سے مراد زمین ہے اس پر جو کچھ ہے وہ فانی اور زائل ہونے والا ہے۔ سب نے میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دوں گا، آپ ﷺ کو ان کے اعمال اور اقوال تکلیف نہ دیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں صعید زمین کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع صعد ہے ذوالرمہ چھوٹے ہرن کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

كَانَهُ بِالضُّحَى تَرْمِي الصَّعِيدَ بِهِ دَبَابَةٌ فِي عِظَامِ الرَّأْسِ خُرْطُومُ
گویا کہ وہ ایسا آدمی تھا جسے وقت چاشت ایسی شراب نے مٹی پر پھینک دیا ہو جس کا نشہ سر کی ہڈیوں تک سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔

صعید کا معنی راستہ بھی ہے حدیث شریف میں ہے۔ وَإِيَّاكُمْ وَالْعُقُودَ عَلَى الصُّعَدَاتِ۔

طوائف الملوکی کا بھی دور دورہ رہا۔ یہ مدت چار سو اسی سال بنتی ہے۔ امام الطبری نے اس سے کم مدت لکھی ہے۔ مسعودی کے نزدیک یہ عمر پانچ سو دس سال بنتی ہے۔ انہی کے عہد حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، پھر ساسانی خاندان کے تیس بادشاہ گزرے، انہی کے عہد میں آفتاب اسلام طلوع ہوا۔

اللہ رب العزت نے سورۃ الکہف کا نزول فرمایا اس کا آغاز اپنی توصیف اور اپنے نبی محترم ﷺ کی نبوت و رسالت سے فرمایا اور اس پر کفار کے تعجب کا بھی تذکرہ کیا، ارشاد فرمایا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ (الکہف: ۱)

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب۔
عبد سے مراد محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ میری طرف سے رسول ہیں۔ یہ اس سوال کا جواب ہے جو لوگ آپ ﷺ سے آپ ﷺ کی نبوت کے متعلق کرتے تھے۔

راستوں پر بیٹھنے سے بچو۔ الجزر اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کوئی نباتات نہ ہوتی ہو۔ اس کی جمع اجزار ہے۔ کہا جاتا ہے سَنَّةٌ جُزْرٌ - سَنَوْنُ أَجْرَازٌ - یعنی وہ سال جس میں بارش نہ ہوتی ہو، جس میں خشکی، قحط اور شدت ہو۔ ذوالرمہ اونٹ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

طَوَى النَّحْزُ وَالْأَجْرَازُ مَا فِي بُطُونِهَا فَمَا بَقِيَتْ إِلَّا الضُّلُوعُ الْجَرَاشِعُ
 مہمیز کی تکلیف یا پھیپھڑوں کی بیماری اور بنجر زمین نے اس کے پیٹ کی تمام چیزوں کو لپیٹ لیا ہے اور ابھرے ہوئے سینے کے علاوہ کچھ نہیں بچا۔

اصحاب کہف کا واقعہ

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان جوانوں کا تذکرہ کیا جن کے متعلق کفار مکہ نے سوال کیا تھا۔ ارشاد فرمایا۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ① (کہف: ۹)
 کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے ہماری ان نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں؟

میں نے اپنے بندوں کے لئے جو دلائل اور آیات اتاری ہیں یہ نشانی ان میں سے تعجب خیز علامت ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں رقیم سے مراد وہ کتاب ہے جس میں اس کی داستان لکھی ہوئی

وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا قِطْمًا ② (کہف: ۲) اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرہ کجی۔
 یعنی معتدل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سورۃ الکہف کے نزول کا سبب

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ نصر اور عقبہ علمائے یہود کے پاس گئے اور وہ چیز لے کر آئے جو ان کے گمان کے مطابق نبی محترم ﷺ اور ان کے مابین فیصلہ کرنے والی تھی علمائے یہود نے انہیں تین اشیاء بتائیں اور کہا کہ اگر وہ ان کے متعلق تمہیں بتادیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں ورنہ وہ یہ کلام خود گھڑنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں بتایا میں تمہیں ان اشیاء کے متعلق کل بتاؤں گا لیکن آپ ﷺ نے اِنْ شَاءَ اللہ نہ کہا۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق وحی پندرہ دن تک نہ آئی لیکن سیر الیمی اور موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ وحی نہ آنے کی مدت تین دن ہے پھر حضرت جبرائیل سورۃ الکہف لے کر حاضر خدمت ہوئے۔

تھی۔ اس کی جمع رقم آتی ہے۔ عجاج کہتا ہے۔ مُسْتَقَرُّ الْمُصْحَفِ الرَّقْمِ ”تحریر شدہ مصحف کی قرار گاہ“۔

حمد کو کتاب پر مقدم کرنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز اپنی ذات کی مدح و ستائش سے فرمایا اور اپنے نبی محترم ﷺ کی نبوت کا تذکرہ کیا تا کہ وہ اپنے بندے کو سکھائے کہ وہ اس کی تعریف کیسے کیا کرے، اگر یہ حکمت پوشیدہ نہ ہوتی تو حال تو صرف تسمیہ پر وقوف کا ہی تقاضا کر رہا تھا اور ایسی عبارات کا تقاضا کرتا تھا جو اس کے جلال پر دلالت کرتی ہو کیونکہ ہر قسم کی عبارت اس کا جلال اور صفاتِ کمال کو بیان کرنے سے عاجز ہے۔ جب حمد بندے پر واجب ہوئی تو اس آیت میں بھی اس کو مقدم کیا گیا تا کہ یہ حمد اس کے ساتھ متصل ہو جائے اور بندے کو یہ شعور حاصل ہو جائے کہ حمد اس پر واجب ہے۔ سورۃ الفرقان میں ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ (الفرقان: ۱)

بڑی (خیر و) برکت والا ہے وہ جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندے پر۔

اس آیت کا آغاز فرقان (کتاب مقدس) کے ذکر سے کیا پھر فرمایا ”عَلَى عَبْدِهِ“ اس سورت میں کتاب کا ذکر عبد سے مقدم کیا اور اس سورت میں عبد کا ذکر کتاب سے پہلے کیا، ان میں الفاظ کی مشابہت اور کلام کے التمام سے ہم کو قرآن پاک کا اعجاز، اس کی حکمت باہرہ اور برہان واضح کا ادراک ہوتا ہے۔

كَأَنَّهُ بِالضُّحَىٰ - شاعر اس شعر میں ہرن کے بچے کی تعریف کرتا ہے۔ خرطوم شراب کا نام ہے یعنی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شراب اس کے سر میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ طَوَى النَّحْزُ وَالْأَجْرَازُ۔ النَحْز سے مراد مہینز کی چھن ہے۔ نحاز اس مرض کو کہتے ہیں جو اونٹ کو لگتی ہے۔ نحیزہ طبیعت، ذبح کی ہوئی اور بنی ہوئی چیز کو کہتے ہیں مثلاً جانور کا تنک۔ الْجَرَّاشِعُ۔ جَرَّشِعُ کی جمع ہے صاحب العین کہتے ہیں عظیم سینے کو جَرَّشِعُ کہا جاتا ہے۔ اس شعر کا معنی یہ ہے کہ لاغری کی وجہ سے اس کی پسلیاں پھول چکی تھیں اور وہ بلند سینے کی طرح نمایاں تھیں۔

الرقیم، اصحاب کہف

الرقیم کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رقیم سے مراد کتا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد وہ گاؤں ہے جس سے وہ جوان

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝
فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَى الْجُزْبَيْنِ أَحْصَى لِمَالِهِمَا ۝
أَمَدًا ۝ (کہف)

(یاد کرو) جب پناہ لی ان جوانوں نے غار میں پھر انہوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لئے اس کام میں ہدایت پس ہم نے نکالے گئے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ وادی کا نام ہے۔ اس سے مراد چٹان ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ تختی ہے جن میں ان کا نام، دین اور ان کا قصہ مرقوم تھا۔ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے۔
كُلُّ الْقُرْآنِ أَعْلَمُ إِلَّا الرِّقِيمَ وَالْغُسْلَيْنِ وَحَنَانًا وَالْآوَاهُ۔
میں رقیم، غسلیں، حنان اور الاواہ کے علاوہ تمام قرآن جانتا ہوں۔

اصحاب کہف کے نام بھی کتابوں میں قدرے اختلاف کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ان کے اسماء یہ ہیں۔ ۱۔ ملیخا ۲۔ کسلیم ۳۔ مرطوش بن انس ۴۔ اریطانس ۵۔ ایونس ۶۔ شاطیطوش ان کے شہر کا نام افوس تھا۔ کیا ابھی تک وہ باقی ہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ان میں سے کسی چیز کے باقی ہونے میں تعجب کا اظہار کیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ وہ بعثت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہی مٹی ہو چکے تھے۔ بعض مؤرخین نے اس قول کے برعکس کہا ہے کہ زمین نے انہیں نہیں کھایا اور نہ ہی ان میں کسی قسم کا تغیر پیدا کیا ہے وہ قسطنطنیہ کے قریب ہیں۔ روایت ہے کہ وہ عنقریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت جج بھی کریں گے۔ (البدء لابن ابی خیشمہ)

اھسی کا اعراب

ہم نے اھسی کے اعراب کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے اس میں ہم نے اس کے اعراب کے متعلق زجاج کا وہم بھی ذکر کیا ہے انہوں نے اھسی کو اسم بنایا ہے اور مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے اسے مرفوع کہا ہے۔ اَمَدًا کو تمیز بنایا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ تمیز معنی میں فاعل ہوتی ہے۔ جب تو یہ کہے اَيُّهُمْ اَعْلَمُ اَبَا تو اس میں الاب ہی عالم ہے۔ اگر تو یہ کہے کہ اَيُّهُمْ اَفْرَدَ عَبْدًا۔ عبد ہی الفارہ ہے۔ اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ اَمَدًا احصاء کا فاعل ہو۔ یہ محال ہے بلکہ یہ مفعول ہے۔ اھسی فعل ماضی ہے یہ امد کا ناصب ہے ہم نے اس رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ اَيُّهُمْ میں ماقبل کے اعتبار سے نصب دینا بھی جائز ہے یعنی جب اسے خبر بنایا جائے۔ جب یہ ان شروط پر پورا اترے جو ہم

بند کر دیئے ان کے کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گئے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں پیدا کر دیا تا کہ ہم دیکھیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کا جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے؟

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ

(اے حبیب!) ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر ٹھیک ٹھیک۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اَمْتًا يَرْبُوهُمْ وَرِزْدْنَهُمْ هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ لَنْ نُّدْعُوْا مِنْ دُوْنِهَا اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطًا ۝ (کہف: ۱۳-۱۴)

بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے (نور) ہدایت میں اضافہ کر دیا اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ راہِ حق میں کھڑے ہو گئے تو انہوں نے (بر ملا) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کسی معبود کو (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے۔

نے وہاں ذکر کی ہیں۔

الغرب، تزا اور الشمس اور داستان کا فائدہ

فَضَرَبْنَا عَلَىٰ اٰذَانِهِمْ۔ ہم نے انہیں سلا دیا۔ سونے والے (نائم) کے متعلق کہا جاتا ہے۔
ضَرْبَ عَلَىٰ اُذُنِهِ۔ کیونکہ سونے والا سمع (سننے) کے اعتبار سے متنبہ ہوتا ہے۔ یہاں الضرب،
ضَرَبَتِ الْقُفْلُ عَلَى الْبَابِ۔ سے مستعار ہے۔

تَقْرِضُهُمْ۔ سورج ان کے بالمقابل تھا۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سورج ان پر سے
آہستہ آہستہ گزرتا تھا۔ القرض کا معنی کائنات ہے یعنی سورج وہاں کی زمین سے گزرتا تھا۔ یہ لفظی شرح
ہے۔ معنی کے اعتبار سے اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ زمین کے اس حصہ میں تھے جہاں دھوپ داخل نہ
ہوتی تھی جو انہیں جلاتی اور ان کے کپڑے بوسیدہ کرتی وہ دائیں بائیں کروٹیں بدلتے رہے تا کہ زمین
انہیں کھانا سکے۔ اس داستان کا ایک عظیم فائدہ نماز میں ان کی کیفیت بیان کرنا ہے اور ان کے کتے کی
حالت بیان کرنا ہے کہ وہ کہاں تھا وہ دروازے کی چوکھٹ پر تھا۔ غار کا دروازہ شمال کی طرف تھا اس میں
وہی حکمت پنہاں ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ انہیں دیکھنے والا انہیں پہچان نہیں سکتا تھا کیونکہ انہیں

انہوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جس طرح کہ (شرکیں) تم نے میرے شریک ٹھہرائے ہیں جن کے متعلق تمہیں کوئی علم نہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں الشطط کا معنی غلو اور حق سے تجاوز کرنا ہے۔ بنو قیس کا اعشی کہتا ہے۔

لَا يَنْتَهُونَ وَلَا يَنْهَى ذَوِي شَطَطٍ كَالطَّعْنِ يَذْهَبُ فِيهِ الزَّيْتُ وَالْفُتْلُ
وہ رک نہیں سکتے اور نہ ہی انہیں برچھی کا ایسا زخم روک سکتا ہے جس میں تیل اور فٹیلہ دونوں چلے جائیں۔

هَؤُلَاءِ قَوْمٌ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُونَ (کہف: ۱۵)
یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے بنا لیا ہے اس کے سوا غیروں کو (اپنے) خدا کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو۔
سلطان بین سے مراد کامل دلیل ہے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ وَإِذْ أَعَزَّ نَسْوُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوَّا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرُ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئُ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَاقًا ۝ وَتَرَى الشُّسَّ إِذَا طَلَعَتْ تَرَوْهُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرُّهُمْ ذَاتَ الشَّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ (کہف: ۱۵ تا ۱۷)

دیکھنے سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ ان کے احوال سے ان باریک دقائِق میں غور کرنا ممکن نہ تھا، جبکہ نبی اکرم ﷺ نے تو انہیں کبھی دیکھا بھی نہ تھا، نہ ہی ان کے متعلق سنا تھا نہ ہی کسی کتاب میں ان کے اوصاف پڑھے تھے کیونکہ آپ ﷺ امی تھے جو امی امت میں جلوہ نما ہوئے تھے آپ ﷺ اس واقعہ کے متعلق وہ باتیں لے کر آئے ہیں جنہیں وہ شخص بھی نہیں لاسکتا جس نے اصحاب کہف کو دیکھا ہو۔ حتیٰ کہ ان کے کتے کا بھی ذکر کیا اس کی جگہ اور اس کے بیٹھنے کے انداز کا تذکرہ کیا کہ اس نے دروازہ پر اپنے بازو پھیلا رکھے تھے جبکہ اصحاب کہف کشادہ درے میں تھے۔ یہ سب کچھ نبوت مصطفیٰ ﷺ پر ایک بہت بڑی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی صداقت کی بہت بڑی برہان ہے اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ ﷺ یہ کلام خود گھڑنے والے نہیں جس طرح کہ قریش کا گمان تھا۔ ان اوصاف کے مضمون پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آگاہی حاصل کر۔ ان شاء اللہ تو اس چیز سے بچ جائے گا جس کی وجہ سے ملحد اس آیت کو کتاب اللہ سے چھپاتے پھرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس تذکرے کا کیا فائدہ ہے کہ سورج ان سے انحراف کرتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ ہر اس گھر میں اسی طرح ہوتا ہے جس کا دروازہ شمال کی طرف ہو۔ اہل معانی نے اس کے بہت سے فوائد بیان کئے ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہ

ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے اور جب تم الگ ہو گئے ہو ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے تمہارے اس کام میں آسانیاں اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ ابھرتا ہے تو ہٹ کر گزرتا ہے ان کے غار سے دائیں جانب اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف کتراتا ہوا ڈوبتا ہے اور وہ (سور ہے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں۔

ابن ہشام کہتے ہیں تزاور کا معنی مائل ہونا ہے۔ یہ الزور سے مشتق ہے۔ امرؤ القیس بن حجر کہتا ہے۔

وَ اِنِّیْ ذَعِیْمٌ اِنْ رَجَعْتُ مُمْلَکًا بِسَیْرِ تَرٰی مِنْهُ الْفَرَاقُ اَزَّوْرًا
میں سردار ہوں اگر میں شہنشاہ بن کر ایسی چال سے پلٹوں تو تو دیکھے گا کہ خط رساں بھی ایسے چال چلنے سے پہلو تہی کرتا ہے۔

ابو زحف الکلبی شہر کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

جَابُ الْمَنْدٰی عَنْ هَوَانَا اَزَّوْرٌ یُنْفِی الْمَطَايَا حِمْسَهُ الْعَشْنَزُرُ
اونٹوں کو پانی پلانے والی جگہ درست نہیں ہے۔ وہ ہمارے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔
اونٹوں کو پانچویں روز پانی پلانا انہیں ناتواں کر دیتا ہے۔

تَقَرُّضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ۔ سورج ان سے تجاوز کر جاتا تھا اور انہیں اپنے شمال کی جانب

ہے کہ اس سے اس لطف کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس جگہ رکھا جہاں سورج بھی ان سے ہٹ کر گزرتا تھا اور انہیں اذیت نہ دیتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کتے کے تذکرے اور اس کے بیٹھنے کے انداز کو ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ اس سے کیسے لطف کا اظہار ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو بیان کرتے وقت کسی چیز کو نہیں چھوڑا حتیٰ کہ ان کے کتے کی حالت کو بیان کیا، جبکہ انہیں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ان پر مطلع ہونے سے معذور تھا تو پھر وہ شخص ان کی حالت کو کیسے بیان کر سکتا ہے جس نے نہ تو انہیں دیکھا ہو اور نہ ہی ان کے متعلق سنا ہو؟ اگر وہ وحی نہ ہوتی جو بارگاہ ربوبیت سے حضور ﷺ پر واضح اور شافی بیان لے کر آتی تھی اور وہ رعب بھی نہ ہوتا جو اصحاب کہف کی زیارت کرنے والے کو آلیتا تھا تو پھر مخالفین کی کامیابی کے امکانات کافی تھے۔

چھوڑ دیتا تھا۔ ذوالرمہ کہتا ہے۔

إِلَى ظُعْنٍ يَقْرِضْنَ أَفْوَازَ مُشْرِفٍ شِمَالًا وَ عَنْ أَيْمَانِهِنَّ الْفَوَارِسُ
میرا رجحان ان اونٹوں کی طرف ہے جن پر ہودے کسے ہوئے ہیں جو ریت کے بلند و بالا
ٹیلوں کو اپنے شمال کی سمت چھوڑ کر چلتے جا رہے ہیں اور ان کے دائیں جانب گھڑ سوار ہیں۔
فجوة کا معنی وسعت ہے اس کی جمع فجاء ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

الْبَسْتُ قَوْمَكَ مَخْزَاةً وَ مَنْقَصَةً حَتَّى أَبْيَحُوا وَ خَلُّوا فَجْوَةَ الدَّارِ
تو نے اپنی قوم کو ذلت و رسوائی کی پوشاک پہنا دی، حتیٰ کہ لوگ انہیں مباح اور حلال سمجھنے
لگے اور انہوں نے گھر کے وسیع صحن کو چھوڑ دیا۔
ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ۔

(سورج کا) یوں (طلوع و غروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

یہ ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جنہوں نے اصحاب کہف کے کچھ حالات اصل کتاب سے
جان لئے اور ان کے خلاف بھی دلیل ہے جنہوں نے قریش مکہ کو آپ ﷺ کی نبوت کی
تصدیق کے لئے آپ ﷺ سے پوچھنے کے لئے کہا۔

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ يُضِلُّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْسِدًا ۚ وَ تَحْسَبُهُمْ آيَاتًا وَهُمْ
رُفُودٌ وَ نُقِلَتْ لَهُمْ ذَاتُ الْيَمِينِ وَ ذَاتُ الشِّمَالِ ۚ وَ كَلْبُهُمْ بِالْإِسْطِ ذُرَاعَيْنِ بِالْوَصِيدِ (کہف: ۱۷ تا ۱۸)
(حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ
کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما اور (اگر تو دیکھے تو) تو انہیں بیدار
خیال کرے گا حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں (کبھی) دائیں

فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ۔ اس کا معنی فضاء ہے یعنی اگرچہ وہ کشادہ درے میں تھے پھر بھی انہیں دھوپ کا
سامنا نہ کرنا پڑتا تھا۔ ابن سلام کہتے تھے یہ ایک نشانی ہے سال میں دو مرتبہ ان کے پہلو بدلے جاتے
تھے جبکہ کتے کا پہلو نہ بدلا جاتا تھا اس کے باوجود زمین نے اسے نہیں کھایا کیونکہ ملائکہ ان کے پہلو
بدلتے تھے۔ ملائکہ دنیا اور آخرت میں مومنین کے دوست ہیں جبکہ کتا اس آیت سے خارج ہے کیا تو
نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بالوصید کہا ہے یعنی وہ غار کے صحن میں تھا ان کے ساتھ غار
میں داخل نہ تھا کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔ اس کلام میں بہت سی حکمتیں
پوشیدہ ہیں ابن سلام کہتے ہیں۔ اصحاب کہف کے پہلو پہلی نیند میں، زندہ ہونے سے قبل بدلتے جاتے

جانب اور (کبھی) بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر۔ ابن ہشام نے کہا ہے کہ وصید کا معنی دروازہ ہے عبید بن وہب کا شعر ہے۔

بَارِضٍ فَلَاةٍ لَا يُسَدُّ وَصِيدُهَا عَلَيَّ وَ مَعْرُوفِي بِهَا غَيْرُ مُنْكَرٍ
ایسے بے آب و گیاہ جنگل میں جس کا دروازہ مجھ پر بند نہیں کیا جاسکتا اور وہاں میری نیکی بھی معروف ہے۔

وَصِيدُ کے معنی صحن کے بھی ہیں اس کی جمع وَصَائِدُ، وَصِدٌ، وَصْدَانٌ، اَصْدَاوَر اَصْدَانِ آتی ہے۔

لَوْ اَظْلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتُ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمْ لِيَتْ مِنْهُمْ رُغْبًا
اگر تو جھانک کر انہیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تو بھر جائے ان کی (منزل) کو دیکھ کر ہبت سے۔

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ
اور کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر۔

تھے۔ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا..... اسی آیت سے بعض اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ لوگ مسلمان تھے اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ ہم ان کے پاس مسجد بنا لیتے ہیں۔ امام الطبری نے بیان کیا ہے کہ اصحاب کہف کے اٹھنے سے پہلے وہ لوگ اجساد اور ارواح کے متعلق جھگڑا کرتے تھے کہ روزِ حشر ان کا اعادہ کیسے ہوگا۔ ایک قوم کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اجسام کو اسی طرح لوٹایا جائے گا جس طرح وہ اپنی ارواح کے ساتھ تھے جس طرح کہ اہل اسلام کا بھی یہی نقطہ نظر ہے لیکن دوسرا گروہ ان کی مخالفت کرتا تھا وہ کہتے صرف روہیں اٹھائی جائیں گی اجسام کو نہیں لوٹا جائے گا۔ جس طرح کہ عیسائیوں کا نظریہ ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے اس کے مابین فساد پھیل گیا۔ ان کے بادشاہ کو یہ اختلاف بڑانا گوارا گزرا۔ اس نے کھر درے کپڑے پہن لئے۔ راکھ کو بکھیر دیا اور آہ و فغان کرنے لگا اس نے بارگاہِ صمدیت میں التجاء کی کہ وہ اس کی قوم کے اختلاف میں فیصلہ فرمادے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو زندہ فرمادیا۔ یہ واقعہ ہر کسی کو معلوم ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنی قوم سے کہا۔ اللہ رب العزت نے تمہارے لئے یہ نشانی اس لئے ظاہر فرمائی، تاکہ تم متفق ہو جاؤ اور جان لو کہ اللہ رب العزت نے جس طرح اصحاب کہف کو زندہ فرمایا ہے ان کی ارواح ان کے ہی اجسام کی طرف لوٹائی ہیں اسی طرح وہ روزِ حشر ان کا اعادہ فرمائے گا۔ تمام قوم نے بادشاہ کے قول کی طرف رجوع کیا اور جان لیا کہ حق یہی ہے۔

یعنی والیانِ شہر اور صاحبانِ اقتدار۔

لَتَسْخَذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا سَيَقُولُونَ

کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد بنائیں گے کچھ کہیں گے۔

یعنی وہ یہودی علماء جنہوں نے اصحابِ کہف کے متعلق سوال کرنے کے لئے کہا تھا۔

ثَلَاثَةٌ رَأَوُا إِلَهُهُمْ كَلْبُومٌ وَ يَقُولُونَ خَسَّةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُومٌ رَاجِعًا بِالْغَيْبِ

کہ اصحابِ کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے۔ (یعنی انہیں کوئی علم نہیں)

و يَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَ ثَامِنُهُمْ كَلْبُومٌ قُلْ رَأَيْتُ أَعْلَمُ بِعَدَاتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُنَارِفْهُمْ إِلَّا أَمْرًا ظَاهِرًا ۚ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ (کہف)

اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا آپ فرمائیے (اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو (اور) نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو مگر چند آدمی سو بحث نہ کرو ان کے بارے میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے اور نہ دریافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی اور سے۔

کیونکہ انہیں اس کا علم نہیں ہے۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَ اذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ

عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِّي رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا أَرَشِدًا ۝ (کہف - ۲۳ - ۲۴)

واؤ ثمانیہ: اللہ کے ارشاد مبارک و يَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَ ثَامِنُهُمْ كَلْبُومٌ میں واؤ کو واؤ ثمانیہ کہا جاتا ہے۔

ہم نے اس کی تفصیل میں ایک پورا باب لکھا ہے۔ اس جگہ کے متعلقہ گفتگو یہ ہے کہ یہ واؤ کہنے والوں کی تصدیق پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ عاطفہ ہے اور اس سے پہلے محذوف کلام ”نعم“ ہے مثلاً اگر کوئی شخص

کہے کہ اِنَّ زَيْدًا شَاعِرٌ۔ زید شاعر ہے۔ تو اسے کہے و فقیہ اور فقیہ بھی۔ اب گویا کہ تو اس کی تصدیق کر رہا ہے کہ وہ شاعر بھی ہے اور فقیہ بھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ

اَيُّتَوْضَأُ بِمَا أَفْضَلُ الْخَمْرُ فَقَالَ وَ بِمَا أَفْضَلُ السُّبَاعُ۔ کیا بقیہ شراب سے وضو کرنا جائز ہے آپ ﷺ نے فرمایا اور درندوں کے جھوٹے سے بھی وضو جائز ہے۔ آپ ﷺ کا اصل فرمان یوں

تھانعم وَ بِمَا أَفْضَلُ السُّبَاعُ۔ بقیہ شراب سے وضو کرنا جائز ہے اور اسی طرح درندے کے جھوٹے بقیہ پانی سے بھی وضو کیا جاسکتا ہے۔ ارشادِ بانی ہے۔

ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل مگر (یہ کہ ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے اور یاد کر اپنے رب کو جب تو بھول جائے (یہ بھی) کہو کہ مجھے امید ہے کہ دکھا دے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ۔

اگر وہ آپ ﷺ سے کسی چیز کے متعلق سوال کریں تو آپ ﷺ انہیں انہی مُخْبِرُ وُكُم غَدًا (میں تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گا) نہ کہا کریں بلکہ ساتھ ان شاء اللہ بھی کہا کریں، جب

وَأَرْزُقُ أَهْلَهُ مِنَ الشَّرَابِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ

”اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے (یعنی) جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر بھی کیا۔“

یہ فرمان بھی اسی طرح ہے۔ اسی طرح علماء کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَيَقُولُونَ سَبْعَةَ ۖ جَوَابٍ فِي ذَاتِ بَارِي تَعَالَى نَے فرمایا (وَنَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ) یہ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ، رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ کی طرح نہیں ہے کیونکہ یہ اپنے ماقبل کی صفت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول رَجُمًا بِالْغَيْبِ کے تحت ہے۔

آیۃ الاستثناء

اللہ تعالیٰ کا فرمان وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ کی تفسیر میں ابن اسحاق نے لکھا ہے اِنِّ اسْتَنْ شَيْئَةً اللہ۔ مشیت الہیہ سے مستثنیٰ کیا کریں۔ الشیء شاء، یشاء کا مصدر ہے جس طرح خاف یخاف کا مصدر خیفہ ہے۔ اگر اس معنی سے اس آیت کی تفسیر کی جائے تو پھر آیت کا یہ لفظ انتہائی مشکل ہے کیونکہ اللہ کا قول ”لَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّی فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا“ اس کلام کرنے سے روکنا ہے لیکن پھر ”إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“ سے اسی کلام کو کرنے سے منع نہ کرنا ہے۔ اس طرح وہ شخص جسے اس قول سے روکا گیا اسے ”إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“ متصل کر کے بھی ایسا کہنے سے روکا جائے۔ یہ محال ہے اس شخص کا قول ”إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“ اللہ کی جانب سے استثناء ہوگا۔ یہ عزیمت نہیں کے لئے نقض ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا بطلان ہے۔ جب سردار اپنے غلام سے کہتا ہے لَا تَقُمْ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ أَنْ تَقُومَ۔ کھڑا نہ ہو مگر یہ کہ جب اللہ چاہے کہ تو کھڑا ہو جائے۔ گویا کہ اس نے نبی کی گرہ کو خود ہی کھول دیا کیونکہ کسی فعل کے لئے اللہ کی منشاء، صرف ”بالفعل“ معلوم ہو سکتی ہے۔ بندہ کھڑا ہو جائے اور یہ کہے قَدْ شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَقُومَ۔ اللہ کی منشاء ہے کہ ہم کھڑے ہو جائیں۔ لیکن یہ نبی اس معنی پر نہیں۔ حرف استثناء نبی کی طرف نہیں لوٹتا اور اس کا تعلق اس کلام سے ہے جس سے بندے کو روکا گیا ہے۔ اس طرح اس کا اشکال

اللہ کا ذکر بھول جائیں تو اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کریں اور فرمائیں یقیناً میرا رب میری راہ نمائی واضح ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام میں حذف اور اضمار ہے اور وہ ہے وَلَا تَقُولَنَّ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ إِلَّا ذَاكِرًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ أَوْ نَاطِقًا بَانَ يَشَاءَ اللَّهُ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ تو اللہ کی مشیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ کہ میں اسے کل کروں گا کیونکہ الشیء مصدر ہے اور اَنْ اور اَنْ فعل بھی مصدر کی تاویل میں ہوتا ہے۔ یہ مصدر اعراب میں قول مضمراً مفعول ہے۔ اہل عرب ”قول“ کو حذف کر دیتے ہیں اور صرف مقولہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ (آل عمران: ۱۰۶)

تو وہ جو سیاہ رو ہوں گے (انہیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا۔

اَكْفَرْتُمْ سے پہلے يُقَالُ لَهُمْ (ان سے کہا جائے گا) محذوف ہے قول کو حذف کر دیا گیا اور مقولہ کو باقی رکھا گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (الرعد: ۲۴)

(یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ سے پہلے يَقُولُونَ محذوف ہے اسی طرح اللہ کا فرمان ”إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“ کلام نہیں ہے، پھر قول کو محذوف کیا اور وہ ”ذاکراً“ ہے جس کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے اس کے بعد مقولہ کو برقرار رکھا۔ اس مقام پر اسی قدر تشریح کافی ہے۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ

ابن اسحاق کہتے ہیں اس سے قبل ”سَيَقُولُونَ ذَلِكَ“ محذوف ہے۔ یہ اس کی ایک تاویل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے ”قالوا“ کا اضافہ کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ”قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا“ میں مؤلف یا کسی اور کی طرف سے وہم ہے۔ صحیح قرأت ”قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا“ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے ٹھہرنے کی خبر دینا ہے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ قریش اور دیگر کفار اس مقدار کے علم سے محروم ہیں اور اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے تو فرمایا ”قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا“

ثَلَاثُ مِائَةِ سِنِينَ وَأَزْدَادُوا تِسْعًا

یہ تین سو سال عجمی حساب کے اعتبار سے ہیں اور اگر چاند کا حساب لگایا جائے تو پھر نو سال کا اضافہ ہو جائے گا کیونکہ وہ مدت جو سورج کے اعتبار سے تین سو سال ہو چاند کے اعتبار سے اس میں نو سال کا

اس خیر کی طرف کرے گا جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ آپ ﷺ آگاہ نہیں کہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ثَلَاث مِائَةِ سِنِينَ فرمایا ہے۔ سِنِينَ کی جگہ سَنَہ نہیں فرمایا، جیسا کہ عربی میں اعداد کی تمیز ہے کیونکہ ملکہ کا لفظ، واحد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں سنین ماقبل کا بدل ہے یہ صرف اضافت اور تمیز نہیں ہے۔ ایک عظیم حکمت کی وجہ سے لفظ کو اضافت سے بدل کی طرف پھیرا گیا ہے۔ وہ خاص حکمت یہ ہے کہ اگر اللہ رب العزت ثَلَاث مِائَةِ سَنَہ فرماتا تو یہ صرف لوگوں میں سے ایک گروہ کا جواب ہوتا۔ حالانکہ لوگ اس کے متعلق دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ اصحاب کہف کے قیام کی طوالت کو جانتا تھا، لیکن وہ سالوں کی تعداد کو نہیں جانتے تھے جبکہ دوسرا گروہ ان کے قیام کی طوالت سے ہی آشنا نہ تھا۔ وہ اصحاب کہف کے متعلق کسی چیز سے بھی آگاہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ثَلَاث مِائَةِ سَنَہ فرما کر ان لوگوں کو اس مدت کے بارے بتا دیا جس میں انہیں شک تھا۔ اسی طرح دوسرے گروہ کے لئے بھی بیان کر دیا کہ یہ مدت تین سو سال تھی۔ دن اور مہینوں میں محدود نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عدد کے تذکرے اور معدود کو جمع کر کے دونوں کو آگاہ کرنے کا انتظام فرمایا۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ بدل ہے کیونکہ بدل کا مقصد ماقبل کلام کی وضاحت کرنا ہوتا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہود جانتے تھے کہ اصحاب کہف کا واقعہ بڑا عجیب ہے ان کا یہ تعجب ان کے طویل قیام کی وجہ سے تھا لیکن انہیں یقینی طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی غار میں ٹھہرنے کی مدت تین سو سال تھی یا اس سے کم۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا وہ مدت تین سو سال تھی۔ پھر اہل عرب جنہوں نے اصحاب کہف کے متعلق کچھ نہیں سنا تھا انہوں نے پوچھا ان تین سو سے کیا مراد ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا اس سے مراد تین سو سال ہیں یہ تفسیر علامہ ضحاک سے روایت ہے اور اسے نحاس نے ذکر کیا ہے۔

سَنَہ اور عَام میں فرق

اللہ رب العزت نے اس جگہ ”سنین“ کا لفظ ذکر کیا ہے۔ ”اعوام“ ذکر نہیں کیا۔ اہل عرب ان دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں لیکن ان میں بلاغت اور علم کے اعتبار سے فرق ہے۔ قرآن پاک نے اس فرق کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان میں پہلا فرق تو یہ ہے کہ ان کا مادہ اشتقاق جدا جدا ہے سَنَہ سَنًا یَسْنُو سے مشتق ہے۔ اس کا معنی جانور کا کنویں کے ارد گرد چکر لگانا ہے اسی لئے جانور کو ”السَّانِیَہ“ بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح سال سورج کے چکروں میں سے ایک چکر ہے۔ اسی لئے سَنَہ کو دائرہ بھی کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے إِنَّ بَيْنَ آدَمَ وَ نُوحٍ أَلْفُ دَارٍ حضرت آدم اور حضرت

کیا کرنے والا ہوں۔

وَلَيَسْتَوِي كُفُهُمْ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِينَ وَاِذْ دَاوُودُ اَتَسَعَا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَيَسْتَوِي لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ

نوح علیہما السلام کے مابین ایک ہزار سال کی مدت تھی۔ داؤ کا معنی سنہ (سال) ہے۔ اہل عرب قحط کی شدت کو بھی سنہ کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ۔ (الاعراف: ۱۳۰)

اور بیشک ہم نے پکڑ لیا فرعونوں کو قحط سالی سے۔

جب کوئی قوم قحط سالی کا شکار ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے اُسنت القوم۔ اس کا وزن اَفْعَتُوا ہے۔ "اَفْعَلُوا" نہیں ہے سیبویہ نے تاء کو واؤ کا بدل قرار دیا ہے ان کے نزدیک یہ "اَفْعَلُوا" کے وزن پر ہے کیونکہ خشک سالی اور خوش حالی کا تعلق موسم گرما اور موسم سرما کے ساتھ ہے عجمی سالوں کا حباب سورج کے لحاظ سے کرتے ہیں۔ اصحاب کہف بھی عجمی تھے نصاریٰ ان کی داستان سے آشنا تھے اور اس کا حساب رکھتے تھے۔ اسی لئے قرآن پاک میں "سنین" کا ذکر کیا تا کہ ان کے حساب سے موافقت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان "وَاِذْ دَاوُودُ اَتَسَعَا" سے فائدہ کو مکمل کیا تا کہ اہل عرب کے حساب سے موافقت ہو جائے کیونکہ وہ قمری مہینوں سے حساب لگاتے تھے مثلاً محرم، صفر وغیرہ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں غور کرو۔

تَرٰ رَاعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابَّآ (یوسف: ۴۷)

آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال حسب دستور۔

یہاں بھی "اعوام" کا ذکر نہیں کیا یہ بھی ہمارے سابقہ نقطہ نظر کی دلیل ہے پھر اللہ رب العزت نے فرمایا۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ (یوسف: ۴۹)

پھر آئے گا اس (خوشحالی کے بعد) ایک سال۔

اب سنہ نہ کہا تا کہ لفظ مشترک سے عدول ہو جائے کیونکہ سنہ سے کبھی کبھی شدت اور سختی بھی مراد لی جاتی ہے اگر سنہ کا لفظ استعمال کیا جاتا تو ذہن اس کی طرف جاتا۔ عام، دنوں کے اعتبار سے بھی سنہ سے کم ہے کیونکہ خواب سات شدید سالوں پر دلالت کرتی تھی۔ جب یہ تعداد پوری ہو گئی تو پھر خوشحالی آ گئی۔ خواب میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس خوشحالی کی مدت پر دلالت کرے۔ اس کا ایک سال سے کم ہونا ناممکن ہے اور سال سے زیادہ ہونا بھی مشکوک ہے۔ خواب اس کا تقاضا نہیں کرتی۔ لہذا اَقْلُ کا حکم لگایا

الْأَرْضُ ۖ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ دَلِيلٍ ۚ وَلَا يُشِيرُ فِي حُكْمِهِ أَحَدٌ ۝ (کہف)
 اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کئے
 انہوں نے (اس پر) نو سال آپ فرمائیے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے اسی کے
 لئے (علم) غیب ہے آسمانوں اور زمین کا وہ بڑا دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سننے والا ہے۔ نہیں
 ان کا اس کے سوا کوئی دوست اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو۔

دیا گیا اور ایک سال سے زیادہ مدت میں جوشک تھا اسے ترک کر دیا گیا۔ اس جگہ لفظ ”عام“ کو استعمال
 کرنے کے یہ دو فوائد ہیں۔

وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً۔ (وہ چالیس سال کا ہو گیا) میں لفظ سنہ کا تذکرہ کیا جو عام سے طویل ہوتا
 ہے کیونکہ اس آیت میں انسان کے بڑھاپے اور اس کی قوت و توانائی کے پورا ہونے کی خبر دینا مقصود
 ہے۔ اس لئے یہاں لفظ سنہ مناسب تھا کیونکہ یہ عام سے زیادہ کامل ہوتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس
 آیت میں سن (عمر) کے متعلق خبر دینا مقصود ہے۔ اس لئے یہی لفظ بہتر تھا کیونکہ حیوان میں عمر کا
 اعتبار شمسی سال سے ہی کیا جاتا ہے کیونکہ حمل موسم بہار اور موسم گرما میں ہوتا ہے اسی لئے بکیر
 (پہلے بچے) کو ”ربعی“ دوسرے کو ”صفی“ کہا جاتا ہے زاجر کہتا ہے۔

إِنَّ نَبِيَّ صَبِيَّةً صَافِيَّوْنَ أَفْلَحَ مَنْ كَانَ لَهُ رِبْعِيَّوْنَ
 میرا بچہ ”صافیون“ میں سے ہے اور کامیاب وہ ہوتا ہے جس کا بچہ ”ربعیون“ میں سے ہو۔
 سنین اگر چہ اونٹ وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً ابْنُ سَنَةٍ، ابْنُ سَنَتَيْنِ کیونکہ دراصل
 یہ لفظ جانوروں کے لئے ہی وضع کرہ ہے مگر اس کا استعمال انسانوں کے لئے بھی ہونے لگا۔
 وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ۔ میں لفظ عام کو استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ارشاد ربانی ہے۔
 يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآهِلَةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَاجَّةِ (البقرة: ۱۸۹)

دریافت کرتے ہیں آپ سے نئے چاندوں کے متعلق (کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں)
 فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔ رضاعت کا تعلق بھی احکام شرعیہ
 سے ہے اس لئے اس میں ہم نے قمری مہینوں پر انحصار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک:
 يُجَلِّوْنَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُوْنَهُ عَامًا (توبہ: ۳۷) ”حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر
 دیتے ہیں“۔ میں سنہ کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا گیا کیونکہ اس سے مراد محرم اور ربیع کا مہینہ ہے

سیاح شخص کے متعلق سوال کا جواب

سیاح شخص کے متعلق سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقُرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ وَثْنَهُ ذِكْرًا ۚ ﴿٨٥﴾ إِنَّا مَكِّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ مَضْجًا وَأَتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۚ ﴿٨٦﴾ فَاتَّبِعْ سَبَبًا ۚ ﴿٨٧﴾ (الكهف: ٨٣-٨٥)

کیونکہ اہل عرب ستمبر اور اکتوبر وغیرہ سے حساب نہیں لگاتے تھے یہ شمسی مہینے ہیں۔ فَأَمَّا تِلْكَ الْأُمَّةُ عَامٍ (بقرہ: ۲۵۹) ”سومردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک“۔ اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کو ایک شخص کے متعلق بتانا مقصود ہے اور ان کا حساب قمری مہینوں کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لئے ”عام“ ذکر کیا۔ ارشاد ربانی ہے: فَلَيْسَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (العنکبوت: ۱۳) ”تو وہ ٹھہرے رہے اس میں پچاس کم ہزار سال“۔ میں لفظ سَنَہ اس لئے استعمال کیا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساری زندگی مصائب سے بھری ہوئی تھی صرف آخری سالوں میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا آپ علیہ السلام کے پاس مدد آگئی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ کو علم تھا آپ علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی مگر ان میں سے پچاس ”عام“ تھے، آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ہزار سال تھی مگر اس میں پچاس سال میں وہ کمی تھی جو شمسی مہینوں اور قمری مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے کیونکہ اگر پچاس سال کا حساب قمری مہینوں سے لگایا جائے تو اس میں شمسی مہینوں کے اعتبار سے ڈھیر سال کی کمی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی عمر کے اس فرق کو جانتا تھا اس لئے لفظ عام ذکر کیا۔ یہ لفظ اسی معنی کے موافق ہے۔ پہلا قول زیادہ درست ہے۔ نزول قرآن اور الفاظ کو بر محل استعمال کرنے کا علم، انسان کے لئے اعجاز قرآن کے نئے دروازے کھول دیتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بھی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج: ۴)، وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿٥٠﴾ (الحج) ”اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو“۔ اس دن اور اس روز کی طوالت کی وجہ سے یہاں سَنَہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہی مناسب ہے۔

ذوالقرنین

حضور ﷺ سے ذوالقرنین کے متعلق روایت ہے۔ إِنَّهُ مَلِكًا مَسَحَ الْأَرْضَ بِالْأَسْبَابِ۔ ”وہ بادشاہ تھا جس نے اسباب کے ذریعے زمین کی پیمائش کی“۔

اسباب کا کیا معنی ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں جو آپس میں ملتے جلتے

اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق فرمائیے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر۔

ذوالقرنین کا واقعہ یہ ہے اسے وہ کچھ ملا جو اس کے علاوہ کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوا۔ اسے اسباب عطا کئے گئے حتیٰ کہ وہ زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچ گیا۔ وہ جس زمین پر بھی قدم

ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا** (الکہف) ”اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں سَبَبًا سے مراد وہ علم ہے جس کی وہ پیروی کرتا تھا۔ **فَاتَّبَعَ سَبَبًا** میں سبب سے مراد منزل تک لے جانے والا راستہ ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ اس سے مراد نور کا پہاڑ ہے۔ فرشتہ اسے اٹھا کر بادشاہ کے آگے آگے چلتا تھا اور بادشاہ اس کے پیچھے پیچھے ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس بادشاہ کا نام زیاقیل تھا۔

یہ قول اس شخص کی تائید کرتا ہے جو کہتا ہے ”سَبَبًا“ سے مراد راستہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارک **مَلَكَ مَسَاحَ الْأَرْضِ بِالسَّبَابِ** سے بھی اسی کی توثیق ہوتی ہے۔ ذوالقرنین کا یہ نام کیوں پڑا۔ اس میں اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اس کے نام اور اس کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ ابوالطفیل عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ ابن الکواء نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ذوالقرنین نبی تھا کہ بادشاہ تھا؟ انہوں نے کہا وہ نہ تو نبی تھا اور نہ ہی بادشاہ تھا وہ ایک نیک شخص تھا جو اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا تھا اس کی قوم نے اس کی کنپیوں پر دو چوٹیں لگائیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے بالوں کی دو گوندھی ہوئی رسیاں تھیں اہل عرب بالوں کے سمجھے کو قرن کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس نے سورج کی دو شعاعوں کو پکڑ لیا۔ اس کی تعبیر یہ کئی گئی ہے کہ اس سے مراد مشرق اور مغرب ہے۔ اسے علی بن ابی طالب القیر دانی العابد نے اپنی کتاب ”اللبستان“ میں ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اسی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا تھا۔ ابن ہشام نے اس کا نام مرزبی بن مرزیہ لکھا ہے اس کا نام ہرمس اور ہر دیس بھی بتایا جاتا ہے۔ ابن ہشام کی دوسری روایت کے مطابق اس کا نام صعب بن ذی مرثد تھا۔ یہی پہلا تبع تھا۔ اسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے کنویں کا فیصلہ کیا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق اس کا نام افریدون بن اثفیان تھا اور اسی نے صحاک کو قتل کیا تھا۔

رکھتا وہاں کے لوگوں پر غلبہ پالیتا۔ حتیٰ کہ وہ مشرق مغرب کی ان انتہاؤں تک پہنچ گیا جن کے بعد مخلوق نہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے اس شخص نے روایت کیا ہے جو عجمیوں سے احادیث روایت کرتا تھا کہ ذوالقرنین مصر کا باشندہ تھا اس کا نام مرزبان بن مرزبہ الیونانی تھا۔ یہ یونان بن یافت بن نوح کی اولاد میں سے تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں اس کا نام الاسکندر یہ تھا۔

روایت ہے کہ قیس بن ساعدۃ نے بازار عکاظ میں جو خطبہ دیا تھا اس میں اس نے کہا۔ ”اے معشیر اباد! الصعب ذوالقرنین کہاں ہے، وہ پورب و پچھم کا مالک بنا اس نے جن والن کو ذلیل کیا وہ دو ہزار سال تک زندہ رہا۔ یہ سب کچھ پلک جھپکنے کی دیر میں ہو گیا۔ ابن ہشام نے الاغشی کا یہ شعر پڑھا۔

وَالصَّعْبُ ذُو الْقَرْنَيْنِ أَصْبَحَ ثَاوِيًا بِالْحِنُوِّ فِي حَدِّثِ أُمَيْمٍ مُقِيمٍ
 ”الصعب ذوالقرنین مقام حنو میں زیر زمین چلا گیا اسی مقام پر امیم بھی مقیم ہے۔“ الحنو سے مراد حنوقرار ہے۔ اسی مقام پر ذوالقرنین مرا تھا۔ یہ جگہ عراق میں ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ ذوالقرنین کا تعلق مصر سے تھا اس کا نام سکندر تھا اور اسی نے ہی اسکندر یہ شہر آباد کیا تھا لیکن یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اسکندر کا نام بھی ذوالقرنین رکھ دیا گیا ہوتا کہ پہلے ذوالقرنین سے مشابہت پیدا ہو جائے کیونکہ وہ مشرق و مغرب کا مالک بنا اس نے ایرانی شہنشاہوں کو ذلیل کیا۔ دارا بن دارا کو قتل کیا اور روم وغیرہ کے بادشاہوں کو رسوا کیا۔ امام الطبری کہتے ہیں اسکندر سے مراد اسکندر روس بن قلیقوس ہے اسی کو ابن قلیس بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی ماں زنجیہ تھی یہ یا تو دارا اکبر کو بطور ہدیہ پیش کی گئی تھی یا اس نے اسے گرفتار کیا تھا لیکن اس کی منہ کی گندی بونے اسے اس کے قریب جانے سے روک دیا۔ اندروس سے اس کا علاج کیا گیا، اس کے پیٹ میں دارا اصغر تھا جب وہ پیدا ہوا تو اسے واپس کر دیا گیا اور اسکندر کے والد نے اس سے شادی کر لی اس سے اسکندر روس پیدا ہوا۔ اس کا نام اس اجڑی بوٹی سے مشتق ہے جس سے اس کی ماں کے منہ کی بو ختم ہوئی۔ حضرت زبیر سے روایت ہے کہ ذوالقرنین سے مراد عبد اللہ بن الضحاک بن معد ہے۔ ابن حبیب نے ”المحبر“ میں صعب بن قرین کو ذوالقرنین کہا ہے۔ ممکن ہے مختلف اوقات کے بادشاہ اس نام سے موسوم ہوں۔ ان میں سے ہر ایک ذوالقرنین کہلاتا ہو۔ ان میں سے پہلا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھا۔ یہی حضرت خضر علیہ السلام کا ساتھی تھا جس نے آب حیات کے چشمہ کی جستجو کی تھی۔ حضرت حضر نے اسے پالیا لیکن ذوالقرنین اسے نہ پاسکا۔ اس کے اور اس کی فوج کے مابین ظلمات حائل ہو گئیں۔

”اسکندریہ“ شہر اسی نے بنایا تھا اور اسی کی طرف منسوب ہوا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے نور بن یزید نے خالد بن معدان الکلاعی سے روایت کیا ہے، انہیں معلوم ہوا کہ نبی محترم ﷺ سے

انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کا حکم

ابن اسحاق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے۔ انہوں نے یہ بات حضور ﷺ سے سن کر ہی کہی ہوگی کہ ذوالقرنین فرشتہ تھا۔ حضور ﷺ کی زبان اقدس پر حق کے علاوہ کچھ جاری نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے تو پھر اس کی تاویل کی ضرورت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ قول کس کا درست ہے۔ جو کچھ مؤرخین نے لکھا ہے اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو تقویت ملتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ انہوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عیسیٰ اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یحییٰ کو عجیب سمجھا۔ جب انہوں نے بتایا کہ یہ کنیت حضور ﷺ نے رکھی تھیں تو آپ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ شاید انہوں نے یہ ناپسند فرمایا ہو کہ کثرت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے نام رکھے جائیں۔ ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ یقین تھا کہ انبیاء کرام کے ناموں پر نام رکھنا کتنا باعث شرف ہے اور یہ آخرت میں بھی نفع رساں ہوگا۔ شاید آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی عوام کو یہ شعور دلانا چاہا کہ صرف مذکورہ بالا مقصد کے لئے ہی یہ مبارک اسماء رکھو۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس کراہت کی وجہ صرف آپ ہی جانتے ہیں ورنہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کئی افراد نے ”محمد“ نام رکھا مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی حیدر کرار، حضرت طلحہ، حضرت ابو حذیفہ، ابو جہم، حضرت حاطب اور حضرت خطاب رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ محمد بن خطاب کے علاوہ تمام نے اپنی کنیتیں بھی ابوالقاسم رکھیں۔ صرف محمد بن خطاب کی کنیت ابو موسیٰ تھی۔ حضرت اسید بن حضیر نے اپنے بیٹے کا نام یحییٰ رکھا جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے دس فرزند تھے ان میں ہر ایک کا نام کسی نہ کسی نبی کے نام پر تھا۔ مثلاً موسیٰ، عیسیٰ، اسحق، یعقوب، ابراہیم، اور محمد وغیرہ۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بھی دس بیٹے تھے انہوں نے ہر ایک کا نام شہید کے نام پر رکھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا میں نے اپنے بیٹوں کے نام انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر رکھے ہیں جبکہ آپ نے اپنے بیٹوں کے نام شہداء کے اسماء پر رکھے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں خواہش کرتا ہوں کہ میرے بیٹوں کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا جائے لیکن آپ یہ خواہش نہیں کر سکتے کہ آپ کے بیٹے انبیاء بنیں۔ رسول محترم ﷺ نے اپنے

ذوالقرنین کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایسا بادشاہ تھا جس نے زمین کی پیمائش اسباب کے ذریعے کی۔ حضرت خالد کہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کوئی شخص کسی کو یوں پکار رہا تھا یا ذالقرنین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ ربوبیت میں اس کے لئے مغفرت کی دعا کی پھر فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کے نام رکھ لئے حتیٰ کہ تم ملائکہ کے نام رکھنے لگے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہی خوب جانتا

بیٹے کا نام ابراہیم (رضی اللہ عنہ) رکھا۔ اس کے متعلق بہت سے آثار روایت ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا سَمُّوا بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ۔ انبیائے کرام کے ناموں پر نام رکھو۔ اس حکم کو اباحت پر محمول کیا جائے گا وجوب پر نہیں۔ جہاں تک ”محمد“ نام رکھنے کا تعلق ہے تو مسند الحارث میں حضور ﷺ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مَا كَانَ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ وَلَمْ يُسَمِّ أَحَدَهُمْ بِمُحَمَّدٍ فَقَدْ جَهِلَ۔ ”جس کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے اس نے ان میں سے کسی ایک کا نام بھی محمد نہ رکھا تو اس نے جاہلوں والا کام کیا۔“ ”المعیطی“ میں ہے کہ امام مالک سے ”محمد“ نام رکھنے اور ابوالقاسم کنیت رکھنے کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے اپنے بیٹے کا نام محمد اور اس کی کنیت ابوالقاسم رکھی، انہوں نے فرمایا میں نے تو یہ نام اور کنیت نہیں رکھی لیکن اس کے اہل لوگ ایسا کرتے ہیں۔ میں نے اس کے متعلق کسی نبی کو نہیں سنا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام مالک کے پاس کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں پہنچی جو اس مبارک نام کی نبی کو شامل ہو۔ شاید امام مالک تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کردہ حدیث پہنچی ہو، حضور ﷺ نے فرمایا مَا الَّذِي أَحَلَّ اسْمِي وَحَرَّمَ كُنْيَتِي۔ اس ذات نے میرے نام مبارک پر نام رکھنے کو حلال اور میری کنیت پر کنیت رکھنے کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ حدیث شریف، حدیث نبی کی ناخ ہے۔ ابن سیرین ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص اپنی کنیت ابوالقاسم رکھے خواہ اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو۔ ایک گروہ یہ ناپسند کرتا تھا کہ محمد نامی شخص اپنی کنیت ابوالقاسم رکھے المعیطی میں ہے کہ ابن سیرین سے ”مہدی“ نام رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے ناپسند فرمایا، انہوں نے فرمایا اسے کیا علم کہ وہ ہدایت یافتہ ہے لیکن انہوں نے ہادی نام رکھنے کو مباح قرار دیا ہے اور کہا کہ ہادی وہ ہوتا ہے جو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ امام مالک نے جبرائیل نام رکھنے کو پسند فرمایا ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملائکہ کے نام رکھنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ امام مالک نے ”یلسین“ نام رکھنا بھی مکروہ سمجھا ہے۔

ہے کہ ذوالقرنین کون تھا۔ کیا حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا یا نہیں۔ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو آپ ﷺ کا فرمان سچا ہے۔

روح کی حقیقت اور بعض دیگر آیات کا نزول

جب قریش مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ٥ (الاسراء)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی گئی ہے کہ سرور کائنات ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ یہودی علماء نے کہا اے محمد! (ﷺ) کیا

روح اور نفس

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش مکہ نے آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ ابن اسحاق سے البکائی کی سند کے علاوہ روایت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ابن اسحاق کی یہ روایت اس روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ یہودیوں نے قریش سے کہا۔ ”محمد عربی ﷺ سے روح کے متعلق سوال کرو اگر انہوں نے تمہیں اس کے متعلق بتا دیا تو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر انہوں نے کچھ نہ بتایا تو وہ نبی ہیں۔ ابن اسحاق کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ سے سیاح شخص، اصحاب کہف اور روح کے متعلق سوال کرو۔ اگر انہوں نے جواب دے دیئے تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ وہ سچے نہیں ہیں۔ اس میں انہوں نے روح وغیرہ سب کو اس میں شامل کیا ہے، وہ روح جس کے متعلق سوال کیا گیا تھا اس میں اہل تاویل کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ ”الروح الامین“ اور ”روح القدس“ ہیں۔ اسی روایت کی بنا پر ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے قریش سے فرمایا۔ ”وہ جبرائیل ہیں“ ایک گروہ کہتا ہے کہ روح ملائکہ کی وہ قسم ہے جس کی شکل بنی آدم کی شکل پر بنائی گئی ہے۔ ایک طائفہ کہتا ہے کہ روح ایک ایسی مخلوق ہے جو ملائکہ کو دیکھ لیتی ہے لیکن ملائکہ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ ملائکہ کے لئے ایسے ہے جس طرح بنی آدم کے لئے ملائکہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روح وہ فرشتہ ہے جس کے ایک ہزار سر، ہر سر پر ایک ہزار چہرے، ہر چہرے میں ایک ہزار مونہ اور ہر مونہ میں ایک ہزار زبانیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی مختلف زبانوں میں تعریف کرتا ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ وہ روح جس کے متعلق یہود نے سوال کیا تھا وہ روح انسانی ہے پھر اس میں ان علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رسول محترم ﷺ نے انہیں کوئی

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا پڑھا اور عرض کی کہ اے

جواب نہ دیا تھا کیونکہ انہوں نے مذاقاً سوال کیا تھا۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ سے فرمایا اے محمد مصطفیٰ ﷺ! فرمائیں روح میرے رب کا امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی وضاحت کا حکم نہ دیا۔ اللہ کے امر سے مراد شرع ہے اور اس سے مراد وہ کتاب ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ جو شریعت مطہرہ میں داخل ہو گیا اور کتاب و سنت کو جان لیا اس نے روح کو پہچان لیا۔ گویا کہ اس کلام کا معنی یہ ہے۔ دین میں شامل ہو جاؤ تم اس چیز کو پہچان لو گے جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ یہ میرے رب کا امر ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کی میں اپنے رب کی طرف سے تبلیغ کرنے آیا ہوں کیونکہ روح کو نہ تو طبیعت کے اعتبار سے اور نہ فلسفہ کے اعتبار سے جانا جاسکتا ہے۔ نہ ہی رائے اور قیاس سے اس کی پہچان ہو سکتی ہے۔ صرف شریعت کے اعتبار سے اس کی پہچان ہو سکتی ہے جب تو قرآن و سنت میں اس کے تذکرے پر غور کرے گا۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ ثُمَّ سَوَّاهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوحِهِ۔ ”پھر اس (کے قد و قامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح“ اس سے مراد روحِ حیات ہے، حیات اللہ رب العزت کی صفات میں سے ہے۔ ”نفخ“ حقیقت میں فرشتے کی طرف منسوب ہے جس نے اپنے رب کے حکم سے اس میں روح پھونکی تھی اور جب تو احادیث مصطفیٰ ﷺ میں غور کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اَنَّ الْاَدْوَاخَ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ وَاَنَّهَا تَتَعَارَفُ وَتَتَشَامُ فِي الْهَوَاءِ۔ ”ارواح ایک جمع شدہ لشکر ہیں جو ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں، ہوا میں سونگھ لیتی ہیں۔ موت کے بعد اجسام سے قبض کر لی جاتی ہیں۔ قبر میں ان سے سوالات ہوں گے۔ وہ سوال کو سمجھیں گی، سنیں گی اور دیکھیں گی۔ انہیں نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا وہ لذت حاصل کریں گی اور درد محسوس کریں گی۔“ یہ تمام صفات اجسام کی ہیں تو تمہیں ان دلائل سے یہی معلوم ہو گا کہ یہ اجسام ہیں لیکن یہ کثافت، ثقل اور اظلام میں اجساد کی مانند نہیں ہیں کیونکہ اجسام پانی، مٹی اور بدبودار کچڑ سے تخلیق کئے گئے ہیں۔ یہی ان کی اصل ہے جبکہ ارواح ”نفخ“ سے تخلیق شدہ ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی گذر چکا ہے۔ یہ نفخ فرشتے کی طرف منسوب ہے جبکہ فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں تذکرہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نفخ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح اس نے ارواح کو قبض کرنے کو بھی اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: ۴۲) ”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت“۔

محمد مصطفیٰ ﷺ! کیا اس آیت میں مخاطب ہم ہیں یا آپ ﷺ کی قوم؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمام لوگ اس کے مخاطب ہیں۔“ انہوں نے کہا ”آپ کے پیغام میں ہے کہ ہمیں تورات عطا

اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتے کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ فرمایا: قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ (سجده: ۱۱) ”فرمائیے جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ“۔ قبض روح کی فرشتے کی طرف نسبت مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی۔ روح بھی ایک جسم ہے لیکن یہ ریح (ہوا) کی جنس سے ہے اسی وجہ سے اس کا نام روح رکھا گیا ہے۔ فرشتے کا نفع بھی ریح کے معنی میں ہے لیکن وہ نورانی مخلوق ہے اور ریح متحرک ہوا کا نام ہے اس لئے پہلے فرشتے نے اسے پکڑا۔ جب ہم نے شریعت کے اعتبار سے روح کے معانی اور صفات کو اس قدر جان لیا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی پہچان اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہوئی۔ ارشادِ ربانی بھی اسی طرح ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”امرِ ربی“ فرمایا ہے۔ ”أَمْرُ اللَّهِ“ نہیں فرمایا اور نہ ہی ”مِنْ أَمْرِ رَبِّكُمْ“ فرمایا ہے۔ یہ اس خصوصیت پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کو صرف وہی جان سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول معظم ﷺ پر ایمان لائے وہ یقین صادق کی دولت سے بھی مالا مال ہو اور اسے دین سے بھی آگاہی ہو اسی وجہ سے یہودیوں کو اس کے متعلق نہ بتایا گیا۔

روح اور نفس کے درمیان فرق

کیا روح اور نفس ایک ہی چیز کا نام ہے؟ اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک گروہ نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن سے قطعی ثبوت حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ تمام ”آحاد“ ہیں۔ ان کے الفاظ میں بھی تاویل کی گنجائش ہے۔ اس میں مجازات عرفیہ اور اس کی وسعتیں کثیر ہیں۔ وہ علماء جو کہتے ہیں کہ روح اور نفس ایک ہی چیز کا نام ہے انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس قول سے دلیل لی ہے۔ ”أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِنَفْسِكَ“۔ میرے نفس کو اسی چیز نے پکڑ لیا ہے جس نے آپ کے نفس کو پکڑا۔ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے إِنَّ اللَّهَ قَبْضَ أَرْوَاحِنَا۔ ”اللہ رب العزت ہماری روحوں کو قبض فرماتا ہے۔“ ارشادِ ربانی بھی ہے: اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ۔ ”اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو“۔

ارواح ہی قبض کی جاتی ہیں۔ جو علماء قبض اور توفی میں فرق نہیں کرتے وہ حضور ﷺ کے مبارک قول میں قبض اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قول میں ”أَخَذَ“ میں تفریق کرتے ہیں۔ ایسے اقوال کی چھان بین طوالت کا باعث ہوگی۔ ابو عمر نے ”تمہید“ میں ایسی حدیث روایت کی ہے جو اس نقطہ نظر

کی گئی جس میں ہر چیز کا بیان ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”تورات میں موجود علم، علم الہی

کے خلاف ہے کہ نفس ہی روح ہے لیکن انہوں نے اس میں سبب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا ان میں نفس اور روح کو پیدا کیا۔ روح سے مراد ان کی عفت، فہم، حلم، سخاوت اور وفا ہے جبکہ نفس سے مراد ان کی شہوت، طیش اور غضب ہے۔ جب تدبر کیا جائے تو اس حدیث مبارک کا معنی درست لگتا ہے۔ اگرچہ یہ حدیث صحیح نہ بھی ہو۔ اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ تم پہلے کتاب الہی میں غور و فکر کرو نہ کہ ان احادیث میں جن کی روایت بعض اوقات بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ ہوتی ہیں اور بعض اوقات ان کی روایت معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ ان میں محدثین کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ارشاد ربانی ہے: **فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر: ۲۹)** ”تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں اس میں خاص روح۔“

اللہ رب العزت نے یہاں **مِنْ نَفْسِيْ** نہیں فرمایا۔ پھر ارشاد ہے۔

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ پھر اس (کے قد و قامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح۔ اس آیت میں بھی نفسہ نہیں فرمایا۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ روح اور نفس ایک ہی چیز کا نام ہے۔ ان کے مابین فرق بڑا عیاں ہے۔ اسی طرح ان کے معنی میں بھی فرق ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں **نَفْسٍ** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ **تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ**۔

اس آیت مبارکہ میں نفسی کی جگہ روحی اور نفسک کی جگہ روح استعمال نہیں فرمایا۔ اگر نفس اور روح کا معنی ایک ہوتا جس طرح لیث اور اسد (شیر) ہیں تو انہیں ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرنا درست ہوتا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: **وَيَقُولُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ**۔ ”وہ اپنے دلوں میں کہیں گے“ اس کو **يَقُولُوْنَ فِيْ اَدْوَاٰجِهِمْ** کہنا درست نہیں۔ **اَنْ تَقُوْلُ نَفْسٌ**۔ ”کہ کوئی نفس کہے“ نفس کی جگہ روح استعمال کرنا درست نہیں۔ کسی اعرابی نے بھی ان کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال نہیں کیا۔ اگر کلام الہی میں غور و فکر کیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ روح اور نفس کا معنی ایک نہیں ہے لیکن ایک دقیقہ ایسا بھی باقی ہے جس سے اس حقیقت اور راز سے آشنائی ہو جاتی ہے اور ان دونوں اقوال میں کوئی اختلاف اور تباہی باقی نہیں رہتا ہم توفیق الہی طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ روح، ریح سے مشتق ہے۔ یہ ایک لطیف جسم ہے جس پر جسم کی زندگی کا انحصار ہے اس روح کو اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا ہے کیونکہ عقل کا فتویٰ تو یہ ہے کہ جسم کے لئے زندگی نہ ہو حتیٰ کہ اس میں وہ روح پھونکی جائے جو اس کے ہر حصہ میں سرایت کر جائے، ابن فورک، ابو المعالی، ابو بکر المرادی اور ابو الحسن الاشعری کے اقوال بھی اسی قول سے

کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ تمہارے پاس اس کی اتنی مقدار آئی جو تمہاری لئے کافی تھی، کاش تم اس

ملنے جلتے ہیں۔

روح سبب حیات ہے

جب یہ ثابت ہو گیا کہ روح زندگی کا سبب ہے اس کو اللہ رب العزت نے جاری فرمایا ہے۔ یہ درختوں کی رگوں میں رواں پانی کی مانند ہے۔ درخت کو زندگی اسی ماء کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔ ہم اسے اولیت کے اعتبار سے پانی کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے اسے روح کہتے ہیں۔ اور نفخہ کے اعتبار سے یہ ریح ہے۔ اسی طرح جب تک بچہ اپنی والدہ کے بطن میں زندہ ہوتا ہے وہ ذی روح ہوتا ہے جب وہ پروان چڑھنے لگتا ہے اور وہ روح اخلاق و اوصاف سے متصف ہو جاتی ہے وہ جسم کے فوائد اور لذات کی طرف توجہ کرتی ہے اور نقصان دہ اشیاء اس سے دور کرتی ہے اسے نفس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح درخت میں موجود پانی مختلف اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے مثلاً انگور کے دانے میں موجود رس اصل اور ابتداء کے اعتبار سے پانی ہے۔ لیکن اب اس میں سیلان اور رطوبت بھی ہے اب اس میں مٹھاس بھی ہے۔ اسی طرح دیگر اوصاف بھی پائے جاتے ہیں۔ انہی اوصاف کی وجہ سے اسے مصطار یا خمر (شراب) وغیرہ کا نام دے سکتے ہو جس شخص نے مطلق یہ دعویٰ کیا ہے نفس بغیر کسی قید و بند اور شرط کے روح ہے اس کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ روح میں وہ اوصاف ہوتے ہیں جن کا تقاضا فرشتے کا نفخ کرنا ہے۔ فرشتہ تو تمام کریمانہ اخلاق سے متصف ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے روح سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی عفت، حلم، وفا اور فہم ہے جبکہ نفس سے مراد شہوت، غضب اور طیش ہے۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ روح اس جسم سے ملنے والی ہے جس میں خون رواں ہے خون کو بھی نفس کہا جاتا ہے۔ یہی شیطان کی گذرگاہ ہے۔ خون کے ناپاک ہونے میں یہی حکمت پوشیدہ ہے۔ وہ شخص جو کلام کے جوہر سے آشنائی رکھتا ہے الفاظ کے بر محل استعمال سے آگاہ ہے وہ صرف اسی چیز کو روح کہتا ہے جس سے زندہ اور مردہ میں فرق ہوتا ہے جو زندگی کا سبب ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب عزیز میں نطفہ کو زندہ کرنے اور اس میں روح پھونکنے کا ذکر کیا ہے۔ نفخ روح کو نفخ نفس کہنا صرف اسی وقت درست ہوگا جب اس کلام میں وسعت کا اعتبار کیا جائے اور یہ نام کسی چیز کے اس نام کی طرح ہوگا جس میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے۔ اسی اعتبار سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھی روح کہا گیا ہے اور اسی لحاظ سے وحی کو بھی روح کہا گیا ہے کیونکہ اس سے دلوں کو حیات نو نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

پر ہی عمل پیرا ہو جاتے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

أَوْ مَنْ كَانَ صَيِّتًا فَاحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا (الانعام: ۱۲۲)

کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے۔
کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَمْوَآتُ غَيْرُ اَحْيَاءٍ (النحل: ۲۱) وہ مردہ ہیں وہ زندہ نہیں ہیں۔ نفس کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَةَ بِالسُّوءِ۔ بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا۔

اس میں بھی نفس کی جگہ روح ذکر نہ کی کیونکہ روح زندگی کا سبب ہے وہ برائی کا حکم کیسے دے سکتی ہے؟ اسے اس وقت تک نفس نہیں کہا جاسکتا جب تک وہ جسم کے وہ اوصاف حاصل نہ کرے جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں۔ آسمان سے ایک ہی قسم کا پانی نازل ہوتا ہے لیکن جب وہ مختلف درختوں مثلاً سیب اور اخروٹ وغیرہ سے ملتا ہے تو اس کی مختلف اقسام بن جاتی ہیں۔ اسی بارگاہ ربوبیت میں روح باطن کی ایک ہی جنس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کر کے اس کے شرف و قدر میں اضافہ کیا ہے۔ فرمایا وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ۔ اور اس میں پھونک دی اپنی روح۔ ”پھر یہ روح ان اجسام سے مل گئی جو مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ وہ مٹی عمدہ بھی تھی اور خبیث بھی۔ ہر فرع اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے پھر ہر اصل اس تقدیر کی طرف رجوع کرتی ہے جو ام الکتاب میں مرقوم ہے اور اللہ رب العزت نے اس کے متعلق جو تدبیر کی ہے وہ اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی تخلیق میں مشابہت کے اعتبار سے نفوس ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے قریب ہونے کی خواہش کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں یا ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اس قول فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اَتْتَلَفَ وَ مَا تَنَآكَرَ وَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔ ان ارواح میں سے جو ایک دوسرے سے پہچان رکھتی ہیں وہ ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے اجنبی ہیں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں۔ ایک دانا شخص نے اپنے دوست کی طرف لکھا۔ ”اِنَّ نَفْسِيْ غَيْرُ مَشْكُوْرَةٍ عَلٰی الْاِنْقِمَادِ اِلَيْكَ بِغَيْرِ زَمَامٍ، فَاِنَّهَا صَادَقَتْ عِنْدَكَ بَعْضَ جَوَاهِرِهَا وَالشَّيْءُ يَتَّبِعُ بَعْضُهُ بَعْضًا۔ میرا نفس لگام کے بغیر تمہاری طرف جھکنے میں راضی نہیں ہے۔ اس نے تمہارے پاس اپنے کچھ جواہر پائے ہیں کیونکہ چیز کا بعض دوسرے حصہ کی اتباع کرتا ہے۔“

وَلَوْ أَنَّ صَافِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِ سَبْعَةِ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ (لقمان)

پہاڑوں کو رواں کرنا، مردوں کو زندہ کرنا

جب نبی محترم ﷺ سے قوم قریش نے مطالبہ کیا کہ ان پہاڑوں کو ہٹا دیا جائے اور زمین میں نہریں رواں کی جائیں اور ان کے آباء کو زندہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَوْ أَنَّ صَافِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِ سَبْعَةِ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ (رعد: ۱۳) اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا جس کے ذریعے سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ

انسان، روح اور جسم

بعض اوقات نفس بول کر پورا انسان، اس کی روح اور اس کا جسم مراد لیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے عِنْدِي ثَلَاثَةُ أَنْفُسٍ۔ میرے پاس تین نفس (انسان) ہیں لیکن عِنْدِي ثَلَاثَةُ أَرْوَاحٍ (میرے پاس تین ارواح ہیں) کہنا درست نہیں ہے۔ روح سے صرف وہی معنی مراد لیا جاسکتا ہے جو ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ یہ صرف لفظ نفس میں وسعت ہے کہ اس سے تمام انسان مراد لئے جاسکتے ہیں کیونکہ جسم کے اوصاف روح پر غالب ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسے نفس کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ نفس کا لفظ، جسم کے اعتبار سے اسی طرح بولا جاتا ہے جس طرح درختوں میں موجود پانی کو ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے میٹھا، تلخ اور کڑوا کہا جاتا ہے۔ ہماری اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ نفس کو مطلق روح نہ کہا جائے حتیٰ کہ اس میں وہ فوائد پائے جاتے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ روح کو نفس کہنا اسی طرح ہے جس طرح مٹی کو انسان کہا جائے یا جس طرح انگور کی بیل میں موجود پانی کو خمر یا خل کہا جائے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اوصاف منسوب کئے گئے ہیں جن کے اعتبار سے اسے شراب یا خل (سرکہ) کہا جاتا ہے۔ کلام کا مفہوم دراصل الفاظ کی تقید سے ہی ہوتا ہے۔ ہر لفظ کو اس کی جگہ پر برقرار رکھنے کا نام ہی بلاغت ہے۔

نفس

جب یہ ثابت ہو گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ قول أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ بِنَفْسِكَ۔ بِنَفْسِكَ تشریح طلب رہ گیا انہوں نے اس فرمان میں نفس کا ذکر کیا کیونکہ آپ اس عمل کو ترک کرنے میں معذور تھے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ اعمال نفس کی طرف ہی مضاف ہوتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق

جاتی زمین یا مردوں سے اس کے ذریعے بات کی جاسکتی (یہ قدرت سے بعید نہ تھا) بلکہ سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔

یہ امور اسی وقت ظہور پذیر ہو سکتے ہیں جب میری منشاء ہو۔ جب قریش مکہ نے آپ ﷺ سے کہا اس دنیا سے تو اپنا حصہ لے لیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ آپ ﷺ کے لئے باغات، محلات اور خزانے بنا دے۔ آپ ﷺ کے ساتھ وہ فرشتہ بھیجے جو آپ ﷺ کی تصدیق کرے اور آپ ﷺ سے اذیتوں کو دور کرے۔ قرآن پاک نے قریش کے ان مطالبات کو اس طرح بیان فرمایا:

وَقَالُوا مَا هَذَا الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْسُكُ فِي الْأَسْوَاقِ ۖ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۚ أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ۝ (الفرقان)

اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے اور ان ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ تم پیروی نہیں کر رہے مگر ایسے شخص

جسم سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ قَبْضَ اَرْوَاحِنَا۔ آپ ﷺ نے اس روح کا ذکر کیا جو اصل ہے کیونکہ وہ ان کے جُزْءِ فُزْءِ میں انیس ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ خالق ارواح جب چاہتا ہے انہیں قبض کر لیتا ہے۔ عالم بیداری کی طرح یہ وسعت پذیر نہیں ہوتیں۔ سونے والے کی روح، اگرچہ اسے قبض سے موصوف بھی کیا جائے، مگر لفظ قبض کلیۃً اس کے نکل جانے پر دلالت نہیں کرتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيرًا ۝ (الفرقان) یہ فرمان سایہ کے کلیۃً معدوم ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح ارشاد ربانی اَللّٰهُ يَتَوَكَّلُ عَلَى الْاَنْفُسِ ہے اس میں ”ارواح“ ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ان لوگوں کو وعظ ہے جو اس سے غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا وہی نفوس کو قبض کرتا ہے پھر انہیں لوٹاتا ہے حتیٰ کہ ایک دفعہ اس طرح قبض کر لے گا کہ پھر انہیں نہیں لوٹائے گا تا کہ نفوس اس کی وجہ سے برے اعمال کرنے سے رک جائیں۔ یہ آیت مکی ہے اور خطاب کفار کو ہے۔

کی جس پر جادو کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سودہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پاسکتے بڑی (خیر و) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنادے آپ کے لئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں ہیں۔ وہ بنادے آپ کے لئے بڑے بڑے محلات۔

اللہ رب العزت نے مزید فرمایا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَشْرَبُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۖ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۚ أَتَصْبِرُونَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ۝ (الفرقان)

اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں ہم نے بنادیا تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے آپ کا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

میں نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش بنایا ہے تاکہ تم صبر کرو۔ اگر میں چاہتا کہ میں اپنے رسل عظام کے ہمراہ دنیا کر دیتا تاکہ ان کی مخالفت نہ کی جائے تو میں ایسا کر سکتا تھا۔

عبداللہ بن امیہ نے جو کچھ کہا تھا۔ قرآن نے وہ اس طرح بیان کیا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجَرَنَا مِنْ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۚ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ ۖ وَعَنْبٌ فَتَفْجَرَنَا مِنْهَا خَلَائِفَتُهَا تَفْجِيرًا ۚ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بَالِدًا مِّنَ الْمَلِكَةِ قَبِيلًا ۚ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرِفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا مَكِّئًا ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ ۚ وَمَا مَنَعُ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا مِّثْلَ رَسُولٍ ۚ قُلْ لَّوْكَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَكَةٌ يَّمْسُونَ مُطَبِّعِينَ لَّنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا مِّثْلًا ۚ (الاسراء)

اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ یا (الگ کرتیار) ہو جائے آپ کے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر آپ جاری کریں ندیاں اس باغ میں (ہر طرف) بہہ رہی ہوں یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا خیال ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں یا (تعمیر) ہو جائے آپ کے لئے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں تک کہ اتار

ان میں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں آپ (ان سب خرافات کے جواب میں اتنا) فرمادیں کہ میرا رب (ہر عیب سے) پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔

ابن ہشام کہتے ہیں زمین وغیرہ سے نکلنے والے پانی کو ینبوع کہا جاتا ہے اس کی جمع ینابع آتی ہے۔ ابن ہرمہ ابراہیم بن عبد اللہ الفہری کہتا ہے۔

وَإِذَا هَرَقْتَ بِكُلِّ دَارٍ عِبْرَةً نَزَفَ الشَّوْؤْنَ وَدَمَعَكَ الْيَنْبُوعُ
اور اگر تو ہر گھر میں ایک ایک آنسو بھی گرا دے تیرے آنسوؤں کی گزرگاں ہیں خشک ہو جائیں گی لیکن تیرے آنسو بھی اچھل کر نکل رہے ہوں گے۔

الكسف سے مراد عذاب کا حصہ ہے۔ اس کا واحد كِسْفَةٌ ہے مثلاً سِدْرَةٌ اور سِدْرٌ۔
”قبیل“ سے مراد آمنے سامنے ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ اَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا۔ یا آئے ان کے پاس عذاب واضح ہو کر۔ قُبُلًا کا معنی عِیَانًا (واضح) ہے۔ ابو عبیدہ نے اعشی بن قیس بن ثعلبہ کا یہ شعر مجھے سنایا۔

أَصَالِحُكُمْ حَتَّى تَبُوءُوا بِبَيْتِهَا كَصَرْخَةِ حُبْلَى يَسْرَتُهَا قَبِيلُهَا
میں تم سے صلح کرتا ہوں تاکہ تم بھی اسی طرح کا رویہ اپناؤ جس طرح حاملہ کی چیخ کے وقت اس کی قابلہ اس کے لئے آسانی پیدا کرتی ہے۔

قبیل سے مراد ”قابلہ“ ہے کیونکہ وہ حاملہ کے سامنے ہوتی ہے اور اس کے بچے کو پکڑ لیتی

ابن ہشام نے ابن ہرمہ کے قول سے دلیل لی ہے اور اس کے نسب میں فہری کہا ہے یہ خلجی بھی ہے خلج کا نام قیس بن حارث بن فہر تھا۔ بنو قیس بن حارث کو خلج کیوں کہا جاتا تھا اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ انہیں قریش اور سکان مکہ سے باہر نکال دیا گیا تھا اس لئے وہ اس نام سے موسوم ہوئے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ ایسی جگہ فروکش ہوئے تھے جہاں پانی کی ندی (خلج) تھی پھر وہ اسی کی طرف منسوب ہونے لگے۔ ابن ہرمہ کا نام ابراہیم بن علی بن ہرمہ تھا۔ وہ بنو عباس کے عہد حکومت کا شاعر تھا۔

وَإِذَا هَرَقْتَ شَوْؤُنَ سے مراد آنسوؤں کی گزرگاہ ہیں اس سے مراد سر کے پردے ہیں جو مرد میں چار اور عورت میں تین ہوتے ہیں۔ قاسم بن ثابت نے دلائل میں اسی طرح لکھا ہے اور شارحین نے بھی یہی تفصیل لکھی ہے۔

بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ

ابن اسحاق کی رقم کردہ تمام آیات کی تشریح ابن ہشام نے لکھ دی ہے۔ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ میں

ہے۔ قبیل سے مراد گروہ بھی ہے اس کی جمع قبیل آتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا (انعام: ۱۱۱)

”قبیل کی جمع قبیل اسی طرح ہے جس طرح سبیل کی سبیل اور سریر کی جمع سرور آتی ہے اسی طرح قبیل کی جمع قبیل آتی ہے۔ قبیل کا لفظ ضرب الامثال میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ مَا يَصْرِفُ قَبِيلًا مِنْ دَبِيرٍ۔ وہ شخص جانے والوں میں سے آنے والوں کی پہچان نہیں کر سکتا کیت بن زید کہتا ہے۔

تَفَرَّقَتِ الْأُمُورُ بِوَجْهَتِهِمْ فَمَا عَرَفُوا الدَّبِيرَ مِنَ الْقَبِيلِ
معاملات ان کے دو اطراف میں اسی طرح بکھر چکے تھے کہ وہ آنے والوں میں سے پیٹھ پھیر کر جانے والوں کو نہ پہچان سکے۔

بعض علمائے لغت فرماتے ہیں کہ اس دبیر اور قبیل سے مراد رسی کا بٹنا ہے جو رسی اوپر کی طرف سے بٹی جائے اسے قبیل اور جو انگلیوں کی سمت سے بٹی جائے اسے دبیر کہتے ہیں۔ یہ اسی ادبار اور اقبال سے ہے جس کا میں نے ذکر کر دیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تکلے کا بٹنا ہے۔ جب زانو کی طرف سے رسی بٹی جائے تو وہ قبیل اور جب سرین کی طرف سے بٹی جائے تو اسے دبیر کہتے ہیں۔ آدمی کی قوم کو بھی دبیر کہا جاتا ہے۔

الزخرف سے مراد سونا ہے۔ وہ چیز جو سونے سے آراستہ ہو مَزْخَرَفٌ کہا جاتا ہے عجاج کہتا

ہے۔

مِنْ طَلَلٍ أَمْسَى تَخَالَ الْبُصْحَفَا رُسُومُهُ وَالْمَذْهَبُ الْمَزْخَرَفَا
اس کھنڈر کے مزین اور آراستہ نقش و نگار شام کے وقت مصحف کی مانند معلوم ہوتے ہیں۔
ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش مکہ نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ یمامہ کا ایک رحمن نامی آدمی آپ ﷺ کو تعلیم دیتا ہے ہم اس حیات آفریں پیغام پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس وقت یہ آئیہ مبارکہ اتری۔

كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝ (الرعد: ۳۰)

دلیل ہے کہ اس بیت سے مراد محل یا منزل مراد ہے کیونکہ اس گھر کو بیت کہا جاتا ہے جو عظیم الشان ہو۔
اس کی شرح پہلے سے گزر چکی ہے۔

اسی طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے گذر چکی ہیں کئی قومیں تاکہ آپ پڑھ کر سنائیں انہیں وہ (کلام) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمان کا فرمائیے وہی میرا پروردگار ہے نہیں کوئی معبود (بجز) اس کے اسی پر ہی میں نے بھروسہ رکھا ہے اور اسی کی جناب میں رجوع کیے ہوں۔ جب ابو جہل نے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنا چاہا تو ان آیات کا نزول ہوا۔

اَرَاَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ۱ عَبْدًا اِذَا صَلَّى ۲ اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ۳ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۴ اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلٰى ۵ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۶ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۷ نَّاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۸ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۹ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۱۰ كَلَّا ۱۱ لَا تُلْعَبُ وَ اسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۱۲ (العلق)

(اے حبیب) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیزگاری کا حکم دیتا (تو اس کے لئے کتنا بہتر ہوتا) آپ نے دیکھا کہ اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی کیا نہیں اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے؟ خبردار! اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بالوں سے وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لئے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔ ہاں۔ ہاں! کسی کی ایک نہ سنئے (اے حبیب) سجدہ کیجئے اور (ہم سے اور) قریب ہو جائیے۔

ابن ہشام کہتے ہیں ”لَنَسْفَعًا“ کا معنی ہے ہم اس کو ضرور کھینچیں گے۔ ہم اس کو ضرور پکڑیں گے۔ شاعر کہتا ہے۔

قَوْمٌ اِذَا سَمِعُوا الصَّرَاحَ رَانِيَتَهُمْ مِنْ بَيْنِ مُلْجِمٍ مُّهْرَةٍ اَوْ سَافِعٍ
وہ اتنی عظیم قوم ہے کہ جب وہ کسی کی صدا سنتے ہیں تو تو انہیں دیکھے گا کہ وہ یا تو گھوڑے کو لگام دے رہے ہوں گے یا اس کی ایال (گردن کے بال) پکڑ رہے ہوں گے۔

نادی۔ اس مجلس کو کہا جاتا ہے جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور اپنے معاملات بیان کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

وَتَأْتُونَ فِي نَادِيِكُمُ الْمُنْكَرُ ۱ (العنکبوت: ۲۹)

”اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے ہو۔“

عبید بن الابرص کہتا ہے۔

إِذْهَبْ إِلَيْكَ فَإِنِّي مِنْ بَنِي أَسَدٍ أَهْلُ النَّدَى وَأَهْلُ الْجُودِ وَالنَّادِي
چل! اپنی راہ لے میرا تعلق بنو اسد سے ہے جو سخاوت کے دھنی، جود و سخا کے عادی اور مجلس
میں بیٹھ کر باہم مشاورت کرنے والے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے وَأَحْسَنُ نَدِيًّا۔ ”اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے۔“ اس کی
جمع اندیز آتی ہے دراصل اہل ناد یہ تھا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ وَأَسْأَلُ الْقَرْيَةَ ”اور
دریافت کیجئے بستی والوں سے۔“ دراصل أَهْلُ الْقَرْيَةِ تھا۔ سلامہ بن جندل جس کا تعلق بنو سعد
بن زید مناة بن تمیم سے تھا، کہتا ہے۔

يَوْمَانِ يَوْمٌ مَقَامَاتٍ وَأَنْدِيَّةٍ وَ يَوْمٌ سَيْرٍ إِلَى الْأَعْدَاءِ تَأْوِيلُ
ایام دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ وہ دن جس میں قیام کیا جاتا ہے اور مجلس میں بیٹھا جاتا
ہے۔ ۲۔ وہ جس میں دشمن پر حملہ کرنے کے لئے تیز رفتاری سے سفر کیا جاتا ہے۔
الکمیت بن زید کہتا ہے۔

لَا مَهَازِيرَ فِي النَّدَى مَكَاثِيرُ وَلَا مُصِيبَتَيْنِ بِالْإِفْحَامِ
وہ نہ تو محفل میں فضول گفتگو کرنے والے ہیں اور نہ ہی زیادہ باتیں بنانے والے ہیں اور نہ
ہی وہ رعب و دبدبہ کی وجہ سے خاموش رہنے والے ہیں۔

ہم نشینوں کو نادی کہا جاتا ہے۔ الزبانیۃ انتہائی سخت اور شدید۔ اس سے مراد آگ کے
دروغے ہیں۔ دنیا میں وہ آدمی جو انسان کی خدمت اور مدد کرتے ہیں انہیں بھی زبانیۃ کہا جاتا ہے
اس کا واحد زبنة ہے۔ ابن الزبیری کہتا ہے۔

مَطَاعِمُهُمْ فِي النَّقْرِ، مَطَاعِمُهُمْ فِي الْوَعَى زَبَانِيَّةٌ غَلَبَ عِظَامُ حُلُومُهَا
وہ لوگ دعوتوں میں بہت زیادہ کھلانے والے، میدان جنگ میں بہت زیادہ نیزہ باز۔ وہ
نگہبان، موٹی گردن والے اور بڑی عقل و دانش کے مالک ہیں۔

ضمر بن عبد اللہ الہذلی (صغرافی) کہتا ہے۔ وَمِنْ كَبِيرٍ نَفَرٌ زَبَانِيَّةٌ۔ بنو کبیر کے کچھ لوگ
نگران ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش مکہ نے حضور اکرم ﷺ کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کے
لئے اپنے اموال پیش کئے۔ اس وقت یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۚ إِنِ اجْتَبَىٰ إِلَٰهٌ عَلَىٰ اللَّهِ ۖ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٢٦٠﴾ (سبا)
 ”فرمائیے (لوگو) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس رکھو میری (دسوزیوں) کا اجر تو (میرے) اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔“

جب رؤف رحیم نبی ﷺ وہ دشمن پیغام لے کر آئے جسے قریش مکہ نے پہچان لیا اور آپ ﷺ کے کلام سے آپ ﷺ کی صداقت کا عرفان کر لیا اور جب حضور ﷺ نے انہیں علم غیب کے سرچشمہ سے ان تمام سوالات کے جوابات دے دیئے جو انہوں نے کئے تھے تو ان کے اور حضور ﷺ اور آپ ﷺ جاٹاروں کے مابین حسد حائل ہو گیا۔ اسی وجہ سے وہ آپ ﷺ کی تصدیق کرنے سے محروم رہے۔ انہوں نے اللہ رب العزت سے سرکشی کی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ ایک کہنے والے نے کہا۔

لَا تَسْعُوا إِلَهَ هَذَا الْقُرْآنِ وَالْعَوَافِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٦١﴾ (حم سجدہ: ۲۶۱)

مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آ جاؤ۔

اس کتاب مقدس کو لغو اور باطل بنا دو۔ اسے ہنسی و مذاق میں اڑاؤ۔ شاید تم اس طرح غالب آ سکو۔ اگر کسی دن تم نے آپ ﷺ سے مناظرہ کر لیا یا جھگڑا کیا تو آپ ﷺ تم سب پر غالب آ جائیں گے۔

ابو جہل کی گستاخی

ایک دن ابو جہل نے حضور ﷺ کے حیات آفرین پیغام سے مذاق کرتے ہوئے کہا ”اے گروہ قریش! محمد (عربی فداہ روجی ﷺ) گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس لشکر جو تمہیں آگ میں عذاب دے گا اور تمہیں وہاں قید کرے گا کی تعداد ۱۹ ہے جبکہ تمہاری تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے کیا تم میں سے سو آدمی بھی ان میں سے ایک شخص کو عاجز نہیں کر سکے گا۔ اس

جہنم کے داروغے اور ابوالاشدین

ابن اسحاق نے ابو جہل کی گستاخی کا ذکر کیا ہے۔ مفسرین کرام اس گستاخی کو ابوالاشدین الحنجر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کا نام کلدہ بن اسید بن خلف تھا۔ ابودھبل اس کا بھتیجا تھا۔ اس کا نام وہب بن زمعہ بن اسید بن خلف بن وہب بن حذاقہ بن جح تھا۔ ابودھبل کی بیوی کا نام التوامہ تھا۔

وقت اس آیہ مبارکہ کا نزول ہوا۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَاهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا (المذثر: ۳۱)
اور ہم نے نہیں مقرر کئے آگ کے دروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا۔

قریش مکہ کے اس تیرہ بخت شخص نے قرآن نہ سننے کی تجویز دی، جب حضور ﷺ اپنی نماز میں بلند آواز سے تلاوت قرآن فرماتے تو وہ آپ ﷺ سے دور بھاگ جاتے اور کلام الہی کو سننے سے انکار کر دیتے۔ جب کوئی شخص نبی محترم ﷺ کی حق گو زبان سے تلاوت قرآن سننا چاہتا تو وہ دیگر لوگوں سے ڈر کر چھپ کر قرآن سنتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر انہیں علم ہو گیا کہ اس نے قرآن سنا ہے تو وہ اسے اذیت دیں گے۔ اگر نبی اکرم ﷺ اپنی آواز کو پست رکھتے اور اسے گمان ہو جاتا کہ اب دیگر افراد آپ ﷺ کی قرأت کو نہ سن سکیں گے تو وہ اپنی تمام تر توجہ ادھر لگا دیتا کہ آپ ﷺ سے کچھ نہ کچھ سن لے جبکہ دوسرے اس سے محروم رہیں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ مبارک آیت وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا (الاسراء: ۱۱۰)
”اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان کے درمیان (معتدل) راستہ“ اسی قسم کے لوگوں کے لئے نازل ہوئی۔ یعنی آپ ﷺ نہ تو اپنی آواز مبارک اتنی بلند کریں کہ وہ آپ ﷺ سے دور بھاگ جائیں اور نہ اتنی پست رکھیں کہ وہ شخص نہ سن سکے جو سننا چاہتا ہو ممکن ہے سننے والے کو اس کلام سے فائدہ ملے اور اسلام کے اجالے سے منور ہو جائے۔

”صالح مولی التوامہ“ اسی کی نسبت سے معروف تھا۔ یہ عبداللہ بن صفوان بن امیہ کی بہن تھی، اسی کے ہاں عبدالرحمن پیدا ہوا جو جنگ جمل میں مارا گیا، یہ کہا کرتا تھا ”تم ان ۱۹ میں سے دو کو روک لینا۔ باقی ۱۷ کو میں کافی ہو جاؤں گا“۔ اسے اپنے آپ پر بڑا گھمنڈ تھا، اس کی قوت و شدت کا عالم یہ تھا کہ وہ گائے کی جلد پر کھڑا ہو جاتا۔ دس آدمی اسے کھینچتے تاکہ اسے نیچے اتاریں گائے کی جلد پھٹ جاتی لیکن یہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتا۔ حضور ﷺ نے اسے کشتی لڑنے کی دعوت دی اس نے کہا اگر آپ ﷺ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ ﷺ پر ایمان لے آؤں گا حضور ﷺ نے اسے کئی مرتبہ زمین پر پٹخ دیا لیکن

سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے صحابی رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن عروہ بن زبیر نے اپنے والد محترم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد مکہ معظمہ میں سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے کی سعادت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حاصل کی۔ وہ فرماتے ہیں۔ ”ایک دن صحابہ کرام علیہم الرضوان ایک جگہ جمع تھے۔ انہوں نے کہا قریش مکہ نے کبھی قرآن پاک بلند آواز سے نہیں سنا۔ کون ہے جو انہیں بلند آواز سے قرآن پڑھ کر سنائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔“ یہ سعادت میں حاصل کروں گا۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا ”ہم آپ کے متعلق خوفزدہ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ سعادت وہ شخص حاصل کرے کہ اگر قریش مکہ اسے کوئی اذیت دینے لگیں تو اس کا قبیلہ اس کا دفاع کر سکے۔“ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو واللہ میرا تحفظ فرمائے گا۔“ دوسرے روز حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم پر تشریف لے گئے۔ قریش اپنی محافل میں بیٹھے تھے۔ مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر انہوں نے پرسوز صدا میں یوں تلاوت شروع کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ..... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لگا تار

اسے ایمان لانے کی سعادت نصیب نہ ہو سکی۔ ابن اسحاق نے یہ کشتی والا واقعہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب کی طرف منسوب کیا ہے۔ عنقریب اس کا تذکرہ آئے گا۔ جہنم کے دروغوں کے متعلق حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایسا ستون ہوگا جس کی دو شاخیں ہوں گی۔ وہ ایک شاخ سے نوے ہزار لوگوں کو آگ کی طرف دھکیل کر لے جائے گا۔ عنقریب ہم جنت اور جہنم کے دروازے، ان کے نام اور تعداد، زبانہ اور ان کی قلیل تعداد ہونے کا سب لکھیں گے۔ انتظار فرمائیں۔

قریش کا موہومہ رحمن

قریش نے کہانی اکرم ﷺ کو قرآن یمامہ کا رحمن نامی شخص سکھاتا ہے اور ہم رحمن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اس رحمن سے ان کی مراد مسلمان بن حبیب حنفی تھا۔ جاہلیت میں بنو دؤل میں بھی ایک رحمن نامی شخص تھا۔ وہ عمر رسیدہ لوگوں میں سے تھا۔ وہیمہ بن موسیٰ نے ذکر کیا ہے کہ مسلمانہ کو حضرت عبد اللہ یا حضور ﷺ کی ولادت سے قبل ”رحمن“ کہا جاتا تھا۔

پڑھتے رہے۔ قریش نے غور کیا۔ وہ کہنے لگے ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد کہنے لگے یہ تو اس کلام کی تلاوت کر رہا ہے جسے محمد (فداہ روجی وامی والی ﷺ) لے کر آئے ہیں۔ وہ جلدی جلدی ان کی طرف آئے اور ان کے مبارک چہرے پر مارنے لگے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلاوت جاری رکھی حتیٰ کہ انہوں نے اتنا قرآن پڑھا جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف لوٹ آئے۔ ان کے چہرے پر قریش مکہ کی ضربوں کے نشانات تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہمیں آپ کے متعلق یہی خدشہ تھا۔ انہوں نے فرمایا ”اللہ کے دشمن میری نگاہوں میں اتنے رسوا پہلے کبھی نہ تھے جتنے آج ہیں اگر تم پسند کرو تو میں کل دوبارہ یہ سعادت حاصل کروں گا۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا ”نہیں! یہ کافی ہے۔ آپ نے انہیں وہ کلام سنا دیا جسے وہ ناپسند کرتے تھے۔“

قریش مکہ چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے بیان کیا ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ابو جہل بن ہشام، اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب الشقفی نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن سننے کے لئے نکلے۔ آپ ﷺ رات کے وقت اپنے کاشانہ اقدس میں مصروف نماز تھے۔ ان میں سے ہر شخص ایک مخصوص جگہ پر بیٹھ کر قرآن پاک سننے لگا۔ ہر ایک دوسرے سے نا آشنا تھا۔ وہ اسی کیفیت میں پوری رات قرآن سنتے رہے۔ طلوع فجر کے وقت وہاں سے نکلے، راستہ میں وہ سب ایک جگہ جمع ہو گئے انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور کہا پھر یہ حرکت کبھی نہ کرنا اگر کسی احمق نے تمہارا یہ فعل دیکھ لیا تو ان کے دلوں میں تمہارے متعلق شبہ

کَبِير

میں نے شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں دیکھا ہے کہ کبیر بنو ہذیل کا ایک قبیلہ تھا۔ حضرت علامہ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بنو اسد میں بھی ایک ہذیل نامی قبیلہ تھا۔ وہ کبیر بن غنم بن دودان بن اسد کے نام سے مشہور تھا۔ بنو جحش بن ریان بن یحمر بن صبوۃ بن مرة بن کبیر اسی کی اولاد میں سے تھے۔ شاید زاجر نے انہی کو مراد لیا ہے کیونکہ مشہور یہی تھے۔ بنو غامد میں سے بھی بنو کبیر تھے ان کا تعلق بنو ازد سے تھا۔ بنو ہذیل میں سے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ کبیر بن طابخہ بن لحيان بن سعد بن ہذیل تھا۔

پیدا ہو جائے گا۔ وہ جدا ہو گئے۔ جب دوسری رات آئی تو ان میں سے ہر شخص اپنی سابقہ جگہ پر بیٹھ گیا اور ساری شب قرآن پاک سنتے ہوئے گزار دی۔ طلوع فجر کے وقت وہ وہاں سے نکلے اتفاقاً راستہ میں پھر جمع ہو گئے انہوں نے وہی مشاورت کی جو وہ پہلی رات کر چکے تھے۔ پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔ تیسری رات وہ سہ بار اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اور قرآن پاک کی سماعت کرتے ہوئے رات گزار دی۔ صبح کے وقت چلتے بنے۔ راستہ میں پھر جمع ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ ”اب ہم جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ ہم عہد نہ کر لیں کہ ہم پھر کبھی یہ حرکت نہیں کریں گے۔“ انہوں نے اس پر پختہ عہد کیا اور چلے گئے۔

صبح کے وقت اخنس بن شریق نے اپنے ڈنڈا پکڑا اور ابوسفیان کے گھر گیا اور کہنے لگا ”اے ابو حنظلہ! مجھے اس کلام کے بارے میں اپنی رائے دو جو تو نے محمد (ﷺ) سے سنا ہے۔“ اس نے کہا ”اے ابو ثعلبہ! قسم بخدا! میں نے بعض وہ کلام سنا جس کو میں نے پہچان لیا اور اس کی مراد سمجھ لیا اور کچھ کلام ایسا بھی سنا ہے جس کے نہ تو معنی کو میں سمجھ سکا اور نہ ہی مراد سے آگاہ ہو سکا۔“ اخنس نے کہا۔ ”اللہ کی قسم! میری کیفیت بھی یہی ہے۔“ پھر اخنس وہاں سے نکل کر ابو جہل کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ ”اے ابو الحکم! تو نے جو کلام محمد (ﷺ) سے سنا اس کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟“ اس نے کہا ”میں نے کیا سنا ہے۔ ہم نے اور بنو عبد مناف نے شرف و قدر میں جھگڑا کیا۔ ہم نے کھانا کھلایا انہوں نے بھی کھانا کھلایا۔ ہم نے لوگوں کو سواریاں دیں انہوں نے بھی لوگوں کو سواریاں دیں۔ ہم نے سخاوت کے دریا بہائے، انہوں نے بھی سخاوت میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ ہماری کیفیت ان دو گھوڑوں کی مانند تھی جو کسی شرط میں شرکت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم مقابلہ میں گھٹنے کے بل بیٹھ گئے۔ انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا۔ ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے تو پھر یہ مرتبہ کیسے حاصل کیا جاسکتا تھا اللہ کی قسم! ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے۔“ یہ سن کر اخنس وہاں سے چلا گیا اور ابو جہل کو چھوڑ دیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب تاجدار عرب و عجم (ﷺ) کفار پر قرآن پڑھتے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتے تو وہ مذاق کرتے ہوئے کہتے۔ قُلُوبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ۔ ”ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلا تے ہیں۔“ جو کچھ آپ کہتے ہیں ہم اسے سمجھ نہیں پاتے۔ وَ فِيْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ۔ ”ہمارے کانوں میں گرانی ہے۔“ ہم وہ نہیں سن سکتے جو آپ (ﷺ) فرماتے ہیں۔ وَ مِنْ بَيْنِنَا وَ بَيْنَكَ حِجَابٌ۔ ”اور

ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔“ ایسا پردہ ہے جو حائل ہو چکا ہے۔ فاعْمَلْ۔
 ”تم اپنا کام کرو۔“ اس مذہب کے مطابق جو آپ ﷺ نے اختیار کر رکھا ہے۔ اِنَّا عَامِلُونَ۔
 ”ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔“ اس دین کے مطابق جس پر ہم عمل پیرا ہیں۔ ہم
 آپ ﷺ کے پیغام میں سے کسی چیز کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت اتاری۔
 وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۖ وَجَعَلْنَا
 عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِذَا ذُكِّرْتُمْ سَكُوتًا ۚ وَمَنْ يَكُنِ اللَّهُ غِيَاظًا
 أَوْ ذَبَابًا ۚ وَهُمْ يَخْلَوْنَ فِي الْغُيُوبِ ۚ (الاسراء)

اور (اے محبوب) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان
 اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ..... جو جب آپ ذکر کرتے
 ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ نفرت کرتے ہوئے۔
 اگر میں نے ان کے دلوں پر پردہ اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے تو وہ پھر
 آپ ﷺ کے رب کے کلام کو کیسے سمجھ سکتے ہیں پھر ان کے گمان کے مطابق آپ ﷺ اور
 ان کے مابین حجاب بھی ہے۔ یہ ان کا گمان ہے میں نے ایسا نہیں کیا۔ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا
 يَسْتَعِينُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَعِينُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ۔ ہم خوب جانتے ہیں، جس غرض کے لئے
 یہ سنتے ہیں اسے جب یہ کان لگاتے ہیں۔

إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۖ (الاسراء)

اس وقت یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہو۔
 وہ اسی طرح ایک دوسرے کو وصیت کرتے ہیں تاکہ وہ اس پیغام کو چھوڑ دیں جس کے ساتھ
 آپ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔

أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا إِلَيْكَ أَلْمَامًا ۚ فَأَنْتَ الْمَلَكُ الَّيْسُ طَائِفُونَ سَبِيلًا ۖ (الاسراء)

”دیکھئے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں۔ پس (اس گستاخی
 کے باعث وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھا راستہ پر چل نہیں سکتے۔“ وہ آپ ﷺ کے لئے ضرب

مستور کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ساتر کے معنی میں ہے جس طرح ”كَانَ وَعْدُهُ
 مَاتِيًا“ آتیا کے معنی میں ہے۔ صحیح بات یہ ہے یہ کسی کے دروازے پر پردہ لٹکانے کی مانند ہے کیونکہ وہ
 دل پر حجاب ہے، اس لئے وہ نظر نہیں آتا۔

الامثال بیان کر کے غلطی کرتے ہیں وہ نہ تو اس طرح ہدایت پاسکتے ہیں اور نہ ہی اس سے راہ اعتدال پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ۖ إِنَّا نَسْبَعُونَ خُلُقًا جَدِيدًا ﴿١٠﴾ (الاسراء)

”اور انہوں نے (ازراہ انکار) کہا جب ہم (مرکر) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا از سر نو پیدا کیا جائے گا۔“ آپ ہمیں اس سے آگاہ کرنے کے لئے آئے ہیں کہ عنقریب ہمیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا جبکہ ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ یہ ناممکن ہے۔ آپ ﷺ فرمائیں۔

قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿١١﴾ أَوْ خُلُقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۖ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴿١٢﴾ (الاسراء)

”فرمائیے (یقیناً ایسا ہی ہوگا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا از سر نو پیدا کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون (زندہ کر کے) لوٹائے گا۔ فرمائیے وہی جس نے پیدا فرمایا تمہیں پہلی مرتبہ“ جس نے تمہیں اس چیز سے تخلیق کیا جسے تم جانتے ہو پھر مٹی سے تمہیں پیدا کرنا اس پر ہرگز مشکل نہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ ”میں نے ان سے پوچھا۔“ اَوْ خُلُقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ“ سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے۔ انہوں نے فرمایا ”اس

ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ”اَوْ خُلُقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ“ سے مراد موت ہے۔ یہ تفسیر مزید تشریح کی محتاج ہے میں نے بعض متاخرین علماء کا یہ قول سنا ہے کہ شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ عنقریب موت بھی اسی طرح فنا ہو جائے گی جس طرح ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ جس طرح روایت ہے کہ موت کو پل صراط پر ذبح کر دیا جائے گا۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تم پتھر یا لوہا بن جاؤ تمہیں موت اور فنا پھر بھی آکر رہے گی اگر تم موت بھی بن جاؤ جسے تم اپنے دلوں میں بڑا سمجھتے ہو پھر بھی تمہیں فنا کے گھاٹ اترنا پڑے گا۔ اس آیت کی تاویل میرے دل کو مسلسل بے چین کر رہی ہے۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ مجھے اس کو سمجھنے کی توفیق دے گا۔ نفوراً ممکن ہے کافر کی جمع ہو اور حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ لولوا کا مصدر مود کہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۖ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ (یونس: ۴۲)

سے مراد موت ہے۔“

جائناں مصطفیٰ ﷺ پر ظلم و ستم کی انتہاء

ابن اسحاق فرماتے ہیں کفار مکہ نے ہر مسلمان پر ظلم کی انتہاء کر دی۔ جس نے آپ ﷺ کی اتباع کی اسے ظلم و تعدی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک مرد مومن کا جس قبیلے سے تعلق ہوتا وہ قبیلہ اس پر جھپٹ پڑتا۔ کفار نے مسلمانوں کو قید کیا وہ انہیں مار کر، بھوک سے اور پیاسا رکھ کر تکلیف دیتے۔ جب گرمی شدید ہو جاتی تو انہیں تپتی ریت پر لٹایا جاتا۔ بعض اس فتنے کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور وہ اس فتنے کا شکار ہو گئے اور بعض نے انتہائی استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اللہ رب العزت

”اور ان میں سے کچھ (بظاہر) کان لگاتے ہیں آپ کی طرف تو کیا آپ سناتے ہیں بہروں کو۔“ اس آیت میں اللہ رب العزت نے یَسْتَعِينُونَ کو جمع ذکر فرمایا ہے۔ جب لفظ ”من“ فعل کے قریب ہو تو لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے قرب کی وجہ سے فعل واحد استعمال کرنا بہتر ہے، مثلاً اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ لَفْظِ مَنْ کی وجہ سے واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اسی آیت کے آخر میں فرمایا وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ، مَنْ سے دور ہونے کی وجہ سے معنی پر محمول کرتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَعِينُونَ میں بھی قیاس کا تقاضا یہی تھا لیکن کیونکہ وہ ایک جماعت تھے اس لئے مَنْ ان کے اعیان کے اعتبار سے مستعمل ہے یہ عبارت یوں ہوگی۔ وَمِنْهُمْ نَفَرٌ يَسْتَعِينُونَ یعنی وہ گروہ جو ابو جہل، ابوسفیان اور اخنس پر مشتمل تھا پھر بعد میں فرمایا وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ۔ اب صیغہ واحد استعمال کیا کیونکہ پہلا سبب ختم ہو گیا تھا۔

کفر و معصیت پر اکراہ

ابن اسحاق نے ان جائناں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے جنہیں تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انہیں تپتے ریگستان میں پھینک دیا جاتا تھا اور انہیں لوہے کی ذرہیں پہنائی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کی زبانوں پر وہ کلمہ کفر آ جاتا جس کا مطالبہ کفار ان سے کرتے تھے لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے زبان مبارک میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آتی۔ اللہ رب العزت نے انہی کے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (النحل: ۱۰۶)

حضرت عمار اور ان کے والد محترم رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

إِلَّا أَنْ تَشْقُوا مِنْهُمْ ثَمَنًا ۖ مَكْرًا ۚ أَسْوَاقٌ فِي سِلَاسٍ مَبْرُورَةٍ ۖ يَصُورُ الْوَجْهَ ۖ يَصُورُ الْوَجْهَ ۖ يَصُورُ الْوَجْهَ ۖ

نے انہیں بچالیا۔

مجسمہ استقامت، عاشق رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ

پیکر استقامت، سراپا عشق حضرت بلال رضی اللہ عنہ، بنو جحج کے کسی آدمی کے غلام تھے۔ انہی کے پاس آپ رضی اللہ عنہ پروان چڑھے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بلال بن رماح تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام ”حمامہ“ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام کے شیدائی اور پاکیزہ دل تھے۔ جب دوپہر خوب گرم ہو جاتی تو امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جحج آپ رضی اللہ عنہ کو باہر لے آتا۔ وادی بطحا کی چٹانوں پر آپ رضی اللہ عنہ کو لٹا لیتا پھر بہت بھاری پتھر منگوا کر آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ اقدس پر رکھ دیتا پھر کہتا۔ ”تمہارے ساتھ یہی سنگد لانا سلوک ہوتا رہے گا یا پھر محمد عربی ﷺ سے انکار کر کے لات وعزی کی عبدیت کا اقرار کر لو گے۔“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آزمائش کی اس کٹھن ساعت میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ کے ترانے الاپتے رہتے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسی طرح اذیت دی جا رہی تھی ان کی مبارک زبان پر احد احد تھا۔ ان کے پاس سے ورقہ بن نوفل گزرتے وہ بھی احد احد کہتے پھر امیہ بن خلف اور بنو جحج کے دیگر افراد کو مخاطب کر کے کہتے۔ ”اے بنو جحج! قسم بخدا! اگر تم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو میں ان کی مرقد انور کو رحمت الہیہ کی آماجگاہ بناؤں گا۔“ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی غیر انسانی سلوک جاری تھا۔ وہاں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا ان کا گھر بنو جحج کے گھروں کے قریب ہی تھا، انہوں نے امیہ بن خلف سے کہا کیا تو اس مسکین کے بارے اللہ

کیونکہ ایمان کی جگہ دل ہے۔ اس لئے مؤمن کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ جب اسے اپنی جان کا خطرہ ہو تو وہ اپنی زبان پر کلمہ کفر لے آئے حتیٰ کہ وہ امن میں ہو جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ ”ہر وہ کلمہ جو مجھے دو ڈنڈوں سے بچالے میں اسے اسی قول کے زمرہ میں شمار کرتا ہوں جہاں تک افعال کا تعلق ہے تو ان میں حالات کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ایک حالت وہ بھی ہے جس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں مثلاً شراب پینا۔ جب انسان کو اپنی جان کے تلف ہونے کا خوف ہو لیکن اگر جان کا خطرہ نہ ہو تو پھر صبر کرنا افضل ہے لیکن اگر اسے ایک دن کی قید یا کچھ بے عزتی کا خطرہ ہو تو اس کے لئے معصیت حلال نہیں ہوتی۔ جہاں تک کسی کو قتل کرنے پر اکراہ کا تعلق ہے تو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اسے قتل سے کم رخصت اس لئے دی گئی تھی تاکہ وہ ایک مؤمن نفس کا

تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ تو انہیں کب تک یہ تکالیف دیتا رہے گا؟ امیہ نے کہا ”اے ابوبکر! اسے تم نے ہی بگاڑا ہے اس عذاب سے اسے تم ہی نجات دلا سکتے ہو“۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے جو بلال سے زیادہ توانا و طاقتور ہے۔ وہ تیرے دین پر بھی ہے۔ میں تمہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے وہ دیتا ہوں“ امیہ نے یہ سودا قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ سیاہ فام غلام امیہ کو دے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا پھر انہیں آزاد کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے سے قبل چھ غلام آزاد کئے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتویں تھے۔ ۱۔ عامر بن فھیرہ۔ انہوں نے غزوہ بدر اور احد میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ برمعونہ کے دن شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ۲۔ ام شمیمس۔ ۳۔ زبیرہ۔ جب انہیں آزادی نصیب ہوئی تو ان کی نظر ختم ہو چکی تھی۔ قریش مکہ کہنے لگے ”لات و عزی نے ہی اسے بصارت سے محروم کیا ہے“۔ اس وقت اس خاتون محترمہ سے کہا۔ ”بیت اللہ کی قسم! لات و عزی نہ تو کوئی نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی فائدہ“۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بصارت کی نعمت دوبارہ عطا کر دی۔ ۴، ۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی نور نظر۔ یہ دونوں بنو

اس سے دفاع کرے۔ یہ نفس اس کی اپنی ہی جان ہے اس طرح دوسری جان دے کر اپنی جان بچا لینے کی کوئی رخصت نہیں۔ بدکاری پر اکراہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن مابشون سے روایت ہے کہ اس میں کوئی رخصت نہیں ہے کیونکہ اس میں دلی ارادے اور شہوت کا دخل ہے اور دل کے افعال اکراہ کے ساتھ مباح نہیں ہوتے۔ دیگر علماء فرماتے ہیں اس میں اس شخص کو اجازت ہے جسے قتل کا خطرہ ہو کیونکہ اس طرح مس کرنے سے شہوت کا پیدا ہونا اسی طرح ہے جس طرح کھانا چباتے وقت تھوک پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات مجبوری کے عالم میں حرام کھانا بھی جائز ہے۔

اصولیین کا اکراہ کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کیا وہ شخص جسے کسی کام پر مجبور کیا جا رہا ہو وہ مخاطب بالفعل ہو گا یا نہیں۔ معتزلہ کے نزدیک اس پر اس فعل کا امر جائز نہیں ہے۔ اشعریہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ عزم کا تعلق دل سے ہے اس لئے اس وقت اس سے عزم اور نیت کا تصور کر لیا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کا قصد ہے اگرچہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ لوگوں کے خوف سے وہ فعل سرانجام دے رہا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کسی کو کسی فرض پر مجبور کیا جائے مثلاً اس سے کہا جائے نماز ادا

عبدالدار کی ایک عورت کی غلام تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ان کے پاس سے اس وقت گذر ہوا جب وہ عورت انہیں آٹا پسوانے کے لئے بھیج رہی تھی وہ کہہ رہی تھی۔ ”قسم بخدا! میں تمہیں ہرگز آزاد نہیں کروں گی“۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا ”اے فلاں کی ماں! اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے“۔ اس عورت نے کہا ”تم نے ہی انہیں بگاڑا ہے“۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ان کی قیمت کیا لوگی؟ اس عورت نے کہا ”اتنی“۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا ہے“۔ آپ رضی اللہ عنہ حضرت خنایہ اور ان کی لخت جگر رضی اللہ عنہما سے فرمایا ”اس عورت کا آٹا واپس کر دو“۔ انہوں نے کہا ”ابھی واپس کر دیں یا پسوا کر“۔ انہوں نے فرمایا ”جیسے تمہاری مرضی“۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنو مؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے گزرے۔ وہ لونڈی دولت اسلام سے مالا مال تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے اذیت دے رہے تھے تاکہ وہ اسلام چھوڑ دے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرک پر تھے۔ آپ اسے لگا تار مارتے رہتے جب آپ تھک جاتے تو کہتے ”میں نے تجھے صرف اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ میں تھک گیا ہوں“۔ وہ لونڈی کہتی۔ ”اللہ تم سے بھی اسی طرح سلوک کرے گا“۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

کر ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے“۔ اگر کسی شخص سے کہا جائے ”اگر تم نے نماز ادا کی تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا“۔ قاضی صاحب نے کہا ہے اس مسئلہ میں ہمارا اور معتزلہ کا اختلاف ہے ان کے بعض ساتھیوں نے غلطی کی اور کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مخاطب بالصلوٰۃ، نماز کا مامور ہے اگرچہ اسے اس کو ترک کرنے کی رخصت بھی دی گئی ہو۔ یہ رخصت اسے خطاب کے حکم سے خارج نہیں کرتی۔ اگرچہ اس کے اس گناہ کو اٹھا دیتا ہے نہ ہی رخصت اسے اس سے مخاطب ہونے سے خارج کرتی ہے۔ یہ غلط بات قاضی کی طرف منسوب ہے لیکن یہ ان کا قول نہیں ہے۔ ”کتاب التقریب والارشاد“ میں فقہاء کے ایک گروہ نے یہ نقطہ نظر لکھا ہے وہ کہتے ہیں اگرچہ اس کے ساتھ فعل پر ارادہ اور قصد کا تصور نہیں کیا جاسکتا لیکن قاضی صاحب اسے باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ اگرچہ کے باوجود ارادہ اور قصد کا تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اس کام کی بجا آوری کے قصد کا تصور بھی مانتے ہیں اور اسی کے ساتھ تکلیف کا تعلق بھی ہے۔ جن اصولیین نے ان کی طرف وہ قول منسوب کیا ہے جو ابھی باطل قرار دیا جا چکا ہے۔ انہوں نے غلطی کی ہے۔ میں نے مذکورہ بالا قول ان کے اس مسئلہ پر کلام دیکھنے سے اور ان کے مذہب کی حقیقت سے واقف ہونے سے قبل ذکر کیا ہے۔ وہ خود اس خطا سے بری ہیں۔

اسے بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق اور رضائے الہی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو قحافہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا ”اے میرے فرزند دلہند! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور غلاموں کو آزاد کر رہے ہو۔ اگر تم یہ احسان طاقت ور غلاموں پر کرو تو وہ مصیبت کے وقت تمہارا دفاع کریں گے اور تمہارے کام بھی آئیں گے۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ”اے والد محترم! میں یہ سب کچھ رضائے الہی کے حصول کے لئے کر رہا ہوں۔“ اس وقت قرآن پاک کی ان آیات کا نزول ہوا۔

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۖ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۖ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۖ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝ (اللیل)

پھر جس نے (راہِ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو، بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی تکالیف

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو مخزوم حضرت عمار اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم کو لے کر باہر آجاتے وہ اسلام کے گھرانے کے باشندے تھے۔ جب دو پہر خوب تپ جاتی تو وہ انہیں مکہ معظمہ کے پہاڑوں پر لے جاتے۔ حضور ﷺ کا ان کے پاس گزر ہوتا تو فرماتے، ”اے آلِ یاسر صبر کا دامن تھامے رکھنا تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔“ ان کی والدہ ماجدہ کو شہید کر دیا گیا لیکن

آلِ یاسر

ابن اسحاق نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ انہیں ابو جہل نے شہید کیا تھا۔ یہ پہلی خاتون تھیں جن کے سر پر سب سے پہلے شہادت کا تاج سجایا گیا۔ روایت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! ہماری تکالیف تو اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ابو یقظان! صبر کرو۔“ پھر آپ ﷺ نے دعا مانگی مولا! آلِ عمار میں سے کسی کو بھی آگ کے عذاب میں مبتلا نہ کرنا۔

انہوں نے اسلام کو ترک نہ کیا۔ ابو جہل وہ بد بخت اور بد کردار شخص تھا جو قریش کے مردوں کو ابھارتا تھا۔ اگر وہ ایسے شخص کے متعلق سنتا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے جو صاحب شرف اور ذی قدر ہوتا تو وہ اسے ذلیل و رسوا کرتا وہ اس سے کہتا ”تو نے اپنے آباء کا دین ترک کر دیا ہے حالانکہ وہ مذہب تیرے اس دین سے بہتر تھا۔ ہم تجھے احمق کہیں گے، تیری رائے کمزور کر دیں گے، تیرا شرف ختم کر دیں گے۔“ اگر اسلام لانے والا شخص تاجر ہوتا تو وہ کہتا ”قسم بخدا! ہم تیری تجارت ختم کر دیں گے، ہم تیرا مال برباد کر دیں گے۔“ اگر دولت اسلام سے مالا مال ہونے والا شخص غریب ہوتا تو وہ اسے مارتا اور دوسروں کو بھی اسے مارنے کی ترغیب دیتا۔ ابن اسحاق نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ”میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کیا مشرکین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اتنی اذیت دیتے تھے جس سے وہ اپنے دین کو ترک کرنے میں معذور سمجھے جاتے تھے؟“ انہوں نے فرمایا ”ہاں قسم بخدا! وہ انہیں اتنا شدید مارتے، انہیں بھوکا رکھتے اور انہیں پیاسا رکھتے حتیٰ کہ وہ اذیتوں کی وجہ سے صحیح طور پر بیٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی زبانوں سے مجبوراً کلمہ کفر کہہ دیتے تھے۔ اگر مشرکین کسی سے کہتے کیا لات وعزی تیرے معبود ہیں وہ کہتا ہاں۔ اگر گندا کیڑا ادھر سے گزرتا مشرکین کسی جانثار سے پوچھتے کیا خدا کو چھوڑ کر اسے معبود مانتے ہو وہ کہتا ہاں۔ یہ سب کچھ ان تکالیف اور مصائب کی وجہ سے تھا جو حد سے تجاوز کر گئے تھے۔“

ہشام بن ولید کا واقعہ

ابن اسحاق کہتے ہیں زبیر بن عکاشہ نے مجھے بیان کیا ہے کہ جب ولید بن ولید نے اسلام ان کی والدہ ماجدہ بنت خیاط تھیں۔ وہ ابو حذیفہ بن مغیرہ کی خادمہ تھیں۔ ابو حذیفہ کا نام مہشم تھا۔ یہ ابو جہل کا چچا تھا۔ ابن ابی قتیبہ نے اس میں خطا کی ہے۔ انہوں نے گمان کیا ہے کہ حارث بن کلدہ کے غلام ازرق نے حضرت یاسر کے بعد حضرت سمیہ سے شادی کر لی اور ان سے سلمہ بن ازرق پیدا ہوئے۔ اہل علم فرماتے ہیں سلمہ کی والدہ دوسری سمیہ تھیں۔ وہ ام زیاد بن ابی سفیان تھیں۔ ام عمار نہ تھیں عمار، حویرث اور عبود، یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن حصین بن لوزین کی اولاد میں سے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے۔ الوذیم بن ثعلبہ بن عوف عامر بن حارثہ بن زیاہ بن عنس بن مالک بن ادو بن زید الحنسی المدحی۔ یہ بنو مخزوم کے حلیف تھے۔ عبداللہ بن سعد بن حسن بن عثمان بن حسن بن عبد اللہ بن سعد بن عمار بن یاسر تھے۔ یہ اندلس میں قتل ہوئے۔ عبدالرحمن بن معاویہ نے انہیں قتل کیا۔

قبول کیا تو بنو مخزوم کے کچھ لوگ ہشام بن ولید کے پاس گئے۔ انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ اپنے ان جوانوں کو گرفتار کر لیں جنہوں نے اسلام لانے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان سعادتمند افراد میں سے سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ وہ لوگ ہشام سے کہنے لگے ہماری خواہش ہے کہ ہم ان جوانوں کو سرزنش کریں جنہوں نے ایک نیا دین ایجاد کر لیا ہے۔ ہشام نے کہا تم ولید کو سرزنش کر لو لیکن اس کی جان لینے سے بچنا پھر اس نے یہ شعر پڑھے۔

أَلَا لَا يَقْتُلَنَّ أَحْيَى عَمِيْشٍ فَيَبْقَى بَيْنَنَا أَبَدًا تَلَا حِي
خبردار! میرے بھائی عمیش کو قتل نہ کرنا ورنہ ہمارے مابین دائمی عداوت رہے گی۔

اس کی جان کے پیچھے نہ پڑنا قسم بخدا! اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو میں تم میں سے سب سے معزز شخص کو قتل کر دوں گا۔ یہ سن کر بنو مخزوم کے لوگ کہنے لگے ”اللہ تعالیٰ اس خبیث پر لعنت کرے، اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے اللہ کی قسم اگر اس کے بھائی کو ہمارے ہاتھوں اذیت پہنچی تو وہ ضرور ہم میں سے معزز ترین شخص کو قتل کر دے گا۔“ اس طرح انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

زنیرہ اور دیگر آزاد کردہ غلام

ابن اسحاق نے حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا ہے۔ انہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آزادی کی نعمت عطا کی تھی۔ صحیح روایت کے مطابق یہ فعیلۃ کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع زنائرہ ہے۔ اس کا معنی چھوٹے چھوٹے سنگریزے ہیں (ابو عبیدہ) بعض علمائے لغت سے زنیرۃ پڑھتے ہیں لیکن عورتوں میں اس نام کی کوئی عورت نہیں۔ مردوں میں زنیرۃ بن زبیر بن مخزوم بن مہلبہ بن کاهل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر ہے اس کے بیٹے کا نام خالد بن زبیرہ تھا۔ یہ دریا میں غرق ہوا تھا۔

ام عمیس

یہ تیم بن مرہ کی لونڈی تھیں۔ انہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آزاد کروایا۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ ہر قبیلہ چمڑے کا وہ بستر لے کر آتا جس میں پانی ہوتا تھا وہ ان جانثاروں کو ان میں بند کر لیتے پھر انہیں اٹھاتے۔ حضرت بلال کے علاوہ تمام کو یہ اذیت دی گئی۔ ورقہ بن نوفل نے کہا لَیْن قَتَلْتُمُوْاهُ لَا تُحِکُنْ جَنَازَہُ کی ضمیر لَا تُحِکُنْ سے حال ہے۔ میں ان کی مرقد انور کو رحمت کی آماجگاہ اور سکون کا ٹھکانہ بنا لوں گا۔ حنان کا معنی رحمت ہے، حضرت بلال کی کنیت

یہ سبب ان اسباب میں سے ایک تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچایا۔

ابو عبد اللہ کریم تھی۔ بعض علماء ابو عبد اللہ کنیت بتاتے ہیں۔ ان کی بہن کا نام غفرہ تھا۔ غفرہ کے غلام کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ پہاڑی بکری کو غفرہ کہا جاتا ہے۔ پہاڑی بکرے کو غفر کہا جاتا ہے۔

سرزمین حبشہ کی طرف پہلی ہجرت

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مصائب اور دکھ ملاحظہ کئے۔ آپ ﷺ خود تو عصمت الہیہ اور چچا محترم کی تائید کی وجہ سے قدرے امن میں تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مصائب برداشت کرنا مشکل تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔ ”کاش کہ تم سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ وہاں اس عظیم بادشاہ کی حکومت ہے جس کے پاس ظلم نہیں ہوتا وہ صداقت کی سرزمین ہے پھر وہاں مقیم رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تم سے یہ مصائب کو دور کرنے کا چارہ فرمادے۔“ آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تاکہ وہ فتنہ و آزمائش سے محفوظ رہیں اور وہاں اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل پیرا ہو سکیں۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی ہجرت تھی۔

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرام

بنو امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر میں سے حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ نے اپنی زوجہ محترمہ لخت جگر

حبشہ کی طرف ہجرت

ہم نے کتاب کی پہلی جلد میں حبشہ کا تذکرہ کیا تھا۔ ہر وہ بادشاہ جو حبشہ کا اقتدار سنبھالتا اسے نجاشی کے نام سے موسوم کیا جاتا، جس طرح ہر وہ بادشاہ جو ایران کا حاکم بنتا اسے کسریٰ، جو ترک کی زمام اقتدار سنبھالتا اسے خاقان اور جو یونان کا شہنشاہ بنتا اسے بطلموس کہا جاتا۔ اس وقت حبشہ کے والی کا نام اصمٰح بن الجبر تھا۔ اصمٰح کا معنی عطیہ ہے۔

ابن اسحاق نے ان بلند قسمت صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں حضرت عثمان بن عفان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کا ذکر جمیل کیا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما عقد نکاح میں منسلک ہوئے تو اس وقت عورتوں نے یہ شعر گنگنایا۔

أَحْسَنُ شَخْصَيْنِ دَأَىٰ إِنْسَانٍ رُقِيَّةٌ وَ بَعْلُهَا عُثْمَانُ
وہ سب سے حسین جوڑی جو کسی انسان نے دیکھی ہے وہ حضرت رقیہ اور ان کے خاوند محترم حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی ہے۔

مصطفیٰ ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی بنو عبد شمس میں سے ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نے ہجرت کی سعادت حاصل کی۔ ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیل بن عمرو بھی تھیں۔ ان کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا۔ انہوں نے سرزمین حبشہ میں محمد بن ابی حذیفہ کو جنم دیا۔ بنو اسد بن عبد العزیٰ بن قصی میں سے حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد نے ہجرت کی۔ بنو عبد الدار بن قصی میں سے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار نے یہ سعادتِ عظمیٰ حاصل کی۔ بنو زہرہ بن کلاب میں سے حضرت عبد الرحمن بن عوف بن عبد عوف بن حارث بن زہرہ ہجرت فرما ہوئے۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی کنیت ابو عبد اللہ رکھی۔ چھ سال کی عمر میں یہ عبد اللہ عالم بالا کو سدھار گئے۔ ایک مرغ نے ان کی آنکھوں میں چونچیں ماریں جس سے ان کا چہرہ سو جھ گیا اور انتقال فرما گئے۔ ان کا وصال جمادی الاول ۴ھ کو ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی کنیت ابو عمرو رکھ لی۔ آپ کے اس نورِ نظر کو عبد اللہ الاصغر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ایک لختِ جگر فاختہ بنت غزو ان سے بھی تھا اس کا نام عبد اللہ الاکبر تھا۔ ان کے بعد عمرو کی ولادت ہوئی آپ رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزندانوں کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ عمر۔ ۲۔ خالد۔ ۳۔ سعید۔ ۴۔ ولید۔ ۵۔ مغیرہ۔ ۶۔ عبد الملک۔ ۷۔ ابان (رضی اللہ عنہم) کتب سیرت میں ہے بنت رسول ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تمام انسانوں سے حسین ترین تھیں۔ جب آپ ﷺ سرزمین حبشہ میں تشریف لے گئیں تو وہاں کے لوگ آپ رضی اللہ عنہا کے حسن کو دیکھ کر رقص کرنے لگتے۔ ان کی یہ حرکت دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہا کو اذیت ہوتی لیکن مسلمان پردیس میں ہونے کی وجہ سے انہیں کچھ نہ کہتے۔ یہ فتنہ پسند گروہ نجاشی کے ہمراہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے گئے وہاں تمام قتل ہو گئے۔ اس طرح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے ان سے نجات حاصل کی۔ نجاشی نے اس معرکہ میں اپنے دشمن کو شکست دی۔ علامہ زبیر نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو کچھ تحائف دے کر حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا۔ وہ قاصد کافی عرصہ وہیں ٹھہرا رہا۔ جب وہ واپس آیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا۔ ”اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ کس چیز نے تمہیں وہیں روک رکھا؟“ اس نے عرض کی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ”حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کے حسن و جمال نے تجھے وہاں

بنو مخزوم بن یقطہ بن مرہ میں سے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے ہجرت فرمائی۔ ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی تھیں۔ بنو جمح بن عمرو بن حصیص بن کعب میں سے حضرت عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح رضی اللہ عنہ اس سعادت میں شامل تھے۔ بنو عدی بن کعب میں سے عامر بن ربیعہ، آل خطاب کے حلیف نے ہجرت کی۔ ان کے ہمراہ ان کی شریک حیات حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ بن حذیفہ بن غانم بن عامر بن عبداللہ بن عوف بن عبید بن عوتج بن عدی بن کعب بھی تھیں۔ بنو عامر بن لوئی میں سے ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر نے یہ سعادت حاصل کی۔ ایک قول کے مطابق ابو حاطب بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر نے یہ سعادت حاصل کی۔ ایک قول کے مطابق سب سے پہلے حبشہ پہنچنے والی شخصیت یہی تھے۔ بنو حارث بن فہر سے سہیل بن بیضاء یعنی سہیل بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث تھے۔ یہ وہ دس فرخندہ فال افراد تھے جو مسلمانوں میں سب سے پہلے سرزمین حبشہ پہنچے۔

ابن ہشام کہتے ہیں قیادت کی باگ ڈور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ پھر مسلمان ہجرت کر کے حبشہ جاتے رہے حتیٰ کہ وہ وہاں کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے اہل خانہ بھی تھے جبکہ بعض نے تنہا ہجرت کی۔

رو کے رکھا۔ اس نے عرض کی۔ ”آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ میں ان کے حسن و جمال کی دکاشی میں کھویا رہا۔“ ابن اسحاق نے ان افراد کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حبشہ کی زمین کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، ہم نے وہاں حضرت عمرو بن سعید بن العاص کے ایمان لانے کا سبب بھی لکھا تھا۔ انہوں نے چاہہ زمزم سے ایک نور دیکھا جس سے مدینہ طیبہ کے نخلستان جگمگا اٹھے انہوں نے وہاں کھجوریں دیکھیں، جب انہوں نے اپنا خواب بیان کیا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ بنو عبدالمطلب کا کنواں ہے۔ یہ نور انہی میں سے ہوگا۔ یہی خواب ان کے جلد اسلام قبول کرنے کا سبب بنا۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے مہاجرین

بنو ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب نے یہ سعادت حاصل کی۔ ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس بن نعمان بن کعب بن مالک بن قحافہ بن خثعم تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی ولادت حبشہ میں ہی ہوئی۔ بنو امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف میں سے حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس نے اپنی شریک حیات کے ہمراہ، حضرت عمرو بن سعید بن العاص بن امیہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت صفوان بن امیہ بن محرز بن حمل بن شق بن رقبہ بن مخدج کنانی کے ساتھ، ان کے بھائی خالد بن سعید بن عاص بن امیہ نے اپنی بیوی امینہ بنت خلف بن سعد بن عامر بن بیاضہ بن سبیح بن جعشمہ بن سعد بن عمرو خزاعی نے ہجرت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں امینہ کو ہمینہ بنت خلف بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حبشہ میں ان کے ہاں سعید بن خالد اور امہ بنت خالد پیدا ہوئے۔ بعد میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت امہ کے ساتھ شادی کر لی اور ان سے عمرو بن زبیر اور خالد بن زبیر پیدا ہوئے۔

سعد اور خالد فرزند ان عاص کا خواب

پہلے گزر چکا ہے کہ یہ خواب عمرو کے بھائی نے دیکھا تھا تو عمرو نے اس کی تعبیر بیان کی تھی، صحیح یہی ہے۔ ان کے بھائی خالد بن سعید نے قبولِ اسلام سے قبل دیکھا کہ وہ شعلہ زن آگ کے اوپر کھڑا ہے۔ حضور ﷺ اس کے دامن سے پکڑ کر اسے گرنے سے روک رہے ہیں۔ جب وہ بیدار ہوا تو اسے یقین ہو گیا کہ آگ سے اس کی نجات دستِ مصطفیٰ ﷺ میں ہے، جب انہوں نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو ان کے باپ نے ان کو ڈنڈے سے اتنا مارا کہ ڈنڈا ان کے سر پر لگ کر ٹوٹ گیا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ وہ ان کے علاج پر کوئی خرچہ نہیں کرے گا۔ ان کے بھائیوں کو بھی اکسایا گیا، انہوں نے بھی انہیں ظلم و تعدی کا نشانہ بنایا۔ یہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے باپ سعید بن عاص کی کنیت ابواحیمہ تھی۔ اس کے متعلق شاعر کہتا ہے۔

أَبُو أَحِيحَةَ مَنْ يَعْتَمُ عِمَّتَهُ يُضْرَبُ وَإِنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَ ذَا عَدُو
ابواحیمہ کی شان یہ ہے کہ جو شخص اس کا عمامہ پہنتا ہے اسے مارا جاتا ہے اگرچہ وہ شخص صاحب

بنو اسد اور بنو عبد شمس کے مہاجرین

بنو اسد بن خزیمہ میں سے عبد اللہ بن جحش بن رباب بن یعر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد، ان کے بھائی عبید اللہ بن جحش ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، قیس بن عبد اللہ، بنو اسد بن خزاعہ کا ایک اور شخص اپنی بیوی برکہ بنت یسار، ابوسفیان بن حرب بن امیہ کی لونڈی اور معقیب بن ابی فاطمہ نے ہجرت کی۔ ان تمام کا تعلق سعید بن العاص کی اولاد سے تھا۔ ابن ہشام نے معقیب بن دوس لکھا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو عبد شمس بن عبد مناف میں سے ابو حذیفہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور ابو موسیٰ الاشعری نے حبشہ کی طرف ہجرت کی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ بن قیس تھا وہ عتبہ بن ربیعہ کی اولاد کے حلیف تھے۔

بنو نوفل اور بنو اسد کے مہاجرین

بنو نوفل بن عبد مناف میں سے حضرت غزوہ بن جابر بن وہب بن نسیب بن مالک بن حارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان نے ہجرت حبشہ کی سعادت

دولت اور کثیر قبیلے والا بھی ہو۔

جب ابواحجہ عمامہ پہنتا تو پھر اس کے احترام کے لئے کوئی قرشی عمامہ نہیں پہنتا تھا، عمرو بن بحر الجاحظ اس کے متعلق کہتا ہے۔

وَ كَانَ أَبُو أَحِيحَةَ قَدْ عَلِمْتُمْ بِمَكَّةَ غَيْرَ مُهْتَفٍ ذَمِيمٍ
تم ابواحجہ کو خوب جانتے ہو وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھا جس پر نہ ظلم کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی وہ قابل مذمت تھا۔

إِذَا شَدَّ الْعَصَابَةَ ذَاتَ يَوْمٍ وَ قَامَ إِلَى الْمَجَالِسِ وَالْخُصُومِ
جب کسی دن وہ عمامہ پہنتا اور محفلوں اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے جاتا۔

لَقَدْ حَرُمْتُ عَلَى مَنْ كَانَ يَمْسِي بِمَكَّةَ غَيْرَ مُحْتَقِرٍ لِنَيْمٍ
تو مکہ معظمہ میں چلنے والے ہر شخص کے لئے عمامہ پہننا حرام ہو جاتا۔ عمامہ نہ پہننے کی وجہ سے نہ اسے حقیر سمجھا جاتا اور نہ ہی اس کی ملامت کی جاتی۔

حاصل کی۔ بنو اسد بن عبد العزی بن قصی میں سے حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد، حضرت اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد، حضرت یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد اور حضرت عمرو بن امیہ بن حارث بن اسد نے ہجرت کی۔

بنو عبد بن قصی اور عبد الدار بن قصی کے مہاجر

بنو عبد بن قصی میں سے حضرت طلیب بن عمیر بن وہب بن ابی کثیر بن عبد نے یہ سعادت پائی۔ بنو عبد الدار بن قصی میں سے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار، سویت بن سعد بن حرمہ بن مالک بن عمیلہ بن سباق بن عبد الدار، جہم بن قیس بن عبد شریل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ ام حرمہ بنت عبد الاسود بن جذیمہ بن اقیش بن عامر بن بیاضہ بن سبیح بن جشمہ بن سعد لیح بن عمرو بھی تھیں، جہم کے دو فرزند عمرو اور خزیمہ، ابو الروم بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار اور فراس بن نصر بن حارث بن کلدہ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبد الدار نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

بنو زہرہ، بنو ہذیل اور بہراء کے مہاجرین

بنو زہرہ بن کلاب میں سے عبد الرحمن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ، عامر بن ابی وقاص، ابو وقاص سے مراد مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ ہے اور مطلب

احیہ حرب الفجار میں ہلاک ہو گیا۔ ابواحیہ کے چار بیٹوں کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی۔ ۱۔ حضرت ابان۔ ۲۔ حضرت خالد۔ ۳۔ حضرت عمرو۔ ۴۔ حضرت حکم۔ ان کا نام حضور ﷺ نے عبد اللہ رکھا تھا۔ احیہ بن سعید اور عاصی بن سعید وغیرہ حالت کفر میں مرے۔ عاصی غزوہ بدر کے دن قتل ہوا۔

امہ بنت خالد اور ان کے والد ماجد

ابن اسحاق نے امہ بنت خالد بن سعید کا ذکر کیا ہے۔ یہ حبشہ کی سرزمین میں پیدا ہوئیں۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی۔ حضرت امہ رضی اللہ عنہا وہ خوش قسمت خاتون ہیں جنہیں بچپن میں نبی معظم ﷺ نے چادر زیب تن کرائی تھی۔ یہ کہنے لگیں سَنَاءُ سَنَاءُ يَا اُمَّمَ خَالِدٍ لَغَتْ حَبَشَةُ فِي اس کا معنی ہے واہ! بہت خوب! انہیں اہل حبشہ کی زبان آتی تھی کیونکہ ان کی ولادت وہیں ہوئی تھی۔ ان کے ہاں عمر اور خالد کی ولادت ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ خالد بن

بن ازہر بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہر نے اپنی زوجہ محترمہ رملہ بن ابی عوف بن ضمیرہ بن سعید بن سعد بن سہم نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، ان کے بطن مبارک سے سرزمین حبشہ میں عبد اللہ بن مطلب پیدا ہوئے۔

بنو ہذیل میں سے ان کے حلیف حضرت عبد اللہ بن مسعود بن حارث بن شمع بن مخزوم بن صاہلہ بن کابل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل اور ان کے بھائی عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، بہراء میں سے مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود بن عمرو بن سعد بن زہیر بن لوی بن ثعلبہ بن مالک بن الثرید بن ابی اہوز بن ابی فاش بن دریم بن القین بن اہود بن بہراء بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ نے ہجرت حبشہ میں شرکت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہا جاتا ہے ہزل بن فاس بن ذر اور دھیر بن ثور بھی تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ انہیں مقداد بن اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اسود نے انہیں جاہلیت میں اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور ان سے معاہدہ بھی کیا تھا۔

بنو تمیم اور بنو مخزوم میں سے مہاجرین

بنو تمیم بن مرہ میں سے حارث بن خالد بن صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم نے یہ سعادت حاصل کی۔ ان کے ساتھ ان کی شریک حیات ریظہ بنت حارث بن جبہ بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بھی تھیں۔ انہوں نے سرزمین حبشہ میں موسیٰ بن حارث، عاکشہ بنت حارث، زینب بنت حارث، فاطمہ بنت حارث کو جنم دیا۔ حضرت عمرو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ بنو مخزوم میں سے ابو سلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم نے اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ بنت ابی امیہ بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن

سعید نے ہی سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھی۔ یہ مقام اجنادین پر شہادت سے سرخرو ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں صفاء اور یمن کا والی مقرر کیا جبکہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں گورنر مقرر کرنا چاہا لیکن انہوں نے کہا میں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد کسی کے لئے کام نہیں کرنا چاہتا۔ روایت ہے کہ سعید بن عاصی بیمار ہو گیا اس نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفاء دے دی تو میں ابن ابی کبشہ (رضی اللہ عنہ) کے معبود کی عبادت نہیں کروں گا۔ اس کے بیٹے حضرت خالد نے دعا کی مولا! اے شفاء نہ دینا۔ وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکا اور مر گیا۔ یہ بنو سعید بن عاصی بن امیہ ہیں۔

مخزوم کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے ہاں وہاں زینب بنت ابی سلمہ کی ولادت ہوئی۔ ابوسلمہ کا نام عبداللہ اور ام سلمہ کا نام ”ہند“ تھا۔ اسی قبیلے سے حضرت شماس بن عثمان بن اثریذ بن سوید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں شرکت کی۔

شماس کی وجہ تسمیہ

ابن ہشام کہتے ہیں حضرت شماس کا نام عثمان تھا کیونکہ شماسہ میں سے ایک شماس زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آیا وہ حسن و جمال کا پیکر تھا لوگوں نے اس کے جمال پر تعجب کیا۔ عتبہ بن ربیعہ جو شماس کا ماموں تھا کہنے لگا۔ ”میں تمہارے پاس وہ شماس لے کر آتا ہوں جو حسن و جمال میں اس شماس سے کہیں بڑھ کر ہے پھر وہ اپنے بھتیجے عثمان بن عثمان کو لے آیا اس طرح عثمان کا نام بھی شماس پڑ گیا۔ (ابن شہاب)

ابن اسحاق کہتے ہیں اسی قبیلہ سے حضرت ہبار بن سفیان بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی ہجرت حبشہ میں شامل تھے۔ ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن سفیان، ہشام بن ابی حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، سلمہ بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم اور عیاش بن ابی ربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھی اس سعادت میں شامل تھے۔

بنو مخزوم کے حلیفوں میں سے اور بنو جحج کے مہاجرین

بنو مخزوم کے حلیفوں میں سے معتب بن عوف بن عامر بن فضل بن عقیف بن کلیب بن حبشہ ابن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کو عیمہامہ بھی کہا جاتا ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں حبشہ بن سلول بھی کہا جاتا ہے، انہیں معتب بن حمراء بھی کہا جاتا ہے۔

عبد شمس

عبد شمس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ دال سے ہے۔ جہاں تک عب شمس بن سعید بن زید مناة بن تمیم کا تعلق ہے تو اس کے متعلق ابو عبید اور قتیبہ کہتے ہیں کہ یہ بھی عبد شمس ہے لیکن اکثر علمائے لغت اسے عب شمس کہتے ہیں۔ اس کے معنی میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے اس کا معنی عبد شمس ہے لیکن دال کو مدغم کر دیا گیا ہے۔ ایک طائفہ کہتا ہے یہ عب شمس ہی ہے۔ عب شمس کا معنی سورج کی روشنی ہے۔ ضرب المثل ہے *هُوَ أَبَدٌ مِنْ عَبْقَرٍ*۔ وہ عبقر سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔ مبرد کہتے ہیں یہ عب قرای سے مشتق ہے اس سے مراد دھار کی چمک ہے۔ اس کے متعلق تیسرا قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

بنو جح بن عمرو بن ہصیص بن کعب میں سے حضرت عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن خذافہ بن جح، ان کے لخت جگر حضرت سائب بن عثمان، ان کے بھائی قدامہ بن مظعون اور عبد اللہ بن مظعون، حضرت حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن خذافہ بن جح اور ان کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت مجلل بن عبد اللہ بن ابی قیس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، ان کے فرزند ان ارجمند محمد بن حاطب اور حارث بن حاطب، ان کے بھائی خطاب بن حارث، ان کی زوجہ محترمہ حضرت فیکھ بنت یسار، حضرت سفیان بن معمر بن حبیب بن وہب بن خذافہ بن جح، ان کے فرزند ان جابر بن سفیان اور جنادہ بن سفیان، ان کی والدہ ماجدہ حضرت حسنہ اور ان کی والدہ کی طرف سے بھائی حضرت شریحیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں شریحیل کے والد کا نام عبد اللہ تھا یہ بنو غوث بن مرثیہ سے تھے غوث، تمیم بن مرثیہ کے بھائی تھے۔ عثمان بن ربیعہ بن اہبان بن وہب بن خذافہ بن جح بھی اس سعادت میں شریک تھے۔

بنو سہم، بنو عدی اور بنو عامر کے مہاجرین

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب میں سے حضرت حمیس بن خذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، عبد اللہ بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہل اور ہشام بن عاص بن وائل بن سعد بن سہم رضی اللہ عنہم نے بھی یہ سعادت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں عاص بن وائل بن ہاشم بن سعد بن سہم

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ قیس بن خذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، ابو قیس بن حارث بن قیس بن خذافہ بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، عبد اللہ بن خذافہ بن قیس بن عدی بن سعد

مردی ہے وہ کہتے ہیں اس کا معنی عبء الشمس ہے پھر سہولت کے لئے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔ اس کا معنی سورج کی مانند ہوتا ہے۔

حضرت عمار مہاجرین حبشہ میں شامل نہ تھے

ابن اسحاق کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ہجرت حبشہ میں شک ہوا ہے۔ کیا انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی یا نہیں؟ لیکن دیگر سیرت نگار مثلاً واندی اور ابن عقبہ کے نزدیک درست یہ ہے کہ انہوں نے یہ ہجرت نہیں کی تھی۔

بن سہم، حارث بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، معمر بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، بشر بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، والدہ کی طرف سے بھائی سعید بن عمر، سعید بن حارث بن قیس بن عدی بن سہم، سائب بن حارث بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم، عمیر بن رباب بن خذیفہ بن مہشم بن سعد بن سہم اور محمیہ بن جزاء نے ہجرت حبشہ کی سعادت حاصل کی۔ حضرت محمیہ کا تعلق بنو زبید سے تھا یہ بنو سہم کے حلیف تھے۔

بنو عدی بن کعب میں سے معمر بن عبد اللہ بن نضلہ بن عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عوتج بن عدی، عروہ بن عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عوف بن عبید بن عوتج بن عدی، عدی بن نضلہ بن عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عبید بن عوتج بن عدی، ان کے بیٹے نعمان بن عدی اور آل خطاب کے حلیف عامر بن ربیعہ نے اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ بنو عامر بن لویٰ میں سے ابوسبرہ بن ابی رهم بن عبد العزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر نے اپنی شریک حیات ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر کے ساتھ، عبد اللہ بن مخرمہ بن عبد العزیٰ بن ابی قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، عبد اللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، سلیط بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، ان کے بھائی سکران بن عمرو، ان کی زوجہ محترمہ سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، مالک بن زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، ان کی زوجہ محترمہ عمرہ بن سعدی بن وقدان بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر، حاطب بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر اور سعد بن خولہ جو بنو عامر کے حلیف تھے، نے بھی یہ سعادت کبریٰ حاصل کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ سعد بن خولہ کا تعلق یمن سے تھا۔

بنو حارث بن قیس

ابن اسحاق نے بنو حارث کے مہاجرین کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے تمیم بن حارث کا ذکر نہیں کیا۔ علامہ واقدی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کا باپ ان بد بختوں میں سے تھا جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿١﴾ (الحجر)

ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے۔

بنو حارث کے مہاجرین

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ بنو حارث بن فھر سے ابو عبید بن جراح یعنی عامر بن عبد اللہ بن جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فھر، سہیل بن بیضا یعنی سہیل بن وہب بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث، لیکن یہ اپنی والدہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں، ان کی والدہ کا نام دعد بنت جحدم بن امیہ بن ظرب بن حارث بن فھر تھا۔ اسے بیضاء کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث، عیاض بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن اہیب، ان کا دوسرا نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث، عمرو بن حارث بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث، عثمان بن عبد غنم بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث، سعد بن قیس بن لقیط بن عامر بن امیہ بن ظرب بن حارث بن فھر اور حارث بن عبد قیس بن لقیط بن عامر بن امیہ بن ظرب بن حارث بن فھر بھی اس سعادت کبریٰ میں شامل ہوئے۔

مہاجرین حبشہ کی تعداد

ان بچوں کو چھوڑ کر جو اس وقت کم عمر تھے اور ان بچوں کو چھوڑ کر جو حبشہ میں جا کر پیدا ہوئے۔ مہاجرین حبشہ کی تعداد اسی تھی۔ یہ تعداد اس وقت ہوگی جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ان میں شامل کیا جائے لیکن ان کی ہجرت حبشہ کے متعلق سیرت نگار متردد ہیں۔

بنو زہرہ اور طلیب بن عبد

ابن اسحاق نے بنو زہرہ کے چھ مہاجرین کا ذکر کیا ہے لیکن ساتویں کا ذکر نہیں کیا۔ وہ حضرت عبد اللہ بن شہاب، محمد بن مسلم بن عبد اللہ بن شہاب زہری کے جد امجد ہیں۔ ان کا نام عبد الجان تھا۔ حضور ﷺ نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ انہوں نے فتح مکہ کے بعد مکہ میں انتقال فرمایا۔ ان کے بھائی عبد اللہ الاصغر غزوہ احد میں مشرکین کی طرف سے شرکت کی پھر دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

ابن اسحاق نے مطلب بن عبد عوف کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کے بھائی طلیب کا ذکر نہیں کیا۔ ان دونوں بھائیوں نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں وصال کیا یہ دونوں ازہر بن عبد عوف کے بھائی تھے۔

ہجرت حبشہ کے متعلق اشعار

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا قصیدہ

جب حضرت عبداللہ کا قلب سرزمین حبشہ میں نور اسلام سے منور ہوا، نجاشی کے پاس سکون و چین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ انہیں کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ نجاشی نے بھی ان پر احسانات و نوازشات کیں تو انہوں نے درج ذیل اشعار کہے۔

يَا رَاكِبًا يَلْغَنُ عَنِّي مُغْلَغَلَةً مَنْ كَانَ يَرْجُو بَلَاغَ اللَّهِ وَالْذِّينِ
اے سوار! میرا پیغام ہر اس شخص کو پہنچا دے جو اللہ تعالیٰ کے پیغام اور دین میں وسعت کی امید رکھتا ہے۔

كُلُّ أَمْرٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مُضْطَهَدٌ بِبَطْنِ مَكَّةَ مَقْهُورٍ وَ مَفْتُونٍ
میرا پیغام وادی مکہ کے ہر اس شخص کو پہنچا دے جو مقہور، مجبور اور مظلوم ہے۔
أَنَا وَجَدْنَا بِلَادَ اللَّهِ وَاسِعَةً تَنْجِي مِنَ الدَّلِّ وَالْمَخْزَاةِ وَالْهُونِ
ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شہر انتہائی وسیع ہیں جو ذلت، رسوائی اور اہانت سے نجات دلاتے ہیں۔

فَلَا تَقِيمُوا عَلَى ذِلِّ الْحَيَاةِ وَخِزْ يَ فِي الْمَمَاتِ وَ عَيْبَ غَيْرِ مَأْمُونٍ
تم زندگی کی ذلت، اموات کا دکھ اور عدم تحفظ کے عیب میں مسکن نہ بناؤ۔
إِنَّا تَبِعْنَا رَسُولَ اللَّهِ وَاطْرَحُوا قَوْلَ النَّبِيِّ وَ عَالُوا فِي الْبَوَازِينِ
ہم نے نبی محترم ﷺ کی پیروی کی جبکہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کے فرمان کو پس پشت ڈال دیا۔ انہوں نے وزنوں میں گرائی سے کام لیا۔

فَاجْعَلْ عَذَابَكَ بِالْقَوْمِ الَّذِينَ بَغَوْا وَ عَائِدًا بِكَ أَنْ يَعْلُوا فَيُطْغُونِي
مولا! جنہوں نے بغاوت کی روش اختیار کی ان پر اپنا عذاب نازل فرما۔ اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ مجھ پر غالب آکر مجھے باغی بنادیں۔

فَاجْعَلْ عَذَابَكَ

سیبویہ نے اسے اس فعل کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے جس کے اظہار کو ترک کر دیا ہو۔ اس میں ایک حکمت پنہاں ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر فعل کا اظہار کیا جاتا تو فعل لازماً ماضی یا مستقبل ہوتا۔ ماضی سے

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا ایک اور قصیدہ بھی ہے جس میں وہ قریش کی جلا وطنی کا ذکر کرتے ہیں اور اپنی قوم پر عتاب کرتے ہیں۔

آبَتْ كَبْدِي لَا أَكْذِبَنَّكَ قِتَالَهُمْ عَلَيَّ وَ تَابَاهُ عَلَيَّ أَنَا مِلِّي
میں تجھ سے جھوٹ ہرگز نہ کہوں گا میرا جگر بھی ان کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کرتا ہے
اور میرے ہاتھوں کے پورے بھی ان کے ساتھ معرکہ آزما ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

انقطاع کا وہم پیدا ہوتا ہے جبکہ متکلم کا ارادہ ہے کہ ابھی عائد کے مقام پر ہے۔ ابھی اس کی حالت عوذ ”پناہ لینے“ کی سی ہے۔ مستقبل فعل میں بھی انتظار کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ فعل حال ایک لفظ میں ہی مستقبل کے ساتھ مشترک ہے۔ اس سے غیر عائد کا وہم ہوتا ہے اس لئے وہ منصوب اسم ذکر کیا گیا جو مدعا پر سب سے زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔ عائد اقام اور قاعد کی طرح ہے۔ کوفین اسے دائم کا نام دیتے ہیں۔ عَائِدًا بِكَ يَا رَبِّ کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ اے مولا! میں زمانہ حال میں تیری پناہ کا خواہاں ہوں۔ اس حالت میں اس کا تکلم اور نداء ہی اس کا غاٹل ہے یعنی اَقُولُ قَوْلِي هَذَا عَائِدًا۔ میں یہ بات پناہ حاصل کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ عُدْتُ يَا اَعُوذُ مَحْذُوف نہیں ہے۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ اس کا رب اس کو سن رہا ہے یا اسے پناہ طلب کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔

أَنْ يَعْلُوا

ممکن ہے اس کا مابعد حالت نصب میں ہو یا حالت کسرہ میں ہو۔ اگر فعل کو مضمر مانا جائے تو یہ حالت نصب میں ہوگا کیونکہ شاعر نے ”عَائِدًا“ کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خائف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ أَخَافُ أَنْ يَعْلُوا فَيُطْفَوْنِي۔ اگر حرف جر کو محذوف مانا جائے تو یہ حالت کسرہ میں ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ مِنْ أَنْ يَعْلُوا۔ یہ خلیل اور سیبویہ کا نقطہ نظر ہے۔ ان مخففہ اور ان مشددہ کے متعلق ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً (الانبیاء: ۹۲) میں اَنْ سے پہلے لام محذوف ہے ان دونوں مقامات میں حرف جر کا اضمار جائز ہے اگرچہ حروف جارہ کو محذوف نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ اپنے مابعد کا موصولہ ہوتے ہیں۔ صلہ کے ساتھ اسم طویل ہو گیا۔ تخفیف کرتے ہوئے حرف جر کو حذف کر دیا گیا۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ اَنْ، اَنْ اور اس کے بعد اسم مکسور ہوتا ہے لیکن اس میں کسرہ کا اظہار نہیں ہوتا پھر تو تم نے بغیر کسی اصل کے تعلیل کی بنیاد رکھ دی کیونکہ اس کے بعد کسرہ ثابت نہیں ہوتا۔

وَكَيْفَ قِتَالِي مَعَشَرًا اَدَبُوْكُمْ عَلَى الْحَقِّ اَنْ لَا تَأْشِبُوْهُ بِيَاطِلِ
اس قبیلے کے ساتھ جنگ کیسے ہو سکتی ہے جس نے تمہاری پرورش حق پر کی اور تمہیں نصیحت کی

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ حالت کسرہ میں ہے کیونکہ یہ اس جگہ واقع ہو رہا ہے جہاں صرف وہی اسم واقع ہوتا ہے جو حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ وَاجْدُمَا اَلَا يَعْلَمُوْا اٰحْدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ (توبہ: ۹۷) اور اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ (توبہ: ۱۰۸)۔ اسی طرح ارشاد ربانی ہے: اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا (بقرہ: ۲۸۳) اَجْدُمَا اَلَا يَعْلَمُوْا (توبہ: ۹۷) دراصل بَانَ لَا يَعْلَمُوْا۔ اگر ان سے قبل کوئی فعل ہو تو ہم کہیں گے کہ حرف جر کو حذف کر دیا گیا ہے اور فعل کو متعدی کر کے اسے نصب دی گئی ہے لیکن اَجْدَرُ اور اَحَقُّ دو ایسے اسم ہیں جو عمل نہیں کرتے اسی سے علمائے نحو کو پہچان ہوئی کہ یہ محل کسرہ میں ہے کیونکہ اسے نصب دینے والا عامل موجود نہیں۔ صلہ کی وجہ سے اسم کی طوالت کی وجہ سے جو اس میں تعلیل کرتے ہیں۔ حرف جر کے اضمار نے اسے جائز کیا ہے لیکن دیگر اسمائے موصولہ مثلاً الَّذِي، مَنْ اور مَا۔ اگرچہ یہ صلہ کے ساتھ طویل بھی ہو جائیں پھر بھی ان میں حرف جر کو حذف کرنا جائز نہیں یہ کہنا درست نہیں۔ خَرَجْتُ مَا عِنْدَكَ، وَلَا هَرَبْتُ الَّذِي عِنْدَكَ۔ يَعْنِي مِنَ الَّذِي عِنْدَكَ۔ اسی طرح خَرَجْتُ اَنْ يَوَانِي زَيْدٌ، وَفَرَدْتُ اَنْ يَوَانِي عَمْرُو يَعْنِي مِنْ اَنْ يَوَانِي۔ لِاَنْ يَوَانِي بدل ہے لیکن اس میں علت وہ نہیں جو علماء کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ان مع الفعل اسم محض نہیں ہوتا بلکہ یہ اسم کی تاویل میں ہوتا ہے اسم محض وہ ہوتا ہے جس پر حرف جر دلالت کرتا ہے اسی لئے جب اس پر حرف جر آ رہا ہو تو اس کا اظہار کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اسم اس قابل ہوتا ہے کہ اس پر حروف جارہ داخل ہو سکیں جبکہ ان حرف محض ہے حرف جر کا دخول اس پر جائز نہیں ہے نہ ہی اس فعل پر جائز ہے جو اس کے ساتھ متصل ہو۔ اسے اسم مکسور کہنا بھی درست نہیں کیونکہ یہ اسم مخفوض (مکسور) کی تاویل میں ہوتا ہے۔ اس سے اہل عرب اس کے اور دیگر اسماء کے مابین فرق کرتے ہیں جب اس پر حرف جر اظہار کرتے ہوئے داخل کیا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اسم کی تاویل میں ہے اس میں حرف جر کو مضمّر کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حرف جر حرف پر داخل نہیں ہوتا اور نہ ہی فعل پر داخل ہوتا ہے لفظ ان کی رعایت کرتے ہوئے اس کو ساقط کرنا بہتر ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ محل کسرہ میں ہے کیونکہ کلام کی تاویل اسم مخفوض سے کی گئی ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس میں کسرہ کا اظہار کیا جا رہا ہے یا اسے مبنی تسلیم کیا گیا ہے جس پر کسرہ کا ظہور نہیں ہوتا حتیٰ کہ یہ ان کے مشابہ ہو جائے اور ہم کہیں گے کہ یہ اسم مبنی بر سکون ہے۔ یہ حرف ہے اور حرف پر حرف جر داخل نہیں ہوتا۔ نہ مضمّر نہ مظهر۔ یہ تقدیر فی المعنی ہے تقدیر فی اللفظ نہیں ہے۔

کہ تم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ؟۔

نَفْتَهُمْ عِبَادُ الْجَنِّ مِنْ حَرِّ آرْضِهِمْ فَاضْحَوْا عَلَى أَمْرِ شَدِيدِ الْبَلَابِلِ
جنات کے پجاریوں نے اپنی عمدہ زمین سے انہیں جلا وطن کر دیا جس کی وجہ سے وہ سخت

اسم ان مصدر یہ کی طرف مضاف نہیں ہوتا

جان لینا چاہئے کہ ان جو مصدر کی تاویل میں ہوتا ہے۔ اس کی طرف اسم مضاف نہیں ہوتا یہ کہنا درست نہیں۔ هَذَا مَوْضِعٌ أَنْ تَقْعَدَ۔ کیونکہ یہ اسم نہیں ہے اسمائے مخضہ کی طرف مضاف کیا جاسکتا ہے لیکن اسمائے تاویل کی طرف نہیں۔ اس کی طرف اسم فاعل، نہ بمعنی ماضی، نہ بمعنی مستقبل اور نہ ہی مصدر اس کی طرف مضاف ہوتا ہے مگر مصدر کی ایک صورت ہے مَثَلًا مَخَافَةٌ أَنْ تَقُومَ۔ یہ اس وقت درست ہوگا جب أَنْ اور فعل سے مفعول کا معنی مراد ہو لیکن اگر مصدر کی اضافت فاعل کی مانند ہو تو پھر بھی اضافت جائز نہیں۔ یہ فعل کے ساتھ فاعل اس وقت ہوگا جس وقت اسے اس سے قبل ذکر کیا جائے لیکن مصدر کے ساتھ یہ فاعل نہیں ہو سکتا مگر یہ مصدر اور فعل دونوں کے ساتھ مفعول ہو سکتا ہے اس میں کئی اسرار پنہاں ہیں لیکن یہ مقام ان کی تفصیل کا نہیں ہے میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو اس مقام کے بالکل مناسب ہے۔ میں أَنْ اور کسرہ کا ذکر حرف جر کے اضمار کے ساتھ صرف پیش رو کی تائید کے لئے کرتا ہوں اور اسی پر تعلیل اور تائید کی بنیاد ہے لیکن اگر تقلید کا انکار کر دیا جائے تو پھر اس میں حرف جر کا اضمار درست نہیں بلکہ اس میں فعل مضمر یا فعل مظہر کی وجہ سے نصب درست ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ۔ تو میں اس احق کا لفظ اس امر کا غماز ہے۔ آپ ﷺ کا اس مسجد میں قیام واجب ہے اسی طرح أَحَدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا ہے۔ أَحَدَرُ أَخْلَقُ اور اقْرَبُ کے معنی میں ہے جب ان کے لئے یہ صفت ثابت ہوگئی تو اس کا تقاضا ہے۔ أَلَّا يَعْلَمُوا۔ اس طرح یہ معنی کے اعتبار سے منصوب ہو گیا لیکن اگر مصدر ہو جو اسم محض ہے مثلاً قیام اور علم وغیرہ تو پھر اس فعل کا اضمار درست نہیں ہے کیونکہ أَحَدَرُ اور أَحَقُّ دو اسم ہیں جو اپنے مابعد کی طرف مضاف ہیں لیکن اگر قیام کا ذکر أَحَقُّ کے بعد کیا جائے کہا جائے أَحَقُّ قِيَامًا تَوْ مَعْنَى تَهْدِيلِ ہو جائے گا۔

اگر اسم کو کسی مضمر فعل کی وجہ سے نصب دی جائے تو اس فعل کے اضمار کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اسم اضافت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے یہ اضمار اور نصب سے منع کرتا ہے لیکن اگر یہ اس کے بعد واقع ہو تو پھر یہ اضافت کا تقاضا نہیں کرتا۔ ہم نے یہ نقطہ نظر اس لئے اختیار کیا ہے اور اسے ترجیح اس لئے دی ہے کیونکہ ہم اسے مجرورہ مقامات پر پاتے ہیں لیکن صرف حرف جر کا اضمار درست نہیں ہے مَثَلًا سَرًّا إِلَى

مصائب کا شکار ہو گئے۔

فَإِنْ تَكَ كَانَتْ فِي عَدِيْ اَمَانَةٍ عَدِيْ بِنِ سَعْدٍ عَنْ تُقَىٰ اَوْ تَوَاصِلِ

اگر عدی یعنی عدی بن سعد میں تقویٰ یا صلہ رحمی کی وجہ سے کوئی امانت ہوتی۔

فَقَدْ كُنْتُ اَرْجُوْ اَنَّ ذَالِكَ فِيْكُمْ بِحَسَدِ الَّذِي لَا يُطْبِي بِالْجَعَائِلِ
تو میں امید کرتا کہ وہ صفت تم میں بھی ہوگی۔ میں اس ذات کا شکر ادا کرتا جس سے کسی
مزدوری کی درخواست نہیں کی جاسکتی۔

وَبَدَّلْتُ شَبْلًا شَبْلًا كُلَّ خَبِيْثَةٍ بِذِي فَجَرٍ مَّاوِي الضَّعَافِ الْاَرَامِلِ
مجھے خبیث عورتوں کے بچوں کے بدلے ایسے جوان عطا کئے گئے جو سخاوت کے دھنی اور
کمزور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں۔

اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ یہاں اِلٰی کو حذف کرنا درست نہیں۔ اسی طرح هٰذَا غَمْرٌ مِنْ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا
میں مِنْ کو حذف کرنا جائز نہیں۔ اگر ان کے ساتھ حرف جر سابقہ دونوں اسباب کی وجہ سے ہوتا تو پھر
اس میں یہ جواز مطلق ختم ہو جاتا۔ جب اس کے ساتھ حرف جر ظاہر نہ ہوتا تو یہ مضمحل فعل کا مفعول ہوتا اور
کبھی کبھی فاعل بھی ہوتا لیکن اس وقت اس کا فعل ظاہر ہوتا مثلاً يُعْجِزُنِيْ اَنْ تَقُوْمَ اَمَّا عَرَجَتْ اَنْ
اَدٰی زَيْدًا۔ یہاں ارادہ اور قصد مضمحل ہوگا گویا کہ تیرا ارادہ ہے کہ میں اس کو دیکھوں یا نہ دیکھوں کیونکہ
جو آدمی بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس سے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے لیکن اگر اس کی جگہ مصدر ہو تو
پھر اس کا اضمار درست نہیں کیونکہ مصدر جب متعدی ہوتا ہے تو اس میں افعال ظاہر عمل کرتے ہیں اگر یہ
متعدی نہ ہو تو پھر اس کے ساتھ حرف جر استعمال کیا جاتا ہے۔ اَنْ اور فعل میں نہ تو حواس عمل کرتے ہیں
اور نہ ہی ظاہری اعضاء کے افعال۔ رَأَيْتُ قِيَامَ زَيْدٍ تو کہنا جائز ہے لیکن قِيَام کی جگہ اَنْ يَقُوْمَ کہنا
درست نہیں ہے۔ اسی طرح سَبِعْتُ كَلَامَكَ میں سَبِعْتُ اَنْ تَتَكَلَّمَ کہنا درست نہیں لیکن اس میں
اعمال باطنہ عمل کرتے ہیں مثلاً حَفَفْتُ اِسْتَهَيْتُ اور كَرِهْتُ وغیرہ یا وہ افعال جو اس معنی میں ہوں یا
اس کے قریب المعنی ہوں۔ جب مخاطب اَنْ اور فعل سنتا ہے تو اس کا ذہن فطرتاً انہیں معانی کی طرف
جاتا ہے۔ اگر فعل ظاہر ہو تو الگ بات ہے ورنہ ہم سمجھیں گے کہ یہ مضمحل ہے اور ظاہر فعل اس پر دلالت کر
رہا ہے مگر ان کے علاوہ دیگر اسماء میں یہ درست نہیں۔ جب ان سے پہلے ظاہری اعضاء کے افعال میں
سے کوئی فعل واقع ہو تو یہ استعمال درست ہوگا۔ خواہ وہ متعدی ہو یا حرف جر کے ساتھ متصل ہو اگر فعل
متعدی نہ ہو تو پھر اضمار لفظی ممنوع ہے بلکہ اضمار معنوی ہوگا مگر مفعول لاجلہ میں یہ اضمار لفظی ہوگا۔

حضرت عبداللہ کا دوسرا قصیدہ

وَ تِلْكَ قُرَيْشٌ تَجْحَدُ اللّٰهَ حَقَّهُ
فَإِنَّا أَنَا لَمْ أَبْرِقْ فَلَا يَسْعَنِي
كَمَا حَجَدَتْ عَادُ وَ مَدْيَنُ وَالْحِجْرُ
مِنَ الْآرَضِ بَرٌّ ذُو فَضَاءٍ وَ لَا بَحْرُ

كَمَا حَجَدَتْ عَادُ وَ مَدْيَنُ وَالْحِجْرُ

عاد کا نسب پہلے گزر چکا ہے حجر کوئی امت نہ تھی بلکہ ثمود کے شہر تھے۔ حجر سے مراد اہل حجر ہیں حضرت شعیب علیہ السلام کی امت مدین کہلاتی تھی۔ وہ مدیان بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام قطورا بنت یقطان الکنعانیہ تھا اس کے آٹھ لڑکے ہوئے۔ ہر ایک سے ایک ایک امت کا نسب چلا۔

فَإِنَّا أَنَا لَمْ أَبْرِقْ فَلَا يَسْعَنِي

ابرق سے ہی مبرق بھی ہے۔ علامہ اسمعی کے خلاف اس میں دلیل ہے انہوں نے منع کیا ہے کہ اس طرح کہا جائے۔ اَرْعَدُ و اَبْرِقُ۔ ان کے لئے کیت کا یہ شعر بطور دلیل پڑھا جاتا ہے۔ اَرْعَدُ و اَبْرِقُ يَا يَزِيدُ۔ لیکن وہ اسے اس کی دلیل نہیں مانتے۔ انہوں نے اسے متاخرین محدثین کے ساتھ ملایا ہے۔ جس طرح انہوں نے ذوالرمہ کے قول کے ساتھ اس وقت کیا جب اسے ان کے لئے بطور دلیل پیش کیا گیا۔ ذُو زَوْجَةٍ بِالْبَصْرِ اَمْ ذُو مَخْصُوصَةٍ۔ انہوں نے انکار کیا ہے کہ زوجہ کو ہاء تانیث کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ انہوں نے کہا طَاكَمَا اَكَلَ ذُو الرُّمَةِ الزَّيْتِ فِي حَوَانِيَتِ الْبَقَالَيْنِ۔ ”بعض اوقات ذورمہ نے سبزی فروشوں کی دکانوں سے تیل کھایا ہے۔“ مبرق ”گوہ“ کا بل اس کا بین ثبوت ہے، اَرْعَدُ اور اَبْرِقُ کے الفاظ اس کے علاوہ ایسے مقامات پر مستعمل ہیں جن سے اس پر دلیل قائم کی جاسکتی ہے۔ گوہ کا سوراخ اس معنی کا احتمال ایک اور اعتبار سے بھی رکھتا ہے وہ یہ کہ یہ اَبْرِقُ الْآرَضِ سے مشتق ہو جس کا معنی زمین میں سفر کرنا ہے یہ اَرْعَدُ اور اَبْرِقُ سے مشتق نہ ہو میں نے شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں اسی طرح دیکھا ہے انہوں نے اسے مصعب کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ کہتا الا براق کا معنی ”ذہاب“ جانا ہے۔ ”عین“ میں ہے اَبْرِقَتِ النَّاقَةُ بِذَنْبِهَا۔ اونٹنی نے اپنی دم دائیں بائیں گھمائی۔ زمین میں سفر اسی طرح ہوتا ہے اور اسی کو بروق کہا جاتا ہے۔ نضل بن دارم اپنے بھائی سلیط کو ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ”لَا أَحْسِنُ قَا نَامَكَ وَ لَا تَكْذِبَاكَ تَشُولُ بِلِسَانِكَ شَوْلَانَ الْبَرُوقِ۔“

بَارِضٍ بِهَا عَبْدُ إِلَهِ مُحَمَّدٍ أَبِينُ مَا فِي النَّفْسِ إِذْ بَلَغَ النَّقْرُ
 ”یہ قریش ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ یعنی اس کے حق کا انکار کر دیا۔ جس طرح عاد، مدین اور
 اہل حجر نے انکار کیا تھا۔ اگر میں طویل مسافت طے نہ کرتا تو زمین میں کوئی پر فضا مقام پاسکتا اور
 نہ ہی سمندر میں جگہ ملتی۔ قریش نے اس زمین میں اللہ تعالیٰ کا انکار کیا جس میں اس کا پیارا بندہ
 محمد ﷺ ہے۔ جب بحث مباحثہ کا وقت آتا ہے تو جو کچھ میرے دل میں ہوتا ہے میں اسے
 صاف صاف کہہ دیتا ہوں۔“ حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ان اشعار کی وجہ سے مبرق
 کہا جانے لگا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اپنے چچا زاد بھائی امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ
 بن جمح کو عتاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ امیہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو
 اذیتیں دیا کرتا تھا۔

أَتَيْمَ بْنَ عَمْرِو لِّلَّذِي جَاءَ بِغُضَّةٍ وَ مِنْ دُونِهِ الشَّرْمَانِ وَالْبَرَكُ أَكْتَعَرُ
 اے تیم بن عمرو! اس شخص پر تعجب ہے جو غصہ کے ساتھ آتا ہے، حالانکہ اس کے اور میرے
 درمیان دو سمندر اور انتہائی وسیع میدان ہے۔

أَخْرَجْتَنِي مِنْ بَطْنِ مَكَّةَ آمِنًا وَأَسْكَنْتَنِي فِي صَرْحٍ بَيْضَاءَ تُقْدَعُ
 کیا تو نے مجھے امن کے حصول کے لئے وادی مکہ سے نکال دیا ہے اور مجھے اس قصر بیضاء

يَلِينُ مَا فِي النَّفْسِ إِذْ بَلَغَ النَّقْرُ

مافی النفس کی جگہ مافی الصدر بھی روایت ہے۔ نقر کا معنی بحث کرنا ہے لیکن اس کے لئے اکثر تنقیر
 کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ البرق رضی اللہ عنہ غزوہ طائف میں شہید ہوئے۔ ان کا باپ
 حارث مستقرزمین (مذاق اڑانے والوں) میں سے تھا۔ ان کا دادا قیس قریش کا معزز سردار تھا۔ روایت
 کیا جاتا ہے کہ حضرت عبدالطلب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بچپن میں اس طرح کہتے تھے۔

كَأَنَّ فِي الْعِرِّ قَيْسُ بْنُ عَدِيٍّ فِي دَارِ قَيْسِ النَّدِيِّ يَنْتَدِي
 گویا کہ وہ عزت و آبرو میں قیس بن عدی ہیں وہ قیس جس کے گھر میں محفل سجا کرتی تھی۔

لَامِ تَجِبُ - أَتَيْمَ ابْنِ عَمْرِو لِّلَّذِي جَاءَ بِغُضَّةٍ

اہل عرب اس لام کو تعجب کیلئے استعمال کرتے تھے۔ حضور نبی محترم ﷺ نے فرمایا لَهِذَا الْعَبْدِ
 الْحَبِشِيِّ جَاءَ مِنْ أَرْضِهِ وَسَمَّيْهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي خُلِقَ مِنْهَا۔ اس حبشی غلام پر تعجب ہے

کے پاس رہنے پر مجبور کیا ہے جسے ناپسند کیا جاتا ہے۔

تَرِيشُ نِبَالًا لَا يُوَاتِيكَ رِيشُهَا وَتَبْرِي نِبَالًا رِيشُهَا لَكَ أَجْمَعُ

جو اپنی زمین و آسمان سے اس زمین کی طرف آیا جہاں سے اس کی تخلیق ہوئی۔ “آپ ﷺ نے یہ فرمان اس حبشی غلام کے متعلق فرمایا تھا جسے مدینہ طیبہ میں دفن کیا گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شرکت فرمائی۔ ان کی قبر پر کھڑے ہوئے پھر پیچھے ہٹتے ہوئے فرمایا۔ سُبْحَانَ اللَّهِ لِهَذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ ضُمَّ عَلَيْهِ الْقَبْرُ ثُمَّ فَرَجَ عَنْهُ۔ سبحان اللہ! اس پاکباز بندے پر تعجب ہے جس پر قبر تنگ ہو گئی پھر اسے وسیع کر دیا گیا۔ لَا يُلْفِ قَرْنَيْشٍ۔ کے لام کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ قریش کی محبت پر تعجب کرو۔ بَغْضَةً تَمِيزُ کی وجہ سے منصوب ہے یعنی يَا عَجَبًا لِمَا جَاءَ بِهِ مِنْ بَغْضَةٍ۔ یہ بھی ممکن ہے مفعول لاجلہ ہو۔ علامہ زبیر نے اس مصرعہ کو یوں روایت کیا ہے۔ أَتَيْمُ بْنُ عَمْرِو لِلَّذِي فَارَصَغْنَهُ۔

فِي صَرَحٍ بَيَضَاءٍ تُقْدَعُ

بیضاء کی جگہ بیضاء بھی روایت کیا گیا ہے کہا جاتا ہے بیضاء کشتی کا نام ہے اسی طرح تقْدَعُ بھی روایت کیا گیا ہے اس کا معنی دور کرنا ہے۔ تیم بن عمرو کو جمع اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ زید (سہم) بن عمرو نے اس کے ساتھ دوڑ لگانا چاہی لیکن تیم نے سرکشی کی اس لئے اس کا نام جمع پڑ گیا جبکہ زید اپنی بات پر برقرار رہا اس لئے اس کا نام سہم پڑ گیا۔

مِنْ دُونِنَا شَرِّ مَانٍ

شرم کا معنی سمندر ہے۔ شرمان سے مراد نمکین اور میٹھا سمندر ہے۔ قرآن پاک میں ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ۔ اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو۔ “شَرِّمَ” کا معنی پھاڑنا ہے اسی طرح “بَحَرًا” کا معنی بھی پھاڑنا ہے۔ اسی طرح اس اونٹنی کو “بَحِيرَةٌ” کہتے ہیں جس کے کان چیر دیئے گئے ہوں۔ “الْبَرَكُ” اس زمین کو کہتے ہیں جو انتہائی وسیع ہو وہاں پہاڑ وغیرہ نہ ہوں۔

صَرَحٌ بَيَضَاءٌ سے مراد حبشہ کا شہر ہے۔ “صرح” محل کو کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عثمان کی رہائش نجاشی کے محل کے قریب تھی۔ تُقْدَعُ کا معنی ہے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ جب انسان فحش گوئی کرتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ قَدْ عَ الرَّجُلُ۔ یعنی سر زمین حبشہ کو ناپسند کیا جاتا تھا لیکن میرے نزدیک یہ روایت درست نہیں ہے۔ ہم نے علامہ زبیر کا جو قول پہلے ذکر کیا ہے وہ درست ہے۔

تو ان تیروں کو پر لگا رہا ہے جن کے پر تیرے موافق نہیں ہیں اور تو ان تیروں کو باریک کر رہا ہے جو تیرے لئے میں جمع کرتا ہوں۔

وَ حَارَبْتَ اقْوَامًا كِرَامًا اَعِزَّةً وَ اَهْلَكْتَ اقْوَامًا بِهِمْ كُنْتَ تَضَعُ
تو نے معزز و مکرم اقوام کے ساتھ جنگ چھیڑ رکھی ہے اور تو ان اقوام کو ہلاک کر رہا ہے جن کی
تو پناہ لیتا تھا۔

انساب

ابن اسحاق نے بنو عدی میں سے معمر بن عبد اللہ بن نضلہ کا ذکر کیا ہے ان کے متعلق علی بن مدینی کہتے ہیں کہ وہ معمر بن عبد اللہ بن نافع بن نضلہ ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے نضلہ بن عبد العزی بن حرثان بن عوف بن عبید لیکن شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں ہے کہ وہ نضلہ بن عوف بن عبید بن عوف تھے وہ کہتے ہیں اسے مصعب نے کتاب النسب میں لکھا ہے اسحاق نے بنو عدی میں عروہ بن عبد العزی بن حرثان کا ذکر کیا ہے۔ مصعب کی کتاب میں بھی اسی طرح ہے لیکن انہوں نے عمرو بن ابی اثاثہ یا عروہ بن ابی اثاثہ میں شک کیا ہے اسے ابو عمرو نے کتاب الاستیعاب میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے عروہ بن ابی اثاثہ کا ذکر کیا ہے۔ انہیں ابن اثاثہ بن عبد العزی بن حرثان بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی والدہ ام عمرو بن العاصی تھیں۔

حضرت امام سہیلی فرماتے ہیں ان کی والدہ کا نام لیلیٰ تھا جو نابغہ کے لقب سے مشہور تھیں اس کا تعلق بنو ربیعہ سے تھا جو بنو جلان میں سے تھے۔ ابو عمر فرماتے ہیں انہیں ابن ابی اثاثہ کہا جاتا ہے۔ امام سہیلی فرماتے ہیں۔ ”ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے کہ علامہ مصعب نے اس میں شک کیا ہے۔ وہ عروہ یا عمرو کہتے ہیں۔ علامہ زبیر نے شک نہیں کیا انہوں نے عمرو بن ابی اثاثہ کہا ہے۔“ ابو عمر فرماتے ہیں۔ ابن اسحاق نے ابو معشر اور موسیٰ بن عقبہ کا ذکر نہیں کیا لیکن امام واقدی نے ان کا ذکر کیا ہے۔ امام سہیلی فرماتے ہیں یہ ابو عمر کا وہم ہے۔ ابن اسحاق نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے انہیں ان کے دادا عبد العزی کی طرف منسوب کر دیا ہے اور ان کے باپ ابو اثاثہ کو حذف کر دیا ہے۔ انہوں نے بنو عدی کے مہاجرین میں پانچ کا ذکر کر کے فرمایا۔ اَرْبَعَةُ نَفَرٍ۔ یہ چار اشخاص ہیں۔ ابن اسحاق کو وہم ہوا ہے انہوں نے پانچویں جگہ لیلیٰ بنت ابی حمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح یہ چھ افراد بنتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن اسحاق نے بنو عدی کے حلیف حضرت عامر کو چھوڑ کر چار شمار کئے ہوں لیکن میرا گمان ہے کہ ان کا یہ قصد نہ تھا کیونکہ ابن اسحاق طریقہ یہ ہے کہ حلیف کو مصمیم کے ساتھ شمار کرتے ہیں۔

سَتَعْلَمُ إِنَّ نَابَتَكَ مُلِمَّةٌ وَ أَسْلَمَكَ الْاَوْبَاشُ مَا كُنْتَ تَصْنَعُ
 اگر کبھی تجھ پر ناگہانی آفت آن پڑی اور کمزور لوگوں نے تجھے دشمن کے سپرد کر دیا تو پھر تجھے
 معلوم ہو جائے گا کہ تو کیا کیا کرتا تھا۔ اس جمع کا نام تیم تھا۔

اَسْلَمَكَ الْاَوْبَاشُ

اوباش سے مراد کمینے لوگ ہیں۔ کہا جاتا ہے اَوْشَابٌ وَ اَوْبَاشٌ۔ متفرق درختوں کو بھی اوباش کہا
 جاتا ہے۔ ناخن کے سفید داغوں کو بھی ”اوباش“ کہا جاتا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ابن اسحاق نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند حضرت ابوسلمہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کے
 خاوند مدینہ طیبہ میں وفات پا گئے۔ پھر حضور ﷺ نے انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ ان کا نام ”رملہ“
 تھا۔ ان کے والد کا نام ابوامیہ حذیفہ تھا جو زاد الراکب کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ
 عنہا کے ہاں سرزمین حبشہ میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ
 عنہا کا نام برہ تھا۔ حضور ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا۔ انہیں حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کی
 زوجہ بننے کا شرف ملا۔ یہ بچپن میں ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اس وقت نبی محترم ﷺ
 غسل فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے چہرے پر پانی پھینکا۔ اس پانی کی برکت سے ان کے
 چہرے پر ہمیشہ شادابی رہی حالانکہ ان کی عمر مبارک ایک سو سال کے قریب تھی۔ یہ اپنے عہد کی سب
 سے زیادہ فقیہہ خاتون تھیں۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں ”وَاقِعَةُ الْحَرَّةِ“ کو پایا۔ اس دن ان کے دو
 بیٹے شہید ہوئے۔ ایک کا نام یزید اور دوسرے کا نام کبیر تھا۔ وہ اپنے ایک بیٹے پر روتی تھیں جبکہ
 دوسرے پر گریہ بار نہ تھیں۔ جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں جس فرزند پر آہ و
 فغاں کر رہی ہوں اس نے شمشیر کو بے نیام کیا اور مقاتلہ کیا جس بیٹے پر میں روئی نہیں وہ گھر میں ہی ٹھہرا
 رہا اور جنگ میں حصہ نہ لیا حتیٰ کہ وہ بھی مارا گیا۔

روایت ہے کہ جب پہلی شب حضور ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے
 تو رات کی تاریکی تھی حضرت زینب چھوٹی تھیں وہ حضور ﷺ کے پاؤں کے نیچے آگئیں۔ دوسری
 شب بھی آپ ﷺ تاریکی میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اپنی زینب کا خیال کرنا میں
 کہیں آج بھی اسے روندھ نہ دوں۔“

نجاشی کی قبر پر نور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں ”ہم گفتگو کیا کرتے تھے کہ نجاشی کی قبر پر ہمیشہ ایک نور نظر آتا ہے“ ابو داؤد نے اس حدیث کو سلمہ بن فضل کی سند سے روایت کیا ہے انہوں نے اسے ”النَّوْرُ يُرَى عِنْدَ الشَّهِيدِ“ کے باب میں ذکر کیا ہے لیکن اس حدیث وغیرہ میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ نجاشی کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ میرا گمان ہے کہ وہ اس حدیث سے اس واقعہ کو تقویت دینا چاہتے ہیں جو کتب تاریخ میں ہے سلمان بن ربیعہ کے بھائی عبدالرحمن بن ربیعہ حضرت سے ”النَّوْرُ يُرَى عِنْدَ الشَّهِيدِ“ کے باب میں ذکر کیا ہے لیکن اس حدیث وغیرہ میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ نجاشی کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ میرا گمان ہے کہ وہ اس حدیث سے اس واقعہ کو تقویت دینا چاہتے ہیں جو کتب تاریخ میں ہے سلمان بن ربیعہ کے بھائی عبدالرحمن بن ربیعہ حضرت عمر کے دور میں ایک دروازے پر نگران تھے۔ ترکوں نے انہیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد ان کی قبر پر ہمیشہ ایک نور نظر آتا تھا۔ نجاشی کے واقعہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ نجاشی جو شہید نہیں، اس کی قبر پر نور نظر آتا ہے تو شہید تو اس کے زیادہ مناسب ہے کہ اس کی قبر نور فشاں ہو۔ ارشادِ باری ہے۔

وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ (الحمدید: ۱۹)

اور شہید ہیں ان کے لئے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے اللہ کی جناب میں۔

اہل مکہ کی سفارت

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش مکہ نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے ہیں، وہ سرزمین حبشہ میں پرسکون اور مطمئن بھی ہیں اور انہیں وہاں چین اور قرار بھی نصیب ہو گیا ہے تو انہوں نے باہمی مشاورت کی کہ وہ دوزیر یک انسان نجاشی کے دربار میں بھیجیں، وہ نجاشی سے گفتگو کریں تاکہ وہ انہیں ان کے دین کے متعلق آزمائش میں ڈالیں اور انہیں اس دلیس سے نکلوا دیں جہاں وہ امن و سکون سے مقیم ہیں۔ اس عظیم مقصد کے لئے انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص بن وائل کا انتخاب کیا۔ انہوں نے نجاشی اور اس کے پادریوں کے لئے تحائف جمع کئے پھر انہیں حبشہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جب ابوطالب نے قریش کی یہ رائے سنی اور ان کے وہ تحائف ملاحظہ کئے جو انہوں نے نجاشی کے دربار میں بھیجے تھے تو انہوں نے نجاشی کی ستائش میں اشعار کہے جس میں انہوں نے اس کے

قریش کا نجاشی کے دربار میں اپنے سفیر بھیجنا

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ قریش مکہ نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ کو بطور سفیر بھیجا ان کے ہمراہ نجاشی کے لئے ہدایا بھی بھیجے۔ عبداللہ کا نام بحیر تھا جب انہیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تو نبی محترم ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ ان کے باپ کا نام ابو ربیعہ ذوالرخسین تھا ابن الزبیری ان کے متعلق کہتا ہے۔

بَحِيرُ ابْنُ ذِي الرُّمَحَيْنِ قَرَبَ مَجْلِسِي وَدَاخَ عَلَيْنَا فَضْلُهُ وَهُوَ عَلِيمٌ
”بحیر بن ذورخسین میری محفل کے قریب ہوا اس نے ہم پر اپنا فضل جاری کیا حالانکہ وہ خود شام کو دیر سے آتا تھا“۔ ابو ربیعہ کا نام عمرو تھا۔ ایک قول میں حذیفہ کا بھی ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ کی والدہ کا نام اسماء بنت محربہ تمیمیہ تھا ابو جہل بن ہشام کی ماں بھی یہی تھی۔ یہی عبداللہ، عمر بن عبداللہ شاعر کے والد ہیں۔ یہی بصرہ کے امیر حارث کے بھی والد ہیں۔ یہ حارث حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ”الجند“ کے والی تھے۔ جب انہیں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر بندی کی اطلاع پہنچی تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے آئے لیکن راستہ میں ہی سواری سے گر کر عالم بالا کو سدھار گئے۔

حسن سلوک اور مسلمانوں کا دفاع کرنے پر اس کی تعریف کی۔

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي كَيْفَ فِي النَّأْيِ جَعْفَرُ وَ عَمْرُو وَاعْدَاءُ الْعَدُوِّ الْآقَارِبُ
کاش میں جان سکتا کہ جعفر اور عمرو دوری میں کیسے ہیں؟ سب سے سخت دشمن وہ ہوتا ہے جو
قریبی رشتہ دار ہوتا ہے۔

وَهَلْ نَالَتْ أَفْعَالُ النُّجَاشِيِّ جَعْفَرًا وَأَصْحَابَهُ أَوْ عَاقَ ذَلِكَ شَاغِبُ
کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں نے نجاشی کے عمدہ افعال کو پایا ہے یا کسی فتنہ خیز نے اس میں
رکاوٹ ڈال دی ہے۔

تَعَلَّمْ- أَبَيْتَ اللَّعْنَ- أَنْكَ مَا جِدَّ كَرِيمٌ فَلَا يَشْقَى لَدَيْكَ الْمُبَانِبُ
اے نجاشی! اللہ تعالیٰ تمہیں لعنت سے بچائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم کریم اور بزرگ ہو اور
تمہارے سایہ میں پناہ لینے والے بد بخت نہیں ہو سکتے۔

تَعَلَّمْ بَانَ اللَّهِ زَادَكَ بَسْطَةً وَأَسْبَابُ خَيْرٍ كُلُّهَا بِكَ لَا ذَبَّ
تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوت دی ہے اور تمہیں بھلائی کے تمام
اسباب میسر ہیں۔

وَأَنَّكَ فَيَضُ ذُو سِجَالٍ غَزِيرَةً يَنَالُ الْآعَادَى نَفْعَهَا وَالْآقَارِبُ
تم وہ دریا ہو جس کے دونوں کنارے پانی سے لبریز ہیں جس سے دشمن اور دوست تمام پانی

عمارہ بن ولید بن مغیرہ

عبداللہ اور عمرو کے ساتھ عمارہ بھی تھا یہ وہی عمارہ ہے جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابو
طالب کو اسے ہی پیش کر کے کہا گیا تھا۔ ”محمد (فداہ روجی) کے بدلے عمارہ لے لو اور محمد ﷺ کو ہمارے
سپردہ کر دو تا کہ ہم انہیں قتل کر دیں۔“ عمارہ ایک حسین و جمیل جوان تھا۔ مورخین نے ذکر کیا ہے کہ قریش
نے اسے بھی عمرو کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا تھا لیکن ابن اسحاق نے یہ نہیں لکھا انہوں نے یونس کی
روایت میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن وہ تذکرہ ایک دوسرے واقعہ میں ہے۔ شاید یہ بھیجنا دوسری مرتبہ ہو جس
کا ذکر عنقریب آئے گا۔ علامہ ابوالفرج الاصبہانی نے اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے انہوں نے ذکر
کیا ہے کہ عمرو نے اپنی بیوی کے ساتھ یہ سفر کیا جب وہ کشتی پر سوار ہوئے تو عمارہ اور عمرو کی بیوی ایک
دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ انہوں نے عمرو سے جان چھڑانے کے لئے سوچا۔ عمرو کو دھکا دے کر
سمندر میں پھینک دیا۔ اس نے تیرنا شروع کیا۔ اہل سفینہ کو صدا دی جنہوں نے اسے پکڑ لیا اور اپنی کشتی

حاصل کر رہے ہیں۔

ابن اسحاق نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔ ”جب ہم سرزمین حبشہ میں گئے تو ہم بہترین ہمسایہ نجاشی کے پڑوس میں فروکش ہوئے۔ ہمارا دین محفوظ ہو گیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ہمیں کسی قسم کی اذیت نہیں دی جاتی تھی ہم کسی سے کوئی ناپسندیدہ بات نہیں سنتے تھے۔ جب قریش کو ہماری اس حالت کا علم ہوا تو انہوں نے باہم مشاورت کی انہوں نے طے پایا کہ وہ دو دانا آدمی نجاشی کے دربار میں بھیجیں۔ انہوں نے نجاشی کے لئے وہ تحائف اور ہدایا بھیجے جو مکہ مکرمہ میں نایاب تصور کئے جاتے تھے۔ ان تحائف میں سے سب سے زیادہ تعجب خیز تحفہ ”چمڑے“ تھے۔ قریش مکہ نے بہت سے چمڑے جمع کئے۔ انہوں نے ہر پادری کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور رکھا پھر یہ تمام اشیاء عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کے حوالے کیں اور انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”نجاشی سے مسلمانوں کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے ہر پادری کو تحفہ پیش کر دینا۔ پھر نجاشی کو اس کے تحائف پیش کرنا پھر اس سے التجاء کرنا کہ وہ مسلمانوں سے گفتگو کئے بغیر انہیں تمہارے سپرد کر دے۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”وہ دونوں مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ نجاشی کے دربار میں پہنچے۔ ہم نجاشی کے سایہ میں عمدہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ عمرو اور عبد اللہ نے نجاشی

میں سوار کر لیا۔ عمرو نے اس واقعہ کو چھپائے رکھا اور عمارہ کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا بلکہ اس نے اپنی بیوی سے کہا اپنے چچا زاد کا بوسہ لو تا کہ وہ اپنے دل میں مسرت محسوس کرے۔ جب وہ سرزمین حبشہ میں آئے تو عمرو نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا۔ اس نے عمارہ سے کہا ”میں نے بنو سہم کو لکھا ہے کہ وہ تجھے میرے خون سے بری کر دیں تو بھی بنو مخزوم کو لکھ دے کہ وہ مجھے تیرے خون سے بری کر دیں، حتیٰ کہ قریش کو معلوم ہو جائے۔ ہم موسم گرما یہیں گزار لیں۔“ جب عمارہ نے بنو مخزوم کی طرف لکھا تو انہوں نے بنو سہم کے لئے اس کا خون معاف کر دیا۔ قریش کے ایک بزرگ نے کہا قسم بخدا! عمارہ قتل ہو گیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ عمرو کی سازش ہے پھر عمرو، عمارہ کو نجاشی کی عورت پر اکساتا رہا۔ اس نے عمارہ سے کہا۔ ”تو ایک حسین نوجوان ہے یہ عورتیں خوبصورت مردوں کو پسند کرتی ہیں۔ شاید وہ عورت ہماری حاجت کو پورا کرنے کے لئے بادشاہ سے سفارش کرے۔“ عمارہ اس کے دام میں پھنس گیا۔ جب عمرو نے عمارہ کا بادشاہ کی بیوی کے پاس بار بار جانا دیکھا اور اس عورت کا جھکاؤ بھی عمارہ کی طرف دیکھا تو وہ ناصح بن کر بادشاہ کے پاس آیا۔ اس نے بادشاہ کو ایسی علامات بتائیں جس سے اسے یقین ہو گیا۔

سے گفتگو کرنے سے پہلے ہر پادری کو تحفہ دیا اور اس سے کہا۔ ”ہم میں سے چند احمق جوان بھاگ کر بادشاہ کے ملک میں آ گئے ہیں انہوں نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے۔ انہوں نے تمہارا دین بھی اختیار نہیں کیا، انہوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جس سے نہ ہم آشنا ہیں نہ تم آگاہ ہو۔ ان کی قوم کے سرداروں نے ہمیں بادشاہ کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ انہیں واپس کر دے۔ جب ہم ان کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کریں تو تم اسے یہ مشورہ دینا کہ وہ ان سے گفتگو کیے بغیر ہی انہیں ہمارے حوالے کر دے۔ ان کی قوم نسب کے اعتبار سے ان سے بلند تر ہے۔ وہ ان پر جو عیب جوئی کرتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں“ تمام پادریوں نے ان کی حمایت کرنے کی حامی بھری، پھر انہوں نے نجاشی کو تحائف پیش کئے۔ نجاشی نے ان سے تحائف قبول کر لئے پھر انہوں نے اس سے یوں گفتگو کی۔ ”اے شاہِ ذی شان! ہمارے چند احمق جوان آپ کے ملک میں گھس آئے ہیں، انہوں نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا ہے۔ انہوں نے آپ کے دین کو بھی نہیں اپنایا۔ انہوں نے ایک نیا دین ایجاد کر لیا ہے۔ ان کے دین سے نہ ہم آشنا ہیں نہ آپ۔ ان کی قوم کے سرداروں، اقارب اور قبائل نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں واپس لوٹا دیں۔ وہ حسب و نسب میں ان سے برتر ہیں وہ جوان پر عیب لگاتے ہیں وہ ان سے بھی آگاہ ہیں۔“ عبداللہ اور عمرو کے نزدیک اس سے بری اور کوئی چیز نہ تھی کہ بادشاہ ان کا کلام سنے۔

عمارة پہلے وہ نشانیاں عمرو کو بتاتا تھا۔ سب کچھ سن کر بادشاہ کو بہت زیادہ غیرت آئی اس نے کہا اگر عمارة میرا پڑوسی نہ ہوتا تو میں اسے قتل کر دیتا لیکن میں اس سے وہ سلوک کروں گا جو قتل سے بھی عبرتناک ہوگا۔ نجاشی نے جادو گروں کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ عمارة پر جادو کر دیں۔ جادو گروں نے اس کی شرمگاہ پر ایسی پھونک ماری جس سے وہ چہرے بل اڑنے لگا۔ وہ اڑتے اڑتے پہاڑوں پر وحشی جانوروں سے جا ملا جو شخص بھی اسے دیکھتا وہ راہ فرار اختیار کرتا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں کا آخری دور تھا اس کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن ربیعہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تاکہ وہ عمارة کو تلاش کر سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اجازت دے دی۔ عبداللہ سرزمین حبشہ میں گیا، عمارة کو بہت زیادہ ڈھونڈا ہر جگہ اسے تلاش کیا ہر شخص سے اس کے متعلق پوچھا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ ”احیل“ کے مقام پر ہے۔ وہ وحشی جانوروں کے ہمراہ وہاں آتا ہے اور ان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ عبداللہ ”احیل“ کی طرف گیا، اس کا راستہ پانی سے بھر پور تھا اس نے اچانک عمارة کو دیکھ لیا اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، وہ

بادشاہ کے حاشیہ نشیں پادریوں نے کہا۔ ”اے شاہِ ذی مرتبت! یہ سچ کہہ رہے ہیں ان کی قوم ان سے خوب آشنا ہے۔ آپ ان کو ان کے سپرد کر دیں۔“ ان کی یہ گفتگو سن کر نجاشی غصہ میں ہو گیا اور کہنے لگا پھر تو میں مسلمانوں کو ان کے سپرد ہرگز نہیں کروں گا۔ اس قوم کو دوسروں کے حوالے کیسے کیا جاسکتا ہے جو میرے پڑوس میں خیمہ زن ہوئے ہوں جو میرے شہروں میں فروکش ہوئے ہوں اور جنہوں نے دیگر شہنشاہوں کو چھوڑ کر مجھے اختیار کیا ہو؟ میں انہیں اپنے دربار میں بلاؤں گا اور جو یہ دونوں ان کے متعلق کہہ رہے ہیں اس کے بارے ان سے سوال کروں گا اگر وہ اسی طرح ہوئے جس طرح ان دونوں نے کہا ہے تو میں انہیں ان کے سپرد کر دوں گا۔ انہیں ان کی قوم میں لوٹا دوں گا لیکن اگر وہ ایسے نہ ہوئے تو میں ان کا تحفظ کروں گا اور جب تک وہ میرے پڑوس میں رہیں گے میں ان پر احسان کرتا رہوں گا۔“

مہاجرین اور نجاشی کے مابین مکالمہ

پھر نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ جب مسلمانوں کے پاس اس کا قاصد آیا تو مسلمان باہمی مشاورت کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا ”جب تم نجاشی کے پاس جاؤ تو تمہیں کیا کہنا چاہئے؟“ صحابہ کرام نے کہا ”اللہ کی قسم! ہم وہی کچھ کہیں گے جو ہمارے علم میں ہے اور جس کا ہمیں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔“ جب مسلمان نجاشی کے دربار

شیطان کی مانند دکھائی دیتا تھا، عبد اللہ نے اسے پکڑ لیا، اس سے رحم کی التجاء کی، مہربانی کی درخواست کی لیکن عمارۃ پر برابر لرزہ طاری رہا وہ کہنے لگا ”اے بکیر! مجھے چھوڑ دے اے بکیر! مجھے چھوڑ دے“ لیکن عبد اللہ نے اسے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ عمارہ اس کے سامنے ہی مر گیا۔ یہ ایک طویل واقعہ ہے لیکن مؤرخین نے اس کا تذکرہ اختصار سے کیا ہے۔ علامہ ابوالفرج نے اس کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔

اصحابِ ہجرت کی نجاشی سے گفتگو

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کو ابن اسحاق نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کی گفتگو میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس میں ایک فقہی مسئلہ ”وطن سے خروج“ ہے۔ یعنی وطن چھوڑنا جائز ہے اگرچہ وطن مکہ معظمہ ہی کیوں نہ ہو۔ جب کہ یہ خروج دین کو بچانے کے لئے ہو اور اگرچہ یہ خروج اسلام کی طرف نہ بھی ہو۔ اہل حبشہ عیسائی تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے تھے وہ انہیں اللہ کا بندہ نہیں کہتے تھے لیکن اس نے باوجود ان مسلمانوں کو مہاجرین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی وہ دو ہجرتوں

میں پہنچے تو نجاشی نے اپنے پادریوں کو بلا لیا۔ انہوں نے اپنی اپنی کتابوں کو کھول لیا۔ بادشاہ نے مسلمانوں سے سوال کیا۔ ”وہ کون سا دین ہے جس سے تم نے اپنی قوم کی جمعیت کو بکھیر کر رکھ دیا ہے تم نہ تو میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ ہی دیگر ادیان میں سے کسی دین کو اختیار کیا ہے؟“ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے بادشاہ سے کہا۔ ”اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، ہم بت پرستی کرتے تھے، ہم مردار کھاتے تھے، ہم برائیوں میں مبتلا تھے، ہم صلہ رحمی کو منقطع کرتے تھے، ہم پڑوسیوں کے حقوق سے نا آشنا تھے، ہم میں سے قوی، ضعیف کو ہڑپ کر جاتا تھا، ہم ان ہی برائیوں پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہماری طرف ایک رسول بھیجا، ہم ان کا نسب، صدق، امانت اور عفت جانتے ہیں انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا تا کہ ہم اس کی توحید کو تسلیم کریں، اس کی پوجا کریں اور ان بتوں اور پتھروں کو چھوڑ دیں جن کی ہم اور ہمارے آباء پوجا کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے، حرام چیزوں سے رکنے، خون ریزی سے بچنے اور برائیوں سے رکنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، پاکباز خواتین پر تہمت نہ لگائیں۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی

والے لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا السَّابِقُونَ الْآوَلُونَ۔ سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے۔“ اس آیت کی تفسیر میں ہے۔ ”یہ وہ بلند بخت لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، جنہوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک قول کے مطابق ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان میں شامل ہوئے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت کی وجہ سے ان کی کس طرح تعریف کی حالانکہ وہ بیت اللہ سے نکل کر دار کفر کی طرف گئے تھے کیونکہ ان کا یہ فعل ان کے مذہب کے تحفظ کے لئے تھا، انہیں امید تھی کہ وہ وہاں یکسوئی سے اپنے رب کی عبادت کر سکیں گے۔ امن و اطمینان کے ساتھ اس کی یاد کی شمع جلا سکیں گے۔ جب شہر میں برائی کا غلبہ ہو تو یہی حکم ہوگا۔ جب حق کے لئے مؤمن کو اذیت دی جائے۔ وہ دیکھے کہ باطل حق کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ اسے یہ امید ہو کہ وہ کسی دوسرے شہر میں اپنے دین کو محفوظ رکھ سکے گا۔ وہ اپنے رب کی عبادت آسانی سے کر سکے گا تو پھر اس مؤمن کے لئے خروج لازمی ہو جاتا ہے۔ یہ وہ ہجرت ہے جس کا انقطاع قیامت تک نہ ہوگا۔

وَاللَّهُ الْمَشْرِقِيُّ وَالْمَغْرِبِيُّ فَأَيُّ كَيْفَاتِهِ لَكُمْ وَجْهَ اللَّهِ ۖ (البقرہ: ۱۱۵)

”اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی سوجد ہر بھی تم رخ کرو وہیں ذاتِ خداوندی ہے۔“

کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ انہوں نے ہمیں نماز ادا کرنے، زکوٰۃ دینے اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔“
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے تمام احکامات کو بیان کیا پھر کہا۔ ”ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے، بارگاہ ربوبیت سے وہ جو کچھ لے کر آئے ہم نے اس کی اتباع کی، ہم نے خدائے یکتا کی عبادت کی، ہم نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا، جو کچھ نبی اکرم ﷺ نے ہم پر حرام کیا ہم نے اسے حرام سمجھا جو کچھ انہوں نے حلال کیا ہم نے اسے حلال سمجھا۔ ہماری قوم ہمارے مخالف ہو گئی۔ انہوں نے ہمیں مصائب میں ڈالا۔ ہمارے دین کے متعلق ہمیں آزمائش میں ڈالنا کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بتوں کی پوجا کی طرف دوبارہ لوٹا دیں۔ ہم ان خباثت کو دوبارہ حلال سمجھنے لگیں جنہیں ہم پہلے حلال سمجھتے تھے۔ جب انہوں نے ہم پر ظلم کیا، ستم ڈھایا ہمارے لئے زمین کی وسعتوں کو تنگ کر دیا۔ ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہوئے۔ تمہارے وطن کی

ضویٰ إِلَيْكَ فِتْنَةٌ۔ تمہاری طرف انہوں نے پناہ لی ہے۔ ضویٰ کا معنی لاغر ہونا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔
فَتَى لَمْ تَلِدْهُ بِنْتُ عَمِّ قَرِيْبَةٍ فَيَضْوِي وَ قَدْ يَضْوِي رَوِيْدُ الْغَرَائِبِ
وہ ایسا جوان ہے جسے قریبی چچا کی بیٹی نے جنم نہیں دیا کہ وہ کمزور ہو۔ اجنبی عورتوں کے بچے بہت کم کمزور ہوتے ہیں۔

حدیث مبارک ہے اِغْتَرَبُوا لَا تَضَوْا۔ اجنبی خاندان میں شادی کرو اور کمزوری نہ دکھاؤ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں شادی بچے میں کمزوری کا سبب بنتی ہے اس سے دل میں ناتوانی آتی ہے۔ زاجر کہتا ہے۔

اِنَّ بِلَالًا لَّمْ تَشِيْنُهُ اُمُّهُ لَمْ يَتَّسَبْ خَلَّةً وَ عَمَّهُ
بلال کو ان کی والدہ نے عیب نہیں لگایا اور نہ ہی ان کے خالو اور چچا نے ان سے مشابہت کی ہے۔

اللہ رب العزت کی طرف آنکھ کی اضافت

قَوْمُهُمْ اَعْلٰی بَيْنَهُمْ عَيْنًا۔ ان کی قوم ان سے خوب آشنا ہے۔ دیگر اقوام سے ان کی اپنی قوم ان کے حالات سے خوب واقف ہے۔ اس مقام پر ”عین“ رویت اور بصارت (دیکھنے) کے معنی میں ہے اس سے انسانی عضو ”آنکھ“ مراد نہیں ہے۔ انسانی عضو آنکھ کو عین مجازاً کہا جاتا ہے کیونکہ اس مقام سے مشاہدہ کیا جاتا ہے کسی چیز کے دیکھنے کو عَيْنُهُ يَعِيْنُهُ عَيْنًا استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ مشہور یہ ہے کہ یہ عَيْنٌ، يُعَيِّنُ، مُعَيِّنَةٌ استعمال ہوتا ہے اس سے مراد آنکھ سے مشاہدہ کرنا ہوتا ہے۔ ہم نے اس

طرف آنے پر مجبور کیا ہم نے دیگر ممالک کو چھوڑ کر تمہارے وطن کو اختیار کیا، تمہارے پڑوس کو پسند کیا اور اے بادشاہ والا تبار! ہم امید کرتے ہیں کہ تمہارے ملک میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔“

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تمہارے پاس اس پیغام میں سے کچھ ہے جو نبی محترم ﷺ پر ان کے رب کی طرف سے آیا؟“ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہاں! نجاشی نے کہا مجھے اس میں سے کچھ سناؤ۔“ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں جنہیں سن کر نجاشی رونے لگا حتیٰ کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، اس کے پادری بھی گریہ بارہو گئے۔ ان کے مصاحف آنسوؤں سے بھیگ گئے پھر نجاشی نے کہا۔ ”اللہ کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں وہ ایک ہی چراغ سے نکلے ہیں“ پھر اس نے سفیرانِ قریش کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم چلے جاؤ میں انہیں تمہارے سپرد ہرگز نہیں کروں گا۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”جب قریش کے دونوں سفیر نجاشی کے دربار سے نکلے تو عمرو بن عاص نے کہا۔ ”قسم بخدا کل میں ایسی چال چلوں گا جس سے میں مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دوں گا۔“ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے اس سے کہا۔ وہ قدرے رحمدل شخص تھا۔ ”اگرچہ وہ ہمارے مخالف ہیں مگر پھر بھی ہمارے رشتہ دار ہیں اس لئے کوئی ایسی چال نہ چلنا جس سے انہیں نقصان ہو۔“ عمرو نے کہا ”اللہ کی قسم! میں نجاشی کو بتاؤں گا کہ مسلمان گمان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام اللہ کے بندے ہیں۔“ دوسرے دن سفیر نجاشی کے دربار میں

بحث کا آغاز اس لئے کیا ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ وضع کے اعتبار سے عین صفت ہے کسی عضو کا نام نہیں جب اسے ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو یہ حقیقی معنی میں استعمال ہوتی ہے جس طرح کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا بَعِثِ اللّٰہُ مَہْوَآئِکَ وَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ قُرْءٰیْنِ۔ قرآن پاک میں ہے لِتَضَنَّ عَلٰی عَیْنِی۔ ہم نے ”مسائل مفردات“ میں اس مسئلہ پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اس میں اس شخص کا بھی رد ہے جو عین کے تشبیہ کو اس وقت جائز قرار دیتا ہے جب اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو وہ اسے ”یدین“ دو ہاتھوں پر قیاس کرتا ہے، اس میں اس شخص کا بھی رد ہے جو اس حدیث شریف سے استدلال کرتا ہے اِنَّ دَبَّکُمْ لَیْسَ بِاَعُوْدَ تمہارا پروردگار بھیجنا نہیں ہے، ہم نے اس میں ایسے دلائل ذکر کئے ہیں جن میں دلی اطمینان ہے ہم نے دجال کے بھینگے کے متعلق مختلف معانی کا تذکرہ کیا ہے وہاں سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

پہنچے اور اس سے کہنے لگے ”اے بادشاہ! مسلمان حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے متعلق ایک بہت بڑی بات کرتے ہیں۔ آپ ان کی طرف پیام بھیجیں اور ان سے اس عقیدہ کے متعلق سوال کریں۔“ بادشاہ نے مہاجرین کی طرف پیام بھیجا۔“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”اس دن جتنی پریشانی اور اضطراب ہم نے کبھی نہیں دیکھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشاورت کے لئے جمع ہوئے وہ کہنے لگے ”اگر نجاشی نے ہم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال کیا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہئے؟ انہوں نے یہ طے کیا قسم بخدا ہم ان کے متعلق وہی کہیں گے جو اللہ رب العزت نے ان کے متعلق فرمایا ہے اور جو کچھ نبی محترم ﷺ نے ہمیں فرمایا ہے اس کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو۔“ جب مسلمان دربارِ نجاشی میں داخل ہوئے تو نجاشی نے ان سے پوچھا ”حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے متعلق تمہارا عقیدہ کیا ہے؟“ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمیں نبی اکرم ﷺ نے بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری اور پاکباز مریم کی طرف پھینکا تھا۔“

کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا معنی

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ ”وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔“ کلمہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی طرح کہا جس طرح اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس وقت کہا تھا جب انہیں مٹی سے تخلیق کیا پھر کہا کن ”ہو جا“ فیکون ”پس وہ ہو گئے۔“ فَيَكُونُ کی جگہ فَكَانَ نہ کہتا تا کہ فعل کا قول سے کچھ دیر بعد وقوع کا وہم نہ ہو بلکہ وہ فوراً ظہور پذیر ہو گئے۔ فَيَكُونُ قول کے کہنے کے فوراً بعد ہی فعل کے وقوع کا شعور دلاتا ہے اس میں تقدیم و تاخیر ممکن نہیں۔ کلمہ کا یہ معنی ہے جہاں تک روح کا تعلق ہے تو کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام طاہرہ، مقدسہ کے گریبان میں روح القدس کی پھونک تھے۔ قدس سے مراد ہر معیوب اور ناپسندیدہ شئی سے طہارت ہے یا ہر اس چیز سے پاکیزگی ہے جس کو نفس گندہ سمجھے یا شرع ناپسند کرے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو روح القدس اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی تخلیق منی سے نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ شہوت سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت تشریفیہ کے ساتھ منسوب ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تخلیق بارگاہِ قدسیہ سے ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صدور ان سے ہوا اس معنی کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ”روح اللہ“ ہیں نفع کو بھی روح کہا جاتا ہے جس طرح ذوالرمد آگ کی تعریف میں کہتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”بادشاہ نے اپنا ہاتھ زمین کی سمت بڑھایا اور وہاں سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہنے لگا۔ ”اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس تنکا کی مقدار بھی زیادہ نہیں ہیں۔“ نجاشی کی یہ بات سن کر اس کے حاشیہ نشیں پادری ناک سے آوازیں نکالنے لگے، بادشاہ نے پادریوں سے مخاطب کر کے کہا ”تم خواہ مخواہ آوازیں نکال رہے ہو، اللہ کی قسم! اِذْهَبُوا فَانْتُمُ شُيُومٌ بَارِضِي۔ مہاجرین! تم میری مملکت میں امن میں ہو جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ ہوگا۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ ہوگا۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر جرمانہ ہوگا۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے سونے کا ایک پہاڑ دیا جائے اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو اذیت دوں۔“ بادشاہ نے غلاموں سے کہا ”ان کے تحائف اور ہدیے واپس کر دو۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کی قسم! جب اللہ تعالیٰ نے مجھے میرا وطن لوٹایا تھا اس نے مجھ سے کوئی رشوت نہ لی تھی کہ اب میں اس میں رشوت لینا شروع کر دوں۔ اس وقت اس نے میرے متعلق لوگوں کی بات نہ مانی تھی، اب میں اس کے معاملہ میں لوگوں کی اطاعت کیوں کروں۔“ سفیرانِ قریش ملول ورسوا ہو کر نجاشی کے دربار سے نکل گئے۔ ان کے تحائف انہیں واپس کر دیئے گئے اور ہم نجاشی کے پڑوس میں امن و عافیت سے رہنے لگے۔“

مہاجرین حبشہ اور نجاشی کی مدد

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”ہم اسی طرح امن و آشتی سے رہ رہے تھے کہ

فَقُلْتُ لَهُ اَرْفَعَهَا اِلَيْكَ وَ اَحْيِهَا بِرُوحِكَ وَاَقْدِرُ لَهَا قِيَمَةً بَدْرًا
میں نے اس سے کہا میں اس آگ کو تیری طرف بلند کرتا ہوں اسے تیری پھونک سے حیات
نو دیتا ہوں پھر میں اس سے جلدی جلدی قیمت (ایک دانہ) پکا لیتا ہوں۔
میں روح القدس کے متعلق اس کلام کو نفع کو روح کہنے کو اس بحث کے ساتھ متصل کرتا ہوں
جو میں حقیقت روح میں بیان کیا تھا گویا کہ یہ اس کا کلمہ ہے۔

الشُّيُومُ۔ ابن ہشام نے ”شیوم“ کی شرح امن و امان سے کی ہے ممکن ہے یہ لفظ لغت
حبشیہ کا ہو اور مشتق نہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی اصل عربی میں ہو یہ ممکن ہے کہ یہ بِشْمَتِ
السَّيْفِ سے مشتق ہو جس کا معنی تلوار کو نیا میں ڈالنا ہے۔ جب تلوار نیا میں ہو تو امن و سکون
کی علامت ہوتا ہے، یا یہ کہ انسان اسی طرح محفوظ ہوتا ہے جس طرح تلوار اپنے نیا میں محفوظ
ہوتی ہے۔

اجانک حبشہ کا ایک شخص اٹھا وہ نجاشی کی سلطنت کے متعلق اس سے لڑنے لگا، اس وقت ہم جتنے غمگین و حزین تھے اتنے غمگین پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ ہمیں یہ خوف دامن گیر تھا کہ اگر وہ شخص نجاشی پر غالب آ گیا تو ممکن ہے اقتدار اس شخص کو مل جائے جو ہمارے حقوق سے نا آشنا ہو جس طرح کہ نجاشی ان کی پاسداری کرتا تھا۔ نجاشی اس باغی کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا ان کے مابین دریائے نیل کا پاٹ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔ ”ایسا شخص کون ہے جو دریائے دوسری طرف جائے اور آج کا معرکہ ملاحظہ کرے پھر ہمیں وہاں کے حالات بتائے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا تم.....؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت پوری قوم سے کم عمر تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشکیزہ کو ہوا سے بھرا اسے ان کے سینے کے نیچے رکھا وہ اس پر تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پہنچ گئے جہاں نجاشی اور باغی نے معرکہ آزما ہونا تھا۔“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”ہم اللہ تعالیٰ سے برابر دعا مانگ رہے تھے کہ نجاشی دشمن پر غالب آ جائے اور اسے اس کے ملک میں تسلط مل جائے۔ ہم منتظر تھے کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے اتنے میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے آئے۔ انہوں نے اپنے کپڑے سنبھالتے ہوئے کہا۔ ارے! خوشیاں مناؤ، نجاشی کو فتح ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو برباد کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو غلبہ عطا فرمایا ہے۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”قسم بخدا! اتنی مسرت ہمیں کبھی پہلے نہیں ہوئی تھی۔ نجاشی میدان و غا سے واپس آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو برباد کر دیا اس کو اس کے شہروں پر تسلط نصیب ہوا۔ حبشہ کے معاملات کو استحکام نصیب ہوا۔ ہم وہاں فرحان و شاداں رہنے لگے حتیٰ کہ ہم بارگاہ رسالت میں اس وقت حاضر ہو گئے جب آپ ﷺ مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے۔“

نجاشی کے حبشہ پر تسلط کی داستان

ابن اسحاق نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ نجاشی کے اس قول کا مفہوم کیا ہے؟ ”اللہ تعالیٰ نے اس وقت مجھ سے کوئی رشوت نہ لی تھی

النجاشی اصحمہ

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کا ملک

جب اس نے مجھے میرا ملک لوٹایا تھا کہ میں آج اس میں رشوت لینا شروع کر دوں۔ اس نے میرے بارے میں لوگوں کی بات نہ مانی تھی کہ میں آج اس کے متعلق لوگوں کی باتیں مانوں۔“ حضرت عروہ نے فرمایا ”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بیان کیا ہے کہ نجاشی کا باپ اپنی قوم کا بادشاہ تھا۔ نجاشی کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ نجاشی کا ایک چچا تھا جس کے بارہ لڑکے تھے۔ وہ حبشہ کی مملکت کے آفیسر تھے۔ اہل حبشہ نے مشاورت کی۔ ”اگر ہم نجاشی کے باپ کو قتل کر دیں اور اس کے بھائی کو اقتدار دے دیں۔ نجاشی کے علاوہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے جبکہ اس کے بھائی کے بارہ بیٹے ہیں تو ملک نسل در نسل ان کے پاس رہے گا۔ اہل حبشہ نے نجاشی کے باپ کو قتل کر دیا۔ اس کے بھائی کو شہنشاہ بنالیا۔ اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا۔ نجاشی اپنے چچا کی

واپس لوٹایا تھا۔ اس کی قوم نے اسے فروخت کر دیا تھا۔ جب حبشہ کے معاملات بگڑ گئے تو انہوں نے نجاشی کو اس کے مالک سے واپس لے لیا۔ حدیث کا ظاہر تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل حبشہ نے تاجر سے اس کے وطن پہنچنے سے پہلے ہی نجاشی لے لیا تھا۔ وہ اس کی جستجو میں نکلے اور انہیں تاجر مل گیا لیکن اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ اس کا مالک ایک عرب تاجر تھا۔ اس نے نجاشی کو طویل عرصہ تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا۔ اہل حبشہ کا دنگا فساد بھی اسی امر کا متقاضی ہے کہ نجاشی مدت دراز تک حبشہ سے غائب رہا۔ روایت ہے کہ جب غزوہ بدر رونما ہوا تو اس کی خبر نجاشی تک مہاجرین حبشہ سے پہلے پہنچی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ جب مسلمان اس کے دربار میں پہنچے تو اس نے اون کا لباس پہن رکھا تھا وہ مٹی اور راکھ پر بیٹھا تھا۔ مسلمانوں نے بادشاہ سے پوچھا اے شہنشاہ والا نژاد! آپ نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ بادشاہ نے کہا انجیل میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر انعام فرمائے تو بندے پر واجب ہے کہ وہ اپنے اللہ کے لئے تواضع کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اور تم پر بہت بڑا انعام فرمایا ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ نبی اکرم ﷺ وادی بدر میں اپنے دشمن سے نبرد آزما ہوئے ہیں۔ اس وادی میں پیلو کے درخت بہت زیادہ تھے۔ میں وہاں اپنے مالک کی بکریاں چرا یا کرتا تھا۔ میرے مالک کا تعلق بنو ضمرہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دشمنوں کو ہزیمت سے دو چار کیا ہے۔ ان کے دین کی اعانت کی ہے۔“ یہ واقعہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ نجاشی بلا عرب میں کافی عرصہ ٹھہرا رہا۔ یہیں سے اس نے عربی زبان سیکھی۔ جب اسے سورہ مریم سنائی گئی تو اس نے اسے سمجھ لیا۔ وہ رونے لگا حتیٰ کہ اس کی داڑھی آنسو سے تر ہو گئی۔ روایت ہے کہ نجاشی نے کہا۔ ”ہم انجیل میں پاتے ہیں جب بچوں کو اقتدار مملکت کا والی بنا دیا جائے تو زمین پر لعنت برسی رہتی ہے۔“

نگہداشت میں پروان چڑھتا رہا۔ نجاشی ایک زیرک اور دانا انسان تھا۔ وہ اپنے چچا کے نزدیک اہم مقام حاصل کر گیا اور اس کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگا۔ جب اہل حبشہ نے نجاشی کا یہ مقام دیکھا تو انہوں نے مشاورت کی انہوں نے کہا۔ ”یہ نوجوان اپنے چچا کے معاملات میں غالب آ رہا ہے۔ ہمیں خوف ہے کہ اگر یہ ہمارا بادشاہ بن گیا تو یہ ہم سب کو قتل کر دے گا۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے باپ کو ہم نے ہی قتل کیا ہے۔“ وہ اس کے چچا کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ ”یا تو اس جوان کا کام تمام کر دیا اسے جلاوطن کر دو۔ ہمیں اس سے خطرہ ہے“ بادشاہ نے کہا ”تمہارے لئے ہلاکت ہو، کل میں نے اس کے باپ کو ہلاک کیا اور آج اسے قتل کر دوں۔ میں اسے جلاوطن کر دیتا ہوں۔“ اہل حبشہ نجاشی کو لے کر بازار گئے اور اسے ایک تاجر کے ہاتھوں چھ سودرہم میں فروخت کر دیا۔ تاجر نے اسے کشتی پر سوار کیا اور اپنے ہمراہ لے گیا اسی رات آسمان پر بادل چھا گئے۔ نجاشی کا چچا بارش میں نہانے کے لئے نکلا، اچانک آسمانی بجلی گری جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اہل حبشہ نے اس کے لڑکے کو اپنا والی بنا لیا لیکن وہ انتہائی بے وقوف اور احمق تھا۔ اس کی اولاد میں سے کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ اقتدار کا تاج اس کے سر پر رکھا جائے۔ حبشہ میں فساد پھیلتا گیا جب فساد و خونریزی کی آگ وسعت اختیار کرتی گئی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ ”اللہ کی قسم! ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کی بگڑی اس کے بغیر نہیں سنور سکتی جسے ہم نے بیچ دیا ہے۔ حبشہ کے معاملات کو سدھارنے کے لئے ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ اب اسے ڈھونڈو۔“ تمام اس کی جستجو میں اٹھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ انہیں وہ تاجر مل گیا جس کے ہاتھوں انہوں نے نجاشی کو فروخت کیا تھا۔ اس سے نجاشی لیا۔ اسے حبشہ لے آئے۔ اس کے سر پر تاج سجایا اور اسے حبشہ کا بادشاہ بنا دیا۔

ان کے پاس وہی تاجر آیا جس کے ہاتھوں انہوں نے نجاشی کو فروخت کیا تھا اس نے اہل حبشہ

ہجرت حبشہ سے ایک فقہی مسئلہ

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ ہم کشتی میں کیسے نماز پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اگر غرق ہونے کا خطرہ نہ ہو تو کھڑے ہو کر نماز ادا کرو۔ (دارقطنی) لیکن اس حدیث کی سند مضطرب ہے۔ مسند ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کشتی میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ امام بخاری نے حضرت حسن سے روایت کی ہے کہ وہ کشتی میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے مگر جبکہ اس سے گھر والوں کو حرج ہوتا۔

سے کہا ”یا تو مجھے میرا مال دے دو یا میں اس کے بارے بادشاہ سے گفتگو کرنے لگا ہوں۔“ انہوں نے کہا ”ہم تجھے کچھ بھی نہیں دیں گے۔“ تاجر نے کہا ”قسم بخدا! اب تو مجھے تمہارے بادشاہ سے بات چیت کرنا ہی پڑے گی۔“ انہوں نے کہا ”ضرور!“ وہ تاجر نجاشی کے پاس آیا اس کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا ”اے بادشاہ! میں نے آپ کی قوم سے بازار میں چھ سو درہم کا ایک غلام خریدا انہوں نے غلام میرے سپرد کیا اور مجھ سے رقم لی۔ جب میں اپنے غلام کو لے کر جا رہا تھا تو انہوں نے میرا تعاقب کر کے مجھے پکڑ لیا۔ مجھ سے غلام لے لیا لیکن رقم واپس کرنے سے انکار کر دیا۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”نجاشی نے کہا اے اہل حبشہ! یا تو اس تاجر کی رقم واپس کر دو یا پھر میں اس غلام کا ہاتھ اس تاجر کے ہاتھ میں دینے لگا ہوں۔ اس تاجر کو اختیار ہوگا کہ وہ جہاں چاہے اس غلام کو لے جائے۔ اہل حبشہ نے کہا ہم اس تاجر کی رقم دے دیتے ہیں۔“ اسی واقعہ کی طرف نجاشی نے یہ کہہ کر اشارہ کیا تھا۔ ”اللہ تعالیٰ نے اس وقت مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی جب اس نے میرا وطن مجھے واپس دلایا تھا کہ میں آج رشوت لوں۔ اس نے میرے متعلق لوگوں کی بات نہ مانی تھی کہ میں آج اس کے بارے لوگوں کی باتیں مانوں۔“ یہ وہ پہلی بات تھی جس سے نجاشی کے دینی استحکام اور فیصلہ میں عدل کا علم ہوتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو اس کی قبر پر ایک نور صوفشاں نظر آتا تھا۔

نجاشی کا اسلام اور اس پر نماز جنازہ

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ اہل حبشہ جمع ہوئے انہوں نے نجاشی سے کہا۔ تم نے ہمارا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی

نجاشی کا خط اور اس پر نماز جنازہ

ابن اسحاق نے نجاشی کے اس خط کا ذکر کیا ہے جو اس نے اپنے سینے اور اپنی قبائ کے درمیان رکھا تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زائد نہیں ہیں۔“ اس سے یہ فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مؤمن کو صریح جھوٹ نہیں بولنا چاہئے اور نہ ہی اسے اپنی زبان پر کلمہ کفر لانا چاہئے جب تک کسی حیلہ سے کام نکل سکتا ہو۔ تعریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان میں علماء نے یہی فرمایا ہے۔

طرف پیام بھیجا۔ اس نے ان کے لئے کشتیاں تیار کیں اور کہا ان پر سوار ہو جاؤ، اگر مجھے شکست ہو جائے تو تم جہاں چاہو چلے جانا اور اگر مجھے کامیابی نصیب ہو جائے تو یہیں اقامت گزریں رہنا پھر ایک کاغذ منگوایا اور اس میں لکھا۔ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اس کے رسول اور اس کی روح ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم کی طرف القاء کیا تھا۔“ پھر اس نے وہ کاغذ اپنے دائیں کندھے پر باندھ لیا۔ اہل حبشہ نے اس سے لڑنے کے لئے صف بند کر لی۔ نجاشی نے کہا ”اے اہل حبشہ! کیا میں لوگوں میں سے تمہارا سب سے زیادہ حق دار نہیں ہوں؟“ انہوں نے کہا ”ہاں“۔ نجاشی نے پوچھا ”تم نے اپنے ہاں میری سیرت کو کیسے پایا ہے؟“ اہل حبشہ نے جواب دیا ”تمہاری سیرت بھی عمدہ ہے۔“ نجاشی نے پوچھا ”پھر تم نے میرے خلاف بغاوت کیوں کر دی ہے؟“ اہل حبشہ نے کہا ”تم نے ہمارا مذہب چھوڑ دیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بندے ہیں۔“ نجاشی نے پوچھا ”تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہو؟“ انہوں نے کہا ”ہم کہتے

”جس شخص نے دو آدمیوں کے مابین صلح کرائی اور بھلائی کی بات کہی وہ جھوٹا نہیں ہے۔“ اس حدیث کو حضرت ام کلثوم بنت عقبہ نے روایت کیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ انسان تعریف کر رہا ہے اور واضح جھوٹ نہیں بول رہا، مثلاً وہ یہ کہے۔ ”میں نے سنا ہے کہ وہ تیرے لئے استغفار کر رہا تھا اور تیرے لئے دعا کر رہا تھا۔“ جبکہ اس کی مراد یہ ہو کہ اس نے اسے تمام مسلمانوں کے لئے استغفار اور دعا کرتے ہوئے سنا ہے کیونکہ وہ بھی تمام مسلمانوں میں سے ایک ہے اس طرح وہ ممکنہ حد تک تعریف میں حیلہ سے کام لے اور واضح جھوٹ نہ گھڑے۔ جنگ کے دھوکہ میں بھی یہی مراد ہے کہ انسان راز سے کام لے کنایہ کہے اور صراحتہ جھوٹ نہ کہے۔

حضور ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ ادا کی اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی ۹۷ بار جب میں نجاشی کا انتقال ہوا۔ جس روز اس کی موت واقع ہوئی اسی روز حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو آگاہ فرمادیا تھا۔ بقیع میں نماز جنازہ ادا کی گئی اس کی چار پائی سرزمین حبشہ سے اٹھا کر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دی گئی۔ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اس پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔ یہ دیکھ کر منافقین باتیں بنانے لگے، انہوں نے کہا کیا آپ ﷺ نے اس کافر کی نماز جنازہ ادا فرمادی ہے، اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ (آل عمران: ۱۹۹)

ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں نجاشی نے اپنا ہاتھ قباء کے اوپر سے اپنے سینے پر رکھا اور کہنے لگا کہ وہ بھی گواہی دیتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زائد نہیں ہیں۔ نجاشی کی مراد وہ کچھ تھا جو اس کاغذ پر مرقوم تھا۔ یہ خبر نبی محترم ﷺ تک پہنچی گئی۔ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر نماز جنازہ ادا کی اور اس کے لئے مغفرت کی دعا کی۔

اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اتارا گیا تمہاری طرف اور جو اتارا ان کی طرف۔

ابن اسحاق نے یونس سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام ابو نیز نجاشی کے بیٹے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس وقت دیکھا جب وہ مکہ کے ایک تاجر کی ملکیت میں تھے۔ انہوں نے انہیں اس سے خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ اس احسان کا بدلہ تھا جو ان کے باپ نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب نجاشی کے وصال کے بعد حبشہ اور اہل حبشہ کے معاملات بگڑ گئے تو انہوں نے اپنا وفد حضرت ابو نیز کے پاس بھیجا، (اس وقت وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھے) تاکہ وہ ان کے سر پر تاج سجا کر انہیں اپنا بادشاہ بنالیں۔ ان کی بادشاہت میں کسی حبشی کو بھی اختلاف نہ تھا لیکن حضرت ابو نیز نے انکار کر دیا انہوں نے فرمایا۔ ”اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت عطا فرمادی ہے۔ اب مجھے کسی بادشاہت کی ضرورت نہیں“۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو نیز تمام لوگوں سے طویل اور خوبصورت تھے، ان کی رنگت حبشیوں کی طرح نہ تھی جب انسان انہیں دیکھتا وہ انہیں عرب کا باشندہ ہی سمجھتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں جب عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ قریش کے پاس واپس آ گئے انہیں اپنے مطالبات میں کامیابی نہ ہوئی اور نجاشی نے انہیں بے نیل مرام واپس لوٹا دیا تو اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک غیرت مند انسان تھے حتیٰ کہ اس چیز کا قصد بھی نہیں کیا جاسکتا تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کے پس پشت ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کی وجہ سے قریش پر غالب آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے۔ ”ہم میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ ہم کعبہ کے پاس نماز ادا کر سکیں، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سعادت اسلام سے بہرہ اندوز ہو گئے۔ جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے قریش کے ساتھ لڑ کر کعبہ معظمہ کے پاس نماز ادا کی ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز ادا کی۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین حبشہ کے حبشہ روانہ ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔ امام بکائی کہتے ہیں ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام فتح تھا، ان کی ہجرت نصرت تھی اور ان کی امارت رحمت تھی، آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے ہم کعبہ مشرفہ کے پاس نماز بھی ادا نہ کر سکتے تھے جب وہ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو انہوں نے قریش کے ساتھ لڑائی کی اور کعبہ معظمہ کے پاس نماز ادا فرمائی ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔“

ابن اسحاق نے حضرت ام عبداللہ بنت ابی حمزہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں ”ہم سرزمین حبشہ کی طرف عازم سفر ہونا چاہتے تھے۔ حضرت عامر کسی ضروری کام کے لئے باہر گئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ وہ میرے پاس کھڑے ہو گئے، ابھی تک وہ سعادت اسلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اس وقت چالیس اور کچھ مردوں نے اور گیارہ عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ یہ خباب نسب کے اعتبار سے تمیمی تھے وہ قرابت میں بنو خزاعہ سے بھی تعلق رکھتے تھے کیونکہ ام انمار بنت سباع

سے مشرف نہ ہوئے تھے ہم نے ان سے بہت سے مصائب اور اذیتیں جھیلیں تھیں۔ وہ کہنے لگے ”اے ام عبد اللہ! کیا اب روانگی ہے؟ میں نے کہا ”ہاں! تم نے ہمیں اتنی اذیتیں دیں۔ اتنا ظلم کیا کہ اب ہم اللہ تعالیٰ کی زمین سے نکل رہے ہیں، حتیٰ کہ اللہ رب العزت ہمارے لئے کوئی چارہ پیدا فرمادے۔“ حضرت عمر نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔“ اس وقت میں نے حضرت عمر کی وہ رقت دیکھی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی پھر وہ واپس آ گئے۔ وہ ہماری روانگی کی وجہ سے زحمتیں کھینچتے تھے۔ اتنے میں حضرت عامر بھی اپنی ضرورت پوری کر کے آ گئے، حضرت ام عبد اللہ نے ان سے کہا ”اے ابو عبد اللہ! کاش تم ابھی ابھی حضرت عمر کو دیکھ لیتے ہمارے کوچ کی وجہ سے ان کے حزن و ملال کا مشاہدہ کر لیتے“ حضرت عبد اللہ نے فرمایا ”کیا تمہیں یہ امید ہے کہ وہ اسلام لے آئیں گے؟“ ام عبد اللہ فرماتی ہیں ”میں نے کہا ”ہاں“۔ انہوں نے فرمایا ”جس عمر کو تو نے ابھی دیکھا ہے وہ کبھی اسلام نہیں لائے گا حتیٰ کہ خطاب کا گدھا بھی اسلام لے آئے گا۔“ حضرت ام عبد اللہ فرماتی ہیں ”حضرت ابو عبد اللہ کی یہ گفتگو ناامیدی کی وجہ سے تھی کیونکہ انہوں نے حضرت عمر کی اسلام کے متعلق شدت اور قسوت دیکھی ہوئی تھی۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق مجھ تک روایت پہنچی ہے کہ ان کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کی زوجیت میں تھیں۔ انہوں نے بھی اور ان کے خاوند نے بھی اسلام قبول کر لیا لیکن انہوں نے اپنا اسلام عمر سے چھپائے رکھا۔ بنو عدی بن کعب میں سے ایک شخص نعیم بن عبد اللہ النحام نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن انہوں نے بھی اپنا اسلام اپنی قوم سے مخفی رکھا تھا۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کبھی کبھی حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کو قرآن پڑھانے کے لئے آتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر اپنی تلوار لٹکائے ہوئے نکلے وہ حضور ﷺ کا قصد کئے ہوئے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہ صفا کے پاس ایک گھر میں جمع ہیں۔ اس

خزاعی تھی۔ ایک دفعہ حضرت خباب قیدی بن گئے تو ام الانمار نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ یہی ان کا تعلق تھا، ان کے والد کا نام عوف بن عبد بن عبد بن حارث بن زہرہ تھا۔ یہ ابن الارت بن جندلہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم تھے۔ یہ کاری گرتے تھے اور جاہلیت میں تلواریں بناتے تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ ام سباع خزاعیہ تھی، انہیں کسی قید کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا بلکہ یہ اپنی والدہ کے حلیفوں بنو زہرہ کی طرف منسوب ہوتے تھے، ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ ان کی کنیت ابو

وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ حضور ﷺ کے ساتھ حضرت حمزہ، حضرت ابو بکر صدیق، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تھے اور کچھ صحابہ کرام بھی موجود تھے جو مہاجرین کے ساتھ حبشہ نہیں گئے تھے۔ حضرت عمر کو راستہ میں نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا ”میں اس بے دین محمد (فداہ روجی) ﷺ کی طرف جا رہا ہوں جس نے قریش کے امر کو منتشر کر دیا ہے۔ ان کی عقل و دانش کو سفیدہ کہا ہے۔ ان کے دین کے عیب نکالے ہیں اور ان کے معبودان کو گالیاں دیں ہیں۔ میں انہیں قتل کرنے جا رہا ہوں۔“ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ”اے عمر! تمہارے نفس نے تمہیں فریب دے رکھا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے بنو عبد مناف تمہیں چھوڑ دیں گے کہ تم زمین پر اسی طرح چلتے رہو۔ تم اپنے اہل خانہ کی طرف کیوں نہیں جاتے اور ان کے معاملات کو درست کیوں نہیں کرتے؟ حضرت عمر نے پوچھا میرے کون سے اہل خانہ؟ انہوں نے کہا تمہارے بہنوئی سعید بن زید اور تمہاری بہن فاطمہ بنت خطاب اسلام لے آئے ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کے دین کی اتباع کر لی ہے۔ تم ان دونوں کا قصد کرو۔“

حضرت عمرو ہاں سے اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے پاس حضرت خباب تشریف فرما تھے جن کے پاس ایک صحیفہ تھا اس میں سورہ طہ تھی وہ ان دونوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے، جب انہوں نے حضرت عمر کی آہٹ سنی تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ کسی جگہ چھپ گئے۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب نے صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے رکھ دیا۔ حضرت عمر، حضرت خباب کو انہیں پڑھاتے ہوئے سن چکے تھے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے فرمایا ”میں نے ابھی کیسی آواز سنی ہے؟“ حضرت فاطمہ اور ان کے خاوند نے کہا ”آپ نے کوئی آواز نہیں سنی۔“ حضرت عمر نے کہا ”مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم دونوں نے (محمد) کے دین کی اتباع کر لی ہے انہوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید کو پکڑا ان کی زوجہ محترمہ انہیں چھڑانے کے لئے

یجی اور ابو محمد بتائی جاتی ہے، انہوں نے ۳۹ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین اور جنگ نہروان میں شرکت کی۔ بعض مؤرخین نے ان کا سال وفات ۳۷ھ لکھا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ انہیں راہ خدا میں کس قدر ستایا گیا۔ انہوں نے اپنی کمر سے کپڑا اٹھایا۔ نشانات کو دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا میں نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے امیر المومنین! میرے لئے

انھیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں مار مار کر زخمی کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیا تو ان کی بہن اور بہنوئی نے کہا ہاں! ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب تم جو چاہو کر لو۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کا خون دیکھا تو ان کا دل پسچ گیا، انہوں نے اپنی بہن سے کہا ”مجھے وہ صحیفہ دو جو میں نے تمہیں ابھی ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے تاکہ میں دیکھوں کہ محمد کیسا پیغام لے کر آئے ہیں“۔ حضرت عمرؓ پڑھے لکھے انسان تھے ان کی بہن نے کہا ”ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں تم اس مبارک صحیفہ کی بے ادبی نہ کرو“۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اندیشہ نہ کرو“، انہوں نے اپنے خداؤں کی قسم اٹھائی کہ وہ پڑھ کر انہیں واپس کر دیں گے۔ یہ سن کر ان کی بہن حریص ہوئیں کہ شاید عمرؓ اسلام لے آئیں۔ انہوں نے کہا ”بھائی جان! آپ ابھی مشرک ہیں ناپاک ہیں اس صحیفہ کو صرف پاک انسان ہی چھو سکتا ہے“۔ حضرت عمرؓ اٹھے غسل کیا۔ ان کی بہن نے انہیں صحیفہ عطا کیا اس میں سورہ طہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے پڑھنا شروع کیا۔ سورت کی ابتداء پڑھ کر کہنے لگے یہ کلام کتنا عمدہ ہے، یہ کلام کتنا با عزت ہے۔ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر نکلے آئے انہوں نے کہا اے عمر! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی مبارک دعا کو تمہارے حق میں قبول کر لیا ہے۔ میں نے حضور ﷺ کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا۔

آگ بھڑکائی جاتی پھر اس آگ کو میری چربی ہی ٹھنڈا کرتی تھی۔

قرآن پاک کو چھونے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تطہیر

حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ۔ ”اس کو نہیں چھوتے مگر وہ جو پاک ہیں۔“ اس آیت میں ”الْمُطَهَّرُونَ“ سے مراد ملائکہ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں یہی لکھا ہے۔ انہوں نے سورہ عبس کی آیت سے استدلال کیا ہے۔ خواہ اس سے مراد ملائکہ ہی ہوں پھر بھی قرآن پاک کو چھوتے وقت طہارت کے ساتھ ان کا وصف بیان کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کو صرف پاک انسان ہی چھوئے تاکہ پاکیزہ ملائکہ کی اقتداء ہو جائے۔ اس سے یہ حکم ثابت ہو جاتا ہے کہ مطہر ہو کر اس کتاب حکیم کو چھوا جائے لیکن یہ حکم مستحب ہے۔ فرض نہیں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ عمرو بن حزم کو لکھا وَالْأَيْمَنُ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ۔ اور یہ کہ قرآن پاک کو صرف پاک شخص ہی چھوئے لیکن یہ طہارت فرض نہیں ہے، اگر یہ فرض ہوتی تو آیت میں اس کی وضاحت ہوتی کیونکہ آیت میں ناپاک حالت میں قرآن کو مس

اَللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ بِاَبِي الْحَكَمِ بْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ مولا! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب سے اسلام کی مدد فرما۔ اے عمر اللہ! اللہ! یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اے خباب! بارگاہ رسالت کی طرف میری راہنمائی کرو میں وہاں جا کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔“ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ”حضور ﷺ کو وہ صفا کے قریب ایک گھر میں تشریف فرما ہیں، آپ ﷺ کی معیت میں کچھ صحابہ کرام بھی ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار لی اور بارگاہ رسالت کی جانب چل پڑے۔ جا کر دروازے پر دستک دی آواز سن کر ایک صحابی اٹھے اور دروازے میں سے دیکھا، انہیں عمر نظر آئے جو اپنی تلوار حائل کئے ہوئے تھے، وہ حضور ﷺ کے پاس آئے، وہ مضطرب تھے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ

کرنے کی نہی ہے لیکن حضور ﷺ کا اپنے مکتوب گرامی میں ہر قل کو یہ آیت قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ (آل عمران: ۶۴) لکھنا ہمارے نقطہ نظر کی دلیل ہے۔ داؤد، ابو ثور، حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہم کا نظریہ یہ ہے کہ بغیر طہارت کے قرآن کو چھونا جائز ہے۔ انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے جو ہم نے اوپر لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت عمرو بن حزم کی حدیث مرسل ہے وہ اسے حجت تسلیم نہیں کرتے۔ علامہ دارقطنی نے اس حدیث کو کئی اسناد سے لکھا ہے۔ اس سے اسی مذہب کی تقویت ہوتی ہے کہ آیت میں مطہرین سے مراد ملائکہ ہیں۔ آیت میں المتطہرون نہیں کہا بلکہ مطہرون کہا ہے۔ متطہر اور مطہر میں فرق یہ ہے کہ متطہر وہ ہوتا ہے جس نے طہارت حاصل کی ہو اور اپنے نفس کو اس میں ڈالا ہو جس طرح متفقہ وہ ہوتا ہے جس نے اپنے آپ کو فقہ میں ڈالا ہو۔ متفعل میں اکثر اسی طرح ہوتا ہے سیبویہ کہتا ہے۔ وَقَيْسُ عَيْلَانَ وَمَنْ تَقَيَّسًا۔ قیس عیلان اور جس نے اپنے آپ کو بنو قیس میں شامل کر لیا۔ آدمی اس وقت متطہرون ہوتے ہیں جب وہ پاکیزگی حاصل کر لیں، ملائکہ تخلیقی اعتبار سے ہی مطہر ہیں جب عورتیں پاکیزگی حاصل کر لیں تو انہیں متطہرات کہا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْنِيْ مِنْ حَيْثُ اَمَرْتُكُمْ اللّٰهُ (البقرہ: ۲۲۲)

”تو پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا تمہیں اللہ نے۔“

حور عین مطہرات ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (النساء: ۵۷)

”اور ان کے لئے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔“

علیک وسلم دروازے میں عمر ہے جو اپنی تلوار حائل کئے ہوئے ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اسے اجازت دے دو، اگر بھلائی سے آیا ہے تو ہم بھی بھلائی کا سلوک کریں گے اور اگر وہ کوئی شرارت کرنے لگا تو ہم اسے اس کی تلوار سے ہی قتل کر دیں گے“۔ حضور ﷺ نے بھی فرمایا ”اسے اجازت دے دو“۔ اس شخص نے دروازہ کھولا۔ حضور ﷺ اٹھ کر حضرت عمر کی طرف گئے انہیں ڈیوڑھی میں جالیا، آپ ﷺ نے انہیں کمر سے پکڑا یا ان کی چادر کے دامن کو پکڑا پھر زور سے کھینچا اور فرمایا ”اے عمر بن خطاب! کس نیت سے آئے ہو۔ مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک تجھے عذاب الہی نہیں آئے گا تو نہیں رکے گا“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں“، حضور ﷺ نے اتنی بلند آواز سے تکبیر کہی جس سے اس گھر میں موجود صحابہ

مطہر اور متطہر میں یہ فرق ہے اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مطہرون سے ملائکہ کی تاویل بھی اسی لئے کی ہے۔ میرے نزدیک حضور ﷺ مطہر اور متطہر دونوں صفات سے متصف ہیں۔ مطہر اس اعتبار سے کہ آپ ﷺ بشر ہیں، جنابت سے غسل اور حدث سے وضوء فرماتے ہیں، مطہر اس اعتبار سے کہ آپ ﷺ کے باطن کو دھویا گیا۔ قلب اطہر کو شق کیا گیا اور اسے حکمت و ایمان سے بھر دیا گیا، اس طرح آپ مطہر اور متطہر ہوئے۔ اس باب کو آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کے تذکرے والے باب سے ملا لو۔ یہ اس کا تکرار ہو جائے گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اظہار اسلام سے قبل پاکیزگی حاصل کرنا ان کے لئے قوت ہے یہ نظریہ ابن قاسم کے اس قول کی وجہ ہے کہ کافر جب اپنے اسلام کے اظہار سے پہلے پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور شہادتین کی گواہی دیتا ہے تو اسے اس کی جزاء دی جاتی ہے لیکن بہت سے فقہاء نے ابن قاسم کے اس قول کو معیوب کہا ہے۔ اسی طرح جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھوں اسلام قبول کرنے لگے تو انہوں نے پوچھا جو اس دین میں داخل ہونا چاہتا ہو وہ کیا کرے؟ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”وہ پاکیزگی حاصل کرے اور شہادتین کی گواہی دے“ حضرت سعد اور حضرت اسید بن حضیر نے پاکیزگی حاصل کر کے توحید و رسالت کی گواہی دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ کو دارقطنی نے اپنی ”سنن“ میں لکھا ہے، انہوں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے ان سے کہا۔ ”آپ ناپاک ہیں جبکہ

کرام رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ عمر اسلام لے آئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ جب حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو وہ اپنے آپ کو قوی سمجھنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ اب یہ دونوں حضرات حضور ﷺ کا دفاع کریں گے اور آپ ﷺ سے دشمن کو دور ہٹا دیں گے۔ یہ وہ روایت ہے جیسے مدینہ طیبہ کے راویوں نے بیان کیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عبد اللہ بن ابی نجر نے اپنے ساتھی عطاء اور مجاہد وغیرہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ”میں ایک ایسا شخص تھا جو اسلام سے دور تھا میں زمانہ جاہلیت میں شراب کا دلدادہ تھا میں اسے بہت زیادہ پسند کرتا تھا۔ ہماری ایک ایسی محفل ہوتی تھی جس میں قریش کے آدمی جمع ہوتے تھے وہ مجلس آل عمر بن عبد بن عمران الخزومی کے گھروں کے پاس ایک ٹیلے پر بچتی تھی۔ میں ایک دن اس مجلس میں اپنے ساتھیوں کی جستجو میں نکلا لیکن مجھے وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں فلاں شراب فروش کے پاس جاؤں تو شاید مجھے اس کے پاس سے شراب مل جائے جسے میں پی سکوں۔ وہ شراب فروش مکہ مکرمہ میں شراب فروخت کیا کرتا تھا میں اس کے پاس گیا وہ بھی مجھے نہ ملا میں نے کہا اب مجھے کعبہ مقدسہ میں جانا چاہئے اور اس کا طواف سات یا ستر مرتبہ کرنا چاہئے۔ میں طواف کرنے کے لئے مسجد حرام میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ وہاں کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے تھے، نماز ادا

قرآن پاک کو صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ آپ انھیں غسل یا وضوء کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر وضوء کیا اور وہ صحیفہ لیا جس میں سورہ طہ تھی۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وضوء کیا تھا غسل نہیں کیا تھا۔ یونس کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورہ طہ کی اس آیت کی تلاوت کی۔ ﴿يُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا تَسْعَىٰ﴾ (طہ) ”تا کہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لئے وہ کوشاں ہے۔“ تو کہا یہ کلام کتنا احسن اور عمدہ ہے۔ انہوں نے بڑی شرح و سطر سے اس روایت کو ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ اس صحیفہ میں سورہ طہ کے ساتھ سورہ الحکویر بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ۔ ”(تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔“ پر پہنچ کر تلاوت ختم کی۔ ابن حجر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی روایت میں اضافہ کیا ہے وہ شریح بن عبید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”اسلام قبول کرنے سے پہلے میں حضور ﷺ کو اذیت دینے کی غرض سے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مجھ سے پہلے

فرماتے ہوئے آپ ﷺ کا رخ زیبا شام کی طرف ہوتا تھا۔ کعبہ آپ ﷺ اور شام کے مابین ہوتا تھا۔ آپ ﷺ رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز ادا فرماتے تھے میں نے سوچا، اللہ کی قسم! آج میں وہ کلام ضرور سنوں گا محمد (فداہ روجی ﷺ) جس کی تلاوت کرتے ہیں۔ میں نے سوچا اگر میں اس طرح تلاوت سننے کی غرض سے قریب ہوا تو آپ ﷺ خوفزدہ ہو جائیں گے، میں حجر کی سمت سے آیا اور کعبہ مشرفہ کے پردے کے نیچے داخل ہو گیا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا، حضور ﷺ اپنی نماز میں منہمک تھے، تلاوت قرآن زبانِ اقدس سے رواں تھی۔ میں آپ ﷺ کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف کعبہ معظمہ کے پردے ہی تھے۔ جب میں نے قرآن مجید سنا تو میرا دل نرم ہو گیا آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اسلام میرے دل کی گہرائیوں تک اتر گیا۔ میں اسی جگہ کھڑا رہا حتیٰ کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے نماز ادا فرمائی، پھر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ

ہی مسجد میں تشریف لے جا چکے ہیں۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سورۃ الحاقۃ کی تلاوت شروع فرمائی۔ میں قرآن پاک کی تالیف پر تعجب کرنے لگا۔ میں نے کہا ”قسم بخدا! یہ تو شاعر ہیں۔ جس طرح کہ قریش کہتے ہیں“ آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھنا شروع کیا۔ اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ۔ ”بے شک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے (لیکن) تم بہت کم ایمان لائے۔“ میں نے سوچا یہ تو کاہن ہیں جو میرے دل کی بات جان گئے ہیں اس وقت نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ ”اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔“ اس وقت ایمان پوری طرح میرے دل میں جا گزیں ہو گیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دولتِ ایمان پائی تو یہ اشعار کہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِي الْمَنِّ الَّذِي وَجَبَتْ لَهُ عَلَيْنَا اَيَادٍ مَّالَهَا غَيْرُ

تمام ستائشیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جو احسان فرمانے والا ہے جس کی وجہ سے ہم پر وہ احسانات ہوئے جن کا کوئی بدل نہیں۔

وَقَدْ بَدَأْنَا فَكَذَّبْنَا، فَقَالَ لَنَا صِدْقَ الْحَدِيثِ نَبِيُّ عِنْدَهُ الْخَبَرُ
آغاز میں ہم نے جھٹلایا ہمارے لئے اس نبی محترم ﷺ نے سچی بات فرمائی جن کے پاس بھیجی ہوئی خبریں ہیں۔

آپ ﷺ کعبہ مشرفہ سے نکلتے ہوئے ابن ابی حسین کے گھر کی طرف جاتے، پھر آپ ﷺ سعی کرنے کی جگہ سے گزرتے پھر حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کے اور دار ابن ازہر بن عبد عوف زہری کے گھر کے درمیان سے گزرتے پھر اخنس بن شریق کے گھر کے پاس سے گزر کر اپنے کا شانہ اقدس میں داخل ہو جاتے۔ آپ ﷺ کا مسکن ”دار رقطاع“ تھا جو حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے قبضے میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑا جب آپ ﷺ حضرت عباس اور دار ابن ازہر کے گھروں کے درمیان سے گزرنے لگے تو میں نے آپ ﷺ کو جالیا، حضور ﷺ نے میری آہٹ سن کر مجھے پہچان لیا۔ آپ ﷺ نے گمان کیا کہ میں آپ ﷺ کو اذیت دینے کے لئے آپ ﷺ کا تعاقب کر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھے جھڑکا اور فرمایا۔ ”اے ابن خطاب! اس وقت تو کس لئے آیا ہے؟“ میں نے کہا۔ ”میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے آیا ہوں اور آپ ﷺ کے حیات آفرین پیام پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔“ حضور ﷺ نے

وَقَدْ ظَلَمْتُ ابْنَةَ الْخَطَّابِ ثُمَّ هَدَىٰ رَبِّي عَشِيَّةً قَالُوا قَدْ صَبَا عَمْرُ
میں نے خطاب کی نور نظر پر ظلم کیا پھر اسی رات اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت بخشی لوگ کہنے لگے عمر صابی ہو گیا ہے۔

وَقَدْ نَدِمْتُ عَلَىٰ مَا كَانَ مِنْ ذَلِّ بِظُلْمِهَا حِينَ تَتْلَىٰ عِنْدَهَا سُورَ
میں نے بنت خطاب پر ظلم کر کے جو خطا کی تھی مجھے اس پر شرمندگی تھی جب کہ ان کے ہاں سورتوں کی تلاوت ہو رہی تھی۔

لَمَّا دَعَتْ رَبَّهَا ذَا الْعَرْشِ جَاهِدَةً وَالذَّمْعُ مِنْ عَيْنِهَا عَجَلَانِ يَبْتَدِرُ
جب اس نے اپنے اس رب کو خلوص سے پکارا جو عرش کریم کا مالک ہے اور آنسو اس کی آنکھوں سے تیزی سے گر رہے تھے۔

أَيَقْنْتُ أَنَّ الْإِذَى تَدْعُوهُ خَالِقُهَا فَكَأَدَ تَسْبِقُنِي مِنْ عِبْرَةٍ وَدَرٍ
مجھے یقین ہو گیا کہ جسے وہ پکار رہی ہے وہ ہی اس کا خالق ہے قریب تھا کہ خون آنسو سے زیادہ ہو جاتا
فَقُلْتُ أَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ خَالِقُنَا وَ أَنَّ أَحْمَدَ فِينَا الْيَوْمَ مُشْتَهَرُ
میں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق ہے اور احمد مجتبیٰ ﷺ آج ہم میں
فضائل و محاسن کی وجہ سے مشہور ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی پھر فرمایا ”هَذَاكَ اللَّهُ يَا عُمَرُ۔ اے عمر! اللہ نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ آپ ﷺ نے میرے سینے پر اپنا دست شفا بخش پھیرا اور میرے لئے استقامت کی دعا کی پھر میں حضور ﷺ سے جدا ہو کر واپس آ گیا اور آپ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان دونوں روایات میں سے کون سی صحیح ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”جب میرے والد محترم نے اسلام قبول کیا تو فرمایا قریش میں سے کون وہ شخص ہے جو آگے بات جلد پہنچاتا ہے۔ انہیں بتایا گیا جمیل بن معمر انجی دوسروں تک جلد بات پہنچاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا تا کہ دیکھوں کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ اس وقت میں کم سن تھا لیکن جو کچھ دیکھتا اسے یاد رکھتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جمیل کے پاس آئے اور اسے فرمانے لگے کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور دین محمدی میں شامل ہو گیا ہوں؟ قسم بخدا! وہ اسی وقت چادر گھسیٹتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے میں نے بھی اپنے والد گرامی کی اتباع کی۔ جمیل مسجد حرام کے

نَبِيٌّ صِدْقٍ آتَى بِالْحَقِّ مِنْ ثِقَةٍ وَافِي الْأَمَانَةِ مَا فِي عُدُوِّهِ عَوْدُ
وہ سچائی کے نبی ﷺ جو حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ امانت کو پورا کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کی عود میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔

الہزار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے متعلق روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”جب میں نے صحیفہ پکڑا تو میں نے اس میں بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھا ہوا دیکھا۔ میں اس کے مادہ اشتقاق میں غور و فکر کرنے لگا پھر میں نے اس آیت کی تلاوت کی۔“

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ① (الحدید) میں قرآن پڑھتا جا رہا تھا اور اس میں غور و فکر کرتا جا رہا تھا حتیٰ کہ میں اَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (الحدید: ۷) تک پہنچ گیا۔ میں نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ۔

اس روایت کے مشکل الفاظ کا حل

مَا هَذِهِ الْهَيْئَةُ ”ہینمہ“ اس کلام کو کہتے ہیں جس کی سمجھ نہ آئے اس سے اسم فاعل ”ہینم“ آتا ہے۔ یہ تصغیر کی طرح ہے لیکن یہ تصغیر نہیں ہے یہ ”مَبْطُور“ اور ”مُهْمِن“ کی طرح ہے ”مَبْطُور“ بھی اسی

دروازے پر کھڑا ہو گیا وہ بلند آواز سے چلایا۔ ”اے گروہ قریش! قریش اس وقت کعبہ معظمہ کے ارد گرد اپنی اپنی محافل میں بیٹھے تھے۔“ ارے سنو! عمر بن خطاب صابی ہو گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”یہ جھوٹ بولتا ہے میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“ تمام قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جھپٹ پڑے۔ قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مارتے رہے اور وہ انہیں مارتے رہے حتیٰ کہ سورج سروں پر آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے۔ قریش ان کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”جو تمہارے جی میں آئے وہ کرو۔ اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں جب ہم تین سو مرد ہو جائیں گے تو پھر یا مکہ کو تم ہمارے لئے چھوڑ دو گے یا ہم اسے تمہارے لئے خالی کر دیں گے۔“ وہ اسی حالت میں تھے کہ قریش کا ایک عمر رسیدہ شخص وہاں آ گیا۔ اس نے یمنی چادر اور منقش قمیص پہن رکھی تھی۔ وہ قریش کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا تمہیں کیا ہوا ہے؟ قریش نے بتایا کہ عمر صابی ہو گیا ہے۔ بزرگ نے کہا ”رک جاؤ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایک شخص نے اپنے نفس کے لئے ایک امر منتخب کیا ہے۔ تمہارا ارادہ کیا ہے۔ کیا تمہارا ارادہ ہے کہ بنو عدی بن کعب عمر کو تمہارے سپرد کر دیں گے؟ اس شخص کو چھوڑ دو۔“ قسم بخدا! پھر وہ اس طرح جدا ہو گئے جس طرح کپڑا جدا کیا جاتا ہے۔

مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد میں نے والد محترم سے پوچھا والد مکرم! وہ شخص کون تھا جس نے اس دن آپ سے لوگوں کو ہٹایا تھا جب آپ نے اسلام قبول کیا تھا۔ میرے ابا جان نے فرمایا

طرح ہے ”مُسیطر“ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اگر ان اسماء کی تصغیر بنائی جائے تو پھر یاء زائدہ کو حذف کر دیا جائے گا۔ جس طرح مفاعل میں سے الف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ تصغیر کی یاء کو اس کی جگہ پر لگایا جاتا ہے تو لفظ پھر پہلے کی مانند ہو جاتا ہے۔ اس کی تصغیر بھی ”مُہینم“ اور ”مُبیطر“ ہی آتی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ابھی تو تم نے کہا ہے کہ اس کی تصغیر نہیں آتی۔ تکبیر کے لفظ پر تصغیر کیسے آسکتی ہے پھر دونوں کے مابین فرق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے مابین فرق مختلف مقامات پر ظاہر ہوتا ہے مثلاً جمع بناتے وقت ان کا فرق عیاں ہوگا۔ مُبیطر کی جمع مُبَاطِرُ آتی ہے جبکہ تصغیر کی جمع داؤ اور نون سے ”مُبیطرون“ آتی ہے کیونکہ تصغیر کی جمع مکسر نہیں آتی اس کی جمع مکسر خماسی میں یاء کے حذف کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ الف کی طرح زائدہ ہوتی ہے۔ یہ تصغیر کے معنی میں ہوتی ہے۔ مثلاً تصغیر کی جمع مکسر یاء تصغیر کی حرکت یا اس کے ہمزہ کا تقاضا کرتی ہے۔ مثلاً فلیس میں فلائس کہا

”وہ عاص بن وائل سہمی تھا۔“

ابن ہشام فرماتے ہیں بعض اہل علم نے مجھے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔ اے والد محترم! جس روز آپ نے اسلام قبول کیا تھا اس دن لوگوں کو آپ سے روکنے والا شخص کون تھا۔ اللہ اسے جزائے خیر دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے نورِ نظر! وہ عاص بن وائل تھا اللہ تعالیٰ اسے ضرور جزا دے گا۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عبدالرحمن بن حارث نے بعض آل عمر سے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”جس رات میں نے اسلام قبول کیا اس شب میں نے سوچا کہ اہل مکہ میں سے حضور ﷺ کے ساتھ سب سے سخت رویہ کس کا ہے تاکہ میں اس کے پاس جاؤں اور اسے بتاؤں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ میں نے سمجھا کہ ابو جہل حضور ﷺ کا سب سے شدید دشمن ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ختمہ بنت ہشام بن مغیرہ کے نورِ نظر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”میں نے صبح ابو جہل کا دروازہ کھٹکھٹایا ابو جہل باہر نکلا۔ اس نے کہا ”اے میرے بھانجے! خوش آمدید اس وقت کس مقصد کے لئے آئے ہو؟“ میں نے کہا ”میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تجھے بتاؤں کہ میں اللہ تعالیٰ اور محمد عربی پر ایمان لے آیا

جائے یہ بھی تصغیر کے معنی میں ہو جاتی ہے کیونکہ لفظ یاء کی تصغیر اس پر دلالت کر رہی ہے اگر یاء س سے اسم فاعل بنایا جائے تو ”مُبَیْس“ کے وزن پر ہوگا۔ اگر یاء کو حرکت دے کر ہمزہ کی تسہیل کی جائے تو پھر یہ مَبِیْس ہوگا اور اس کی تصغیر ”مُبِیْس“ ہوگی۔ اسی طرح اَبُوْس سے اَبِیْس ہوگا۔ تسہیل کے لئے ہمزہ کی حرکت کو یاء کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح اسم فاعل میں یہ حرکت یاء کی طرف منتقل کی جاتی ہے۔ تصغیر کا یہ مسئلہ بڑا عجیب ہے جس کی صحت پر دلیل موجود ہے۔

نَهَم۔ نَهَم کا معنی جھڑکنا ہے۔ شیر کی گرج کو نِهَمَم کہا جاتا ہے۔ لوہار کو نَہَامِی کہا جاتا ہے۔ نَہَامِی ایک پرندے کا بھی نام ہے۔

خَلُوا عن الرجل۔ خَلُوا کا معنی ہے ایک طرف ہو جاؤ۔ اس کا ماقبل اس میں عمل نہیں کرتا جس طرح اَجْلِسْ هَكَذَا۔ میں ماقبل عمل کرتا ہے اگرچہ جب اسے امر کے لئے بنائے جائے تو اس میں کسی نہ کسی عامل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ کاف تشبیہ ہے جو ذرا داخل ہوا ہے، ہا، تنبیہ کے لئے ہے۔ جب عامل مضمّر ہو تو اسے مقدر مانا جاتا ہے مثلاً اس سے پہلے اِذْ جَعُوا، تَاجِرُوا جیسے افعال محذوف ہوں گے۔ هَكَذَا اسی طرح فعل سے مستغنی ہے جس طرح دَوَيْدَا ”اِدْفَق“ سے مستغنی ہے۔

ہوں اور ان کے جہاں افروز پیغام کو دل و جان سے تسلیم کر لیا ہے۔“ ابو جہل نے میرے چہرے پر دروازہ مارا اور کہا ”اللہ تعالیٰ تجھے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اسے برباد کرے۔“

جمیل بن معمر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمیل بن معمر سے فرمایا میں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ وہی جمیل ہے جسے ذوالقلمین کہا جاتا تھا۔ مختلف اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ (الاحزاب: ۴) اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے۔

وَ كَيْفَ ثَوَانِيْ بِاللَّدِيْنَةِ بَعْدَ مَا قَضَى وَطَرًا مِنْهَا جَمِيْلُ بْنُ مَعْمَرٍ
میرا گھر مدینہ میں کیسے ہو سکتا ہے جبکہ جمیل بن معمر یہاں سے اپنی مراد کو پہنچ چکا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس شعر کو اپنے گھر میں گنگنا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گنگناتے ہوئے سن لیا وہ حدی خوانی کے لہجے میں گار رہے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا۔ ”جب ہم خلوت میں ہوتے ہیں تو اسی طرح کہتے ہیں جس طرح لوگ اپنے گھروں میں کہتے ہیں“ مبرد نے اس حدیث کو الٹ کیا ہے انہوں نے گنگنانے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اذن طلب کرنے والے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔ اسے علامہ زبیر نے روایت کیا ہے۔

تحریری معاہدہ کی خبر

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش نے دیکھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اس جگہ ہجرت کر چکے ہیں جہاں انہیں امن و سکون حاصل ہے۔ نجاشی نے پناہ گزینوں کو مکمل تحفظ دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہمہ وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں اور اسلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ تو وہ ایک جگہ جمع ہو گئے انہوں نے مشورہ کیا کہ وہ ایک معاہدہ لکھیں جس میں وہ یہ عہد کریں کہ وہ نہ تو بنو ہاشم اور بنو مطلب میں اپنی بچیوں کا نکاح کریں گے اور نہ ہی ان کی بچیوں سے شادیاں کریں گے۔ نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے اور نہ ہی فروخت کریں گے، انہوں نے اس معاہدہ پر اتفاق کر کے اسے ایک کاغذ پر لکھا۔ اس پر عہد و توثیق کی پھر اس عہد نامے کو وسط کعبہ میں لٹکا دیا تاکہ ان کے نفس اس پر سختی سے کار بند رہیں۔ اس عہد نامہ کو منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی نے لکھا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں دوسرے قول کے مطابق اس کا کاتب نصر بن

قریش کے تحریری معاہدہ کی خبر

ابولہب نے اپنے ہاتھوں سے کہا تَبَا لَكُمْ تمہارے لئے ہلاکت ہو میں تم میں ان چیزوں میں سے کوئی نہیں دیکھتا جن کا محمد (فداہ ابی دمی و روحی) ﷺ وعدہ کرتے ہیں۔ اس وقت سورہ لہب نازل ہوئی۔ ابن اسحاق نے شاید یہ شان نزول اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ابولہب کے ہاتھوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سورت کی تفسیر میں مجاہد اور سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۱﴾ (الشعراء) نازل فرمائی تو حضور ﷺ کا شانہ اقدس سے نکل کر کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ اس پہاڑ پر چڑھے اور بلند آواز سے پکارا، يَا صَبَاحًا۔ ارے میری فریاد سنو۔ جب گروہ قریش آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن کے سواروں کا ایک دستہ اس پہاڑ سے نکل کر تم پر حملہ آور ہونے لگا ہے کیا تم میری تصدیق کرو گے۔ قریش مکہ نے کہا ”ہمارا تجربہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔

حادث تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے بد دعا کی جس سے اس کی انگلیاں مفلوج ہو گئیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش نے یہ معاہدہ لکھا تو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب خواجہ ابو طالب بن عبد المطلب کے پاس گئے اور ان کے ہمراہ شعب ابی طالب میں جمع ہو گئے۔ بنو ہاشم میں سے ابولہب بن عبد العزی بن عبد المطلب نکل گیا اس نے قریش کا ساتھ دیا۔

ابولہب کا موقف

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حسین بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے کہ ابولہب، ہند بنت عتبہ بن ربیعہ سے اس وقت ملا جب اس نے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے علیحدگی اختیار کی اور قریش کی مدد کی۔ اس نے ہند سے کہا ”اے بنت عتبہ! کیا تو نے لات وعزیٰ کی مدد کی ہے اور ان سے علیحدہ ہوئی ہے جنہوں نے ان سے جدائی اختیار کی اور ان کے خلاف مدد کی“۔ اس نے کہا ”ہاں! ابو عتبہ اللہ تجھے بہتر جزاء دے“۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ ابولہب اپنی ہرزہ سرائیوں میں سے ایک کو اس یہ بھی کرتا تھا۔ ”محمد (ﷺ) نے مجھ سے بہت سے وعدے کئے ہیں جنہیں میں پورا ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا، وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ وعدے موت کے بعد پورے ہوں گے لیکن اس کے بعد انہوں نے میرے ہاتھ پر کچھ نہیں رکھا پھر ابولہب اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مارتا اور کہتا۔ ”تم دونوں ہلاک ہو جاؤ“ تم میں ان اشیاء میں سے کوئی شے نظر نہیں آتی جن کا محمد ﷺ وعدہ کیا کرتے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ”ٹوٹ جائیں ابو لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔“ ابن ہشام کہتے ہیں تَبَّتْ کا معنی ہے خسارہ پانا۔ نقصان کو ”تَبَّ“ کہا جاتا ہے۔ بنو ہلال بن عامر بن صعصقہ کا ایک شاعر حبیب بن خدرہ الحارثی کہتا ہے۔

فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيِ عَذَابٍ شَدِيدٍ۔ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈرانے والا ہوں۔ ابولہب نے کہا تَبَّالِكَ الْهَذَا جَمَعْتَنَّا۔ تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ۔ مجاہد اور عثمٰش نے اسے وَقَدْ تَبَّ پڑھا ہے۔ یہ قرأت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو تفسیر کی تعین خود بخود کر دیتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں اگر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھنے سے پہلے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق پڑھ لیتا تو مجھے بہت سی

يَا حَلِيبُ اِنَّا فِي مَعْشَرٍ ذَهَبْتَ مَسْعَاتُهُمْ فِي التَّبَارِ وَالتَّبِيبِ
اے طیب! ہم ایسے قبیلہ میں ہیں جس کی کوششیں رایگاں اور بے کار گئی ہیں۔

حضرت ابوطالب کا قصیدہ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب قریش نے اس معاہدہ پر اتفاق کر لیا اور اس کے متعلق جو کچھ وہ کر سکتے تھے انہوں نے کیا تو اس وقت ابوطالب نے یہ اشعار کہے۔

ان چیزوں کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت نہ رہتی جن کے متعلق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کرتا تھا۔ اسی طرح اس آیت میں قد کا اضافہ یہ تفسیر کر رہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے یہ کلام بد دعا کے اعتبار سے نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قَاتِلْهُمْ اللّٰهُ ۙ اَنْتَ اَوَّلُ يُؤْفَكُوْنَ (توبہ) ”ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔“ یعنی وہ اس کے مستحق ہیں کہ انہیں اس طرح کہا جائے لیکن تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ کا تعلق قَاتِلْهُمْ اللّٰهُ کے باب سے نہیں بلکہ یہ تو صرف ایک خبر ہے کہ ابولہب کے اہل و عیال اور مال و دولت خسارہ میں ہیں۔ يَدَا (دونوں ہاتھوں) سے مراد آگے کسب، اس کے اہل و عیال اور مال ہیں اس طرح تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ کی تفسیر مَا اَغْنٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ہے۔ انسان کی اولاد اس کے کسب سے ہی ہوتی ہے۔ جس طرح کہ حدیث مبارک میں ہے یعنی ابولہب کے وہ ہاتھ برباد ہو گئے جو کسب کرتے ہیں۔ تَبَّتْ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ سَيَصْلٰ نَارًا اِذَا تَلَهَّبَ یعنی اس کا نفس آگ میں داخل ہونے کی وجہ سے برباد ہو گیا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ابولہب نے حضور ﷺ نے کہا تَبَّتْ يَدَاكَ يَا مُحَمَّدُ۔ اے محمد! تیرے لئے ہلاکت ہو، اس لفظ تَبَّتْ کے نزول کا سبب بنا پھر دونوں کلمات نزول میں دونوں اسباب پر مبنی ہیں بعد کی دونوں آیات ان دونوں کی تفسیر ہیں یعنی اس کے ہاتھوں کی تباہی اور اس کے نفس کی ہلاکت۔ التَّبُّ، التَّلَفُّ کے وزن پر ہے کیونکہ یہ اس کے معنی میں ہے۔ تَبَّتْ معنی اور وزن میں ہلاک اور خسارہ کی طرح ہے

ابوطالب کے اشعار

ذَاتَ بَيْنًا۔ قاسم بن ثابت کہتے ہیں کہ ذَاتَ بَيْنًا اور ذَاتَ يَدٍ وغیرہ۔ اس مونث کی صفت ہیں جسے حذف کر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ حالت اور کیفیت ہے جو ان کی ذاتوں کے مابین ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے وَاصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (انفال: ۱) اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات

أَلَا أَيْلَغَا عَنِّي عَلَى ذَاتِ بَيْنِنَا لَوْيَا وَخُصَا مِنْ لَوْيَ بِنِي كَعْبِ
ارے! ہمارے مابین جو تعلقات ہیں ان کی وجہ سے بنو لوی کو یہ پیغام پہنچا دو۔ بنو لوی میں

کی۔“ اسی طرح ذاتِ یدہ سے انسان کے اموال اور دیگر حاصل کردہ چیزیں مراد ہوتی ہیں۔ جس طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے اَرْعَاهُ عَلَى زَوْجِ فِي ذَاتِ يَدِهِ وہ اپنے مالک کی اشیاء کا نگہبان ہوتا ہے۔“ اسی طرح اگر تو کہے لَقِيْتَهُ ذَاتَ يَوْمٍ تو ذات سے پہلے لِقَاءً يَوْمَہٗ مَحْذُوف ہوگا۔ اس میں موصوف کو حذف کر کے صفت کو باقی رکھا گیا ہے تو یہ حال کی طرح ہو گیا جسے غلبہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسے نائب فاعل بنا کر اسے رفع نہیں دیا جاسکتا جس طرح ظروف متمکنہ کو رفع دیا جاسکتا ہے یہ تیرے اس قول کی طرح ہے سِيرَ عَلَيْهِ شَدِيدًا وَطَوِيلًا۔ انس بن مالک ثعیمی کا قول عَزَمْتُ عَلَى اِقَامَةِ ذَاتِ صَبَاحٍ۔ میرے نزدیک اس باب سے تعلق نہیں رکھتا۔ اگر سیبویہ نے اسے بنو ثعیم کی لغت بیان کی ہے لیکن یہ ”اقامت یوم“ کے معنی میں ہوگا۔ ہر دن ذو صبح (صبح والا) ہو جس طرح تیرا یہ قول ہے۔ مَا كَلَمْنِي ذُو شَفَةِ۔ مجھ سے کسی متکلم نے بات نہیں کی۔“ مَا مَرَدْتُ بِذِي نَفْسٍ۔ ”میں کسی نفس والے کے پاس سے نہیں گزرا۔“ یہ اس ذاتِ مَرَّةً کی طرح نہیں جسے کلام میں کوئی تمکن نہیں۔ قیلہ بنت مخزومہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ان کی بہن نے اپنے خاوند سے کہا۔ اِنَّ اُخْتِي تُرِيدُ الْمَسِيرَ مَعَ زَوْجِهَا حُرَيْثِ بْنِ حَسَّانٍ ذَا صَبَاحٍ بَيْنَ سَمْعِ الْاَرْضِ وَبَصَرِهَا۔ میری بہن اپنے خاوند حریث بن حسان کے ساتھ کسی دن زمین کے کانوں اور اس کی آنکھوں کے مابین سفر کرنا چاہتی ہے۔ ذَا صَبَاحٍ کا تعلق ذاتِ یوم اور ذاتِ مَرَّةً کے ساتھ ہے لیکن اسے مذکر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ تاء تانیث کا صاد کے ساتھ استعمال عمدہ نہیں سمجھا جاتا اور اس طرح حرکات میں بھی تسلسل آتا ہے۔ اس لئے وہ تاء تانیث کو حذف کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں لَقِيْتَهُ ذَا صَبَاحٍ۔ ”میں اسے ایک دن ملا۔“ اسے بھی ذاتِ یوم اور ذاتِ حین کی طرح تمکن حاصل نہیں ہے۔ مصدر وغیرہ اس کی طرف نہیں ہوتے۔ ثعیمی کے قول عَزَمْتُ عَلَى اِقَامَةِ ذِي صَبَاحٍ۔ میں مصدر اس کی طرف مضاف ہے۔ مصدر کو اس کی طرف مضاف کر کے پھر اسے نصب کیسے دی جاسکتی ہے یا جب مصدر اس کی طرف مضاف ہو تو پھر یہ حال کے مشابہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے کسرہ کی بھی یہی حالت ہے میں اسے اس کی مثالوں سے خارج کرتا ہوں۔ مگر سیبویہ نے بنو ثعیم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ سِيرْتُ فِي ذَاتِ يَوْمٍ اَوْ سِيرَ عَلَيْهِ ذَاتَ يَوْمٍ۔ اس وقت کہا جائے گا کہ یہ لغت ثعیم میں ہے لیکن گذشتہ شعر میں اس کا شاہد اس میں ہی موجود ہے۔ میرا گمان نہیں کہ بنو ثعیم یا اہل عرب میں سے کوئی اس میں تمکن کی اجازت دیتے

سے خاص کر بنو کعب کو یہ سند یہ سنادو۔

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا نَبِيًّا كَمُوسَى خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ
کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح
نبی پایا ہے جن کا تذکرہ سابقہ کتب میں ہے؟

وَأَنَّ عَلَيْهِ فِي الْعِبَادِ مُحَبَّةٌ وَلَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللَّهُ بِالْحُبِّ
ارے سنو! لوگوں میں ان کے بارے ہی محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور جسے اللہ
تعالیٰ محبت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے اس سے زیادہ بھلائی کہیں نہیں ہو سکتی۔

وَأَنَّ الَّذِي الصَّقْتُمْ مِنْ كِتَابِكُمْ لَكُمْ كَأَنَّ نَحْسًا كَرَاغِيَةَ السَّقْبِ
وہ عہد نامہ جو تم نے لٹکایا ہے وہ تمہارے لئے اسی طرح منحوس ہوگا جس طرح حضرت نوح
علیہ السلام کی اونٹنی کے بچے کی آواز منحوس تھی۔

أَفَيْقُوا أَفَيْقُوا، قَبْلَ أَنْ يُحْفَرَ الْقَرَىٰ وَ يُصْبِحَ مَنْ لَمْ يَجْنِ ذَنْبًا كَذَى الذَّنْبِ
بیدار ہو جاؤ۔ بیدار ہو جاؤ اس سے بیشتر کہ مٹی کھودی جائے اور وہ شخص جس نے گناہ نہیں کیا
وہ بھی گناہ گار کی طرح ہو جائے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا أَمْرَ الْوُشَاةِ وَ تَقْطَعُوا أَوَاصِرَانَا بَعْدَ الْمَوَدَّةِ وَالْقُرْبِ
چغل خوروں کی اتباع نہ کرو اس طرح تم محبت و رشتہ داری کے بعد ہمارے تعلقات کو منقطع
کردو گے۔

ہوں یا اسے نصب سے خارج کرتے ہوں۔

لَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللَّهُ بِالْحُبِّ

اس کی توجیہ انتہائی مشکل ہے کیونکہ لَا التَّبَرُّفَہ کے بعد اس طرح نصب نہیں دی جاتی بلکہ نصب
تنوین کے ساتھ ہوتی ہے مثلاً لَا خَيْرًا مِنْ زَيْدٍ فِي الدَّارِ وَلَا شَرًّا مِنْ فُلَانٍ۔ اسے تنوین کے
بغیر اس وقت نصب دی جاتی ہے جب اسم اپنے مابعد کے ساتھ متصل نہ ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد لَا
تَقْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ ”نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔“ کیونکہ عَلَيْكُمْ تَقْرِبَ کا صلہ نہیں
کیونکہ یہ خبر کی جگہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اس شعر میں خیر، خیر سے مخفف ہے جس طرح هَيْنَ
اور مَيْتٌ، هَيْنَ اور مَيْتٌ سے مخفف ہیں۔ اسی طرح یہ ارشاد ربانی، خَيْرَاتٌ حَسَنَاتٌ۔ خَيْرَاتٌ
سے مخفف ہے۔

وَنَسْتَجْلِبُوكَ حَرْبًا عَوَانًا وَرُبَّمَا أَمَرَ عَلَى مَنْ ذَاقَهُ جَلْبُ الْحَرْبِ
لگاتار جنگ کے چمکنے کی آرزو نہ کرو کیونکہ جنگ کا مزہ جس شخص نے بھی چکھا اسے یہ ذائقہ
کڑوا ہی لگتا ہے۔

وَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَيْتِ نُسَلِّمُ أَحْمَدَ لِعِزَاءٍ مِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا كَرَبِ
بیت اللہ کے رب کی قسم! ہم زمانہ کی سختی یا تکلیف سے ڈر کر احمد مجتبیٰ ﷺ کو تمہارے سپرد
نہیں کریں گے۔

مِنْ

من محذوف کے متعلق ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ لَا خَيْرَ آخِرٍ مِّنْ خَصَّةِ اللَّهِ۔ خَيْرِ
اور آخِرِ ایک جنس کے لفظ ہیں۔ لفظ کے تکرار کی وجہ سے حذف عمدہ ہے جس طرح اس آیت میں
حذف بہتر ہے۔ الْبِرُّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ۔

الْحَبْرُ أَشْهُرُ مَعْلُومَتٍ (البقرہ: ۱۹۷) ”حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔“ کیونکہ لفظ کا تکرار
زبان پر ثقیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس سے بھی عجیب تر ہے۔ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ
اسْتَعْجَلَهُمْ بِالْخَيْرِ۔ ”اور اگر جلد بازی کرتا اللہ لوگوں کو شر پہنچانے میں جیسے وہ جلد بازی کرتے ہیں
بھلائی کے لئے۔“ یہ اصل عبارت یوں تھی۔ لَوْ عَجَلَهُ لَهُمْ إِذَا اسْتَعْجَلُوا بِهِ اسْتَعْجَلَا مِثْلَ
اسْتَعْجَلَهُمْ بِالْخَيْرِ۔ تکرار کی وجہ سے اس کلام کو حذف کر دیا گیا۔ اگر اس علت کی وجہ سے ایک
حرف حذف کریں مثلاً بَلَّحَرَتْ ظَلَلْتُ اور أَحْشَتْ کی طرح تو انہیں چاہئے کہ ان حروف میں ایک
کلمہ حذف کریں۔ یہی اس کی عام اصل ہے۔

اس پر تنوین نہ ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ اصل کلمہ کی رعایت کرتے ہوئے تنوین
کو حذف کر دیا گیا ہو کیونکہ خَيْرٌ مِنْ ذِيْدٍ کا معنی ہے آخِرٌ مِنْ ذِيْدٍ۔ اسی طرح شَرٌّ مِنْ فُلَانٍ کا
معنی ہے أَشَرٌّ مِنْ فُلَانٍ۔ تخفیف کی وجہ سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے یہ أَفْعَلُ کے وزن پر غیر
منصرف ہوتا ہے لیکن جب ہمزہ حذف کر دیا گیا تو یہ منصرف ہو گیا اس لئے اسے تنوین دی گئی لیکن اگر
یہ کہا جائے کہ اصل کلمہ کو دیکھتے ہوئے تنوین ساقط نہیں ہوئی تو یہ توجیہ بھی درست ہے اس کے ساتھ
ساتھ شعری ضرورت بھی تھی۔

كَرَاغِيَةِ السَّقْبِ۔ اس سے مراد اس اونٹنی کا بچہ ہے جس کی کوئی نچیں قدار نے کاٹی تھیں۔ وہ بچہ اپنی
ماں کی وجہ سے چیخا۔ اس کی وجہ سے ہر آواز والی چیز چیخنے لگی۔ اس وقت نمود ہلاک ہو گئے۔ اب

وَلَمَّا تَبَيَّنَ مِنَّا وَ مِنْكُمْ سَوَافٍ وَأَيَّدَ أَتَرَتْ بِالقُسَاسِيَّةِ الشُّهْبِ
 نہ ابھی تک ہماری اور تمہاری گردنیں اور ہاتھ اس طرح عیاں ہوئے ہیں جو قسائی تلواروں
 سے کئے ہوں۔

بِعُتْرِكَ ضَيْقٍ تَرَى كِسْرَ الْقَنَا بِهِ وَالنُّسُورَ الطُّخْمِ، يَعْكُفْنَ كَالشُّرْبِ
 ایسے خونریز معرکے میں جہاں تو شکستہ نیزوں کو دیکھے گا جہاں کالے سروں والے گدھ
 شرا بیوں کی طرح پڑے ہوں گے۔

كَانَ مُجَالَ الْخَيْلِ فِي حَجَرَاتِهِ وَ مَعْمَعَةَ الْآبِطَالِ مَعْرَكَةُ الْحَرْبِ
 گویا کہ اس کے گرد و پیش گھوڑوں کی آوازیں جنگ کے معرکہ میں جانوروں کا شور ہے۔
 أَلَيْسَ أَبُونَا هَاشِمٌ شَدَّ أَرْدَا وَ أَوْصَى بِنَيْهِ بِالطَّعَانِ وَ بِالضَّرْبِ
 کیا ہمارا باپ ہاشم نہیں ہے جس نے آپ کو قوی کیا اور اپنے بیٹوں کو نیزہ بازی اور شمشیر زنی
 کی وصیت کی۔

وَلَسْنَا نَمْلُ الْحَرْبَ حَتَّى تَمَلَّنَا وَلَا نَشْتَكِي مَا قَدْ يَنْوُبُ مِنَ النُّكْبِ
 ہم وہ نہیں جو جنگ سے اکتا جائیں حتیٰ کہ وہ ہم سے اکتا جائے اور ہم کسی مصیبت کا کسی
 سے شکوہ نہیں کرتے۔

وَلَكِنَّا أَهْلُ الْحَفَائِظِ وَالنُّهَى إِذَا طَارَ أَرْوَاحُ الْكُمَاةِ مِنَ الرُّعْبِ

اہل عرب ہر ہلاکت میں اسے بطور ضرب المثل بیان کرتے ہیں۔ علقمہ بن عبدہ کہتا ہے۔

رَعَا فَوْقَهُمْ سَقْبُ السَّمَاءِ فَذَا حِصٌّ بِشَكَّتِهِ لَمْ يُسْتَلَبْ وَسَلِيلٌ

آسمان سے آواز نے انہیں تباہ کر دیا۔ وہ کچلے ہوئے اور تباہ و برباد تھے۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

لَعَبْرِي لَقَدْ لَاقَتْ سُلَيْمٌ وَ عَامِرٌ عَلَى جَانِبِ الثَّرَاثِرِ رَاغِيَةَ الْبُكْرِ

مجھے اپنے زندگانی کی قسم! سلیم اور عامر نے ثرثار کی ایک طرف سے اونٹ کی آواز سنی۔

القُسَاسِيَّةُ الشُّهْبِ

اس سے مراد وہ تلواریں ہیں جو قسائے کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ وہاں بنو اسد کی لوہے کی کان
 تھی۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ کا نام ہے جہاں لوہے کی کان تھی۔ زاجر کلہاڑے کی صفت
 کرتے ہوئے کہتا ہے۔

لیکن ہم تو وہ ہیں کہ جب جوانوں کی روئیں رعب و دبدبہ کی وجہ سے پرواز کر جاتی ہیں تو ہم اس وقت بھی باحواس اور محافظ ہوتے ہیں۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب دو یا تین سال تک اس زہرہ گداز حالت میں رہے۔ کوئی شخص کوئی چیز ان تک نہ لے جاسکتا تھا۔ البتہ قریش کے چند افراد چھپ چھپا کر ان کی اعانت کرتے تھے۔

ابو جہل کی جہالت

ابو جہل بن ہشام، حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد سے ملا۔ اس وقت حکیم بن حزام کے ہمراہ ایک غلام تھا جس نے گندم اٹھا رکھی تھی وہ یہ گندم اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تک پہنچانا چاہتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی نبی محترم ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور تھیں۔ ابو جہل، حکیم بن حزام سے چٹ گیا۔ کہنے لگا ”کیا تم بنو ہاشم تک طعام پہنچا رہے ہو بخدا! میں تجھے اور تیرے کھانے کو نہیں چھوڑوں گا، میں تجھے مکہ میں رسوا کر دوں گا؟“ اتنے میں ابوالبحتری بن ہاشم بن حارث بن اسد بن عبد العزی بھی وہیں آ گئے۔ انہوں نے ابو جہل سے پوچھا تجھے اور حکیم کو کیا ہوا۔ ابو جہل نے کہا حکیم بن حزام بنو ہاشم کی طرف کھانا لے جا رہا تھا۔ ابوالبحتری نے کہا یہ اس کی پھوپھی کا کھانا ہے جو انہوں نے اس کی طرف بھیجا ہے۔ کیا تو اس سے بھی روکتا ہے کہ اس کا کھانا اسی کی طرف لے جایا جائے۔ اس کا راستہ چھوڑ دے لیکن ابو جہل نے انکار کر دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا۔ ابوالبحتری کو اونٹ کے جڑے کی ہڈی مل گئی۔ انہوں نے اسے ابو جہل کو دے مارا جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قریب کھڑے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ ناپسند کرتے تھے کہ اس واقعہ کی خبر حضور ﷺ یا صحابہ کرام تک پہنچے جس سے وہ مزید غمزدہ ہوں۔ حضور ﷺ شب و روز سراو جہرا اپنی قوم کو پیغام حق سناتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا اعلان فرماتے رہے۔ تبلیغ دین میں آپ ﷺ کو کسی سے کوئی خوف نہ تھا۔

أَحْضَرُ مِنْ مَّعْدِنٍ ذِي قُسَاسٍ كَأَنَّهُ فِي الْحَيِّدِ ذِي الْآفَاسِ
يَوْمِي بِهِ فِي الْبَلَدِ الذَّهَاسِ

وہ ذوق ساس کی معدن سے تیز تر ہے گویا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر داڑھوں والی کوئی چیز ہے جس کے ساتھ نرم شہر پر حملہ کیا جاتا ہے۔

ابو عبید ”قساسیہ“ کے متعلق کہتے ہیں۔ ”مجھے معلوم نہیں کہ اسے کس طرف منسوب کیا گیا ہے۔“

حضور ﷺ کی ذات والا صفات پر جو روستم

جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ہر طرح کی حفاظت فرمائی۔ آپ ﷺ کے چچا، بنو ہاشم اور بنو مطلب آپ ﷺ کی ہر قسم کی اعانت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو قریش نے آپ ﷺ پر گرفت سخت کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے، مذاق کرتے اور آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے۔ قرآن پاک قریش کے متعلق اترنے لگا۔ بعض دشمنانِ مصطفیٰ ﷺ کے نام قرآن پاک میں مذکور ہیں جبکہ بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے عام کافرین کا ذکر کیا ہے۔

ابولہب اور اس کی بیوی

وہ کفار جن کے نام قرآن پاک میں مذکور ہوئے ان میں ابولہب بن عبدالمطلب اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بن امیہ ہے۔ ام جمیل کو قرآن پاک نے حمالۃ الحطب کے لقب سے پکارا ہے کیونکہ وہ کانٹے اٹھا کر لاتی تھی اور راہِ مصطفیٰ ﷺ میں بچھا دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں۔

تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهُ وَمَا کَسَبَ ۚ سَیَصْلٰی نَارًا اِذَا تَلَهَبٌ ۚ وَ

ام جمیل، مسد اور اس کا عذاب

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ ام جمیل جنگل سے خاردار جھاڑیاں لا کر ان راہوں پر بکھیرتی تھی جہاں سے تاجدارِ دو جہاں ﷺ نے گزرنا ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ”حَمَالَةُ الْحَطَبِ“ کے نام سے موسوم کیا۔ حضرت امام سیوطی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کانٹوں کو حطب سے کنایہ تعبیر فرمایا ہے چونکہ لکڑیاں رسی کے ساتھ ہی باندھی جاتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے گلے میں رسی کے ساتھ سزا دی تاکہ جزاءِ فعل کے مطابق ہو جائے۔

صرف مسد کا ذکر کیا ہے حَبَّ ۚ مَسَدٌ کا ذکر نہیں کیا اور مَسُوْدٌ کا ذکر کیا ہے تاکہ اس سے لطیف معنی مراد لیا جاسکے۔ بعض اہل تفسیر کہتے ہیں عرف میں ”مسد“ ڈول کی رسی کو کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ ام جمیل کے ساتھ جہنم میں اسی طرح کیا جائے گا جس طرح ڈول کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ رسی سے اٹھا کر جہنم کے کنارے تک لایا جائے گا پھر اسے جہنم کی گہرائیوں میں پھینک دیا جائے گا۔ مسد عرف میں ار رسی کو کہا جاتا ہے جسے ڈول کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔

امْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۖ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝ (الہب)

ابن ہشام کہتے ہیں الْجَبِيدُ سے مراد گردن ہے۔ اعشی بن قیس بن ثعلبہ کہتا ہے۔

يَوْمَ تَبْدِي لَنَا قَتِيلَةً عَنْ جَيْدٍ أَسِيلٍ تَزِينُهُ الْأَطْوَاقُ
”جس دن قتیلہ ہمارے لئے وہ نرم و نازک گردن ظاہر کرے گی جسے زنجیریں مزین کر رہی
ہوں گی۔“

جید کی جمع اجیاد آتی ہے۔ ”مَسَد“ ایک درخت ہے جس سے رسیاں اسی طرح بنائی جاتی
ہے جس طرح سبز کائی سے رسیاں بنی جاتی ہیں۔ نابغہ ذبیانی، زیاد بن عمرو بن معاویہ کہتا ہے۔
مَقْدُوفَةٌ بِدَحِيسِ النَّحْصِ بَازِلُهَا لَهُ صَرِيْفٌ صَرِيْفٌ الْقَعْوِ بِالْمَسَدِ
”وہ بیلوں میں سے سب سے جوان بیل ہے۔ اس کا جسم گوشت سے بھرپور ہے اس کی
آواز اس طرح آتی ہے جس طرح کاہی کی رسی بٹے وقت پھر کیوں کی آواز آتی ہے۔“
مَسَدٌ کا واحد مَسَدَةٌ ہے۔

لَهُ صَرِيْفٌ صَرِيْفٌ الْقَعْوِ بِالْمَسَدِ

ایک اور شاعر اپنے اونٹ کو پانی پلاتے ہوئے کہتا ہے۔

يَا مَسَدَ الْخُوصِ تَعَوِّذُ مِنِّي اِنْ تَكُ لَدُنَّا لَيْنًا فَاِنِّي
مَا شِئْتُ مِنْ اَشْطَ مُقْسِنٍ

اے کھجور کی رسی مجھ سے پناہ مانگ۔ اگرچہ تو نرم و نازک ہے لیکن میں کالے اور سفید بالوں والے
بوڑھے کو نہیں چاہتا۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

يَا رَبَّ عَبَسَ لَا تُبَارِكْ فِي أَحَدٍ فِي قَائِمٍ مِنْهُمْ، وَ لَا فِيمَنْ قَعَدَ
غَيْرَ الْأُولَى شَذُّوا بِأَطْرَافِ الْمَسَدِ

اے عیس کے رب ان میں سے کسی ایک کو بھی بابرکت نہ بنانے میں سے کھڑے ہونے والے کو
نہ بیٹھنے والے کو سوائے ان لوگوں کو جو مسد کی اطراف سے پانی پلاتے ہیں۔

ایک اور شاعر اپنے جانور کو پانی پلاتے ہوئے کہتا ہے۔

وَ مَسَدٍ أَمْرٌ مِنْ آيَاتِ لَيْسَ بِأَيَّابٍ وَ لَا حَقَّ آيَقَ

یہ ایک ایسا رسا ہے جو اونٹنیوں کی جلدوں سے بنایا گیا ہے لیکن وہ اونٹنیاں نہ بوڑھی تھیں اور نہ ہی

چار سالہ تھیں۔

ایانق، اینق کی جمع ہے یہ ناقہ کی جمع ہے جسے مقلوب کیا گیا ہے۔ دراصل یہ انوق تھا واؤ کو یاء میں بدلا گیا کیونکہ اسے نیاق میں یاء میں تبدیل کیا گیا ہے۔ اہل عرب دو ہمزوں کے اجتماع سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے اصل پر رکھتے ہوئے نوق کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ کے متعلق کہا۔ "قَدْ حَرَّمْتُهَا إِلَّا الْعَصْفُورَ قَتَبَ أَوْ مَسَدٍ مُحَالَةً۔" دوسری حدیث مبارک میں ہے اَنَّهُ حَرَّمَهَا بَرِيدًا فِي بَرِيدٍ إِلَّا الْيَنْجِدَةَ أَوْ مَسَدٍ۔ الْيَنْجِدَةَ سے مراد چرواہے کی لاشی ہے۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں کُلُّ مَسَدٍ رِشَاءٌ۔ ہر ڈول کی رسی کو رشاء کہا جاتا ہے پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

وَبَكْرَةٌ وَ مِخْوَرًا صَرَارًا وَ مَسَدًا مِنْ آبَقٍ مُغَارًا
وہ چرخی پر چڑھنے والی بہت مضبوط اور گھومنے والی رسی ہے جسے پٹ سن سے خوب بٹا گیا ہے۔
أَنْزَعُهَا تَمَطُّيًا وَمَثًا بِالْمَسَدِ الْمَثْلُوثِ أَوْ يَوْمِ مَثَا
میں اسے روندتے ہوئے اور بٹی ہوئی رسی سے یا پرانی رسی سے لپیٹتے ہوئے کھینچتا ہوں۔ اب تو تیرے لئے واضح ہو گیا ہوگا کہ "مسد" سے مراد کنویں کی رسی ہے۔ جہنم (اللہ تعالیٰ پناہ دے) کی صفت میں آیا ہے کہ وہ کنویں کی طرح ہے جس کی دو شاخیں ہیں۔ اس طرح کلام میں انتہائی مناسبت پیدا ہو گئی۔ کلام الہی حشو و زوائد سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقام بلند و برتر ہے اور قرآن پاک اسی کی کتاب عزیز ہے۔

مجاہد کا یہ قول "اس سے مراد وہ زنجیر ہے جس کی لمبائی ستر گز ہے۔" بھی ہمارے قول کی نفی نہیں کرتا کیونکہ ممکن ہے کہ اس زنجیر سے ام جمیل وغیرہا کو باندھا جائے۔ حضرت ابو درداء نے اپنی زوجہ سے کہا "اے ام درداء! اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسی زنجیر ہے جس سے قیامت تک جہنم کی ہنڈیاں جوش مارتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی ذات پر ایمان لانے کی وجہ سے اس کے نصف سے آزاد فرما دیا ہے۔ باقی نصف سے مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلا کر نجات حاصل کر لو۔" مجاہد فرماتے ہیں، "ام جمیل خاردار لکڑیاں جمع نہیں کرتی تھی بلکہ وہ چغل خوری کرتی تھی۔" کلام عرب میں حطب کا یہ استعمال عام ہے۔ ابن اسفلت قریش سے مخاطب کر کے کہتا ہے۔

وَنَبِّتُكُمْ شَرْجِينَ كُلِّ قَبِيلَةٍ لَهَا ذِمْلٌ مِنْ بَيْنِ مُذَلٍّ وَ حَاطِبٍ
میں نے تمہیں ہر قبیلے کی دو انواع کے متعلق بتا دیا ہے۔ ہر قبیلے کے کچھ لوگ عداوت کی آگ

جلاتے ہیں اور کچھ ایندھن لاتے ہیں۔

عداوت کی آگ جلانے والے کو مُدُیّی اور چغل خور اور اس لڑائی کے لئے ایندھن جمع کرنے والے کو حَاطِب کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مفہوم بھی اسی طرح ہے۔ ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ“ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ قنات سے مراد وہ شخص ہے جو آگ جلانے کے لئے ایندھن لکڑیاں اور گھاس وغیرہ جمع کرتا ہے۔

جید اور عنق

اللہ تعالیٰ نے جَيِّدًا کا لفظ استعمال کیا ہے عُنُقُهَا کا لفظ استعمال نہیں کیا جہاں تھپڑ یا طوق کا ذکر ہو وہاں عنق استعمال کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا (یسین - ۸) ”ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق۔ جب حسن اور زیور کا ذکر کیا جائے تو وہاں ”جید“ استعمال کرتے ہیں۔ بلاغت کی رو سے یہاں جید کا لفظ نہایت عمدہ ہے کیونکہ ام جمیل عورت ہے اور عورتیں اپنے زیورات سے زیبائش حاصل کرتی ہیں۔ ام جمیل کا آخرت میں یہی زیور ہوگا کہ اس کے گلے میں رسی ہوگی۔ زیور کے استعمال کے مقام پر ”جید“ کے لفظ کا استعمال بہت عمدہ ہے یہ ایک لطیف معنی ہے۔ الاغشی نے بھی یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ دوسرا شاعر کہتا ہے۔ أَحْسَنُ مِنْ عِقْدِ الْبَلِيْحَةِ جَيِّدًا۔ حسینہ کے ہار سے اس کی گردن خوبصورت ہے۔ شاعر نے بھی جید کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ عنق استعمال نہیں کیا۔ ورنہ اس کا کلام ردی ہوتا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دیکھو۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (آل عمران) ”پس انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔“ یعنی ان کے لئے عذاب الیم کی ہی بشارت ہے۔ عمرو بن معدیکرب کہتا ہے۔

وَ خَيْلٍ قَدْ دَلَفَتْ لَهَا بِخَيْلٍ تَحِيَّةٌ بَيْنَهُمْ كَرْبٌ وَ جِيعٌ
”کتنے ہی ایسے لشکر ہیں جنہیں میں نے دوسرے لشکر سے ملا دیا۔ ان کے درمیان سلام دردناک کرب و اذیت تھا۔“ یعنی ان کے مابین کوئی سلام نہ تھا۔ ”فِيْ جَيِّدٍهَا حَبْلٌ مِنْ مَّسَدٍ“ کا بھی یہی معنی ہے یعنی اس کے لئے وہاں ایسا کوئی زیور نہیں ہوگا جس سے وہ آرائش کر سکے البتہ اس کے لئے ڈول کی رسی ہوگی۔

إِمْرَأَتُهُ۔ اللہ رب العزت نے زوجہ کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ ام جمیل آخرت میں ابولہب کی بیوی

نہیں ہوگی۔ تَزْوِیج ایک شرعی زیور ہے یہ ایک دینی امر ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس صفت سے محروم کر دیا ہے۔ بس طرح اس نے حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کو اس سعادت سے محروم کر دیا۔ اللہ رب العزت نے امْرَأَةُ نُوح، امْرَأَةُ لُوط کہا، زَوْجُ نُوح، زَوْجُ لُوط نہیں کہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ارشاد ربانی ہے۔

اَسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرة: ۳۵) ”تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو۔“

نبی مکرم ﷺ کے لئے فرمایا۔ قُلْ لَا ذَوَاجَ لَكَ۔ ”آپ ﷺ فرمادیتے اپنی بیبیوں سے۔“
وَازْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ۔ ”اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔“
لیکن اگر ولادت اور حمل کا تذکرہ ہو تو وہاں لفظ امْرَأَة کا استعمال بہتر ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے۔ وَكَانَتْ امْرَأَتِي عَاقِرًا (مریم: ۸) ”اور میری عورت تو بانجھ ہے۔“
فَاَقْبَلَتْ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ (الذاریات: ۲۹) ”پس آئی آپ کی بیوی چہیں بجبیں ہو کر۔“ کیونکہ
تانیث کی صفت حمل اور وضع کا تقاضا کرتی ہے۔ اس وقت اس کی حیثیت زوج کی طرح نہیں ہوتی۔

حسن و جمال میں غلو

ابن اسحاق نے الاغشی کا یہ شعر لکھا ہے۔ یَوْمَ تَبْدِي..... تَزَيِّنُهُ کا معنی ہے طوق اس کے حسن و جمال میں اضافہ کا سبب تھا۔ کلام کا مقصود بھی یہی ہے۔ مولدون شعراء اسی انداز سے حسن و جمال میں غلو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حماسہ میں حسین بن مطیر کا یہ شعر مذکور ہے۔

مُبَلَّلَةُ الْأَطْرَافِ زَانَتْ عَقُودَهَا بِأَحْسَنَ مِنَّا زَيْنَتَهَا عَقُودَهَا
وہ نرم پوروں والی جس نے اپنے ہاروں کو اس سے کہیں زیادہ زینت بخشی جتنا اس کے ہار اسے
مزین کر رہے تھے۔

خالد قسری نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ ”خلافت تو لوگوں کے لئے زینت ہوتی ہے لیکن آپ اس کے لئے زینت ہیں۔ خلافت لوگوں کو صاحب شرف بناتی ہے لیکن آپ سے خلافت کو شرف ملا۔ جس طرح مالک بن اسماء نے کہا ہے۔

تَزِيدُنِ اطِّيبَ الطِّيبِ طِيبًا اِنْ تَمَسَّيْهِ، اَيْنَ مَمْلُوكِ اَيْنَا
وَإِذَا الدُّرُّ ذَانَ حُسْنَ وَجُوهَا كَانَ لِلدُّرِّ حُسْنُ وَجْهِكَ زَيْنَا
اے میری محبوبہ! اگر تو سب سے عمدہ خوشبودا لے کو چھو لے تو اس کی خوشبو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

تیری نظر کہاں ہے بلاشبہ موتی چہروں کے جمال میں اضافہ کرتے ہیں لیکن تیرے چہرے کی وجہ سے

موتی کا حسن فزوں تر ہو گیا۔“

حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”تمہارے اس صاحب نے صرف ایک قول پیش کیا ہے کوئی معقول چیز پیش نہیں کی۔“ امام سہیلی فرماتے ہیں کیونکہ خالد کا مقصد خوشامد کرنا تھا اس لئے حضرت عمر نے اس کی بات کو اچھا نہ سمجھا۔ حالانکہ اسی قسم کا قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ تحقیق وجہ تو نے ان کے قول کو سچ کر دکھایا اور ان کا یہ قول خوشامد اور افتراء سے بھی بعید ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ انہوں نے خلافت کے عہد کو سر بہر کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا۔ حضرت عمر جانتے نہ تھے کہ اس میں کیا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا تو وہ حزین و غمگین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا آپ نے مجھ پر وہ بوجھ ڈالا ہے جسے میں اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا۔ آپ نے مجھے اس گھاٹ پر اتارا ہے جس سے واپسی کی راہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”میں نے خلافت سے آپ کو مشرف نہیں کیا بلکہ آپ سے خلافت کو معزز کیا ہے۔ میرا مقصد آپ کی برائی نہیں بلکہ میں آپ کی وجہ سے لوگوں کو کیف و سرور عطا کرنا چاہتا ہوں“ طیبہ نے اس مفہوم کو اس طرح ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

مَا أَثْرُوكَ بِهَا إِذْ قَدَّمُوكَ لَهَا لَكِنْ لِأَنفُسِهِمْ كَانَتْ بِهَا الْإِثْرُ
جب لوگوں نے آپ کو خلافت پیش کی تو انہوں نے خلافت کی وجہ سے آپ کو مشرف نہیں بخشا بلکہ اس کی وجہ سے وہ خود ہی محترم و معزز ہو گئے۔

عبداللہ بن عباس رومی نے اسی معنی کو ”نسب“ میں اس طرح عمدہ بیان کیا ہے۔

وَ أَحْسَنُ مِنْ عِقْدِ الْبَلِيحَةِ جِيدُهَا وَ أَحْسَنُ مِنْ سِرْبِهَا الْمُتَجَرِّدُ
حسینہ کے ہار سے اس کی گردن خوبصورت ہے اور اس کے لباس سے اس کا جسم حسین ہے۔

وہ شعر جس میں مبالغہ اور تفسیر نہیں۔ وہ رضی کا یہ قول ہے۔

حَلِيَّةٌ جِيدُهُ لَا مَا يُقْلِدُهُ وَ كُحْلُهُ مَا بَعَيْنِيهِ مِنَ الْكَحْلِ
اس کا زیور اس کی حسین گردن ہی ہے نہ وہ جو اس نے پہن رکھا ہے اور اس کا سرمہ وہی ہے جو اس کی آنکھوں میں دست قدرت نے لگایا ہے۔

ثعالبی کے ان اشعار میں بھی اسی طرح کا مفہوم ادا کیا گیا ہے۔

وَمَا الْحَلِيُّ إِلَّا حِيلَةٌ مِنْ نَقِیْصَةٍ يَتِيمٌ مِنْ حُسْنٍ إِذَا الْحُسْنُ قَصْرًا
فَإِذَا كَانَ الْجَمَالُ مُوقَرًا فَحُسْبُكَ لَمْ يَخْتَجِرْ إِلَى أَنْ يُزَوَّرَا

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ جب ام جمیل کو معلوم ہوا کہ اس کے اور اس کے خاوند کے متعلق کیا نازل ہوا ہے تو وہ حضور ﷺ کے پاس آئی اس وقت حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کے پاس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ام جمیل کے ہاتھ میں پتھر تھا۔ جب وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت کو چھین لیا۔ اسے صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی نظر آئے۔ اس نے پوچھا ”اے ابو بکر! تمہارا ساتھی

زیور کا مقصد کیا ہے؟ صرف یہ کہ حسن میں کمی کو دور کرے جبکہ حسن میں کوئی عیب ہو۔ جب حسن و جمال بہت زیادہ ہو تو پھر تجھے زیورات سے آراستہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ میں نے قاضی ابو بکر محمد ابن عربی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ ابو الفضل الجوهری الزاہد نے ایک مرتبہ حج کیا۔ جب انہوں نے کعبہ مشرفہ کی زیارت کی اور اس پر ریشم کے پردے دیکھے تو کہا۔

مَا عُلِقَ الْحَلِيُّ عَلَى صَدْرِهَا إِلَّا لَمَّا يُخْشَى مِنَ الْعَيْنِ
تَقُولُ وَالذُّرُّ عَلَى نَحْرِهَا مَنْ عُلِقَ الشَّيْنُ عَلَى الزَّيْنِ
اس کے سینے پر یہ زیورات صرف بد نظری کے خوف سے لٹکائے گئے ہیں۔ موتی اس کے سینے پر ہیں لیکن وہ کہہ رہا ہے۔ اس زیب و زینت پر یہ عیب کس نے لٹکا دیا ہے۔
الاعشى کے مذکورہ بالا شعر کے بعد یہ اشعار ہیں۔

وَسْتَيْمَتْ كَالْأَقْحَوَانِ جَلَاهُ الطَّلُّ فِيهِ عُدُوبَةٌ وَالتِّسَاقُ
وَ أَيْمَتْ جَحْلُ النَّبَاتِ تُرْوِيهِ لَعُوبٌ غَرِيرَةٌ مِفْتَاقُ
حُرَّةٌ طِفْلَةٌ الْآنَامِلِ كَالذَّمِيَّةِ لَا عَانِسُ وَلَا مِهْزَاقُ
اس کے دانت بابونہ کی مانند ہیں جسے شبنم نے میراب کیا ہو جس میں مٹھاس اور وسعت ہو، اس کے بال سیاہ اور گھنے ہونے میں جڑی بوٹی کی چیونٹیوں کی طرح ہے جسے ایک بھولی بھالی اور تیز زبان دوشیزہ نے میراب کیا ہو، وہ ایک آزاد عورت ہے جس کے پورے نرم و نازک ہیں وہ گڑیا کی طرح ہے جو نہ تو بہت سے ہنسنے والی ہے اور نہ ہی کافی عرصہ بغیر نکاح کے رہنے والی ہے۔

الفہر

ام جمیل نے کہا لَوْ وَجَدْتُهُ لَضَرَبْتُ بِهِذَا الْفَهْرَ فَاهُ۔ اگر میں نے انہیں پالیا تو میں یہ پتھر ان کے سر پر دے ماروں گی۔ فہر مونث استعمال ہوتا ہے اس کی تصغیر فہرّہ ہے لیکن ام جمیل نے اسے مذکر استعمال کیا ہے۔

کہاں ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے۔ بخدا اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس کے چہرے پر یہ پتھر ماروں۔ بخدا! میں بھی شاعر ہوں“ پھر اس نے یہ شعر کہا۔
 مُدَمِّمًا عَصِيْنَا وَآمْرَةً أَبَيْنَا وَدَيْنُهُ قَلَيْنَا۔ ہم نے مذمم کی نافرمانی کی۔ ہم نے اس کے حکم کا انکار کیا اور ہم نے اس کے دین سے ناراضگی کا اظہار کیا۔
 پھر ام جمیل وہاں سے چلی گئی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ام جمیل نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی چھین لی تھی۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ دَيْنُهُ قَلَيْنَا۔ ابن اسحاق سے روایت نہیں ہے۔
 ابن اسحاق کہتے ہیں قریش نبی محترم ﷺ کو ”مذمم“ کہتے تھے یہ لفظ استعمال کر کے وہ آپ ﷺ کو برے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے۔ ”کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی اذیت کو مجھ سے کس طرح دور کیا ہے۔ وہ مذمم کی ہجو کرتے اور اسے گالیاں دیتے ہیں۔ میں تو محمد (سراپا ستائش) ﷺ ہوں۔“
 امیہ بن خلف

امیہ بن خلف بن وہب بن جذافہ بن جمح جب حضور ﷺ کو دیکھتا تو زبان سے بکواس اور آنکھ سے اشارے کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ سورت نازل فرمائی۔
 وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۚ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۚ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۚ كَلَّا لَيُثْبَتَنَّ فِي الْخُطْمَةِ ۚ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْخُطْمَةُ ۚ تَارَاهُ اللَّهُ الْمُوقَدَةُ ۚ الَّتِي تَطْلِعُ عَلَى الْآفُقِ ۚ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۚ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۚ (ہمزہ)

”ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (رو برو) طعن دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے وہ اللہ

مذمم اور حضرت خباب کی حدیث

حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کیا تم نے دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی اذیت ناک باتوں کو کس طرح مجھ سے پھیر لیا ہے..... السدوی نے اس حدیث کو ”کتاب الطلاق“ میں ذکر کیا

کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک جا پہنچے گی بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔“

ابن ہشام کہتے ہیں الہمزۃ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو علانیہ گالیاں دیتا ہو اور آنکھوں سے اشارے کرتا ہو۔ حضرت حسان بن ثابت کہتے ہیں۔

هَمْزُكَ فَاحْتَضَعْتُ لِذَلِكَ نَفْسٍ بِقَافِيَةٍ تَأْجِبُ كَالشُّوَاطِ
”میں نے تیرے عیب ایسے قافیہ سے بیان کئے جو شعلے کی طرح شرفشاں تھے مگر تو نے نفس کی ذلت کے لئے عاجزی کی۔“ ہمزہ کی جمع ہمزات ہوتی ہے۔ لَمْزۃ اس شخص کو کہتے ہیں جو چھپ کر لوگوں کے عیب بیان کرے اور انہیں اذیت دے۔ روبہ بن عجاج کہتا ہے۔

فِي ظِلِّ عَصْرِي بَاطِلِي وَ لَمْزِي۔ میرے باطل اور میری عیب جو یوں نے میرے زمانہ کے سایہ میں پرورش پائی۔ لَمْزۃ کی جمع لَمْزَات آتی ہے۔

عاص بن وائل

حضرت خباب بن الارث رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے صحابی تھے وہ کاریگر تھے اور مکہ معظمہ میں تلواریں بناتے تھے۔ عاص بن وائل نے ان سے کچھ تلواریں بنوائیں جس کی وجہ سے عاص حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا مقروض ہو گیا۔ ایک دن حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس سے قرض کا تقاضا کیا۔ عاص نے کہا ”اے خباب! کیا وہ محمد ﷺ جن کا دین تو نے اختیار کر رکھا ہے یہ گمان نہیں کرتے کہ جنت میں سونا، چاندی، کپڑے، خدام اور ہر وہ چیز ہوگی جس کا اہل جنت مطالبہ کریں گے۔“ حضرت خباب نے فرمایا ”ہاں وہ فرماتے ہیں۔“ عاص نے کہا ”اے خباب! پھر مجھے روزِ حشر تک مہلت دو۔ حتیٰ کہ میں دارِ آخرت میں جاؤں۔ میں وہاں تمہارا قرض ادا کروں گا۔ اے جناب! قسم بخدا! نہ تم اور نہ ہی تمہارا صاحب بارگاہِ ربوبیت میں مجھ سے زیادہ معزز ہوں گے اور نہ ہی تمہیں وہاں مجھ سے زیادہ حصہ ملے گا۔“ اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

أَفْرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُؤْتِيَنَّ مَالًا وَلَدًّا ۖ أَظَلَمَ الْغَيْبِ أَمْ رَأَيْتُ خُذَّ
”اے محمد ﷺ! کَلَّا! سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۖ وَنُزِيلُ مَا يَقُولُ وَ

ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی نے ایسے کلام سے طلاق دی جو طلاق سے مشابہت نہیں رکھتے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ یہ ایک اچھا استدلال ہے۔ اہل قریش مذم کو دشنام کرتے تھے۔ مذم آپ ﷺ کے کسی اسم مبارک سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اس لئے یہ اذیت

يَا أَيُّهَا قُرْآنُ (مریم)

”کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور پس ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمن سے کوئی وعدہ؟ ہرگز ایسا نہیں ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے اس کے لئے عذاب کو خوب لمبا کرنا اور ہم ہی وارث ہوں گے۔

ابو جہل

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابو جہل بن ہشام نے حضور ﷺ سے ملاقات کی اس نے کہا ”اے محمد (فداہ ابی و امی و روحی) ﷺ! ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہا کرو ورنہ ہم بھی اس خدا کو برا بھلا کہیں گے جس کی تم عبادت کرتے ہو“۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔
 وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام: ۱۰۸)
 ”اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے“۔

آپ ﷺ تک نہ پہنچی۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا۔ کُلِّیْ وَاشْرَبِی۔ تو کھا، پی۔ اس سے اس کا ارادہ طلاق ہو تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس عبارت سے طلاق کو تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

أَرَأَيْتَ

اس پر پہلے بحث ہو چکی ہے کہ اس کے ساتھ اس طرح استفہام ذکر کرنا جائز نہیں جس طرح عَلِمْتَ وغیرہ کے ساتھ جائز ہے۔ یہاں ہمزہ کُفِّرَ میں عمل کر رہا ہے۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ دوبارہ ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

سد ذرائع

ابن اسحاق نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تذکرہ کیا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ..... مالکیہ کے نزدیک بیوع اور بہت سے دیگر احکام میں ذرائع اور مراعات کے اثبات میں یہی آیت اصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معبودان باطلہ کو گالیاں دینا، امور دینیہ میں سے تھا جب یہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے کا سبب بنا تو اللہ تعالیٰ نے معبودان باطلہ پر دشنام طرازی سے منع فرمادیا۔ اسی طرح جس ذریعہ سے سودی کاروبار کا خطرہ ہوا سے بھی روکنا چاہئے۔ یہی حکم ان ذرائع کا ہے جن سے حرام میں پڑنے کا اندیشہ ہو لیکن شوائع

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے لگے۔

نضر بن حارث

جب حضور ﷺ کسی جگہ تشریف فرما ہوتے تو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ قریش مکہ کو اس عذاب سے ڈراتے جو سابقہ امتوں کو مل چکا تھا۔ جب حضور ﷺ اس محفل سے تشریف لے جاتے تو نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدۃ بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی وہاں بیٹھ جاتا۔ وہ لوگوں سے رستم، اسفندیار اور شہنشاہانِ فارس کی داستانیں بیان کرتا پھر کہتا۔ ”بخدا! محمد ﷺ کا کلام میرے کلام سے عمدہ نہیں ہے۔ ان کا کلام تو سابقہ لوگوں کے افسانے ہیں۔ وہ ان افسانوں کو اسی طرح لکھ لیتے ہیں جس طرح میں انہیں رقم کرتا ہوں۔“ اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۖ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ
السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (الفرقان)

”اور کفار نے کہا یہ افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوا لیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تاکہ ازبر ہو جائیں) آپ فرمائیے اتارا ہے اس کو اس

کسی چیز کو بھی حرام کی طرف ذریعہ نہیں بناتے۔ وہ ان بیوع میں سے کسی چیز کو بھی مکروہ نہیں سمجھتے جن میں سود کی طرف جانے کے ذریعہ کا اندیشہ ہو۔ امام شافعی فرماتے تھے۔ ”مسلمان پر تہمت لگانا اور اس پر بدگمانی رکھنا حرام ہے۔“ شوافع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اِنَّمَا الرَّبَّ عَلَىٰ مَنْ قَصَدَ الرَّبَّ۔ سود اس کا ہوگا جس نے سود کا قصد کیا ہوگا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ اس حدیث شریف میں بھی ان کے لئے دلیل ہے۔ شوافع کہتے ہیں مذکورہ بالا آیت کا تعلق اس سے نہیں ہے کیونکہ اس میں کسی مؤمن پر کوئی تہمت اور سختی نہیں ہے۔ جس طرح کہ اس ذریعہ سے بچا جاتا ہے جس سے ان اشیاء کی حلت کا خطرہ ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے سے بھی بچنا چاہئے۔ یہ دونوں سمتیں قابلِ مذمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ ربا مشہور ہے جس کا تعلق ربا سے نہ ہوگا وہ بیع ہوگا اس مسئلہ میں فریقین کے دلائل وسیع اور پختہ ہیں۔

(خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو واقعی وہ بہت بخشے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٠﴾ ”جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔“

وَيُلْ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٥١﴾ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنَّ لَمْ يَسْمَعْهَا قَبَسْرُهُ بِعَذَابِ الْيَمِينِ ﴿٥٢﴾ (الجماعیہ)

ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لئے جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں جیسے اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔“

ابن ہشام کہتے ہیں أَفَّاكٌ کا معنی كَذَّابٌ ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ أَفَّاكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿٥٣﴾ وَلَدَا اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٥٤﴾ (الصافات)

”غور سے سنو! وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں اللہ نے بچے جنے وہ بلاشبہ جھوٹ بکتے ہیں۔“

روایت کہتا ہے لَا مَرِيءَ أَفَّاكٌ قَوْلًا إِفَّاكًا۔ اس شخص کو جو جھوٹ گھڑتا ہے کیا ملتا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں ایک دن حضور ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما

نضر بن حارث

ابن اسحاق نے نسب میں کلدہ بن علقمہ کا ذکر کیا ہے۔ دیگر اہل نسب نے اسے علقمہ بن کلدہ کہتے

ہیں۔ ابی بحر کی کتاب کے حاشیہ میں ابو الولید سے اسی طرح روایت ہے۔ نضر، رستم اور اسفندیار کی

داستانیں سیکھ لیتا تھا پھر کہتا تھا، ”میں انہیں اسی طرح لکھ لیتا ہوں جس طرح محمد ﷺ لکھ لیتے ہیں۔“

رستم الشید فارسی کا لفظ ہے اس کا معنی ”ذو ضیاء“ ”صاحب نور“ ہے۔ شید اور شاد دونوں کا معنی ایک ہے۔

انہی شہنشاہوں میں سے ایک کا نام ارغشہ ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے ایک بادشاہ کا نام جم شاذ

ہے یہ زمین کے پہلے بادشاہوں میں سے تھا اس ہی کو ضحاک (بیوراسب) نے قتل کیا تھا وہ افریدون اور

جم کے عہد حکومت تک زندہ رہا ہے۔ افریدون اور جم کے مابین نو آباء تھے۔ ضحاک نے اسے قتل کرتے

وقت کہا ”میں نے تجھے جم کے بدلے قتل نہیں کیا نہ ہی تو اس کے برابر ہو سکتا ہے بلکہ میں نے تو تجھے ایک

نیل کے بدلے قتل کیا ہے جو اس کے گھر میں تھا۔“ رستم اور اسفندیار کا کچھ تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

تھے۔ نضر بن حارث آیا وہ بھی اسی محفل میں بیٹھ گیا۔ اس محفل میں اور بھی بہت سے قریشی تھے۔ حضور ﷺ ان سے محو کلام تھے، نضر بن حارث آپ ﷺ سے بحث کرنے لگا، حضور ﷺ نے اسے خاموش کرادیا پھر انہیں یہ آیت سنائی۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ﴿١٠﴾ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءَ إِلَهًا مَا رَدُّوهُمَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾ لَهُمْ فِيهَا زُفُفٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٢﴾ (الانبیاء)

”بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو تمہیں اس میں جانا ہے۔ اگر یہ خدا ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور ان سب کو ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔ وہ اس میں رہیں گے اور وہ اس میں کچھ نہیں سنیں گے۔“

ابن ہشام کہتے ہیں حَصَبُ جَهَنَّمَ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے جہنم کو شعلہ فشاں کیا گیا ہے۔ ابو ذویب خویلد بن خالد الہذلی کا شعر ہے۔

فَاطْفِيْ وَلَا تُوقِدْ وَلَا تَكُ مُحْصِبًا لِّنَّارِ الْعُدَاةِ اِنْ تُطِيْرَ شَكَاتُهَا
تو آگ کو بجھا۔ اسے جلا مت۔ عداوت کی آگ کا ایندھن نہ بن ممکن ہے اس کی چنگاریاں
اڑنے لگیں۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

حَصَاتُ لَهُ نَارِي فَابْصَرَ ضَوْئَهَا وَمَا كَانَ لَوْ لَا حَضَاةُ النَّارِ يَهْتَدِي
میں نے اس کے لئے آگ جلائی اس نے اس کی روشنی کو دیکھا، اگر آگ کی روشنی نہ ہوتی تو
وہ راہِ راست پر گامزن نہ ہو سکتا۔

ابن زبیری اور اخنس

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر حضور ﷺ مسجد حرام سے تشریف لے گئے۔ عبد اللہ بن زبیری وہاں آ بیٹھا۔ ولید بن مغیرہ نے عبد اللہ سے کہا۔ ”اللہ کی قسم! ابھی ابھی نضر بن حارث نہ تو ابن

ابن زبیری کا قول اور حضرت عزیر

اگر ابن زبیری اور قریش کے اعتراض کو دیکھا جائے تو وہ دو اعتبار سے درست نہیں۔

۱۔ اس آیت میں قریش اور بتوں کے پجاریوں کو خطاب ہے۔ عبد اللہ کا قول اِنَّا نَعْبُدُ الْمَلَائِكَةَ۔ جدا ہے یہ تمام گفتگو اور بحث لات، عزلی، ہبل اور ان کے دیگر بتوں کے متعلق ہے۔ ۲۔ اللہ رب العزت

عبدال مطلب (حضور ﷺ) کے لئے اٹھا اور نہ بیٹھا۔ محمد ﷺ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اور وہ معبودان جن کی ہم عبادت کرتے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ عبداللہ بن زبیری نے کہا اگر میں محمد (فداہ روجی) ﷺ کو پالیتا تو ان سے مناظرہ کر کے انہیں خاموش کر دیتا۔ محمد ﷺ سے پوچھو کیا ہر وہ جو غیر خدا کو پوجتا ہے وہ اپنے معبود کے ہمراہ جہنم کا ایندھن ہوگا۔ ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہود عزیر علیہ السلام کی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ عبداللہ کے اس قول سے ولید اور تمام اہل محفل ششدر رہ گئے۔ انہوں نے کہا کہ عبداللہ کی بات میں واقعی قوت ہے۔ عبداللہ کی یہ بات حضور ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”ہر وہ شخص جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ کے علاوہ اس کی پوجا کی جائے وہ اپنے تمام عبادت گزاروں کے ساتھ جہنم کا ایندھن ہوگا۔ یہ لوگ شیطانوں کی اور ان اشیاء کی پوجا کرتے ہیں۔ شیطان جن کی پوجا کا انہیں حکم دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۖ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ (الانبیاء)

”بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے اور وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی انہوں نے خواہش کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔“

یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم، حضرت عزیر اور وہ علماء اور راہب جن کی پوجا کی جاتی رہی

نے وَمَا تَعْبُدُونَ فرمایا ہے۔ وَمَنْ تَعْبُدُونَ ذکر نہیں فرمایا۔ لہذا قریش کا حضرت مسیح، حضرت عزیر اور ملائکہ پر اعتراض کیسے ہو سکتا ہے جبکہ وہ ذوالعقول ہیں۔ بت ذوالعقول نہیں ہیں۔ اسی لئے آیت میں لفظ مَا استعمال کیا گیا ہے جو غیر ذوالعقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مَا کا استعمال کبھی بھی ذوالعقول پر بھی ہوتا ہے۔ ہم عنقریب اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی پوجا کیوں شروع کی۔ اس کا سبب معروف ہے۔ یہود کا قول ہے کہ عزیر، اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ منہ)۔ عبد بن حمید الکشی اس کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ”بخت نصر کے عہد میں تورات پھٹ گئی۔ اس کے خاتمے سے یہودیوں کا دین خطرے میں پڑ گیا۔ اپنی کتاب کے نہ ملنے پر انہیں شدید اذیت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی اثناء میں کہ حضرت عزیر تو ریت کے فقدان پر رورہے تھے وہ ایک ایسی عورت کے پاس سے گزرے جو قبر پر سینے کے بل پڑی تھی اس کے بال پر اگندہ تھے حضرت عزیر

حالانکہ ان کی زندگیاں اطاعت الہی میں بسر ہوئیں۔ گمراہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہیں اپنا رب بنالیا۔

قریش ملائکہ کی عبادت بھی کرتے تھے، انہیں اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے ان کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿۱۷﴾ لَا یَسْبِقُوْنٰہُ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ (الانبیاء)

وَمَنْ یَّثْقَلْ مِنْهُمْ اِلٰی اللّٰہِ مِنْ دُوْنِہٖ فَاِنَّ لَکَ نَجْزِیَہٗ جَہَنَّمَ ۚ کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ (الانبیاء)

”اور وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اس کے حکم پر کار بند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دینے گے۔ جہنم کی یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو۔“

نے اس سے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا ”میں ایلیا ام القرئی ہوں میں اپنے بیٹے پر رورہی ہوں۔ تم اپنی کتاب کے لئے رورہے ہو کل صبح اسی جگہ آ جانا۔“ حضرت عزیر صبح وقت مقررہ پر وہاں پہنچے تو انہوں نے وہاں زمین سے نکلتے ہوئے ایک انسان کو دیکھا جس کے ہاتھ میں شیشی کی طرح کوئی چیز تھی۔ اس میں نور تھا۔ اس انسان نے حضرت عزیر سے کہا اپنا منہ کھولو۔ اس نے وہ شیشی ان کے پیٹ میں ڈال دی پھر حضرت عزیر نے اسی طرح کتاب لکھ دی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا تھا پھر انہیں وہ توریت بھی مل گئی جسے زیر زمین دفنایا گیا تھا۔ انہوں نے اسے حضرت عزیر کی لکھی ہوئی توریت سے ملائی۔ دونوں بالکل ایک جیسی تھیں اسی وجہ سے وہ کہنے لگے۔ ”عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ) حَصْبُ جَہَنَّمَ۔ حَصْبُ کو حَصْبُ پڑھنا بھی جائز ہے، جس طرح قَبْض اور نَقْص کو قَبْض اور نَقْص پڑھنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا۔ اسے حَصْبُ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ قرأت شاذ ہے یہ خَصَبَتِ النَّارُ سے مشتق ہے۔ اَرَقَّتْہَا، اَنْقَبَتْہَا، حَشَشَتْہَا اور اَذْکَمَتْہَا کا معنی ہے میں نے آگ بھڑکائی۔ یَصِذُّونَ کو یَصْذُوْنَ بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی ہے وہ تعجب کرتے ہیں۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا کہ اللہ کے علاوہ ان کی بھی پوجا ہوتی رہی۔ ولید اور دیگر اہل محفل نے عبد اللہ کی اس دلیل کو بڑی عجیب سمجھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَلَمَّا ضَرَبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٠﴾ (الزخرف)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی جائے جیسی تمہاری قوم اس سے ہنسنے لگتے ہیں۔“
پھر حضرت عیسیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿٥١﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ مِنْكُمْ مَلَكًا ۚ لِي الْأَرْضُ وَخُلُوفُوهَا ۚ وَإِنَّهُ لَعَلَّمَ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمُوتُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٥٢﴾ (الزخرف)

”وہ تو نہیں مگر ایک بندہ جس پر ہم نے احسان فرمایا اور اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے عجیب نمونہ بنایا اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تمہارے بدلے فرشتے بساتے اور بے شک عیسیٰ قیامت کی خبر ہے تو ہرگز قیامت میں شک نہ کرنا اور میرے پیرو ہونا یہ سیدھی راہ ہے۔“

یعنی میں نے ان کے دست اقدس سے جن معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور بیماروں کو شفا یاب کرنا وغیرہ کا ظہور کیا ہے۔ وہ اس امر کے شاہد عادل ہیں کہ قیامت قائم ہوگی۔

انخص بن شریق بن عمرو بن وہب الشقفی بنوزہرہ کا حلیف، قوم کا سردار تھا، یہ ان لوگوں میں سے تھا جن کی باتوں پر عمل کیا جاتا تھا یہ بھی حضور ﷺ سے بحث و مباحثہ کرتا اور آپ ﷺ کی باتوں کا رد کرتا تھا۔ اس کے متعلق قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿٥٣﴾ هَٰذَا نِعْمَتُنَا بِنَبِيِّنَا ﴿٥٤﴾ (القلم)

اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل، بہت طعنے دینے والا بہت ادھر ادھر لگاتار پھرنے والا بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا گنہگار ہے۔ درشت خواں اس پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا۔

اللہ تعالیٰ نے زنیم کہہ کر اس کے نسب میں عیب نہیں نکالا کیونکہ کسی کے نسب میں عیب نکالنا اللہ تعالیٰ کی عادت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس صفت کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ اس کی پہچان ہو جائے۔ زنیم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسری قوم میں شامل ہو جائے۔ خطیم تسمی کہتا ہے۔

زَنِيمُ تَدَاعَاہُ الرَّجَالُ زِيَادَةً كَمَا زِيدَ فِي عَرْضِ الْأَدِيمِ الْكَارِغِ
وہ کسی دوسری قوم میں ملا ہوا ہے۔ لوگوں نے اسے اپنی قوم میں شامل کر لیا ہے جس طرح
جوتے کے عرض میں چمڑا داخل کیا جاتا ہے۔

ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط

ولید بن مغیرہ نے کہا ”کیا محمد (فداہ روجی) پر قرآن نازل ہوتا ہے اور مجھے چھوڑ دیا جاتا
ہے جبکہ میں قریش میں سے بڑا اور ان کا سردار ہوں۔ اسی طرح بنو ثقیف کے سردار ابو مسعود
عمر و بن عمیر پر بھی وحی نہیں آتی۔ ہم دونوں شہروں کے دو عظیم سردار ہیں۔“ اس وقت اس آیت
کا نزول ہوا۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْتَيْنِ عَظِيمِ ۝ (الزخرف)

اخنس بن شریق

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، عَتَلٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٌ۔ بعض علماء
فرماتے ہیں کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ کچھ مفسرین فرماتے ہیں یہ آیات اسود
بن عبد یغوث زہری کے متعلق نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش
میں ایک شخص تھا جس کے کانوں کی لوؤں کے ساتھ گوشت اس طرح لٹکا ہوا تھا جس طرح بکری کے
کان ہوتے ہیں۔ (بخاری) دوسری روایت کے مطابق ”زَنِيمٌ“ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے چہرے
کے دو اطراف گوشت لٹکا ہوا ہو۔ بالکل اسی طرح جس طرح بکری اپنے کانوں سے پہچانی جاتی ہے۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا قول یہ مروی ہے کہ زَنِيمٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی دوسری قوم سے
آکر مل جائے اس قوم سے نہ ہو۔ ابن ازرق نے اس شعر سے استدلال کیا ہے جو متن میں ذکر کیا گیا
انہوں نے اسے حضرت حسان کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن ہشام نے اس شعر کو خطیم کی طرف منسوب
کیا ہے لیکن معروف یہ ہے کہ یہ شعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ہے عَتَلٍ کا معنی سخت اور ظالم ہے اللہ
رب العزت کا ارشاد ہے۔ ”عُدُوَّةٌ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ“۔ ”اے پکڑو ٹھیک بھڑکتی آگ
کی طرف بزور گھسیٹتے لے جاؤ۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلُّ عَتَلٍ جَوَّاطٍ
مُسْتَكْبِرٍ جَمَاعٍ مِّنَاعٍ“۔ میں تمہیں اہل نار کے متعلق بتاتا ہوں ہر سرکش، اجڈ، متکبر، بدکار اور بھلائی
سے روکنے والا۔“

ابی بن خلف بن وہب بن حذافہ بن نجم اور عقبہ بن ابی معیط گہرے دوست تھے۔ ان کے مابین عمدہ تعلقات تھے۔ عقبہ کبھی کبھی حضور ﷺ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور آپ ﷺ سے کلام سنا کرتا تھا۔ یہ بات ابی تک پہنچ گئی وہ عقبہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو محمد (فداہ روحی) ﷺ کے پاس بیٹھتا ہے اور ان سے کلام سنتا ہے۔ اب اگر تو ان کی محفل میں بیٹھے یا ان کی باتیں سنے تو مجھ پر تیرا چہرہ دیکھنا حرام ہے۔ مجھ پر تجھ سے ہمکلامی حرام ہے وہ اسی طرح قسمیں اٹھاتا رہا۔ اب اگر تو ان کے پاس نہ جائے اور ان کے چہرے پر نہ تھو کے تو میری تیری ملاقات حرام ہے۔ عقبہ (لعنہ اللہ) نے ایسا ہی کیا ان دونوں کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ لِيَتَنَّبَيْتَنِي مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ يُؤْيَلَتْنِي لِيَتَنَّبَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۝ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۚ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝ (الفرقان)

”اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبالے گا کہ ہائے کسی طرح میں نے رسول کے ساتھ راہ لی ہوتی۔ وائے خرابی میری ہائے کسی طرح میں نے فلا نے کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بے شک اس نے مجھے بہکا دیا میرے پاس آئی ہوئی نصیحت سے اور شیطان آدمی کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔“

ابی بن خلف حضور ﷺ کے پاس ایک بوسیدہ ہڈی لے کر گیا۔ اور کہنے لگا اے محمد! ﷺ آپ کا کیا خیال ہے کہ ختم ہونے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ پھر اس نے اس ہڈی کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں بکھیر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! میں یہ کہتا ہوں۔ اس کے بعد کہ تو اور یہ ہڈی اس طرح ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں اٹھائے گا، پھر اللہ تعالیٰ تمہیں آگ میں داخل کرے گا۔“ اس وقت ان آیات کا نزول ہو۔

وَصَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۚ قَالَ مَنْ يُغْنِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُعْجِبُهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقَدُونَ ۝ (یسین)

”اور ہمارے لئے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش بھول گیا۔ بولا ایسا کون ہے کہ ہڈیوں کو زندہ کرے جب وہ بالکل گل گئی۔ آپ فرمادیں انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے جس نے تمہارے لئے ہرے پیڑ میں سے آگ پیدا کی جیسی تم اس سے سلگاتے ہو۔“

ایک دن سرورِ کائنات ﷺ مصروفِ طواف تھے اسود بن عبدالمطلب بن اسود بن عبدالعزیٰ، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل اپنی قوم سے عمر رسیدہ تھے انہوں نے کہا، ”اے محمد ﷺ! ہم اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کی آپ عبادت کرتے ہیں اور آپ ﷺ ان معبودان (باطلہ) کی عبادت کر لو جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ ہم اور آپ اس امر میں اشتراک کر لیتے ہیں اگر وہ معبود جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ ہمارے معبودان سے بہتر ہوا تو ہمیں اس سے حاصل جائے گا اور اگر ہمارے معبودان (باطلہ) آپ کے خدا سے بہتر ہوئے تو آپ ﷺ کو اس سے حاصل جائے گا۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (الکفرون)

”آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس خدا کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں اور نہ میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں۔ ان کی جن کی تم پوجا کرتے ہو اور نہ ہی تم اس کی عبادت

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ کا تعلق زمانہ حال سے ہے۔ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے۔ اسی طرح وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَعْبُدُ کا تعلق بھی مستقبل کے ساتھ ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور ﷺ نے انہیں یہ کس طرح فرمایا۔ ”نہ ہی تم اس معبود کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں“ حالانکہ قریش مکہ نے کہا تھا ”آؤ ہم آپ کے رب کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے معبودان کی پوجا کر لو“۔ جو وہ ارادہ اور عزم کئے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے اس کی نفی کیوں فرمادی۔

اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ ۱۔ نبی اکرم ﷺ کو علم تھا کہ کفار مکہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے اپنے علم کی خبر دی۔ ۲۔ اگر وہ اس انداز سے عبادت کرتے بھی پھر بھی ان کے اس فعل کو عبادت سے موسوم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کا عابد کہا جاسکتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بھی عبادت کرے اس کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی بھی پوجا کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا عابد کس طرح کہا جاسکتا ہے؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن پاک میں ہے۔ ”وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَعْبُدُ“ اللہ رب العزت نے مَا أَعْبُدُ کی جگہ مَنْ أَعْبُدُ کیوں نہیں فرمایا۔ اہل عرب کہتے ہیں ”ما“ غیر ذوالعقول کے لئے استعمال ہوتا ہے پھر یہ ذات باری تعالیٰ کے لئے کس طرح استعمال کیا گیا۔

کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔“

یعنی اگر تم صرف اللہ کی عبادت اس شرط پر کرتے ہو کہ میں ان معبودانِ باطلہ کی پوجا کروں ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی قرینہ پایا جائے تو پھر ماذوالعقول کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے وہ قرینہ ابہام اور تعظیم میں مبالغہ ہے۔ اس جگہ ما ابہام کے معنی میں ہے کیونکہ وہ ذات جو عظیم شان کی مالک ہو وہ حصہ و شمار سے ماوراء ہو، عقل و دانش اس کی ذات کی پہچان سے عاجز ہو۔ اس کی تعریف میں ”ما“ کا استعمال ہی بہتر ہے جس طرح اہل عرب کہتے ہیں۔ ”سُبْحَانَ مَا سَبَّحَ الرَّعْدُ۔“ پاک ہے وہ ذات، رعد جس کی ستائش کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ وَالسَّمَاءُ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ اس کا عالم ہونا اتنی تعظیم کا تقاضا نہیں کرتا جتنی تعظیم کا تقاضا زمین و آسمان کا بانی ہونا کرتا ہے۔ اس نے ہی آسمانوں کو بنایا ہے زمین کو پھیلایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے جو چیز بنائی وہ عظیم ہے۔ اس کی عظمت پر تعجب کا اظہار کرنے کے لئے اس جگہ ما کا استعمال مستحسن ہے۔ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدِي۔ اس جگہ رب العزت نے لَيْنٌ خَلَقْتُ نہیں فرمایا۔ حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ذوالعقول میں سے تھے کیونکہ سجدہ اس لئے واجب نہیں تھا کہ مسجود ذوالعقول ہے یا غیر ذی العقول۔ سجدہ صرف اس لئے واجب تھا کہ انہیں سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔ مخلوق کا اس میں ذرہ بھی اعتبار نہیں۔ ان پر صرف حکم بجالانا واجب تھا۔ ”ما“ کا استعمال یہاں بڑا مستحسن ہے۔ ما کا استعمال یہاں تعظیم کے اعتبار سے نہیں بلکہ امر جس سجدہ کا تقاضا کرتا تھا اس اعتبار سے ہے۔ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ میں ما غیر ذوالعقول کے لئے ہے کیونکہ قریش بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ۔ میں ما کا تقاضا ابہام اور معبود کی تعظیم ہے اگرچہ وہ حضور ﷺ کے معبود برحق کی عظمت سے نا آشنا تھے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ”ما“ کا استعمال ہی بہتر ہے۔

نکتہ

وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ماضی اور وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ میں مضارع ذکر کیا ہے۔ حضور ﷺ نے جب اپنی ذات کے متعلق خبر دی تو فرمایا مَا أَعْبُدُ۔ مَا عَبَدْتُمْ نہیں فرمایا کیونکہ ”ما“ جس میں ابہام ہے اگرچہ خبر ہے لیکن وہ شرط کا معنی دے رہا ہے گویا کہ آپ ﷺ نے یوں کہا مَہْمَا عَبَدْتُمْ شَيْئًا فَإِنِّي لَا أَعْبُدُهُ۔ تم جس چیز کی بھی پوجا کرو میں اس کی عبادت نہیں کروں گا۔ شرط ماضی کے لفظ کے ساتھ مستقبل پر محمول ہے مثلاً إِذَا قَامَ زَيْدٌ غَدًا فَعَلْتُ كَذَا۔ جب کل زید

تو پھر مجھے تمہارے اس دین کی کوئی ضرورت نہیں، تمہیں اپنا دین مبارک مجھے اپنا دین مبارک۔

کھڑا ہوگا تو میں اس طرح کروں گا۔ اِنْ خَرَجَ زَيْدٌ غَدًا خَرَجْتُ۔ اگر کل زید نکلے گا تو میں بھی نکلوں گا۔ ”ما“ کے ابہام کی وجہ سے اس میں شرط کا بھی احتمال ہے۔ اسی وجہ سے اس کے بعد فعل ماضی استعمال ہوا ہے شرط فعل حال پر داخل نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں فرمایا۔ ”مَا تَعْبُدُونَ“ کیونکہ یہ حال ہے اور حال ہونے کی وجہ سے اس میں شرط کے معنی معدوم ہیں۔ اسی طرح ”عِبْدُونَ مَا اَعْبُدُ“ میں بھی شرط کے معنی نہیں پائے جاتے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ حضور ﷺ اپنے رب کی عبادت سے منحرف ہوں کیونکہ آپ ﷺ معصوم ہیں۔ مہما کے متعلق آپ ﷺ کی تقدیر نہیں ہو سکتی جس طرح کفار کی تقدیر مہما کے متعلق تھی کیونکہ ان پر شیطان کا پورا تسلط تھا جو انہیں ان کی خواہشات کے مطابق ہانک رہا تھا، ان کے لئے تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ آج کسی ایک چیز کی عبادت کریں اور کل کسی دوسری چیز کی پوجا میں منہمک ہوں، وہ جس کی پوجا کریں حضور ﷺ ان کے معبودوں کی عبادت نہیں کریں گے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا وَلَا اَنْتُمْ عِبْدُونَ مَا اَعْبُدُ (فی الْحَالِ وَ فِی الْمَالِ) نہ ہی تم حال میں یا استقبال میں اس کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ آپ ﷺ عصمت الہیہ کو جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی توحید پر آپ ﷺ کے استحکام سے آگاہ تھا۔ اسی لئے آپ ﷺ کے حق میں شرط کا عمل و دخل نہیں ہے۔ اگر کلام میں شرط داخل نہ ہو تو پھر فعل مستقل اپنے الفاظ پر برقرار رہتا ہے۔ اس مسئلہ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے قَالُوا كَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝۱۰۔ اس آیت کے اعراب میں علماء اضطراب کا شکار تھے کیونکہ مَنْ الَّذِي کے معنی میں ہے اور کان ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ علامہ زجاج نے اس آیت کا مفہوم سمجھا۔ انہوں نے کہا ”مَنْ“ میں قدرے شرط کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کا مابعد ماضی ہے۔ اصل عبارت یوں تھی مَنْ يَكُنْ صَبِيًّا فَكَيْفَ يَكَلِّمُ۔ جب حضرت مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو۔ اگر لوگ کہتے کَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ هُوَ فِي الْمَهْدِ الْآنَ۔ ہم اس بچے سے کیسے گفتگو کر سکتے ہیں جو ابھی پنگھوڑے میں ہے تو انکار اور تعجب صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہو جاتا لیکن جب انہوں نے کہا کَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ۔ تو یہ کلام اپنے عموم کی وجہ سے استدلال میں زیادہ بلیغ ہو گیا۔ ابوا سلق نے اسی غرض کی طرف اشارہ کیا ہے یہی ان کا ارادہ ہے۔ اگرچہ انہوں نے یہ الفاظ استعمال نہیں کیے کیونکہ عبارات مقصود نہیں ہوتیں مقصود تو ان معانی کی تصحیح ہوتی ہے جو الفاظ اور اشارات سے سمجھے جاتے ہیں۔

ابو جہل

جب اللہ رب العزت نے قریش کو ڈرانے کے لئے ”شَجَرَةُ الزَّقُومِ“ کا تذکرہ کیا تو ابو جہل کہنے لگا ”اے گروہ قریش! کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ شَجَرَةُ الزَّقُومِ کیا ہے جس سے محمد ﷺ کا رب تمہیں ڈراتا ہے۔“ قریش نے کہا نہیں۔ ابو جہل نے کہا ”اس سے مراد ہے یثرب کی عجوہ کھجور، مکھن کے ساتھ قسم بخدا! اگر ہمیں یہ مل گیا تو ہم اسے جلد جلد نکل لیں گے۔“ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی: **إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۖ لَّهُمْ فِي الْبُطُونِ ۖ كَغَلِيِّ الْحَمِيمِ ۖ (الدخان)**

بے شک تھوہڑ کا پیڑ گنہگاروں کی خوراک ہے گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارتا ہے جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے۔

یعنی ابو جہل کا قول درست نہیں ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں تانبے، سیسے وغیرہ میں سے ہر پگھلی ہوئی چیز کو مہل کہتے ہیں یہ مجھے ابو عبیدہ نے بتایا ہے۔ حسن بن ابی الحسن سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے بیت المال پر مقرر تھے۔ ایک دن انہوں نے چاندی کو پگھلانے کا حکم دیا۔ پگھلانے سے اس کے کئی رنگ نکل آئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”کیا دروازے پر لوگ ہیں؟“ انہیں بتایا گیا ہاں۔ انہوں نے فرمایا ”انہیں اندر لے آؤ۔“ جب لوگ اندر آ گئے تو انہوں نے پگھلی ہوئی چاندی کی

شَجَرَةُ الزَّقُومِ

کہا جاتا ہے کہ یہ کلمہ قریش کے لغت کا نہ تھا کسی شخص نے ابو جہل کو بتایا تھا کہ اہل یثرب جب مکھن کے ساتھ کھجور کھاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ **تَزَقَّمْتُ**۔ ابو جہل نے اپنی جہالت سے اسی سے زقوم بنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ لغت یمن کا ہے۔ وہ ہر اس درخت کو زقوم کہتے تھے جس سے وہ بچتے تھے۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں یمن میں ایک درخت ہے جسے زقوم کہا جاتا ہے اس کے نہ پتے ہوتے ہیں اور نہ ہی شاخیں۔ وہ دور سے سانپ کے سر کی مانند دکھائی دیتا ہے۔ اس درخت کا منظر بڑا کریہہ ہوتا ہے۔ ابن سلام اور ماوردی کی تفسیر میں ہے کہ ”شَجَرَةُ الزَّقُومِ“ جہنم میں ایک درخت ہوگا۔ جہنمی اس کے پاس جائیں گے یہ شعلوں سے اسی طرح حیاتِ نو پائے گا جس طرح دنیا کے درخت بارش سے زندگی پاتے ہیں۔

طرف اشارہ کر کے کہا ”مُہل اسی کے مشابہ ہے“۔ شاعر کہتا ہے۔

يَسْقِيهِ رَبِّي حَيِّمَ الْمُهْلِ يَجْرَعُهُ يَشْوِي الْوُجُوهُ فَهُوَ فِي بَطْنِهِ صَهْرٌ
میرا پروردگار اسے پکھلی ہوئی دھات پلائے گا۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا۔ یہ
دھات چہروں کو جلا کر رکھ دے گی اور یہ اس بد بخت کے بطن میں جوش مارے گی۔
عبداللہ بن زبیر نے کہا۔

فَمِنْ عَاشٍ مِنْهُمْ عَاشَ عَبْدًا وَإِنْ يَمُتْ فِي النَّارِ يُسْقَى مُهْلًا وَ صَدِيدًا
ان میں سے جو بھی زندہ رہے گا وہ غلام رہے گا اور مرنے کے بعد اسے آگ میں جہنم کی
دھات اور اس کی پیپ پلائی جائے گی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جسم کی پیپ کو مہل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے دو پرانی دھلی ہوئی چادریں لانے کا
حکم دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی۔ ”اے والد محترم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو
اس سے مستغنی کر دیا ہے آپ کفن خرید لیں“۔ انہوں نے فرمایا ”ایک گھڑی کی ہی بات ہے پھر
یہ پیپ میں لت پت ہو جائے گا“۔

شاعر کہتا ہے۔

شَابَ بِالنِّمَاءِ مِنْهُ مُهْلًا كَرِيهًا ثُمَّ عَلَّ النَّوْنُ بَعْدَ النَّهْلِ
اس نے اس کے پانی کے ساتھ گندی پیپ ملا دی پھر اموات نے پہلی مرتبہ پیاس بجھانے
کے بعد دوسری مرتبہ پیاس بجھائی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ فِي الْقُرْآنِ وَنُحُوْفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝ (الاسراء)
”اس درخت کو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے قرآن میں اور ہم انہیں (نا فرمانی کے انجام سے)
ڈراتے رہتے ہیں پس نہ بڑھایا اس ڈرانے والے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے“۔

الْمَلْعُونَةُ فِي الْقُرْآنِ

یعنی جس کا کھانے والا ملعون ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ملعونہ درخت۔

حضرت ابن ام مکتوم

ولید بن مغیرہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ حضور ﷺ کو اس کے اسلام لانے کی امید تھی۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کے پاس سے ام ابن مکتوم گزرے، انہوں نے حضور ﷺ سے گفتگو کرنے کی کوشش کی اور قرآن پڑھنے کی التجاء کی۔ حضور ﷺ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار گزری۔ آپ ﷺ ان سے روگرداں ہوئے کیونکہ انہوں نے ولید بن مغیرہ کے معاملہ میں دخل اندازی کی۔ آپ ﷺ کو اس کے ایمان لانے کی امید تھی۔ جب انہوں نے بار بار مداخلت کی تو آپ ﷺ ان سے ترش رو ہوئے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۖ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ۚ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزَكٰى ۚ اَوْ يَذْكُرُ فِتْنَعَهُ الَّذِیْ كُرمٰی ۝
اَمَّا مَنْ اسْتَغْنٰی ۚ فَانْتَبَهٗ تَصَدٰی ۚ وَمَا عَلٰیكَ اَلَا یَذْكُرُ ۚ وَاَمَّا مَنْ جَاءَكَ یَسْعٰی ۚ وَهُوَ یَخْشٰی ۚ فَانْتَظِرْهُ یَتْلٰی ۚ كَلَّا ۚ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمِنْ شَآءَ ذَكَرَهَا ۚ فِیْ صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ۚ
مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۚ (عبس)

”چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ

ابن ام مکتوم

ام مکتوم کا نام عاتکہ بنت عبد اللہ بن عنکبہ بن عامر بن مخزوم تھا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ محو کلام تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔ موطا میں کسی مخصوص شخص کا تذکرہ نہیں صرف اتنا مذکور ہے کہ وہ مشرکین کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔

اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی

اس مبارک آیت سے یہ فقہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں تخلیقی اعتبار سے جو عیب مثلاً اندھا پن وغیرہ ہو تو اس کا ذکر کرنا عیب نہیں ہے لیکن اس سے اگر مذاق مقصود ہو تو کہنے والا گناہ گار ہوگا کیونکہ مذاق کرنا جاہلوں کا شیوہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَسْتَعْذِرُكَ عَنْ ذٰلِكَ ۚ اِنَّ الْاَعْمٰی مِنَ الْجَاهِلِیْنَ ۝ (البقرہ)

”کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں؟ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو

جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں۔“

کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت۔ لیکن وہ جو پرواہ نہیں کرتا۔ آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں اور آپ ﷺ پر کوئی ضرر نہیں اگر نہ وہ سدرے۔ اور جو آپ ﷺ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا وہ ڈر بھی رہا ہے تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے۔ سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں، جو بلند مرتبہ و پاکیزہ ہیں۔“

یعنی میں نے آپ ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے میں نے آپ کو کسی ایک شخص کے ساتھ مختص نہیں کیا۔ آپ ﷺ اسے نہ روکیں جو اللہ کا خواہاں ہو اور اس کی طرف توجہ نہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں کرتا۔ ابن ہشام کہتے ہیں، ابن ام مکتوم کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا، ان کا نام عبد اللہ یا عمرو تھا۔

حضرت ابن ام مکتوم کی صفت ”عمی“ ذکر کرنے میں ایک حکمت اور ایک لطیف اشارہ پنہاں ہے۔ وہ عتاب کے مقام پر تنبیہ ہے۔ ارشاد فرمایا اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی اندھے پن کا ذکر اس لئے کیا تا کہ آنے والے کی تکلیف اور مشقت کا تصور ہو سکے۔ یعنی جو آپ ﷺ کے پاس ضعف و ناتوانی سے آتا ہے وہ آپ ﷺ کی توجہ کا زیادہ مستحق ہے۔ ترش روئی کا حقدار نہیں ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ نابینا سے اعراض کی وجہ سے معتبوب ٹھہرے تو دوسرا تو اس عتاب کا زیادہ مستحق ہوگا خواہ بعد میں اسے اسلام لانے کی سعادت نصیب نہ بھی ہو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ وَ مَا يُذَرِّكَ لَعَلَّهٗ يَزَّوْغٰی۔ ”اور آپ ﷺ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا۔“ اگر اس وقت ان کا ایمان درست اور معلوم ہوتا تو حضور ﷺ روگرداں نہ ہوتے اگر اعراض فرماتے تو عتاب شدید ہوتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے وصف میں اعمی ذکر کیا ان کے ایمان یا اسلام کا ذکر نہ کیا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن ام مکتوم اس آیت کے نزول کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے کہا اِسْتَذِنْنِیْ یَا مُحَمَّدُ۔ ”اے محمد ﷺ مجھے دین سکھائیں“ ورنہ وہ اس طرح عرض کرتے اِسْتَذِنْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ۔ ”یا رسول اللہ ﷺ مجھے دین سکھائیں“ کلام کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لَعَلَّهٗ یَزَّوْغٰی میں ہ کی ضمیر نابینا کی طرف راجع ہے کافر کی طرف راجع نہیں ہے کیونکہ کافر کا تذکرہ پہلے نہیں ہے۔ اس آیت میں ابن ام مکتوم کے ایمان کے انتظار کا ذکر ہے اگر وہ اس آیت سے پہلے اسلام لے آئے ہوتے تو پھر اس انتظار اور امید کا ذکر نہ ہوتا۔

حبشہ سے واپس آنے والے مہاجرین

ابن اسحاق کہتے ہیں جب سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کو یہ خبر ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ واپس آنے لگے۔ وہ مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے اسلام کی خبر جھوٹی تھی پھر مہاجرین حبشہ میں سے ہر شخص یا تو چھپ کر مکہ معظمہ میں داخل ہوا یا کسی کی پناہ لے کر۔ ان مہاجرین میں سے کچھ تو مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اور حضور ﷺ کی معیت میں غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ کچھ مہاجرین کو محبوس کر دیا گیا۔ وہ غزوہ بدر وغیرہ میں شرکت نہ کر سکے اور کچھ مہاجرین مکہ مشرفہ میں ہی وصال کر گئے۔

ان مہاجرین میں بنو عبد شمس بن عبد مناف بن قصی میں سے حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ان کے ہمراہ ان کی زوجہ محترمہ لخت جگر رسول ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور ان کی شریک حیات سہلہ بنت سہیل بھی واپس آ گئے۔ ان کے حلیفوں میں سے عبد اللہ بن جحش بن رباب بھی مکہ لوٹ آئے۔ بنو نوفل میں سے عتبہ بن غزوہ ان جو قیس عیلان میں سے ان کے حلیف تھے واپس آئے۔ بنو اسد

غرائیق کا قصہ اور اہل مکہ کا اسلام

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اہل مکہ کے اسلام کی خبر باطل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ نے سورۃ النجم تلاوت فرمائی۔ جب آپ ﷺ یہاں پہنچے اَفْرَآیْتُمُ اللَّاتَ وَ الْعُزَّىٰ وَ مَنْوَةَ الثَّالِثَةِ الْاٰخَرٰی۔ تو شیطان نے العیاذ باللہ زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے۔ تِلْكَ الْغَرَائِیْقُ الْعُلٰی وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتَرْتَجٰی۔ ”یہ بہت مرغاب بلند پرواز ہیں ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔“ یہ سن کر مشرکین کی خوشی کی حد نہ رہی وہ حضور پر نور ﷺ کا اسم گرامی لے کر کہنے لگے۔ ”وہ اپنے پرانے دین پر لوٹ آیا ہے۔ آج اس کی اور ہماری عداوت ختم ہو گئی۔“ جب حضور ﷺ نے سورۃ نجم کی سجدہ والی آیات پڑھیں تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِی الشَّیْطَانُ۔ ”پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو دخل اندازی شیطان کرتا ہے۔“

بن عبد العزی بن قصی میں سے حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد، بنو عبد الدار بن قصی میں سے حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف اور سوہیط بن سعد بن حرمہ واپس آ گئے۔

بنو عبد بن قصی میں سے طلیب بن عمیر بن وہب بن ابی کبیر بن عبد، بنو ہرہ بن کلاب میں سے حضرت عبد الرحمن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ۔ ان کے حلیف حضرت مقداد بن عمرو اور حضرت عبد اللہ بن مسعود واپس آ گئے۔ بنو مخزوم میں سے ابو سلمہ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ، شام بن عثمان بن شریذ بن سوید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم اور سلمہ بن ہشام بن مغیرہ واپس آ گئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا نے پابند جولاں کر دیا تھا وہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے۔ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے بھی ان کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی لیکن ان کی ماں کی طرف سے بھائیوں، ابو جہل بن ہشام اور حارث بن ہشام نے انہیں راستہ میں جا پکڑا اور انہیں قید کر دیا حتیٰ کہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق گزر گئے۔ ان کے حلیفوں میں سے حضرت عمار بن یاسر واپس لوٹ آئے۔ ان کے متعلق ہی شک ہے کہ کیا وہ ہجرت حبشہ میں شریک تھے یا نہ۔ معتب بن عوف بن عامر خزاعی بھی واپس آ گئے۔ بنو جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب میں سے حضرت عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح، ان کے فرزند دلبند سائب بن عثمان، قدامہ بن مظعون اور عبد اللہ بن مظعون بھی واپس لوٹ آئے۔ بنو سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب میں سے حضرت حنیس بن حذافہ بن قیس بن عدی اور ہشام بن عاص بن وائل، انہیں مکہ مکرمہ میں محبوس کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے غزوہ

مہاجرین کو حبشہ میں یہ خبر ملی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس واقعہ کو موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے بکائی کی روایت کے علاوہ ذکر کیا ہے لیکن علمائے حدیث اس کو رد کر دیتے ہیں جو اسے درست قرار دیتے ہیں وہ کئی اقوال سے اس کی تاویل کرتے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔ ۱۔ یہ شیطان نے ہی کہا تھا اور اسی نے ہی اسے پھیلا یا تھا۔ یہ عمدہ تاویل ہے اگر حدیث میں یہ الفاظ نہ ہوں کہ حضرت جبرائیل نے حضور ﷺ سے کہا میں آپ ﷺ کی خدمت میں یہ کلام تو نہیں لے کر آیا تھا۔ ۲۔ یہ کلام حضور ﷺ نے ہی کیا تھا اور آپ کی مراد ملائکہ تھے کہ ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے۔ ۳۔ حضور ﷺ نے یہ کلام کفار کی حکایت بیان کرتے ہوئے کیا تھا کہ کفار یہ کہتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کے کفر سے متعجب ہوتے ہوئے یہ کہا تھا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث ہی موضوع ہے۔

بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق کے بعد ہجرت کی۔ بنو عدی بن کعب میں سے عامر بن ربیعہ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حمہ بن حذافہ بن غانم بھی مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ بنو عامر بن لویٰ میں سے حضرت عبداللہ بن مخرمہ بن عبدالعزیٰ بن ابی قیس، حضرت عبداللہ بن سہیل بن عمرو، جب حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو انہیں پابند سلاسل کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے غزوہ بدر سے پہلے ہجرت کی اور اس مبارک غزوہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی، ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ، ان کے ہمراہ ان کی شریک حیات ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو، سکران بن عمرو بن عبد شمس اپنی شریک حیات سودہ بنت زمعہ بن قیس کے ہمراہ مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ حضرت سکران ہجرت مدینہ سے قبل ہی وصال کر گئے۔ ان کے بعد حضور ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ سے عقد نکاح کر لیا۔ ان کے حلیفوں میں سے سعد بن خولہ بھی واپس آ گئے۔

بنو حارث بن فھر میں سے حضرت ابو عبیدہ بن جراح یعنی عامر بن عبداللہ بن جراح، عمرو بن حارث بن زھیر بن ابی شداد، سہیل بن بیضاء، یعنی سہیل بن وہب بن ربیعہ بن ہلال اور عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بھی مکہ معظمہ واپس آ گئے۔

حبشہ سے واپس آنے والوں کی تعداد تینتیس تھی۔ ان میں سے کچھ کسی نہ کسی شخص کی پناہ لے کر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بن حبیب جمحی، ولید بن مغیرہ کی پناہ میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب کی پناہ لے کر داخل ہوئے۔ خواجہ ابوطالب ان کے ماموں تھے ابوسلمہ کی والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔

ابن اسحاق نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے جو یہ جھوٹی خبر سن کر واپس مکہ معظمہ میں آ گئے۔ انہوں نے ان میں طلب کا ذکر کیا ہے انہوں نے ان کے نسب میں ابی کبیر بن عبد بن قصی کا ذکر کیا ہے۔ اس نسب میں ابی کبیر کی زیادتی ہے جو اس سے موافقت نہیں رکھتا۔ میں نے شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں اس کی تنبیہ دیکھی ہے لیکن ابو عمر نے ابن اسحاق کی طرح ابی کبیر کا ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق کی ایک روایت کے مطابق یہ بدری صحابی تھے۔ واقدی اور ابن عقبہ کا قول بھی یہی ہے ب اجنادین میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان کی اولاد نہ تھی۔

حضرت عثمان بن مظعون کی حیرت افزا داستان

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضرت عثمان بن مظعون نے وہ جو رستم دیکھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر توڑا جا رہا تھا لیکن وہ تو ولید بن مغیرہ کی پناہ میں بڑے لطف سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا ”اللہ کی قسم! میں ایک مشرک شخص کی امان میں زندگی کے شب و روز بڑے چین سے بسر کر رہا ہوں۔ جبکہ میرے دینی بھائی اور صحابہ کرام راہِ خدا میں ان مصائب اور مشکلات کو جھیل رہے ہیں۔ جن سے میں دور ہوں۔ یہ تو مجھ میں بہت بڑا عیب ہے۔“ وہ ولید بن مغیرہ کے پاس گئے۔ اس سے کہنے لگے ”اے ابو عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی ہے۔ میں تمہاری پناہ واپس کرتا ہوں۔“ ولید نے کہا ”اے میرے بھتیجے! تو پناہ واپس کیوں کر رہا ہے۔ شاید میری قوم میں سے کسی شخص نے تجھے تکلیف دی ہے؟“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا ”نہیں۔“ مجھے کسی نے تکلیف نہیں دی لیکن میں صرف اللہ کی پناہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی پناہ کے علاوہ میں کسی اور کی پناہ کا خواہاں نہیں ہوں۔“ ولید نے کہا ”پھر آؤ مسجد چلیں۔ میری پناہ اسی طرح علانیہ لوٹاؤ جس طرح میں نے تجھے علانیہ پناہ دی تھی۔“ وہ دونوں مسجد میں آئے۔ ولید نے کہا ”یہ عثمان ہیں جو میری پناہ واپس کر رہے ہیں۔“ حضرت عثمان نے فرمایا ”تو نے سچ کہا ہے۔ میں نے ولید کو با وفا اور عمدہ پناہ دینے والا پایا ہے لیکن میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی پناہ میں نہ رہوں۔ میں نے اس کی پناہ واپس کر دی ہے۔“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ اس وقت لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب قریش کی محفل میں شعر پڑھ رہا تھا۔ حضرت عثمان بھی ان کے پاس بیٹھ گئے۔ لبید نے کہا۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے

حضرت عثمان نے اسے فرمایا تو نے سچ کہا ہے۔ پھر لبید نے کہا۔

وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ ذَائِلٌ

ہر نعمت یقیناً مٹنے والی ہے

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ

یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ حضور نبی محترم ﷺ نے فرمایا شعراء کے کلام میں سے سب سے سچی بات لبید کا یہ قول ہے۔ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ۔ آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے جھوٹ بولا ہے جنت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی۔ لیبید بن ربیعہ نے کہا ”اے گروہ قریش! قسم بخدا! تمہارے ہم نشین کو اس طرح اذیت نہیں دی جاتی تھی۔ تم نے یہ طریقہ کب سے اپنایا ہے؟“ قریش کے ایک شخص نے کہا ”یہ ہمارے احمقوں میں سے ایک احمق ہے انہوں نے ہمارے دین کو ترک کر دیا ہے تم اس کی بات کا برا نہ مناؤ۔“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا جس سے ان کے مابین جھگڑا شروع ہو گیا۔ وہ شخص اٹھا اس نے آپ کی آنکھ پر تھپڑ مارا جس سے آپ کی آنکھ نیلی ہو گئی۔ ولید بن مغیرہ قریب کھڑا یہ دلخراش منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ”اے میرے بھتیجے! تیری آنکھ ایسے زخموں سے محفوظ تھی تو ایک عظیم پناہ میں تھا۔“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اللہ کی قسم! میری دوسری آنکھ بھی منتظر ہے کہ اسے اس طرح کا زخم کب ہوتا ہے جیسا زخم اس آنکھ کو آیا ہے۔ میں اس ہستی کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے زیادہ معزز و محترم ہے۔“ ولید نے کہا ”آ میرے بھتیجے! اگر تو چاہتا ہے تو میں تجھے اب بھی اپنی پناہ میں لینے کیلئے تیار ہوں۔“ حضرت عثمان نے فرمایا ”مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔“

حضرت ابوسلمہ، ابوطالب کی پناہ میں

ابن اسحاق کہتے ہیں عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ جب ابوسلمہ نے ابوطالب سے پناہ طلب کی تو بنو مخزوم میں سے چند افراد حضرت ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے ”اے ابو طالب! پہلے تم نے اپنے بھتیجے کو پناہ دے کر ہم سے محفوظ کر لیا اب ہمارے ساتھی کو پناہ دے کر ہمیں روک رہے ہو۔“ حضرت ابوطالب نے فرمایا۔ ”وہ میرا بھانجا ہے اس نے مجھ سے پناہ مانگی ہے اگر میں اپنے بھتیجے کا تحفظ کر سکتا ہوں تو پھر میں اپنے بھانجے کی حفاظت کیوں نہیں کر سکتا؟“

آپ ﷺ اپنی مناجات میں عرض کرتے تھے۔ اَنْتَ الْحَقُّ، وَقَوْلُكَ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَلِقَاءُكَ حَقٌّ، مَوْلَا! تو حق ہے، تیرا فرمان حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، جنت حق ہے، آگ حق ہے اور تیری ملاقات حق ہے۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کو لیبید کے اس مصرعہ کے ساتھ کیسے جمع کیا جاسکتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ۱۔ مَا خَلَا اللَّهُ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی وہ رحمت جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور وہ آگ جس سے وہ سزا دے گا، ہے اس کے بغیر تمام اشیاء باطل یعنی زوال پذیر ہیں۔ ۲۔ اگرچہ جنت اور دوزخ حق ہے لیکن ان کی ذاتوں کے اعتبار سے ان پر زوال ممکن ہے۔ وہ اس لئے باقی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بقاء بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل کو دوام بخشا ہے۔ یہ اس شخص کا قول ہے جس نے دوام اور بقاء کو زائد علی الذات کے معنی

اس وقت ابو جہل کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا ”اے گروہ قریش! اللہ کی قسم! تم نے اس بوڑھے پر بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ تم ہر اس شخص پر ظلم کرتے رہے جو ان کی پناہ میں رہا قسم بخدا! اب تم نے ان سے رکنا ہو گا ورنہ ہم ہر اس شخص کو ان کی حمایت کے لئے کھڑا کریں گے جسے ہم کھڑا کر سکے“ ابو جہل کفار قریش کا حضور ﷺ کے خلاف سب سے بڑا مددگار اور حامی تھا۔ انہوں نے اسے اسی حمایت و نصرت پر برقرار رکھنا چاہا۔ جب ابوطالب نے یہ بات سنی تو انہوں نے یہ اشعار اس امید پر کہے کہ شاید ابو جہل بھی حضور ﷺ کی تائید و نصرت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

وَ اِنَّ - امْرَءًا ابُو عُتْبَةَ عَمُّهُ لَفِي رَوْضَةٍ مَا اِنْ يُسَامُ الْمَظَالِمَا
وہ شخص جس کا چچا ابو عتبہ ہوا ایسے چمن میں ہوتا ہے کہ اس پر ظلم نہیں کیا جاسکتا۔

اَقُولُ لَهُ وَاَيْنَ مِنْهُ نَصِيحَتِي اَبَا مُعْتَبٍ ثَبِتْ سَوَادَكَ قَائِمًا
میں اس سے کہتا ہوں لیکن اس پر میری نصیحت کا اثر کب ہوتا ہے۔ اے ابو معتب! اپنی قوم کے اتحاد کو مضبوط بنا۔

فَلَا تَقْبَلَنَّ الذَّهْرَ مَا عِشْتَ خُطَّةً تُسَبُّ بِهَا اِمَّا هَبَطْتَ الْمَوَاسِمَا
جب تک تو زندہ ہے تو ایسی چیز کو قبول نہ کر جس کی وجہ سے ہر اس مجمع میں تجھ پر عیب لگایا جائے جس میں تو جائے

وَوَلِّ سَبِيلَ الْعَجْزِ غَيْرَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّكَ لَمْ تُخْلَقْ عَلَى الْعَجْزِ لَازِمًا
ان میں سے اپنے علاوہ دوسروں کے لئے عجز کا راستہ چھوڑ دے تجھے راہِ عجز پر برقرار رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔

میں کیا ہے۔ یہ الاشعری کا قول ہے۔ حقیقت میں حق وہ ہوتا ہے جسے زوال نہ ہو، وہ قدیم ذات ہے جس کا معدوم حال ہے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا اَنْتَ الْحَقُّ حق کے ساتھ الف لام استعمال فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ ہی درحقیقت اس اسم کا مستحق ہے وَقَوْلُكَ الْحَقُّ۔ کیونکہ اس کا قول قدیم ہے۔ وہ مخلوق نہیں کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے۔ یہی الف و لام کا تقاضا ہے پھر فرمایا الْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ۔ اب ”حق“ کو الف لام کے بغیر ذکر کیا اسی طرح فرمایا لِقَاءُكَ حَقٌّ ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام امور محدث یعنی زوال پذیر ہیں اور محدث کے لئے اس کی ذات کے اعتبار سے بقاء لازم نہیں ہوتی۔ ہمیں اس کی بقاء کی خبر اس صادق ﷺ نے دی جن کی زبان پر کبھی جھوٹ نہیں آیا۔ اس چیز کی بقاء اس اعتبار سے نہیں کہ بقاء اس پر لازم ہے جس طرح

حَارِبٌ فَإِنَّ الْحَرْبَ نُصْفٌ وَ مَا تَرَى أَعَا الْحَرْبِ يُعْطَى الْخُسْفَ حَتَّى يُسَالِمَا
جنگ کا راستہ اختیار کر۔ بلاشبہ جنگ انصاف حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے تو دیکھے گا
کہ جنگ جو کبھی رسوا نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس سے صلح کر لی جاتی ہے۔

وَ كَيْفَ وَ لَمْ يَجْنُوا عَلَيْكَ عَظِيمَةً وَ لَمْ يَخْذُلُوكَ غَانِمًا أَوْ مُغَارِمًا
تو اپنی قوم سے علیحدہ کیوں ہوتا ہے حالانکہ انہوں نے تجھ پر کوئی بارِ گراں نہیں ڈالا اور نہ ہی
تجھے اس حالت میں رسوا کیا جبکہ تو مالِ غنیمت حاصل کرنے والا یا تادان ادا کرنے والا تھا۔

جَزَى اللَّهُ عَنَّا عَبْدَ شَمْسٍ وَ نَوْفَلًا وَ تَيْمًا وَ مَخْزُومًا عَقُومًا وَ مَائِمًا
ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنو عبد شمس، بنو نوفل، بنو تیم اور بنو مخزوم کو خطاؤں اور گناہوں کی سزا
دے۔

بِتَفْرِيقِهِمْ مِنْ بَعْدِ وَدِّهِ وَآلِفِهِ جَمَاعَتَنَا كَيْمَا يَنَالُوا الْمَحَارِمَا
انہوں نے محبت و الفت کے بعد ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا تاکہ وہ حرام چیزوں کو حاصل
کر سکیں۔

كَذَبْتُمْ وَ بَيَّتَ اللَّهُ نُبِيَّ مُحَمَّدًا وَ لَمَّا تَرَوْا يَوْمًا لَدَى الشَّعْبِ قَائِمًا
تم نے جھوٹ بولا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہم سے چھین لیا جائے گا۔ حالانکہ ابھی تک تم نے
وہ دن دیکھا ہی نہیں جس دن شعب کے پاس شمشیر زنی ہوگی۔

حضرت ابو بکر صدیق اور ابن دغنے کی پناہ

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب مکہ معظمہ کی سر
زمین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے تنگ ہو گئی۔ انہیں وہاں تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا

قدیم ذات کے لئے قدیم ہونا لازم ہے اور وہ ذات حق تعالیٰ کی ہستی ہے اس کے علاوہ سب کچھ باطل
ہے۔ خواہ وہ جوہر ہو یا عرض۔ اعراض اور جوہر کو فناء اور زوال لازم ہے اگر وہ باقی رہیں اور زوال پذیر
نہ ہوں پھر بھی ان کا زوال ممکن ہے حق تعالیٰ کی ذات بے ہمتانہ جوہر ہے نہ عرض اس لئے جو امر عرض
اور جوہر کے لئے جائز ہے وہ اس کے لئے محال ہے۔

حضرت ابو بکر اور ابن دغنے

ابن دغنے کا نام مالک تھا۔ یہ احابش کا سردار تھا۔ ابن اسحاق نے انہیں مذکورہ بالا قبائل بتایا ہے۔

پڑا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کے خلاف قریش کی کوششیں ملاحظہ کیں۔ صحابہ کرام پر ظلم و ستم دیکھا تو انہوں نے حضور ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ حضور ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کی نیت سے مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ جب آپ نے ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کی تو آپ کو ابن دغنے ملا۔ ابن دغنے کا تعلق بنو حارث بن عبد مناة بن کنانہ سے تھا وہ احابیش کا سردار تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں بنو حارث، بنو ہون اور بنو مصطلق کو احابیش کہا جاتا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ ان تمام نے ایک معاہدہ کر رکھا تھا جس کی وجہ سے انہیں احابیش کہا جاتا تھا۔ ابن دغنے کو ابن دغینہ بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”ابن دغنے نے پوچھا اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے۔“ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”میری قوم نے مجھے شہر سے نکال دیا ہے۔ شہر کی فضاء مجھ پر تنگ کر دی ہے انہوں نے مجھ پر جو رستم کیا ہے۔“ ابن دغنے نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے؟“ قسم بخدا! آپ تو اپنی قوم کی زینت و زیبائش ہو۔ مشکلات میں آپ مدد کرتے ہیں نیکی کے کام بجالاتے ہیں۔ بے روزگار کو روزگار فراہم کرتے ہیں۔ آپ لوٹ جائیں آپ میری پناہ میں ہیں“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابن دغنے کے ہمراہ واپس آ گئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر ابن دغنے نے کہا ”اے گروہ قریش! میں نے ابن ابی قحافہ کو پناہ دی ہے اب ان کے ساتھ صرف بھلائی کا سلوک کرنا۔ قریش آپ کو تکلیف دینے سے رک گئے۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گھر کے دروازہ کے پاس اپنی مسجد بنا رکھی تھی۔ آپ اس میں نماز ادا کرتے تھے۔ آپ ایک نرم دل انسان تھے۔ قرآن پڑھتے ہوئے آپ کی آنکھیں رم جھم برسنے لگتی تھیں۔ بچے، مرد اور عورتیں وہاں کھڑے ہو جاتے اور آپ کی اس حالت کو

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک پہاڑی پر عہد کیا تھا جسے حبشی کہا جاتا تھا اسی سے ان کا نام ”احابیش“ پڑ گیا۔

ابن دغنے نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا۔ إِنَّكَ لَتُكْسِبُ الْعَدُوْمَ۔ کہا جاتا ہے۔ كَسَبَتِ الرَّجُلَ مَالًا۔ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے (اصمعی)۔

تُكْسِبُ الْعَدُوْمَ کا معنی ہے یعنی آپ دوسرے کو وہ مال کما کر دیتے ہیں جن سے وہ محروم ہوتا ہے۔ دغنے۔ ایک عورت کا نام تھا جس کے نام پر ایک پہاڑ تھا دَغْنُ اس بادل کو کہتے ہیں جو بارش کے بعد آسمان پر رہتا ہے۔

دیکھتے۔ قریش کے چند آدمی ابن دغنے کے پاس گئے اور کہنے لگے۔ اے ابن دغنے! تو نے صدیق اکبر کو پناہ اس لئے دی تھی کہ وہ ہمیں تکلیف دیں۔ وہ جب نماز ادا کرتے ہیں اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو زار زار روتے ہیں۔ ان کی اس ہیبت کی وجہ سے ہمیں خوف ہے کہ ہمارے بچے، عورتیں اور کمزور لوگ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ تم انہیں حکم کرو کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو کر نماز ادا کیا کریں۔ ابن دغنے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا ”اے ابن ابی قحافہ! میں نے تجھے پناہ اس لئے نہیں دی تھی کہ تم اپنی قوم کو اذیت دو۔ وہ اس جگہ کو ناپسند کرتے ہیں جہاں تم نماز ادا کرتے ہو۔ انہیں اس سے اذیت ہوتی ہے۔ تم اپنے گھر میں داخل ہو کر جو کچھ چاہو کیا کرو۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں تیری پناہ واپس کرنا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں۔“ ابن دغنے نے کہا ”میری پناہ واپس کر دو۔“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی پناہ لوٹا دی۔ ابن دغنے نے کھڑے ہو کر کہا ”اے گروہ قریش! ابن ابی قحافہ نے میری پناہ لوٹا دی ہے اب تم اس سے حسب منشا سلوک کر سکتے ہو۔“

ابن اسحاق قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قریش کے کسی احمق نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اذیت دی اس وقت آپ کعبہ کی طرف جا رہے تھے۔ اس نے آپ کے سر پر مٹی پھینکی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے ولید بن مغیرہ یا عاص بن وائل گزرا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”تم نے دیکھا نہیں کہ اس بے وقوف نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔“ اس نے کہا ”تم نے اپنی ذات کے ساتھ یہ سلوک خود کیا ہے۔“ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔ ”مولا! تو کتنا حلیم ہے۔ مولا! تو کتنا حلیم ہے۔“

صحیفہ کا پارہ پارہ ہونا

بنو ہاشم اور بنو مطلب اسی اذیت ناک جگہ میں اقامت گزریں تھے۔ قریش نے ان کے خلاف ایک عہد نامہ لکھا تھا۔ پھر قریش میں سے چند افراد نے اس عہد نامے کو ختم کرنے کی کوشش

صحیفہ قریش کا ریزہ ریزہ ہونا

ہشام کے نسب میں ابن اسحاق نے ہشام بن حارث بن حبیب لکھا ہے۔ حاشیہ میں ابو ولید سے روایت ہے کہ یہ ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث تھا۔ یونس نے ابن اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس کا باپ عمرو، نضله بن ہاشم کا ماں کی جانب سے بھائی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ منصور بن عکرمہ

کی۔ اس انسانیت سوز معاہدہ کو ختم کرنے میں جو کردار ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن حبیب بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی نے ادا کیا وہ کسی اور سے ادا نہ ہو سکا وہ نضلہ بن ہشام بن عبد مناف کا، والدہ کی طرف سے بھائی تھا۔ ہشام بنو ہاشم سے اچھے تعلقات رکھتا تھا وہ اپنی قوم میں صاحب شرف انسان تھا۔ جب بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں محصور تھے تو یہ رات کے وقت کھانے سے بھرا ہوا اونٹ لے کر آتا۔ جب گھاٹی کے دروازے تک پہنچتا تو اس کی نکیل چھوڑ دیتا اور اس کے پہلو پر ضرب لگاتا، وہ اونٹ گھاٹی میں داخل ہو جاتا۔ پھر ایک اونٹ پر کپڑے وغیرہ لے کر آتا اور اسے بھی اسی طرح اندر داخل کر دیتا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ہشام، زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم کے پاس گیا۔ زہیر کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبدالمطلب تھا۔ ہشام نے کہا ”اے زہیر! کیا یہ تجھے پسند ہے کہ تو خود کھانا کھائے، عمدہ لباس زیب تن کرے، عورتوں سے نکاح کرے اور تیرے ماموں اس روح فرسا کیفیت میں ہوں جسے تو جانتا ہے۔ وہ نہ کوئی چیز فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان سے کوئی چیز خرید سکتا ہے وہ کسی کو نہ اپنا رشتہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان کی بچی سے شادی دیا کر سکتا ہے۔ میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر ابو حکم بن ہشام کے ماموں وہاں محبوس ہوتے پھر اگر تو اسے اس طرح کے ظالم معاہدہ کی طرف دعوت دیتا تو وہ کبھی بھی لبیک نہ کہتا۔“ زہیر نے کہا ”اے ہشام! میں فردِ واحد ہوں میں کیا کر سکتا ہوں؟ قسم بخدا! اگر میرے ساتھ ایک اور شخص ہوتا تو میں اس کو ختم کرا کے ہی دم لیتا۔“ ہشام نے کہا ”ایک شخص تو تجھے مل گیا ہے۔“ زہیر نے پوچھا وہ کون ہے۔ ہشام نے کہا ”میں خود۔“ زہیر نے کہا ”ہمت کرو ایک تیسرا شخص بھی تلاش کرو۔“ ہشام، معطم بن عدی کے پاس گیا اور اسے جا کر کہا ”اے معطم! کیا یہ بات تمہیں پسند ہے کہ بنی عبد مناف کے دو خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب بھوک سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے ہلاک ہو جائیں اور تم یہ دیکھ بھی رہے ہو پھر بھی تم قریش کی امداد نہ کرو؟ اگر تم قریش کو اس طرح ہلاک کرنے کے درپے ہوتے تو وہ تمہارا

معاہدہ کو لکھنے والا تھا۔ جس کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ لیکن ماہر نسب اس صحیفہ کے کاتب کے متعلق دو قول لکھتے ہیں۔ ۱۔ بغیض بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار نے یہ معاہدہ لکھا۔ ۲۔ منصور بن عبد شریل بن ہاشم اس کا کاتب تھا۔ یہ دو اقوال ابن اسحاق کے قول کے مخالف ہیں۔ علامہ زبیر نے بھی انہی دو قولوں کا تذکرہ کیا ہے۔ زبیر اپنی قوم کے نسب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

منہ نہ تکتے رہتے بلکہ وہ سب مل کر تم پر ہلہ بول دیتے۔“ مطعم نے کہا ”تم سچ کہتے ہو میں تنہا ساری قوم کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہوں۔“ ہشام نے ”کہا تم اکیلے نہیں ہو۔ ایک دوسرا آدمی بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔“ اس نے پوچھا ”کون۔“ ہشام نے کہا ”میں خود حاضر ہوں۔“ مطعم نے کہا ”تیسرا سا بھی تلاش کرو۔“ ہشام نے کہا ”میں نے وہ تیسرا سا بھی ڈھونڈ لیا ہے۔“ مطعم نے پوچھا ”وہ کون ہے؟“ ہشام نے کہا ”وہ زہیر ہے۔“ مطعم نے کہا ”چوتھا آدمی بھی تلاش کرو اس طرح ہم پوری قوت سے اس مقصد کو حاصل کر سکیں گے۔“ ہشام وہاں سے اٹھ کر ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس کے ساتھ بھی وہی گفتگو کی جو مطعم کے ساتھ کی تھی۔ اس نے پوچھا اس معاملہ میں کوئی اور شخص بھی ہماری مدد کرے گا۔ ہشام نے کہا ہاں! ابو البختری نے پوچھا وہ کون ہے؟ ہشام نے کہا ”زہیر مطعم، میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم چار آدمی اس مہم کو سر کرنے کے لئے متفق ہیں۔“ ابو البختری نے کہا ”ایک اور سا بھی ہونا چاہئے۔“ ہشام وہاں سے سید ہازمہ بن اسود کے پاس گیا اور اس کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی اور اسے بھی قریبی رشتہ داری کا واسطہ دیا جو اس کی بنو ہاشم کے ساتھ تھی اس نے بھی پوچھا کہ اس سلسلہ میں کوئی اور شخص بھی ہمارا ساتھ دے گا۔ ہشام نے اسے ان اشخاص نے نام بتا دیئے۔

زہیر نے کہا اس کام کی ابتداء میں کروں گا۔ صبح ہوئی تو روضاء قریش اپنی اپنی مجالس میں جا کر بیٹھ گئے لیکن زہیر کی آج شان ہی نرالی تھی وہ بڑی آن بان سے حرم میں داخل ہوا اس نے آج ایک قیمتی پوشاک پہن رکھی تھی۔ اس نے بیت اللہ کا طواف کیا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور بلند آواز سے کہا ”اے مکہ کے باشندو! ہم تولد یذکھانے کھائیں زرق برق لباس پہنیں اور بنو ہاشم ہلاک ہو رہے ہوں۔ وہ خرید بھی نہ سکیں، بیچ بھی نہ سکیں۔ بخدا میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا

شعب ابی طالب میں شرمناک مظالم

صحیح روایت میں ہے کہ شعب ابی طالب کے محصورین درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ پھر وہ بکری کی طرح بیگنیاں کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ آپ فرماتے ہیں ایک دفعہ مجھے سخت بھوک لگی۔ اس رات کو میرا پاؤں کسی ترشٹی پر آ گیا میں اسے اٹھا کر گل گیا۔ میں آج تک نہیں جان سکا کہ وہ کیا چیز تھی۔ یونس کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں پیشاب کرنے کے لئے گیا میں نے پیشاب کرنے کی جگہ کسی چیز کی آواز سنی۔ میں نے اٹھا کر دیکھا تو وہ اونٹ کی جلد کا خشک ٹکڑا تھا میں نے اسے اٹھایا، دھویا جلا کر راکھ کیا۔

جب تک اس قطع رحمی کرنے والی ظالمانہ دستاویز کو پرزے پرزے نہ کر دیا جائے۔“ مسجد کے ایک کونے میں ابو جہل بیٹھا ہوا تھا وہ گرج کر بولا ”زہیر! تم جھوٹ کہہ رہے ہو بخدا اس صحیفہ کو ہرگز نہیں پھاڑا جائے گا۔“ زمعہ بن اسود کھڑا ہو گیا اس نے کہا ”ابو جہل! سب سے بڑے جھوٹے تو تم ہو اس تحریر پر ہم راضی ہی نہ تھے۔“ ابوالبحتری نے کہا ”زمعہ نے سچ کہا ہے جو کچھ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے ہم نہ اس کو پسند کرتے ہیں اور نہ ہی برقرار رہنے دیں گے۔“ مطعم نے کہا ”اے زمعہ! اے ابوالبحتری! تم نے سچ کہا ہے جو اس کے علاوہ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا گیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔“ ہشام بن عمرو نے بھی اس کی تائید کی ابو جہل نے کہا ”یہ سوچی سمجھی سازش ہے اور اس کے بارے میں رات کو فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس جگہ کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر یہ فیصلہ ہوا ہے۔“ یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں۔ حضرت ابوطالب مسجد کے گوشہ میں بیٹھے سن رہے تھے، مطعم اٹھا تا کہ اس صحیفہ کو ریزہ ریزہ کرے۔ دیکھا تو دیمک نے اللہ عَزَّوَالہ کے نام کے علاوہ جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا اس کا صفایا کر دیا ہے۔ اس صحیفہ کا کاتب منصور بن عکرمہ تھا۔ اس کے ہاتھ شل ہو گئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں بعض اہل علم لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوطالب سے کہا۔ ”اے عم محترم! میرے

اس میں پانی ملایا اور تین دن تک اسے کھاتا رہا۔ اگر بیرون ملک سے کوئی تجارتی کارواں وہاں آتا اور مسلمان ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے وہاں پہنچ جاتے تو ابولہب ان قافلہ والوں کو کہتا ”تم ان کو اتنے مہنگے دام بتاؤ کہ وہ کوئی چیز نہ خرید سکیں اور ساتھ ہی انہیں یہ تسلی بھی دیتا کہ تم یہ فکر مت کرنا کہ اگر تم نے بہت زیادہ قیمت مانگی تو اسے کوئی خریدے گا ہی نہیں اور تمہیں خسارہ ہوگا میں اس خسارے کو پورا کروں گا۔“ شعب ابی طالب کے مکین بھوک سے بلکتے ہوئے اپنے بچوں کو چھوڑ کر سامان خریدنے کے لئے جاتے تو قافلہ والے پانچ، دس گنا زیادہ قیمت طلب کرتے جس کے ادا کرنے کی ان میں سکت نہ ہوتی تھی۔ بے چارے خالی ہاتھ واپس آ جاتے ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہوتی جس سے وہ اپنے روتے ہوئے بچوں کو بہلا سکیں۔ وہ تجارتی ابولہب کے پاس جاتے اور ان کے طعام اور لباس وغیرہ میں انہیں بہت زیادہ نفع دلاتا۔ مؤمنین اور ان کے ساتھی بھوک اور عریانی سے تنگ آ گئے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا اِقْرَاْ پڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیْ۔ میں پڑھنے والا نہیں۔ اس وقت انہوں نے آپ ﷺ کو تین دفعہ بھینچا۔ تین دفعہ بھینچنے کو تین شدائد سے تعبیر کیا گیا۔ جن میں سے ایک سختی شعب ابی طالب کی محسوری تھی۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

پروردگار نے صحیفہ قریش پر دیمک کو مسلط فرما دیا ہے۔ اس نے وہاں صرف اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہی چھوڑا ہے۔ اس نے وہاں سے ظلم، قطع رحمی اور بہتان کی شقوں کو چاٹ کر دیا ہے۔ حضرت ابو طالب نے کہا ”کیا آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو بتایا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ حضرت ابو طالب نے فرمایا قسم بخدا! پھر آپ ﷺ پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ حضرت ابو طالب قریش کے پاس گئے اور فرمایا ”اے گروہ قریش! میرے بھتیجے نے تمہارے صحیفہ کے متعلق یہ خبر دی ہے۔ اپنے صحیفہ کو دیکھو۔ اگر میرے بھتیجے کی بات سچ نکلی تو پھر ہماری قطع رحمی سے رک جانا اور اس صحیفہ میں مرقوم ظالم شرائط کو ترک کر دینا۔ اگر میرے بھتیجے کی بات سچ ثابت نہ ہوئی تو میں اپنا بھتیجا تمہارے سپرد کر دوں گا۔“ قوم قریش نے کہا ”ہم آپ کی اس بات پر راضی ہیں۔“ پھر انہوں نے صحیفہ دیکھا۔ وہ بالکل اسی طرح تھا جس طرح سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تھا لیکن قریش کی عداوت و شرارت میں اضافہ ہی ہوا۔ اس کے بعد قریش کے چند افراد نے اس ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے کی سعی کی۔

حضرت ابو طالب کا قصیدہ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب دیمک صحیفہ کو چاٹ کر گئی ہو اور ظالم معاہدہ ختم ہو گیا تو حضرت ابو طالب نے ایک قصیدہ لکھا جس میں ان افراد کی ستائش کی جنہوں نے اس معاہدہ کو ختم کرنے کی تگ و دو کی۔ وہ مشہور قصیدہ یہ ہے۔

أَلَا هَلْ أَتَى بِحَرِينَا صُنْعُ رَبِّنَا عَلَى نَائِيهِمْ وَاللَّهُ بِالنَّاسِ أَرْدَدُ
کیا ہمارے سمندر کا سفر طے کرنے والے مہاجروں کو اس دوری کے باوجود ہمارے رب نے جو کیا ہے انہیں معلوم ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

بَحْرِينَا

اس سے مراد وہ مہاجرین ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ابو طالب نے انہیں بحر (سمندر) کی طرف منسوب اس لئے کیا کیونکہ یہ سمندری راستہ سے حبشہ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اِذَا نَفَسَتْ بَحْرِيَّةٌ ابن سیدہ اپنی کتاب ”الحکم“ میں رقم طراز ہیں کہ اہل عرب بحر سے نسبت خلاف قیاس بحرانی بناتے ہیں۔ اور یہ شاذ نسبت ہے ابن سیدہ نے یہ قول سیبویہ اور غلیل کی طرف

فَيُخْبِرُهُمْ أَنَّ الصَّحِيفَةَ مُزَّقَتْ وَأَنَّ كُلَّ مَا لَمْ يَرْضَهُ اللَّهُ مُفْسِدٌ
اور ان کو یہ اطلاع ملی ہے کہ اس صحیفہ کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں
کرتا وہ فناء ہو جاتی ہے۔

تَرَاوَحَهَا إِفْكٌ وَ سِحْرٌ مُجْتَمِعٌ وَلَمْ يُلَفَّ سِحْرٌ آخِرَ الدَّهْرِ يَصْعَدُ

منسوب کیا ہے لیکن یہ سیبویہ کا قول نہیں ہو سکتا انہوں نے شاذ نسبتوں میں لکھا ہے جیسا کہ بھڑاء سے
بھڑائی۔ صنّعاء سے صنّعیٰ اسی طرح بحرانیٰ ہے لیکن یہ نسبت بحرین ملک کی طرف منسوب
ہے۔ تمام علمائے نحو اسی طرح کہتے ہیں اور اسے سیبویہ کے کلام سے تاویل کرتے ہیں اس مسئلہ میں
ابن سیدہ پر سیبویہ کا قول متشابہ ہو گیا ہے۔ علماء نے لفظ بحر کی بنیاد بحران کو بنایا ہے۔ کتاب العین میں
خلیل لکھتے ہیں، بحرانیٰ بحرین کی طرف منسوب ہے انہوں نے اسے بحر کی طرف منسوب نہیں کیا
کیونکہ انہیں اس کا علم تھا اور یہ نسبت قیاس کے مطابق ہے۔ یزیدی کی کتاب ”الغریب“ میں ہے۔
”علماء بحرین کی طرف منسوب کو بحرانی کہتے ہیں اسے بحر نہیں کہتے تاکہ اس کے اور بحر کی طرف
منسوب اسم کے مابین فرق ہو سکے۔ ابن سیدہ سے اس کتاب میں کئی لغزشیں ہوئیں جن کی وجہ سے
انکلیوں کے پوروں سے خون رواں ہے۔ وہ کئی ایسے مقامات پر پھسلے جو انہیں گمراہوں کے راستہ پر
لے گئے۔ انہوں نے اسی کتاب میں بحیرۃ طبریہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”یہ دجال کے خروج کی
علامات سے ہے اس کے ظہور کے وقت اس کا پانی خشک ہو جائے گا۔“ حدیث شریف میں ہے۔ اِنَّمَا
جَاءَ فِي غَيْرِ زُغْرٍ۔ زغر کے علاوہ میں اس کا تذکرہ ہے۔ ”بحیرہ طبریہ کا ذکر یا جوج و ماجوج کی حدیث
میں ہے کہ وہ اس سمندر کا پانی پیئیں گے۔ ایک دوسری کتاب میں وہ ”جمار“ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس
سے مراد وہ کنکریاں ہیں جو میدان عرفہ میں ماری جاتی ہیں۔ یہ کتنی بڑی خطا اور لغزش ہے۔ انہوں نے
اسی قسم کے بہت سے تسامخ کیے ہیں۔ بحر کی طرف نسبت کے متعلق حضور ﷺ کی ایک حدیث مبارک
بھی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے کہا ”الْبَحْرِيَّةُ الْحَبَشِيَّةُ۔“ آپ ﷺ
نے انہیں اس وقت یہ فرمایا جب وہ حبشہ سے واپس تشریف لائیں۔

أَزَوْدٌ کا معنی بہت زیادہ نرم۔ اسی سے رَوَيْدٌ۔ یعنی تھوڑی سی نرمی اختیار کر۔ روید تصغیر ہے اس
کا مکسر نہیں آتا کیونکہ اس کا مصدر ”ارواد“ ہے لیکن اگر اسے باب سے ملایا جائے جس میں ترخیم کر کے
تصغیر بنائی جاتی ہے۔ یعنی وہ اسم جس میں زائد حروف ہو تصغیر بناتے وقت اس کے زائد حروف کو حذف
کر دیا جائے۔ مثلاً أَسْوَدٌ سے سَوِيدٌ اور اِرْوَادٌ سے رَوَيْدٌ وغیرہ۔

اس دستاویز کو جھوٹ اور بہتان نے تقویت دی اور قیامت تک جھوٹ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا۔

تَدَاعَى لَهَا مَنْ لَيْسَ فِيهَا بِقَرَقَرٍ فَطَائِرُهَا فِي رَأْسِهَا يَتَرَدَّدُ
ہر صاحب عزت نے اس معاہدہ کو توڑنے کی دعوت دی اور اس دستاویز کا پرندہ اس کے سر میں پھڑپھڑا رہا تھا۔

وَ كَانَتْ كِفَاءً رَقْعَةً بَائِيَةً لِيُقْطَعَ مِنْهَا سَاعِدٌ وَ مُقْلَدٌ
یہ معاہدہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ اگر کے عوض ہاتھ یا گردن کاٹ دی جاتی پھر بھی ظلم نہ تھا۔
وَ يَظْعَنُ أَهْلُ الْمَكْتَبَيْنِ فِيهِرَبُوا فَرَانِضُهُمْ مِنْ خَشْيَةِ الشَّرِّ تَرَعَدُ
وادی مکہ کے لوگ عازم سفر ہو گئے وہ اس حالت میں بھاگے کہ ان کے اعضاء شر کے خوف سے کانپ رہے تھے۔

وَ يَتْرَكُ حَرَاثٌ يُقْلَبُ أَمْرُهُ أَيْتُهُمْ فِيهِمْ عِنْدَ ذَاكَ وَ يَنْجِدُ
کسان کو چھوڑ دیا جاتا ہے اس کا معاملہ الٹ پلٹ ہو جاتا ہے خواہ وہ تھامہ میں جائے یا نجد کا قصد کرے۔

تَصْعَدُ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ كَتَيْبَةٌ لَهَا حُدُجٌ سَهْمٌ وَ قَوْسٌ وَ مِرْهَدٌ
اخشبین کے درمیان ایسا لشکر آجائے گا جس کے پاس بہت سے پھل، تیر، کمان اور برچھے یا

مَنْ لَيْسَ فِيهَا بِقَرَقَرٍ

وہ افراد ذلیل نہیں ہیں۔ قرقر اس زمین کو کہتے ہیں جو اپنے چلنے والے کو روکتی نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے شخص نہیں ہیں جن پر ہنسا جائے۔ قرقر ہنسنے کو بھی کہتے ہیں۔ طائرُھا..... یعنی اس کی بدبختی اور شر کا حصہ۔ ارشادِ بانی ہے ”الْزَمَنَاهُ طَائِرَةٌ فِي عُنُقِهِ۔“

لَهَا حُدُجٌ سَهْمٌ وَ قَوْسٌ وَ مِرْهَدٌ

شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں لَعْلَهُ حُدُجٌ ہے۔ حُدُجٌ حُدُج کی جمع ہے۔ انہوں نے بطور دلیل ثعلب کا یہ مصرعہ پڑھا، قُمْنَا فَانْسَنَا الْحَوُولَ وَالْحُدُجَ یہ سَتْرُ اور سَتْرُ کی مانند ہے۔ ابن سیدہ نے اسے ”محکم“ میں لکھا ہے اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہاں کجاوے کی جگہ تیر، کمان اور تلوار ہوگی۔ امام سیبلی فرماتے ہیں کہ ”عین“ میں ہے حُدُجٌ جھاڑی کے کانٹے کو کہتے ہیں۔ شعر میں یہ لفظ اسی معنی

تلواریں ہوں گی۔

فَمَنْ يَنْشَ مِنْ حَضَارِ مَكَّةَ عِزَّةُ فَعِزَّتُنَا فِي بَطْنِ مَكَّةَ اَتَلَدُ
اگر کسی کی عزت مکہ میں اقامت گزین ہونے کی وجہ سے نشوونما پاتی ہے تو پھر وادی مکہ میں
ہماری عزت بہت قدیم ہے۔

نَشَانَا بِهَا وَالنَّاسُ فِيهَا قَلَائِلُ فَلَمْ نَنْفِكْ نَزْدَادُ خَيْرًا وَ نَحْمَدُ
ہم نے اس مبارک شہر میں اس وقت نشوونما پائی جب لوگ بہت قلیل تھے۔ ہم میں خیر و
بھلائی کے اعتبار سے اضافہ ہوتا رہا اور ہر جگہ ہماری تعریف ہوتی رہی۔

وَ نَطْعِمُ حَتَّى يَتْرَكَ النَّاسُ فَضْلَهُمْ إِذَا جَعَلْتَ آيِدِي الْمُفِضِينَ تَرَعَدُ
ہم لوگوں کو کھانا کھلاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ لوگ اپنی برائی کو ترک کر دیتے ہیں۔ جب فال
گیروں کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔

میں مستعار استعمال ہوا ہے یعنی لَهَا حَسَنُ اس کے لئے کانٹے ہوں گے اور اس سے مراد تیر، کمان اور
تلواریں ہیں مَرَهْد یہ اصل میں اسی طرح ہے ممکن ہے کہ یہ مَرَهْد سے مقلوب ہو یہ دَهْدُ الْقَوْبِ
سے مشتق ہے اس کا معنی کپڑے کو پھاڑنا ہے، اس کا معنی نیزہ یا تلوار ہے، ممکن ہے کہ یہ مقلوب نہ ہو۔ یہ
دِهْد سے مشتق ہے اس کا معنی نرم و نازک ہے یعنی وہ اپنے مالک کو ظفرو کا میاں سے ہمنار کر کے نرم
کرتا ہے یا وہ خود خون سے سیراب ہو کر نرم ہو جاتا ہے۔ بعض نسخوں میں مَرَهْد مرقوم ہے اس کا معنی
ہے زندگی میں زہد اختیار کرنا اور آخرت کا حریص ہونا إِذَا جَعَلْتَ آيِدِي الْمُفِضِينَ تَرَعَدُ۔ جوئے
کے تیر پھینکنے والوں کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔ اونٹ ذبح کرنے میں مخی شخص کے علاوہ اور کوئی ان کا
ساتھ نہیں دے سکتا۔ جوان کا ساتھ نہ دے سکے اسے "الْبَرَم" کہتے ہیں ایک عورت کا خاوند بخیل تھا وہ
اسے کہتی ہے وَدَّاتُهُ يَقْرُونَ بِضَعَتَيْنِ فِي الْأَكْلِ أَبَوًا قَرُونًا۔ ایسے بخیل کو حصور بھی کہتے ہیں
حضرت ابو طالب کی مراد یہ ہے جب لوگ بخل کرتے ہیں تو یہ لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مَسِيرُ اس
اونٹ کو کہتے ہیں جسے ذبح کر کے تقسیم کیا جاتا ہے علامہ قتبی نے یہی تشریح کی ہے اور بطور دلیل یہ شعر
پڑھا ہے۔

أَقُولُ لَهُمْ بِالشَّعْبِ إِذْ يَمْسِرُونَنِي أَلَمْ يَمْسُرُوا ابْنَ فَارِسٍ دَهْدِمِ
جب وہ گھائی میں میرا مال تقسیم کر رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کیا وہ مایوس نہیں ہوئے بلاشبہ
میں تیز رفتار سوار کا لخت جگر ہوں۔

جَزَى اللّٰهُ رَهْطًا بِالْحَجُّونِ تَبَايَعُوا عَلَى مَلَاءٍ يَهْدِي لِحَزْمٍ وَ يُرْشِدُ
اللہ تعالیٰ اس گروہ کو جزاء دے جو مقامِ حجّون پر تھا جنہوں نے اس گروہ کی مدد کا عہد کیا جو
احتیاط کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں اور ہدایت دیتے ہیں۔

قُعُودًا لَدَى خَطَمِ الْحَجُّونِ كَأَنَّهُمْ مَقَاوِلَةٌ بَلْ هُمْ أَعَزُّ وَ أَمَجَدُ
وہ حجّون کی چوٹی کے پاس ایسے بیٹھے تھے گویا کہ وہ سردار تھے بلکہ وہ سرداروں سے بھی محترم و
معزز تھے۔

أَعَانَ عَلَيْهَا كُلُّ صَفَرٍ كَأَنَّهُ إِذَا مَا مَشَى فِي رَفْرِفِ الدَّرْعِ أَحْرَدُ
اس ظالمانہ معاہدہ کے خلاف مدد کرنے والا ہر شخص شاہین کی مانند تھا جب وہ خود سے بندھی
ہوئی ذرہ کے ساتھ چلتا تو آہستہ چلتا۔

جَرِيٌّ عَلَى جُلَى الْخُطُوبِ كَأَنَّهُ شِهَابٌ بَكَفَى قَابِسٍ يَتَوَقَّدُ
وہ بڑے بڑے کارناموں پر جرأت سے پیش قدمی کرنے والا ہے گویا کہ وہ آگ لینے
والے شخص کے دونوں ہاتھوں میں شعلہ بارانگارہ ہے۔

مِنَ الْأَكْرَمِينَ مِنْ لُؤْيِ بْنِ غَالِبٍ إِذَا سِيمَ خَسَفًا وَجْهَهُ يَتَرَبَّدُ
وہ لوی بن غالب کے معززین میں سے ہے جب اس سے ذلت آمیز سلوک کیا جاتا ہے تو
اس کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔

طَوِيلُ النَّجَادِ خَارِجٌ نِصْفُ سَاقِهِ عَلَى وَجْهِهِ يُسْقَى الْغَمَامُ وَ يُسْعَدُ
وہ دراز قد ہے۔ جو آدمی پنڈلی کو باہر رکھتا ہے اس کے چہرہ کے طفیل بادل برستا ہے اور
سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

عَظِيمُ الرَّمَادِ سَيِّدٌ وَابْنُ سَيِّدٍ يَحُضُّ عَلَى مَقَرِّ الضُّيُوفِ وَيَحْشَدُ
وہ بڑا فیاض، سردار اور سردار کا نورِ نظر ہے جو مہمانوں کی ضیافت پر ابھارتا ہے اور جمع کرتا

رَفْرِفِ الدَّرْعِ أَحْرَدُ

رَفْرِفِ الدَّرْعِ سے مراد ذرہ کے کنارے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
رَفْرِفِ حُضْرٍ سے مراد قالینوں اور بستروں کے پردے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ اس سے مراد تکیے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد جنت کے
باغات ہیں۔ أَحْرَدُ اس شخص کو کہتے ہیں جن کی چال بوجھل ہو۔ یہ حَرْدُ سے مشتق ہے ایسی چال

ہے۔

وَ يَنبَى لِأَبْنَاءِ الْعَشِيرَةِ صَالِحًا إِذَا نَحْنُ طُفْنَا فِي الْبَلَادِ وَ يَهْدُ
وہ خاندان کے فرزندوں کے لئے اچھی عادات کی بنیاد ڈالتا ہے جب ہم شہروں میں محوسفر
ہوتے ہیں تو وہ ان کے لئے فرش بچھاتا ہے۔

أَلَطَ بِهَذَا الصُّلَحِ كُلُّ مُبْرَأٍ عَظِيمِ اللِّوَاءِ أَمْرًا ثُمَّ يُحَدِّثُ
اس صلح میں مدد کرنے والا شخص ہر عیب سے پاک، عظیم جھنڈے والا اور قابل ستائش ہے۔
قَضَوْا مَا قَضَوْا فِي لَيْلِهِمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا عَلَى مَهْلٍ وَ سَائِرُ النَّاسِ رُقْدُ
انہوں نے اس شب جو فیصلہ کرنا تھا کر دیا پھر صبح کے وقت منزل پر پہنچ گئے جبکہ تمام لوگ محو
نیند تھے۔

هُمْ رَجَعُوا سَهْلَ بْنَ بَيْضَاءَ رَاضِيًا وَ سُرَّ أَبُو بَكْرٍ وَ مُحَمَّدٌ
انہوں نے سہل بن بیضاء کو راضی واپس کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور محمد
مصطفیٰ ﷺ اس سے مسرور ہو گئے۔

مَتَى شُرَكَ الْآقْوَامُ فِي جُلِّ أَمْرِنَا وَ كُنَّا قَدِيمًا قَبْلَهَا نَتَوَدَّدُ
یہ لوگ ہمارے عظیم الشان کاموں میں کب شرکت کرتے ہیں حالانکہ ہم اس سے پہلے کافی
عرصہ سے باہمی محبت کرتے تھے۔

وَ كُنَّا قَدِيمًا لَا نُقِرُّ ظِلَامَةً وَ نَذَرُكَ مَا شِئْنَا وَ لَا نَتَشَدَّدُ
ہماری پرانی عادت یہ ہے کہ ہم ظلم کو برقرار نہیں رہنے دیتے۔ ہم جسے چاہتے ہیں اسے
حاصل کر لیتے ہیں اور ہم ظلم بھی نہیں کرتے۔

فَيَا لَقُصِّي هَلْ لَكُمْ فِي نَفُوسِكُمْ وَ هَلْ لَكُمْ فِيهَا يَجِيءُ بِهِ غَدُ
اے بنو قصی! کیا تم نے کبھی اپنے متعلق سوچا ہے اور کبھی سوچا ہے کہ مستقبل میں تمہارے

انسان میں عیب ہوتی ہے وَهُمْ رَجَعُوا..... سہل سے مراد ابن وہب بن ربیعہ بن حلال بن ضبہ بن
حارث بن فہر ہے۔ بیضاء اس کی ماں تھی اس کا نام وعد بنت جدم بن امیہ بن ضرب بن حارث بن فہر
تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ سہل، سہیل اور صفوان۔

اسود۔ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس پر ایک شخص قتل ہو گیا۔ جس کے قاتل کا پتہ نہ چل سکا اس وقت
مقتول کے ورثاء نے یہ کہا لَذِيكَ الْبَيَانُ لَوْ تَكَلَّمْتَ اسود۔ اسی سے یہ ضرب الشل بن گیا۔

ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

فَإِنِّي وَ إِيَّاكُمْ كَمَا قَالَ قَائِلٌ لَّدَيْكَ الْبَيَانُ لَوْ تَكَلَّمْتَ اسْوَدُ
میری اور تمہاری حیثیت اس طرح سے ہے جس طرح کسی نے کہا ہے اے اسود! اگر تو بول
سکتا ہے تو پھر حقیقت کا علم تجھے ہی ہے۔

حضرت حسان بن ثابت کا مرثیہ

جب مطعم بن عدی کا انتقال ہو گیا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ان کا مرثیہ لکھا جس میں
صحیفہ کو چاک چاک کرنے میں ان کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے۔

أَيَا عَيْنُ فَابْكِي سَيِّدَ الْقَوْمِ وَأَسْفَحِي بِدَمْعٍ وَإِنْ أَنْزَفْتِهِ فَاسْكُبِي الدَّمَ
اے آنکھ! قوم کے سردار پر گریہ بار ہو اور آنسوؤں کی خوب سخاوت کر اور اگر تیرے آنسو ختم
ہو چکے تو پھر خون بہا۔

وَبِكِّي عَظِيمَ الْمَعْشَرَيْنِ كَلَيْهِمَا عَلَى النَّاسِ مَعْرُوفًا لَهُ مَا تَكَلَّمَا
دونوں قبیلوں کے سردار پر آہ و زاری کر۔ اس وقت تک اس کے احسانات لوگوں پر ہیں
جب تک وہ کلام کرتے رہیں گے۔

فَلَوْ كَانَ مَجْدٌ يُخِلِدُ الدَّهْرَ وَاحِدًا مِنَ النَّاسِ أَبْقَى مَجْدُهُ الْيَوْمَ مُطْعِمًا
اگر کسی کو بزرگی مداومت عطا کر سکتی تو آج مطعم کو اس کی عظمت ضرور بقاء عطا کر دیتی۔
أَجَرَتْ رَسُولَ اللَّهِ مِنْهُمْ فَاصْبَحُوا عَبِيدَكَ مَا لَبَّى مُهَلٍّ وَأَحْرَمًا
تم نے حضور ﷺ کو پناہ دی۔ جب تک کوئی حاجی لبیک کہتا رہے گا یا کوئی احرام باندھتا

حضرت حسان بن ثابت کا مرثیہ

انہوں نے اپنے قصیدہ میں مطعم بن عدی کا ذکر کیا ہے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب سرورِ دو عالم
ﷺ طائف سے واپس آئے تو اس وقت آپ ﷺ کو پناہ انہوں نے ہی دی تھی اور ظالم صحیفہ کو پارہ
پارہ کرنے میں بھی ان کا کردار بڑا عیاں ہے۔

فَلَوْ كَانَ مَجْدٌ اس شعر میں فاعل کو مقدم کیا گیا ہے وہ مفعول کی ضمیر کی طرف مضاف ہے۔
علمائے نحو کے نزدیک یہ ضرورت بڑی قبیح ہے۔ یہ شعر اس مصرعہ کی مانند ہے جَزَى رَبُّهُ عَنِّي عِدَّتِي
بْنِ حَاتِمٍ۔ عدی بن حاتم کا رب اسے میری طرف سے عمدہ جزاء دے لیکن اس شعر میں مطعم کا ذکر پہلے

رہے گا وہ سب تمہارے احسان کے بندے رہیں گے۔

فَلَوْ سَنَلْت عَنْهُ مَعْدُ بِأَسْرِهَا وَ قَحْطَانُ أَوْ بَاقِي بَقِيَّةِ جُرْهَهَا
اگر بنو معد، قحطان اور جرہم کے بقیہ افراد سے مطعم کے متعلق پوچھا جائے۔

لَقَالُوا هُوَ الْوَفِيُّ بِخُفْرَةِ جَارِهِ وَ ذِمَّتِهِ يَوْمًا إِذَا مَا تَدَمَّيَا
تو وہ سب کہیں گے کہ وہ اپنے پناہ گزین سے وفا کرنے والا اور اپنے عہد کو پورا کرنے والا
ہے جب کہ وہ عہد کرے۔

فَمَا تَطْلَعُ الشَّمْسُ النَّيِّرَةُ فَوْقَهُمْ عَلَى مِثْلِهِ فِيهِمْ أَعَزُّ وَأَعْظَمَا
درخشاں سورج ان میں سے کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو مطعم سے زیادہ معزز اور عظیم
ہو۔

وَأَبَى إِذَا يَأْبَى وَ أَعْظَمَ شَيْئَةً وَأَنُومَ عَنْ جَارٍ إِذَا اللَّيْلُ أَظْلَمَا
جب وہ انکار کرتا تو سب سے زیادہ انکار کرنے والا، بہترین عادات کا مالک، ظلمت بھری
رات میں وہ اپنے پناہ گزین سے مطمئن ہو کر سونے والا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں جب تاجدار عرب و عجم علیہ السلام طائف سے واپس تشریف لائے۔ اہل
طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک نہ کہا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تائید سے
انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حراء کی طرف تشریف لے گئے۔ پہلے اخنس بن شریف کی طرف پیام
بھیجا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے۔ اس نے کہا ”میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ نہیں دیتا۔“
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کی طرف پیغام بھیجا۔ اس نے کہا ”بنو عامر بنو کعب کے خلاف کسی
کو پناہ نہیں دیتے۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطعم بن عدی کی طرف پیغام بھیجا۔ انہوں نے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا پر لبیک کہا۔ حضرت مطعم اور ان کے اہل خانہ ہتھیار سجا کر مسجد میں آئے پھر

ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ شبہ سا آ جاتا ہے گویا کہ انہوں نے اس طرح کہا ہے أَبْقَى مَبْجُذًا هَذَا
الْمَذْكُورِ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهُ مُطْعِمًا۔ انہوں نے ظاہر کو مضمحل کی جگہ رکھا ہے مثلاً اگر اس طرح کہا جائے
إِنَّ زَيْدًا ضَرَبَتْ جَارِيَّتُهُ زَيْدًا۔ یعنی لونڈی نے زید کو مارا اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں
بالخصوص جبکہ مدوح کی تعظیم و تحمیم کا قصد ہو۔ جس طرح شاعر کہتا ہے۔

وَ مَالِي أَنْ أَكُونَ أَعْيَبُ يَخْيِي وَ يَخْيِي طَاهِرُ الْآثَابِ بَرُّ
میں یہی پر عیب کیوں لگاؤں وہ یہی جو پاکیزہ کپڑوں والا اور پاکیزہ ہے۔

حضور ﷺ کو پیام دیا کہ تشریف لائیں حضور ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف کیا۔ نماز ادا کی، پھر اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لائے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت حسان رضی اللہ عنہ ہشام بن عمرو کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

هَلْ يُؤْفَيْنُ بَنُو أُمَيَّةَ ذِمَّةً عِقْدًا كَمَا أَوْفَى جَوَارُ هِشَامٍ
مِنْ مَعْشَرٍ لَا يَغْدِرُونَ بِجَارِهِمْ لِلْحَارِثِ بْنِ حَبِيبٍ بَنِ سُخَامٍ
وَ إِذَا بَنُو حِمْيَلٍ أَجَارُوا ذِمَّةً أَوْفَوْا وَأَدَّوْا جَارَهُمْ بِسَلَامٍ

”کیا بنو امیہ اپنے عہد اور ذمہ کو اسی طرح پورا کریں گے جس طرح ہشام کے ہمسایہ نے ذمہ داری پوری کی۔ ان کا تعلق بنو حارث بن حبیب بن سخام سے ہے جو اپنے پڑوسیوں سے دھوکا نہیں کرتے۔ جب بنو حسل کسی کو پناہ دیتے ہیں تو وہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے پناہ گزین کو سلامت حوالے کرتے ہیں۔“ ہشام، سخام کا بھائی تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں سخام کو سخام بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ سے کس طرح سنگدلانہ سلوک کر رہی تھی۔ آپ ﷺ ان کے لئے مجسمہ خلوص تھے انہیں کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر فوز و فلاح کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ہر طرح حفاظت فرمائی۔ ہر شخص جو مکہ معظمہ میں آتا قریش اسے حضور ﷺ سے ڈراتے۔ حضرت طفیل بن عمرو خود بیان فرماتے ہیں۔ ”وہ مکہ معظمہ میں آئے۔ اس وقت حضور ﷺ مکہ معظمہ میں جلوہ افروز تھے۔ قریش کے چند افراد ان کے پاس گئے۔ طفیل ایک

میرے نزدیک یہ وَبَّيْ عَظِيمَ الْمَشْعَرَيْنِ سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ أَبْقَى مَجْدُهُ سے مفعول ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی أَبْقَاهُ مَجْدُهُ أَبَدًا۔ مفعول کے حذف میں کوئی قباحت نہیں ہے جبکہ کلام اس پر دلالت کر رہا ہو۔

ہشام بن عمرو کے نسب میں حارث بن حبیب بن سخام کا ذکر کیا ہے اس کا نسب پہلے گزر چکا ہے یہ حبیب ہے جو حب کی تصغیر ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اسے حَبِيب کی تصغیر بنایا ہے اسی لئے اسے مشدد ذکر کیا ہے۔ باب الضرورة سے اس کا تعلق نہیں ہے ورنہ فُلَيْس میں

شریف، دانا، شاعر اور عقلمند انسان تھے۔ قریش مکہ نے ان سے کہا ”اے طفیل! آپ ہمارے شہر میں آئے ہیں۔ یہ شخص جو ہمارے سامنے ہیں یہ ہم سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں۔ انہوں نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ہمارے معاملات کی شیرازہ بندی کو اکھیڑ کر رکھ دیا ہے ان کی گفتگو جادو کی طرح ہے جو انسان اور اس کے باپ، انسان اور اس کے بھائی اور انسان اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں آپ اور آپ کی قوم بھی انہیں مسائل کا شکار نہ ہو جائیں۔ آپ نہ تو ان سے کوئی گفتگو کریں اور نہ ہی ان سے کوئی بات کریں۔“ حضرت طفیل فرماتے ہیں ”وہ مجھے اسی طرح قائل کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے عزم کر لیا کہ میں نہ تو نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات کروں گا اور نہ ہی ان سے کوئی بات سنوں گا۔ حتیٰ کہ جب میں مسجد جاتا تو میں اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا تا کہ ان کی کوئی بات میرے کان تک نہ پہنچنے پائے۔ ایک دفعہ میں مسجد گیا حضور نبی محترم ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے۔ میں آپ ﷺ کے قریب گیا اللہ تعالیٰ نے ان کے کلام کو مجھے سنا دیا۔ وہ عمدہ کلام تھا میں نے دل میں کہا میری ماں کی اولاد مرے! میں ایک دانشمند شاعر ہوں۔ مجھ پر حسن و قبح مخفی نہیں رہ سکتا تو پھر اس شخص کا کلام کیوں نہ سنوں اگر ان کا کلام اچھا ہوا تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ قبیح ہوا تو ترک کر دوں گا۔ میں وہیں ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے آئے میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ جب آپ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو میں نے آپ ﷺ کو جا لیا۔ میں نے کہا ”اے محمد (مصطفیٰ فداہ روجی دابی و امی) صلی اللہ علیک وسلم! آپ ﷺ کی قوم نے مجھے یوں یوں کہا ہے۔ قسم بخدا! وہ مجھے آپ ﷺ کے معاملہ سے اس قدر ڈراتے رہے کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ آپ ﷺ کی بات میرے کانوں تک نہ جاسکے۔ پھر اللہ کی توفیق سے میں نے آپ ﷺ کا کلام سن لیا ہے۔ وہ ایک احسن کلام ہے۔ مجھے اپنے دین متین کے متعلق بتائیں۔“ حضرت طفیل فرماتے ہیں ”مجھ پر آپ نے اسلام پیش کیا۔ قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔ اللہ کی قسم! اس قدر حسین کلام میں نے آج تک نہیں سنا تھا۔ نہ ہی

فَلَيْسَ اور كَلَيْب میں كَلَيْب کہنا جائز نہ ہوتا۔ نہ شعر میں نہ نثر میں۔ جب حَبّ اور حَبِيب کا معنی ایک ہے تو یہ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ اشعار میں ان کا استعمال مستحسن ہے۔ ہشام بن عمرو کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ملی تھی۔ ان کا شمار مؤلف القلوب میں ہوتا ہے۔ یہ چالیس مرد تھے۔

اتنے معتدل معاملہ کی سماعت کی تھی۔ میں دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا۔ میں نے حق کی شہادت دے دی۔ میں نے عرض کی ”اے اللہ کے نبی ﷺ! میں اپنی قوم میں صاحب حیثیت شخص ہوں، میری قوم فخر سے میری اطاعت بجالاتی ہے۔ میں ان کی طرف جا رہا ہوں انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میرے لئے کوئی ایسی علامت بنا دے جو وہاں میری معاون و مددگار ہو۔ آپ ﷺ نے یوں دعا کی۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْ لَهُ آيَةً۔ ”مولا اس کے لئے کوئی نشانی بنا دے۔“ حضرت طفیل فرماتے ہیں ”میں اپنی قوم کی طرف گیا۔ جب میں ”ثنیہ“ پہنچا جس سے میں اپنی بستی کو دیکھ سکتا تھا تو میری آنکھوں کے مابین ایک نور چراغ کی طرح صوفشاں ہو گیا۔ میں نے عرض کی مولا! یہ نور کسی اور جگہ عیاں فرما دے مجھے خدشہ ہے کہ میری قوم اسے مثلہ نہ کہہ دے جو ان کے دین کو ترک کرنے کی وجہ سے میرے چہرے پر رونما ہو گیا ہو وہ نور وہاں سے منتقل ہو کر میرے عصا میں آ گیا۔ اہل بستی وہ نور ایک معلق چراغ کی مانند دیکھ رہے تھے۔ میں ثنیہ سے ان کی طرف جا رہا تھا۔ بالآخر میں ان کے پاس پہنچ گیا۔“

حضرت طفیل کے والد ماجد اور زوجہ محترمہ کا اسلام

حضرت طفیل فرماتے ہیں ”جب میں بستی میں گیا تو میرے والد محترم میرے پاس آئے۔ وہ بہت بوڑھے تھے۔ میں نے ان سے کہا ”اے میرے ابا جان! آج سے ہماری راہیں جدا ہیں نہ تو میرا آپ سے تعلق ہے اور نہ ہی آپ کا مجھ سے کوئی ناتا ہے۔“ والد محترم نے فرمایا ”اے میرے نورِ نظر! کیوں؟“ میں نے کہا ”میں اسلام قبول کر چکا ہوں محمد عربی ﷺ کے دین حنیف کی پیروی کر چکا ہوں۔“ انہوں نے کہا ”میرے لختِ جگر! تمہارا دین ہی میرا دین ہے“ میں نے ان سے کہا۔ آپ تشریف لے جائیں۔ غسل فرمائیں پاکیزہ کپڑے زیب تن کریں پھر میرے پاس

ابن سخام

سخام ان کی ماں کا نام تھا اکثر اہل نسب اسے سخام کہتے ہیں۔ شیخ کی کتاب کے حاشیہ میں ہے کہ ابو عبیدہ اور دیگر اہل نسب اس کو سخام کہتے ہیں لیکن اس نام سخام ہے۔ سخام شَخَم الطَّعَام سے مشتق ہے۔ اس کا معنی کھانے کا خراب ہونا ہے۔ حضرت طفیل کا نسب یہ ہے طفیل بن عمرو طریف بن عاصی بن ثعلبہ بن سلیم بن جہم بن دوس.....

تشریف لائیں پھر میں آپ کو وہ تعلیم دوں گا جو میں نے حاصل کی ہے۔“ وہ چلے گئے، غسل کیا، صاف کپڑے پہنے پھر تشریف لائے، میں نے انہیں اسلام پیش کیا وہ اسلام لے آئے۔“ پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اس سے کہا ”میرا تیرا تعلق ختم۔ نہ میں تجھ سے کوئی تعلق رکھتا ہوں اور نہ ہی تیرا مجھ سے کوئی واسطہ ہے۔“ اس نے کہا ”میرے ماں باپ آپ پر خدا! وجہ کیا ہے؟“ میں نے کہا ”اسلام نے میرے اور تیرے مابین تفریق ڈال دی ہے۔ میں نے دین محمدی ﷺ کی پیروی کر لی ہے“ اس نے کہا ”آپ کا دین ہی میرا دین ہے۔“ میں نے کہا پھر ”حِناذی الشَّری“ کی طرف جا اور وہاں غسل کر کے آ۔ ابن ہشام کہتے ہیں ”اس جگہ کا نام حِمْی ذی الشَّری تھا۔ ذو شری قبیلہ دوس کا بت تھا۔ حمی جگہ کا نام تھا جسے اہل دوس نے اپنے بت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہاں پانی کی ایک آبشار بھی تھی جو پہاڑ سے نیچے گرتی تھی۔“ میری بیوی نے مجھ سے کہا ”میرے والدین آپ پر شارا! بچوں کو ذی شری کی طرف سے کوئی گزند پہنچنے کا خطرہ تو نہیں۔“ میں نے کہا ”میں اس کا ضامن ہوں۔“ میری بیوی وہاں گئی۔ غسل کیا پھر واپس آئی۔ میں نے اس پر اسلام پیش کیا وہ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئی۔

پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے کسی گرجوشتی کا مظاہرہ نہ کیا میں مکہ معظمہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قبیلہ دوس پر بدکاری غالب آگئی ہے۔ آپ ﷺ ان کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے بارگاہِ صمدیت میں عرض کی اَللّٰهُمَّ اِهْدِ دَوْسًا۔ مولا! قبیلہ دوس کو ہدایت کی توفیق ارزانی فرما۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اپنی قوم کے پاس جاؤ اور اسے دعوت دو اور اس کے ساتھ نرمی اختیار کرو۔“ حضرت طفیل فرماتے ہیں۔ ”میں سرزمین دوس میں اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتا رہا حتیٰ کہ حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ رونق افروز ہو گئے۔ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق بھی گزر گئے پھر میں اپنی قوم میں سے مسلمانوں کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ اس

حِناذی الشَّری

ابن ہشام اسے حِمْی کہتے ہیں یہ وہ جگہ تھی جسے اہل دوس نے اپنے قبیلے کے لئے وقف کر رکھا تھا اگر ابن اسحاق کی روایت درست ہے تو پھر نون کو میم میں تبدیل کیا گیا ہے۔ جس طرح خلان اور حلام کہا جاتا ہے ممکن ہے یہ حَنَوَاتِ الْعُوْدَ سے مشتق ہو یا مَحْنِیۃُ الْوَادِی سے مشتق ہو۔

وقت نبی محترم ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانے مدینہ طیبہ میں آئے تھے پھر وہ مقام خیبر میں حضور ﷺ کے ساتھ مل گئے۔ حضور ﷺ نے دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہمیں بھی خیبر کے مالی غنیمت میں شامل کیا۔

میں حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہا۔ حتیٰ کہ مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے ذوالکفین، عمرو بن حصہ کے بت کی طرف بھیجیں تاکہ میں اسے جلا دوں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور اسے نذرِ آتش کرتے ہوئے یہ اشعار گنگنا رہے تھے۔

يَا ذَاكَفَيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ مِثْلًا دَنَا أَقْدَمُ مِنْ مِثْلَادِكَ
إِنِّي حَشَوْتُ النَّارَ فِي فُؤَادِكَ

اے ذوالکفین! میں تیرے پیروں میں سے نہیں ہوں۔ ہماری پیدائش تیری پیدائش سے پرانی ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے وصال

ذوالکفین

ابن اسحاق نے الکفین کو مشدد ذکر کیا ہے اسے ضرورت کے لئے مخفف بھی پڑھا گیا ہے۔ شیخ کے نسخہ میں ہے کہ اس بات کو ذوالکفین کہا جاتا تھا اس میں فاء مخفف ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ان کے نزدیک شعر کے علاوہ مخفف ہے اگر یہ درست ہے تو پھر اس کلام کلمہ مخذوف ہے گویا کہ یہ کَفْ کا تشبیہ ہے یہ کُفَاتُ الْإِنَاءِ سے مشتق ہے یا کہ کَفْ بمعنی کَفْ ہے پھر ہمزہ کو تسہیل کر کے اس کی حرکت فاء کلمہ کو دی ہے۔ جس طرح الخَبُّ اور الخَبُّ ہے۔ اس روایت میں تو ہے کہ اہل دوس نے ثنیہ سے حضرت طفیل کے عصا کو ایک معلق قندیل کی طرح دیکھا لیکن مبرد نے ذکر کیا ہے کہ دوس کے لوگ پہاڑی کی طرف دیکھنے لگے وہ ضیاء اور نور کی شدت کی وجہ سے آوازیں نکال رہی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ دوس پر زنا اور سود نے غلبہ پالیا ہے۔ آپ ﷺ ان کے لئے بددعا فرمائیں۔ ہم نے کہا اب دوس ہلاک ہو گئے لیکن حضور ﷺ یوں لب کشا ہوئے۔

اَللّٰهُمَّ اِهْدِ دَوْسًا مَوْلَا قَبِيلَةِ دَوْسٍ كُوْهُدَايْتِ عَطَا فَرَمَا۔

تک مدینہ طیبہ میں ہی مقیم رہے۔ جب فتنہ ارتداد نے سراٹھایا تو آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ اس فتنہ کی جڑ اکھڑنے کے لئے گئے۔ جب طلحہ اور نجد کے تمام علاقے سے فارغ ہو گئے تو مسلمان یمامہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ اس سفر میں حضرت طفیل کے ساتھ ان کا تخت جگر عمرو بھی تھا۔ یمامہ کے راستہ میں انہوں نے ایک خواب دیکھا انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بتاؤ۔ خواب میں میں نے دیکھا ہے کہ میرا سر مونڈھا گیا ہے۔ میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا ہے۔ پھر ایک عورت نے مجھ سے ملاقات کی ہے اس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا بڑی شدت سے میری جستجو کر رہا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ اسے مجھ تک پہنچنے سے روک دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا ”آپ کا خواب تو اچھا ہے“۔ آپ نے فرمایا ”میں نے اس کی ایک تعبیر کی ہے“۔ صحابہ نے پوچھا کیا تعبیر ہے؟ آپ نے فرمایا ”سر منڈھنے سے مراد اس کا سر کٹنا ہے، میرے منہ سے نکلنے والا پرندہ میری روح ہے، وہ عورت جس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کیا وہ زمین کا گڑھا ہے جس میں، میں غائب ہو جاؤں گا۔ میرے بیٹے کا میری جستجو کرنا پھرنا کام رہنا اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے بھی انہی آفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے میں دوچار ہوا۔“ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ مقام یمامہ پر شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان کا نورِ نظر شدید زخمی ہوا۔ پھر وہ صحت یاب ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں یرموک کے سال شہید ہو گیا۔

اعشی بن قیس بن ثعلبہ کی عبرت ناک داستان

ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے خلا د بن قرہ بن خالد سدوسی نے بیان کیا ہے کہ اعشی بن قیس بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعوب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن صنب بن افسی بن دغی بن جدیلہ

اعشی

ابن ہشام نے اعشی کی عبرت ناک حکایت کو تفصیل سے رقم کیا ہے۔ الاعشی نے کہا اَمَّا الْخَصْرُ فِی النَّاسِ مِنْهَا عَلَلَاتٌ۔ بے شک یہ چیز بڑی مشکل ہے نفس اس پر شاید قادر نہ ہو۔ ابن ہشام کے علاوہ ایک اور سیرت نگار نے لکھا ہے کہ اعشی سے یہ بات ابو جہل نے کہی تھی اس نے یہ گفتگو عتبہ بن ربیعہ کے گھر کی تھی۔ اعشی اسی کا مہمان بنا تھا۔ حضرت امام سہلی فرماتے ہیں ابن ہشام سے یہ تسامع ہوا ہے اور یہ نقطہ نظر بھی درست نہیں ہے علماء کا اتفاق ہے کہ شراب کی حرمت والی آیت مدینہ طیبہ میں

بن اسد بن ربیعہ بن نزار بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے عازم سفر ہوا تا کہ اسلام لے آئے۔ اس نے حضور ﷺ کے لئے یہ نعت لکھی۔

أَلَمْ تَغْتَبِضْ عَيْنَاكَ لَيْلَةً أَرَمَدًا وَبِتَّ كَمَا بَاتَ السَّلِيمُ مُسَهَّدًا
کیا تیری آنکھ اس طرح نہیں سوئی جس طرح اس رات آنکھ بند نہیں ہوتی جس رات وہ
آشوب زدہ ہوا اور تو نے اس طرح رات بسر کی ہے جس طرح سانپ کا ڈسا ہوا رات گزارتا ہے۔
وَمَا ذَاكَ مِنْ عِشْقِ النِّسَاءِ وَإِنَّمَا تَنَاسَيْتَ قَبْلَ الْيَوْمِ خُلَّةً مَهْدَدًا
تیری یہ کیفیت عورتوں کی محبت کی وجہ سے نہیں ہوئی تو تو عرصہ سے مہد کی محبت کو بھول چکا

غزوہ بدر اور غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی حرمت سورۃ المائدہ میں ہوئی۔ صحیحین میں حضرت
حمزہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جب انہوں نے شراب پی لی اور لونڈی نے کہا اَلَا يَا حَمَزُ لِلشَّرَفِ
النِّوَاءِ۔ اے حمزہ! فخر موٹی موٹی اونٹنیوں کو ذبح کرنے میں ہے۔ یہ سن کر انہوں نے موٹی موٹی اونٹنیوں
کے پیٹ چیر دے اور ان کی کوبانوں سے بھی دور رہے۔

اگر اعشیٰ کی یہ بات درست ہے تو یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں ظہور پذیر ہوا ہوگا۔ اور اسے یہ کہنے والا۔
”کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ شراب کو حرام قرار دیتے ہیں۔“ کوئی منافق یا یہودی ہوگا۔ قصیدہ کا یہ مصرعہ
فَإِنْ لَهَا فِي أَهْلِ يَثْرَبَ مَوْعِدًا۔ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ ابو عبیدہ سے یہ روایت بھی اس کی تائید
کرتی ہے کہ قیس کے شہروں میں اعشیٰ عامر بن طفیل سے ملا۔ اس وقت اعشیٰ بارگاہ رسالت میں حاضر
ہونے کے لئے آ رہا تھا۔ عامر نے اس کو بتایا کہ وہ نبی ﷺ شراب کو حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ سن کر
اعشیٰ واپس آ گیا۔ یہ روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔ اعشیٰ کی یہ بات ”میں اس سال شراب سے
سیراب ہو جاؤں پھر واپس آ کر اسلام قبول کر لوں گا۔“ بالا جماع اسے کفر سے خارج نہیں کرتی
اسرافٹنی اپنے ”عقیدہ“ میں لکھتے ہیں۔ ”جب مؤمن یہ کہے کہ میں کل یا پرسوں کفر کروں گا تو وہ اسی
وقت کافر ہو جائے گا۔ جب کافر کہے میں کل یا پرسوں اسلام لے آؤں گا تو وہ اپنے کفر پر ہی رہے گا۔
وہ جب ایمان لائے گا تو اپنے ایمان کے ساتھ کفر سے نکلے گا۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔“

لَيْلَةً أَرَمَدًا۔

”لَیْلَۃ“ ظرف کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ یہ ترکیب معنی کو فاسد کر دیتی ہے بلکہ یہ مصدر کے متعلق
ہے جسے حذف کر دیا گیا ہے یہ اِنْجِیَاضُ لَیْلَۃِ اَرَمَدٍ کے معنی میں ہے لَیْلَۃ کے مضاف کو حذف کر دیا
گیا۔ اسے اس کے قائم مقام رکھا گیا۔ اس کا اعراب اس کے اعراب کی مانند ہو گیا۔ اس شعر میں لَیْلَۃ

ہے۔

وَلَكِنْ أَدَى الدَّهْرَ الَّذِي هُوَ خَائِنٌ إِذَا أَصْلَحْتَ كَفَّايَ عَادَ فَافْسَدَا
لیکن میں اس زمانہ کو دیکھتا ہوں جو خائن ہے کہ جب میرے ہاتھ کسی مسئلہ کو سلجھاتے ہیں تو
یہ آکر انہیں بگاڑ دیتا ہے۔

كُهُولًا وَ شُبَّانًا فَقَدْتُ وَ ثَرَوَةً فَلِلَّهِ هَذَا الدَّهْرُ كَيْفَ تَرَدَّدَا
کتنے ہی بوڑھوں، جوانوں اور دولت مندوں کو میں نے گم کیا ہے خدا ہی جانے یہ زمانہ کیسے
لوٹ کر بار بار آتا ہے۔

وَ مَا زِلْتُ أَبْغِي الْمَالَ مُدَانًا يَافِعًا وَلَيْدًا وَ كَهْلًا حِينَ سَبْتُ وَأَمَرَدَا
اپنی عمر کے ہر حصہ، بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے میں، میں ہمیشہ مال ہی کا متلاشی رہا۔
وَأَبْتَدِلُ الْعَيْسَ الْمَرَاقِيلَ تَعْتَلِي مَسَافَةً مَا بَيْنَ النُّجُومِ فَصَرَخَدَا
اب میں سرخی مائل اونٹوں کو سفر پر مجبور کر رہا ہوں جو نجیر اور صرخد کے مابین مسافت کو پامال
بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس کا معنی ”غَمْضُ أَرْمَدَ“ ہے۔ بعض علمائے نحو کہتے ہیں اس روایت میں
أَرْمَدُ ”لَیْل“ کی صفت ہے یعنی اس کا مجازاً حال ہے جس طرح کہا جاتا ہے لَيْلُكَ سَاهِرٌ۔
مَهْدَدٌ

یہ مہد سے فَعْلَل کے وزن پر ہے۔ اگر ہمارے پاس یہ دلیل نہ ہوتی کہ اس کی میم اصل یہ ہے تو
ہم یہ کہہ دیتے کہ یہ مفعَل کے وزن پر ہے کیونکہ رباعی کلمہ کے اول میں جب میم یا ہمزہ ہو تو اسے زائد
سمجھا جاتا ہے مگر جب اس کے اصل یہ ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ اس کلمہ کی اصلیت کی دلیل
”دال“ کی تضعیف کا ظہور ہے۔ اگر میم زائدہ ہوتی تو پھر تضعیف کا اظہار نہ ہوتا پھر اس میں مہد کہا
جاتا جس طرح مَرَدٌ، مَكْرٌ اور مَفْرٌ۔ مَهْدَدٌ میں دال کو ڈبل کیا گیا ہے تاکہ یہ جُعْفَر کی بناء کے ساتھ
ملحق ہو جائے۔ حِنَافًا لَيْتًا۔ ”العين“ میں ہے حَنْفَتِ النَّاقَةُ اَوْثُنِي نے چستی کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو
موڑا، زاجر کہتا ہے۔

إِنَّ الشِّوَاءَ وَالنَّسِیْلَ وَالرُّغْفَ وَالْقَمِیْنَةَ الْحَسَنَاءَ وَالْكَاسَ الْأَنْفَ
لِلظَّاعِنِينَ الْخَمْلَ وَالْخَمْلُ حُلْفُ

بھونا ہوا گوشت، ضرر سے پاک گوشت، چپاتیاں، گانے والی حسینہ، ایسا پیالہ جس سے کسی نے نہ
پیا ہو۔ عازم سفر ہونے والے مسافر کے لئے گھوڑے اور گھوڑے بھی چست و چالاک۔

کر رہے ہیں۔

آلَا أَيُّهَا السَّائِلِي آيْنَ يَسْتُ فَإِنَّ لَهَا فِي أَهْلِ يَثْرَبَ مَوْعِدًا
اے یہ سوال کرنے والے کہ ان اونٹوں کی منزل کہاں ہے۔ اہل یثرب میں ان کے پہنچنے کا
وعدہ ہے۔

فَإِنْ تَسْأَلِي عَنِّي فَيَا رَبَّ سَائِلٍ حَفِيٍّ عَنِ الْآعْشَى بِهِ حَيْثُ أَصْعَدَ
اگر تو میرے متعلق پوچھ رہی ہے تو پھر عجیب نہیں کیونکہ کتنے ہی لوگ آعشی کے متعلق اصرار
سے پوچھتے ہیں وہ جہاں بھی جائے۔

أَجَلْتُ بِرَجْلَيْهَا النَّجَاءَ وَرَاجَعْتُ يَدَاهَا خِنَافًا لَيْنًا غَيْرَ أَحْرَدًا
اس اونٹنی نے اپنی ٹانگوں سے تیز رفتاری کی پوری کوشش کی حتیٰ کہ اس کے اگلے پاؤں نرم ہو
کر مڑ کر لگنے لگے لیکن پھر بھی وہ لنگراتی نہیں۔

وَفِيهَا إِذَا مَا هَجَرَتْ عَجْرَفِيَّةً إِذَا خِلَتْ حِرْبَاءَ الظُّهْرِ أَصْبَدًا
دوپہر کے وقت اس اونٹنی کی چال میں بے نیازی ہوتی ہے اس وقت جب تو گرگٹ کو گردن
اکڑاتے ہوئے دیکھتا ہے۔

وَأَلَيْتُ لَا آوِي لَهَا مِنْ كَلَالِهِ وَلَا مِنْ حَفِيٍّ حَتَّى تَلْقَى مُحَضًّا
میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اونٹنی پر تھکاوٹ کی وجہ سے یا اس کے پاؤں گھس جانے کی وجہ
سے اس پر رحم نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ سے ملاقات کر لوں۔

لَيْنًا غَيْرَ أَحْرَدَ

اس کی یہ مستانہ چال بغیر کسی ٹیڑھے پن کے ہے۔ نجیر اور صرخد دو شہروں کے نام ہیں۔ حضرت
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں اہل نجیر نے اہل دبا کے بعد بغاوت کی۔ اہل دبا کا محاصرہ
حضرت حذیفہ بن اسد نے کیا جبکہ اہل نجیر کا محاصرہ حضرت زیاد بن لبید نے کیا، حتیٰ کہ انہوں نے
بغاوت ختم کر دی۔ صرخد کے انکور بڑے عمدہ ہوتے ہیں۔ صرخد یہ انکور اسی شہر کی طرف منسوب ہوتے
ہیں۔ آلِ مَالِی میں ہے ”وَلَمَّا كَطَعِمِ الصَّرْحَدِي تَرَ كُتَّةَ“ صرخدی کھانے کی مانند لذیذ کھانا میں
نے ترک کر دیا ہے۔ وَلَا یہ وجہ کی مانند ہے یعنی میں اس کے لئے نرم رویہ اختیار نہیں کروں گا کہا
جاتا ہے۔ آوَيْتَ لِلضَّعِيفِ إِيَّاهُ وَمَاوِيَّةَ۔ تو نے کمزور کو پناہ دی۔ أَغَارَ لَعَبْرِي فِي الْبَلَادِ
وَالْجَدَا۔ لغت میں غَار اور آنَجَد معروف ہے یہ مصرعہ اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔

مَتٰی مَا تَنَاجٰی عِنْدَ بَابِ بْنِ هَاشِمٍ تَرَاجٰی وَ تَلَقٰی مِنْ فَوَاضِلِهِ نَدٰی
جب تو ابن ہاشم کے دروازے پر بیٹھے گی تو تجھے سکون ملے گا اور تو ان کی سخاوت کا فیض
حاصل کر سکے گی۔

نَبِیًّا یَّرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَ ذِکْرًا اَعَارَ لَعَبْرِی فِی الْبِلَادِ وَ اَنْجَدًا
وہ ایسے نبی ﷺ ہیں جو ان اشیاء کا مشاہدہ فرماتے ہیں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے مجھے اپنی
زندگانی کی قسم! ان کا ذکر شہروں اور ٹیلوں میں پھیل چکا ہے۔

لَهُ صَدَقَاتٌ مَا تُغِبُّ وَ نَائِلٌ وَ لَیْسَ عَطَاءُ الْیَوْمِ مَانِعَهُ غَدًا
ان کے انعامات اور صدقات مسلسل ہیں۔ آج کی سخاوت انہیں کل کی عطا سے منع نہیں
کرتی۔

اَجَدُّكَ لَمْ تَسْمَعْ وَصَاةَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الْاِلَهِ حَیْثُ اَوْصٰی وَ اَشْهَدًا
کیا تیری جدوجہد نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی وصیت کو نہیں سنا۔ وہ جس طرح وصیت کریں یا

لَعَبْرِی فِی الْبِلَادِ وَ اَلَا نَجَدًا۔ لغت میں غَار اور اَنْجَد معروف ہے۔ یہ مصرعہ اس طرح بھی پڑھا
گیا ہے۔ لَعَبْرِی غَار فِی الْبِلَادِ وَ اَنْجَد۔ زمین کے نشیبی حصہ کو غور اور بالائی حصہ کو نجد کہا جاتا ہے۔
اہل عرب غور میں قیاس کو ترک کرتے ہیں یہ اَفْعَلُ کے وزن پر بہت کم آتا ہے قیاس تو یہ تھا کہ یہ
انجد اور اَنْتَہم کی طرح ہوتا کیونکہ جو غور نشیبی علاقے کا قصد کرتا ہے وہ نیچے اترتا ہے۔ یہ غَار الْمَاءِ
سے مشتق ہے۔ اگر تیرا مقصد یہ ہو کہ تو یہ مفہوم ادا کرے کہ میں نے نشیبی علاقہ پر جھانکا تو تو "اَعَارُ"
کہہ سکتا ہے اس وقت یہ قیاس سے خارج نہ ہوگا۔

لَیْسَ عَطَاءُ الْیَوْمِ

یعنی آج کی عطا انہیں کل کی سخاوت سے منع نہیں کرتی عطاء کی ضمیر ممدوح کی طرف راجع ہوگی اگر
یہ ضمیر عطاء کی طرف راجع ہوتی تو پھر عبارت یوں ہوتی۔ لَیْسَ عَطَاءُ الْیَوْمِ مَانِعَهُ هُوَ اس صورت
میں فاعل کی ضمیر کا اظہار ہوگا کیونکہ صفت جب مَنْ کے علاوہ کسی اور پر جاری ہو تو پھر مستتر ضمیر کا اظہار
ضروری ہوتا ہے لیکن فعل میں اس طرح نہیں ہوتا۔ اس میں ایک راز ہے جو ہم کسی اور جگہ بیان کریں
گے۔ عطاء کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اس وقت اس سے پہلے ایک فعل محذوف ہوگا اس کا تعلق
اشتغال سے ہوگا۔ اس فعل میں مضمیر ضمیر حضور ﷺ کی طرف راجع ہوگی۔

شہادت دیں وہ اللہ کے نبی ہیں۔

إِذَا أَنْتَ لَمْ تَرْحَلْ بِزَادٍ مِنَ الثَّقَى وَ لَا قَيْتَ بَعْدَ الْمَوْتِ مَنْ قَدْ تَزَوَّدَا
جب تو تقویٰ کے زاد راہ سے سفر نہ کرے اور موت کے بعد ان لوگوں سے نہ ملے جنہوں
نے تقویٰ کا سامان لیا۔

نَدِمْتُ عَلَى أَنْ لَا تَكُونَ كَيْثِلَهُ فَتُرْصِدُ لِلْأَمْرِ الَّذِي كَانَ أَرْصَدَا
تو نادم ہو گا کہ تو اس تقویٰ شعار شخص کی مانند نہ ہو سکا تو اس امر کا منتظر ہو گا جو پہلے تیرا منتظر
تھا۔

فَإِيَّكَ وَالْمَيْتَاتِ لَا تَقْرَبْنَهَا وَلَا تَأْخُذَنَّ سَهْمًا حَدِيدًا لِتُفْصِدَا
مردار کھانے سے بچ ان کے قریب نہ جا اور خون بہانے کے لئے لوہے کے تیر نہ چلا۔
وَلَا النَّصَبَ الْمَنْصُوبَ لَا تَنْسُكْنَهُ وَلَا تَعْبُدِ الْآوْثَانَ وَاللَّهُ فَاعْبُدَا
نہ ہی نصب شدہ بتوں کے لئے قربانیاں کر، نہ بتوں کی پوجا کر، اللہ تعالیٰ کی عبادت کر۔
وَلَا تَقْرَبَنَّ حُرَّةً كَانَ سِرُّهَا عَلَيْكَ حَرَامًا فَانْكَحَنَّ أَوْ تَابَّدَا
کسی عورت کے قریب تک نہ جا۔ اس کی شرم گاہ تجھ پر حرام ہے یا تو نکاح کر لے یا عورتوں

وَاللَّهُ فَاعْبُدَا

فَاعْبُدَا میں نون خفیفہ پر وقف ہے اسی طرح فَانْكَحَنَّ اور تَابَّدَا پر بھی ہے یہ اسی طرح
”الف“ میں بھی لکھی جاتی ہے کیونکہ اس میں الف پر وقف ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے نون
خفیفہ مراد نہیں بلکہ تشبیہ سے مراد واحد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کلام عرب میں یہ معروف ہے مثلاً
فَإِنْ تَزْجُرَانِي يَا بَنَ عَفَّانَ أَزْدَجِرُ وَإِنْ تَدْعَانِي أَحْمِ عِرْضًا مُنْعَا
اے ابن عفان! اگر تو مجھے ڈانٹتا ہے تو خوب ڈانٹ لے۔ اگر تم مجھے پکارو گے تو میں محفوظ عزت کی
حفاظت کروں گا۔

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

وَقُلْتُ لِصَاحِبِي لَا تَحْبِسَانَا بِنَزْعِ أَصُولِهَا وَاجْتَنِّ شَيْخَا
اور میں نے اپنے ساتھی سے کہا اس کے اصول ختم کر کے ہمیں قیدی نہ بنا اور اس طرح ایک
چالاک مرد ختم ہو جائے گا۔ ان دونوں اشعار کے آخر میں نون خفیفہ کو محذوف ماننا درست نہیں کیونکہ ان

سے کنارہ کش ہو جا۔

وَاِذَا الرَّحِمُ الْقُرْبَىٰ فَلَا تَقْطَعَنَّ لِعَاقِبَةٍ وَّ لَا الْاَسِيرِ الْمُقْيِدَا
کسی قریبی رشتہ دار سے قطع تعلقی نہ کر اور نہ کسی قیدی کے ساتھ برا سلوک کر۔

وَسَبِّحْ عَلَىٰ حِينِ الْعِشِيَّاتِ وَالضُّحَىٰ وَّ لَا تَحْمَدِ الشَّيْطَانَ وَاللَّهُ فَاحِداً
صبح و مساء اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر۔ شیطان کی تعریف نہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کر۔

وَلَا تَسْخَرْ مِنْ بَائِسٍ ذِي ضَرَاةٍ وَّ لَا تَحْسَبَنَّ الْمَالَ لِلْمَرْءِ مُخْلِداً
کسی افلاس زدہ غریب کا مذاق نہ اڑا اور نہ یہ گمان کر کہ مال کسی شخص کو ابدیت عطا کرتا ہے۔

اعشی کا انجام

اعشی جب مکہ معظمہ پہنچا یا اس کے قریب ہی تھا تو اسے قریش کے چند مشرکین ملے۔ انہوں نے اس کی آمد کا مقصد پوچھا۔ اعشی نے کہا ”وہ حضور ﷺ کی زیارت کا خواہاں ہے تاکہ ان سے ملاقات کر کے اسلام قبول کر سکے“۔ مشرکین نے کہا ”اے ابوالبصیر! وہ تو زنا کو حرام قرار

میں الف صرف وقف کی وجہ سے پڑھا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی اس فعل کے ساتھ ضمیر بھی متصل ہوتی ہے۔ اس طرح ضمیر کو چھوڑ کر فعل پر وقف کرنا درست نہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حجاج نے کہا یا حُرَیسیٰ اِضْرِبَا عُنُقَهُ۔ اے میرے چوکیدار! اس کی گردن اڑا دے۔ اسے وقف پر محمول کرنا بھی ممکن ہے اور ممکن ہے اصل عبارت یوں ہو۔ اِضْرِبَا اَنْتَ وَ صَاحِبُكَ۔ ”تو اور تیرا ساتھی مارے“ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد۔ اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ میں خطاب صرف مالک کو ہوگا۔ دوسرے قول کے مطابق ضمیر سائق اور شہید کی طرف راجع ہے۔ ابن ہشام نے اس شعر کو روایت نہیں کیا۔ اعشی اپنی اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے۔

فَإِذَا مَا أَدْلَجَتْ فَتَرَىٰ لَهَا رَقِيبَيْنِ نَجْمًا لَا يَغِيبُ وَ فَرَقْدًا
جب وہ رات کے وقت عازم سفر ہوتی ہے تو تو اس کے دو رقیب دیکھتا ہے ایک وہ ستارہ جو غائب نہیں ہوتا دوسرا ستارہ فرقہ ہے۔

أَغَارَ لَعْنَى..... کے بعد ایک شعر یہ بھی ہے۔

بِهِ اَنْقَدَ اللَّهُ الْاَنَامُ مِنَ الْعَمَىٰ وَّ مَا كَانَ فِيهِمْ مَنْ يَرِيْعُ اِلَىٰ هُدًى
آپ کے ذریعہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو گمراہی سے بچایا ان میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو ہدایت کی طرف آتا۔

دیتے ہیں۔ اُعتشی نے کہا ”اب مجھے اس امر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ انہوں نے کہا ”اے ابو البصیر! وہ شراب کو حرام کرتے ہیں۔“ اُعتشی نے کہا ”أَمَّا هَذِهِ فَوَاللَّهِ إِنَّ فِي النَّفْسِ مِنْهَا لَعَلًّا لَا يَتَّ— بے شک یہ چیز بڑی مشکل ہے اس پر شاید نفس قادر نہ ہو۔ میں واپس جاؤں گا اور اس سال جی بھر کر شراب پیوں گا پھر آ کر اسلام قبول کر لوں گا۔“ وہ واپس چلا گیا اسی سال مر گیا موت نے دوبارہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کی مہلت نہ دی۔

ابو جہل کی ذلت

ابن اسحاق کہتے ہیں ابو جہل اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن تھا۔ حضور ﷺ سے بھی عداوت رکھتا تھا۔ وہ آپ ﷺ سے بغض و عناد رکھتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ہر موقع پر ذلیل و رسوا کیا۔

ابو جہل اور اراشی

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے عبد الملک بن عبد اللہ بن ابی سفیان ثقفی نے بیان کیا ہے۔ وہ ایک ثقہ شخص تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اراش کا ایک شخص اپنے اونٹ فروخت کرنے کے لئے مکہ معظمہ آیا۔ ابن ہشام نے اسے ”اراشہ“ کہا ہے۔ ابو جہل نے اس سے اونٹ خرید لئے لیکن ان کی قیمت ادا کرنے سے ٹال مٹول کرنے لگے۔ وہ اراشی آیا اور قریش کی محافل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت حضور ﷺ مسجد کے ایک کونے میں جلوہ افروز تھے۔ اراشی نے کہا ”اے گروہ قریش! کون شخص مجھے ابو جہل سے رقم واپس دلوائے گا۔ میں ایک اجنبی اور مسافر شخص ہوں۔ اس نے مجھے میرے حق سے محروم کر دیا ہے؟“ اہل مجلس نے ازراہ مذاق کہا وہ شخص جو مسجد کے کونے میں بیٹھے ہیں وہ تجھے تیرا حق دلوائیں گے۔ وہ اس عداوت کو جانتے تھے جو حضور ﷺ اور ابو جہل کے مابین تھی۔

وہ اراشی جب حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا ”اے عبد اللہ! ابو جہل نے میرا حق

الاراشی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس کا تعلق اراش سے تھا۔ اس سے مراد ابن غوث یا ابن عمرو بن غوث بن نہت بن مالک بن زید بن کھلان بن سباء ہے۔ یہی انمار کا باپ تھا جس سے بحیلہ اور خثعم پیدا ہوئے۔ ”اراشہ“ جس کا ذکر ابن ہشام نے کیا ہے وہ خثعم کی ایک وادی کا نام ہے۔ فرعون مصر کے نسب میں عمالیق میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

غصب کر لیا ہے۔ میں پر دیسی اور اجنبی ہوں۔ میں نے اس قوم سے پوچھا ہے کہ میرا حق کون دلوائے گا۔ انہوں نے آپ کی طرف ہی اشارہ کیا ہے۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے مجھے میرا حق دلوائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”آؤ ابو جہل کے پاس چلتے ہیں“۔ حضور ﷺ کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ کے ساتھ وہ اراشی بھی کھڑا ہو گیا۔ قریش مکہ کے پاس ایک شخص تھا قریش نے اس سے کہا ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو ابو جہل ان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے ابو جہل کے گھر کے پاس پہنچ کر اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے پوچھا کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا محمد! (فداہ روحی) ﷺ باہر آؤ۔ ابو جہل باہر آیا۔ اس کے چہرے کی شادابی ختم تھی اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس مسافر کا حق ادا کر۔ اس نے کہا ”ضرور! آپ ﷺ تشریف رکھیں حتیٰ کہ میں اس کا حق ادا کر دوں“۔ ابو جہل اندر گیا رقم لے آیا اور اس غریب الوطن کو دی۔ پھر وہی دو جہاں ﷺ واپس تشریف لے آئے آپ ﷺ نے اراشی سے فرمایا ”اب تو تجھے تیرا حق مل چکا ہے“۔ اراشی قریش کی محافل کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ جَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرًا فَقَدْ وَاللّٰہِ اَخَذَ لَی حَقِّی۔ اللہ انہیں بہترین جزا دے انہوں نے مجھے میرا حق دلوا دیا ہے۔ اتنے میں وہ شخص بھی آگیا جسے قریش نے بھیجا تھا۔ قریش نے پوچھا

مَنْ رَجُلٌ یُّوَدِّیْنِیْ عَلٰی اَبِی الْحَكَمِ

وہ کون شخص ہے جو ابو حکم سے حق دلانے میں میری اعانت کرے گا۔ یوڈی، اس ”اداة“ سے مشتق ہے جس سے انسان اپنے مقصد کو پالیتا ہے مثلاً جنگ کے آلات اور مزدور کے آلات وغیرہ۔ حاکم بھی خصم کو اس کے مقصد تک پہنچاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمزہ، عین کا بدل ہے یُعَدِّی اور یُوَدِّی کا معنی ایک ہی ہے یعنی وہ ظلم دور کرتا ہے جس طرح حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ شَكُونَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فَلَمْ یُسْکِنَا۔ ہم نے حضور ﷺ سے گرمی کی شدت کی شکایت کی لیکن آپ ﷺ نے ہمارے شکوہ کو دور نہ فرمایا۔

مَا فِیْ وَجْہِہٖ رَاحَۃٌ

یعنی اس کے چہرے پر رونق نہ تھی۔ اس کا چہرہ روح سے خالی تھی۔ اسی لئے یہ فاعلۃ کے وزن پر آیا ہے اور اس واقعہ کے آخر میں قریش کے فرستادہ کا یہ قول بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ وَمَا عِنْدَہٗ رَوْحٌ۔ گویا کہ اس کا جسم بے روح ہو گیا تھا۔

تیرے لئے بربادی ہو! تو نے کیا دیکھا؟۔ اس نے کہا ”میں نے تعجب انگیز منظر دیکھا ہے قسم بخدا! یونہی محمد عربی ﷺ نے ابو جہل کے دروازے پر دستک دی تو وہ فوراً باہر آ گیا اس کے چہرے کا رنگ متغیر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اس پر دیسی کا حق اسے دے دے۔ ابو جہل نے کہا ضرور! آپ ﷺ تشریف رکھیں حتیٰ کہ میں اس کی رقم لے آؤں۔ وہ اندر گیا اور رقم لا کر اس پر دیسی کے حوالے کر دی۔“ کچھ دیر بعد ابو جہل بھی آ گیا۔ قریش نے کہا ”تیرے لئے ہلاکت ہو تجھے کیا ہو گیا تھا قسم بخدا! پہلے تو تو نے اس طرح کبھی نہیں کیا تھا“۔ اس نے کہا ”جو نبی محمد (ﷺ) نے میرے دروازے پر دستک دی اور میں نے آپ ﷺ کی آواز سنی تو میں مرعوب ہو گیا جب میں باہر آیا تو میں نے آپ ﷺ کے سر پر ایک نراونٹ دیکھا میں نے اس جیسا جسیم اور قد و قامت والا اونٹ پہلے نہیں دیکھا تھا اس کے جڑے بھی بڑے عجیب تھے بخدا! اگر میں انکار کرتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا۔“

رکانہ اور اس کی کشتی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو اسحاق بن یسار سے روایت کیا ہے کہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف قریش کا پہلوان تھا۔ ایک دفعہ وہ مکہ معظمہ کی ایک گھاٹی میں حضور ﷺ سے ملا۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا ”اے رکانہ! کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور میری دعوت کو قبول نہیں کرتا“۔ رکانہ نے کہا ”اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ ﷺ کی دعوت برحق ہے تو میں آپ ﷺ کی ضرور پیروی کرتا“۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”اگر میں تجھے بچھاؤں تو

رکانہ کی زور آزمائی

ابن اسحاق نے رکانہ کی زور آزمائی کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح کا واقعہ ابو الاشدین الحنفی کے متعلق بھی گزر چکا ہے۔ شاید ان دونوں نے حضور ﷺ سے زور آزمائی کی ہو۔ ابو الاشدین کا نام اور نسب وغیرہ پہلے گزر چکا ہے۔ رکانہ سے مراد ابن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب ہے۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ حضور ﷺ نے ان سے ان کی نیت کے متعلق پوچھا انہوں نے عرض کی ارادہ تو ایک کا تھا آپ ﷺ نے ان کی بیوی انہیں واپس لوٹا دی انہوں نے حضور ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اِنَّ لِّكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَ خُلُقُ هٰذَا الدِّيْنِ الْحَيَاءُ۔ ہر دین کا خلق ہوتا ہے اس دین متین کا خلق حیاء ہے۔ ان کا فرزند یزید

تو جان لے گا کہ میرا پیغام حق ہے اس نے کہا ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا ”اٹھو اور مجھ سے کشتی لڑو“۔ رکانہ اٹھا اور کشتی کرنے لگا۔ حضور ﷺ نے فوراً اسے زمین پر پٹخ دیا۔ اسے اپنے بدن کا ہوش نہ رہا۔ اس نے کہا ”اے محمد (فداہ ابی وادی و روحی) دوبارہ زور آزمائی کریں“۔ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ زمین پر چت گرا دیا اس نے کہا ”اے محمد (ﷺ) بخدا! آپ کا مجھے پچھاڑ دینا بڑا تعجب خیز ہے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر تو چاہتا ہے تو میں تجھے اس سے بھی تعجب انگیز معجزہ دکھا سکتا ہوں۔ اگر تو اللہ سے ڈرے اور میری پیروی کرے“۔ رکانہ نے کہا ”وہ حیرت انگیز واقعہ کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ درخت جو تجھے نظر آ رہا ہے، میں ابھی اسے تیرے لئے بلا لیتا ہوں۔ وہ فوراً میرے پاس آ جائے گا“۔ رکانہ نے کہا ”اسے بلائیں“۔ نبی دو جہاں ﷺ نے اسے آواز دی، وہ درخت آیا اور حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا واپس چلا جا! وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ رکانہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا ”اے بنو عبد مناف! اپنے اس صاحب کی وجہ سے پوری دنیا پر غالب آ جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے اس سے بڑا جادو گر نہیں دیکھا“ پھر اس نے اپنے ساتھ رونما ہونے والے واقعات کا ذکر کیا۔

حبشہ سے نصاریٰ کا وفد

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ”حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے کہ حبشہ کے تقریباً بیس افراد آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے، وہ

بن رکانہ کو بھی صحابیت کا شرف ملا۔ یزید سے ان کے فرزند علی نے روایت کی ہے اس علی کو بھی بے مثال قوت و طاقت عطا کی گئی تھی۔ قوت و زور میں یہ اپنے دادا کے مشابہ تھے۔ فاکھی نے ان کے متعلق عجیب حکایات لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یزید بن معاویہ بھی شہہ زور پہلوان تھا۔ ایک دن یزید نے علی سے کشتی لڑی۔ انہوں نے یزید کو بری طرح پچھاڑ دیا پھر یزید نے انہیں ایک باغی گھوڑے پر سوار کرایا۔ علی، یزید کی منشاء سمجھ گئے جب گھوڑے نے سرکشی کی تو انہوں نے اپنی دونوں رانیں اس کے ارد گرد لپیٹ لیں حتیٰ کہ گھوڑا وہیں مر گیا۔ ایک دفعہ دو مضبوط آدمیوں کو اپنی بغل میں لے لیا پھر انہیں لے کر آگے بڑھنے لگے وہ دونوں بغل کے نیچے ہی پکارنے لگے موت، موت پھر انہوں نے انہیں چھوڑ دیا۔

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى

اللہ رب العزت نے مِنَ النَّصَارَى نہیں فرمایا۔ نہ بنی اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نام سے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے اس قول کا ذکر کیا جو انہوں نے حق کی پہچان کے بعد کہا پھر ان کے

وہیں حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کیا اور آپ ﷺ سے مختلف سوالات کئے۔ کعبہ کے ارد گرد قریش اپنی محافل سجائے بیٹھے تھے۔ جب وہ اپنے سوالات سے فارغ ہو گئے تو حضور ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہیں قرآن پاک کی تلاوت سنائی۔ قرآن پاک سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہا۔ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ وہی عظیم نبی ہیں جن کی توصیف ان کی کتب میں کی گئی ہے۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو ابو جہل چند افراد کے ہمراہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ”اللہ تعالیٰ تمہارے قافلے کو خائب و خاسر کرے تمہارے پیچھے جو تمہارے ہم مذہب ہیں انہوں نے تمہیں یہاں بھیجا ہے تاکہ اس شخص کے حالات کا مشاہدہ کرو۔ پھر واپس جا کر انہیں ان حالات سے خبردار کرو۔ جوں ہی تمہیں وہاں ان کی محفل میں بیٹھنے کا موقع ملا تو فوراً تم نے اپنے دین کو ترک کر دیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی تصدیق کر دی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ تم سے زیادہ احمق اور بے وقوف کارواں ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔“ اہل قافلہ نے ان سے کہا۔ ”تم پر سلامتی ہو، ہم تم جیسے جاہلوں کی طرح گفتگو نہیں کرنا چاہتے ہمیں اپنا دین مبارک تمہیں اپنا مذہب مبارک۔ ہم نے بھلائی کے حصول میں تاخیر نہیں کی۔“

کہا جاتا ہے کہ نصاریٰ کا یہ وفد نجران سے آیا تھا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ کون سا وفد تھا کہا جاتا ہے کہ یہ آیات ان کے متعلق ہی نازل ہوئیں۔

الَّذِينَ اتَّيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿٥٨﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرُهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَ يَذَرُوعُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٥٩﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا تَبْتَغِ الْجَاهِلِينَ ﴿٦٠﴾ (القصص)

ایمان کی گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے انہیں جنت عطا فرمادی ہے جب ان کی یہ صفت ہوئی تو وہ نصاریٰ نہ رہے وہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے ہو گئے۔ نصاریٰ اس نام سے اس لئے موسوم ہوئے کیونکہ ان کے دین کی ابتداء ”ناصرۃ“ سے ہوئی ناصرۃ شام کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ ان کا یہ نام اسی سے مشتق ہے۔ جس طرح یہودیوں کا نام یہود بن یعقوب سے مشتق ہے۔ ان میں سے اسلام لانے والے کو یہودی نہیں کہا جائے گا ان کو ”مسلمان“ کہنا ان کے لئے بہتر ہے۔

”جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہی حق ہے ہمارے رب کے پاس سے ہم اس سے پہلے ہی گردن رکھ چکے تھے ان کو ان کا اجر دو بالا دیا جائے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہ بھلائی سے برائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل بس تم پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی نہیں۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ مسجد میں جلوہ نما ہوتے اور آپ ﷺ کے پاس آپ ﷺ کے مسکین صحابہ کرام حضرت خباب، حضرت عمار، حضرت ابولکیمہ اور حضرت صہیب وغیرہ ہوتے تو قریش ان کا مذاق اڑاتے وہ ایک دوسرے سے کہتے۔ ”یہ کنگال ان کے ساتھی ہیں ہم میں سے یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے حق و صداقت کی راہیں کھولی ہیں اگر محمد ﷺ کا پیغام حق ہوتا تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے، ہمیں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ انہیں اس کے لئے مخصوص نہ فرماتا۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مِمَّنْ آتَاهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا ابْجَهَالَةً ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (الانعام)

غلام المبیعہ، حضرت صہیب اور حضرت فکیہہ

قریش کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ ایک مبیعہ نامی غلام کے پاس بیٹھتے ہیں۔ مبیعہ، مبیعہ کی طرح مفعلہ کے وزن پر ہے ممکن ہے کہ یہ مفعلہ کے وزن پر ہو۔ یہ اخفش کا قول ہے۔ ”سَلْعَةٌ مَبِيعَةٌ“ میں مَبِيعَةٌ مفعول کا صیغہ ہے۔ سیبویہ کے نزدیک واؤ کو حذف کیا گیا ہے ضمہ کے ثقل ہونے کی وجہ سے یاء کو ساکن کیا۔ ابوالحسن الاخفش کہتے ہیں یاء مبیوعۃ میں واؤ زائدہ سے بدل ہے ان کے نزدیک یہ مقولہ کے وزن پر ہے۔ اس کا عین کلمہ حذف کیا گیا ہے۔ تفصیل کسی اور جگہ ذکر کی جائے گی۔ ابن اسحاق نے صہیب اور ابولکیمہ کا ذکر کیا ہے ہم عنقریب ابولکیمہ کا نام ذکر کریں گے کیونکہ وہ بدری صحابی ہیں۔ اس طرح ہم حضرت صہیب بن سنان کا بھی ذکر کریں گے۔ ان کا نام یسار تھا۔ یہ عبدالدار کے غلام تھے۔

”اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے ہیں تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے اور یونہی ہم نے ان میں ایک کو دوسرے کے لئے فتنہ بنایا کہ مالدار کا فر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا؟ حق سے ماننے والوں کو اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب نے اپنے ذمہء کرم پر رحمت لازم کر لی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بے شک اللہ عزوجل بخشنے والا مہربان ہے۔“

حضور ﷺ کو وہ مردہ کے نزدیک مبیعہ نام نصرانی غلام کے پاس بیٹھا کرتے تھے، اس کا نام حَبْر تھا وہ بنو حفری کا غلام تھا قریش مکہ کہا کرتے تھے بخدا! محمد (ﷺ) کو ان کی سب تعلیمات حَبْر نصرانی سکھاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجِبُوا وَهُذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۝ (النحل)

”اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔“

ابن ہشام کہتے ہیں یُلْحِدُونَ کا معنی یَمِيلُونَ ہے۔ الْمِيل کا معنی حق سے منحرف ہونا ہے رُوْبَة کہتا ہے إِذَا تَبَعَ الضَّحَاكَ كُلُّ مُلْحِدٍ۔ جب ہر ملحد نے ضحاک کی پیروی کی۔ ضحاک سے مراد ضحاک خارجی ہے۔

سورة الکوثر کا نزول

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عاص بن وائل السہمی، جہاں بھی حضور ﷺ کا ذکر خیر ہوتا، کہتا اسے چھوڑ دو وہ ایک بے اولاد شخص ہے۔ اس کی نسل نہیں چلے گی اگر وہ مر گیا تو اس

ابتر اور کوثر

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ بکو اس کرنے والا عاصی بن وائل ہے لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ

کا ذکر منقطع ہو جائے گا اور تمہیں اس سے چھٹکارہ مل جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ **إِنَّا آغْطِيَنَّكَ الْكَوْثَرَ**۔ ”بے شک ہم نے آپ ﷺ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و حساب عطا کیا۔“ کوثر جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، کوثر کا معنی عظیم ہے۔

یہودہ بات ابو جہل نے کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس کا قائل کعب بن اشرف تھا۔ اس آخری قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مدنیہ ہے۔ محمد بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جب حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اتنی ہوئی کہ وہ سواری پر سوار ہو سکتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو قبض فرمایا۔ اس وقت عاصی نے کہا آج محمد ﷺ اپنے بیٹے سے محروم ہو گئے ہیں وہ بے اولاد ہو گئے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم ﷺ پر ان آیات کا نزول فرمایا۔ **إِنَّا آغْطِيَنَّكَ الْكَوْثَرَ**۔ بلاشبہ ہم نے آپ ﷺ کو خیر کثیر عطا کی ہے۔ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے وصال پر ملال کی وجہ سے آپ ﷺ کو جو تکلیف پہنچی ہے یہ اس کا عوض ہے۔ **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرِ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ**۔ پس آپ ﷺ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اسی کے لئے) یقیناً آپ کا دشمن بے نام و نشان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے **إِنَّ شَانِئَكَ الْأَبْتَرُ** نہیں فرمایا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عاص بن وائل اس وصف کے ساتھ مختص ہے۔ **هُوَ** ایسے مقام پر اختصاص کا فائدہ دیتا ہے مثلاً اگر کوئی کہے **إِنَّ زَيْدًا فَاسِقٌ**۔ یعنی وہ وہی فاسق ہے جس کا تو گمان کرتا ہے۔ یہ اس شخص کے لئے اختصاص ہے جو زید کو اس کے علاوہ کچھ سمجھتا ہو۔ علامہ جرجانی وغیرہ نے اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ **هُوَ** اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا یہ فرمان بھی ہے۔ **وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَ أَقْنَىٰ**۔ ”اور یہ کہ اس نے غنادی اور قناعت دی۔“ جب لوگوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی غنی کر سکتا ہے تو فرمایا۔ **أَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَ أَقْنَىٰ**۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَ أَحْيَىٰ**۔ ”اور یہ کہ وہی ہے جس نے مارا اور جلایا۔“ مشرکین کے موت و حیات کے متعلق نظریات نمرود کی طرح تھے کہ **أَنَا أَحْيَىٰ وَ أَمِيتُ**۔ میں جسے چاہتا ہوں قتل کر دیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں زندگی دیتا ہوں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ اسی طرح اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے۔ **وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعْرَىٰ**۔ ”اور یہ کہ وہی ستارہ شعری کا رب ہے۔“ یعنی وہی رب ہے اور کوئی نہیں۔ مشرکین نے اللہ رب العزت کو چھوڑ کر کئی رب بنا لیے تھے ان میں ایک شعری ستارہ بھی تھا۔ جب ارشاد ہوا **وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا**۔ ”تو یہ کلام“ **هُوَ** جو اختصاص کا معنی دیتا ہے سے مستغنی ہو گیا کیونکہ اس

فعل کا کسی نے دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ آپ ﷺ ابتر نہیں آپ کا دشمن ہی بے اولاد ہے یعنی اس کی ایسی کوئی نسل نہیں جو اس کی پیروی کرے تو یہ اس طرح دم کٹا ہو گیا۔
 اعتراض: اگر تم یہ کہو تو پھر عاصی تو صاحب اولاد تھا اور اس کی نسل بھی چلی۔ عمرو اور ہشام عاصی بن وائل کے بیٹے تھے پھر اس کے لئے بے اولاد ہونا کیسے ثابت ہوا اس کی نسل کا مٹنا کیسے ثابت ہوا حالانکہ وہ صاحب اولاد نسل تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسی امر کی اپنے نبی محترم ﷺ سے نفی فرمائی۔ فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِّنْ تَرَجَالِكُمْ (الاحزاب: ۴۰) ”نہیں یہ محمد ﷺ (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے مردوں میں سے۔“

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عاصی اگرچہ صاحب اولاد تھا لیکن اس کے اور اس کے بیٹوں کے مابین تعلق ختم ہو گیا۔ اس کے بیٹے اس کے پیرو نہ تھے کیونکہ اسلام نے انہیں اس سے روک دیا تھا، وہ نہ اس کے وارث بنے نہ ہی وہ ان کا وارث بنا۔ وہ تو حضور ﷺ کے قبیعین میں سے ہو گئے۔ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ان کی مائیں بن گئیں اور آپ ﷺ ان کے باپ ہو گئے جس طرح کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے۔ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ وَالنَّبِيُّ اَوَّلٰى لَّهُمْ۔ تمام مومن اور عاصی کے بیٹے اس دنیا میں بھی حضور کے پیروکار ہیں اور آخرت میں آپ ﷺ کے حوض پر جانے کیلئے بھی آپ ﷺ کے قبیعین ہوں گے۔ ”کوثر“ کا یہی معنی ہے دنیا میں اس سے مراد آپ ﷺ کی کثیر امت ہے تاکہ حضور ﷺ اپنے علم مبارک سے انہیں وہ غذا دیں جو ان کی روحوں کو حیاتِ نو بخش دے اور آخرت میں آپ ﷺ انہیں آبِ کوثر سے سیراب کر کے حیاتِ ابدی سے نواز دیں۔ اللہ کا دشمن عاصی ہی درحقیقت ابتر ہے اس کی دم کٹ گئی، اس کے اتباع ختم ہو گئے اور وہ تمام حضور ﷺ کے پیروکار بن گئے۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کیلئے اس کی برائی کو ”ابتر“ سے بیان فرمایا بتر، کوثر کی ضد ہے۔ کثرت معنی میں قلت کے متضاد ہے اگر اس لعین کے جواب میں اس طرح کہا جاتا۔ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْحَوْضَ الَّذِي مِنْ صِفَتِهِ كَذَا وَكَذَا۔ کہ ہم نے آپ ﷺ کو حوض عطا فرمایا ہے جو ان صفات کا حامل ہے تو یہ اس کا رد نہ ہوتا اور نہ ہی اس میں مشاکلہ ہوتا لیکن اللہ رب العزت نے وہ اسم ذکر فرمایا جو خیر کثیر اور جم غفیر کو متضمن ہے اور وہ ابتر کا متضاد بھی ہے۔ یہ دنیا و آخرت میں اس حوض کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ ”کوثر“ کا لفظ صرف حوض کے ساتھ ہی مختص نہیں ہے۔ وہ ان تمام معانی کو محیط ہے اسی وجہ سے وہاں ستاروں سے زیادہ برتن ہوں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد دنیا میں آپ ﷺ کی امت کے کثیر علماء ہیں، ان میں

صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی شامل ہے اور ان کے بعد آنے والے علماء بھی شریک ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اَصْحَابِي كَالنَّجْوَمِ۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے علم کے خزانے حاصل کئے اور بعد والوں کو منتقل کر دیئے۔ جس طرح حوض کوثر پر برتن سیراب کریں گے۔ کہا جاتا ہے رَوَيْتُ الْمَاءَ۔ میں نے اسے پانی پلایا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے رَوَيْتُ الْعِلْمَ۔ میں نے اسے علم سے سیراب کیا۔ اسی طرح علم یا شعر کو روایت کرنے والے کو راوی کہا جاتا ہے۔ اسے توشہ دان سے یا اس جانور سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر پانی اٹھایا جاتا ہے۔ حضرت ابو بزرہ رضی اللہ عنہ حوض کے وصف میں فرماتے ہیں۔ ”اس کے برتن مومنین کے ہاتھوں میں اچھل کر جائیں گے۔ اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت ہوں گے۔ دنیا میں اس کی مثال حکمت و دانائی سے لبریز باتیں ہیں۔ علم تعبیر میں موتی سے مراد علم و حکمت کی باتیں ہیں۔ حوض کی صفت میں ہے کہ اس کی مٹی مشک کی ہوگی۔ دنیا میں اس کی مراد علمائے امت اور اتقیائے ملت ہیں۔ علم تعبیر میں مشک سے مراد عمدہ ستائش ہے۔ علم تعبیر، علم نبوت سے فیض یافتہ ہے، حوض کی صفت میں ہے کہ وہاں ایسے پرندے ہوں گے جو بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گے۔ دنیا میں اس سے مراد علم کی جستجو کرنے والے کا جوش و جذبہ ہے۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے عہد ہمایوں سے لے کر آج تک ہر کو نے اور زاویے سے لوگ بارگاہِ علم میں حاضر ہوتے رہے اور فیض حاصل کرتے رہے۔ ذرا کوثر کی صفت تو ملاحظہ کرو کہ یہ دنیا میں کس طرح معقول اور آخرت میں کس طرح محسوس ہے کہ آنکھوں سے اس کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ اسی سے قرآن پاک کا اعجاز اور سورت کا اس کے نزول کے سبب کے ساتھ تطابق واضح ہوتا ہے۔ اسی لئے علامہ فضیل فرماتے ہیں۔ فَصَّلَ لِيَوْمِكَ وَانْحَدَرَ كَمَا مَعْنَى يَهِيَ بِآپ ﷺ ادا ایگی نماز کے ساتھ اس ہستی کے لئے عاجزی کریں جس نے آپ ﷺ کو کوثر عطا فرمائی۔ دنیا میں کسی چیز کی کثرت اکثر تکبر اور فخر کا سبب بنتی ہے۔ اسی وجہ سے جب فتح مکہ کے روز حضور ﷺ نے اپنے کثیر صحابہ دیکھے تو آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک جھکا دیا، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کے بال کجاوے سے مس ہونے لگے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بطور شکر یہ قربانی کرنے کا حکم دیا۔ نماز میں نحر تک ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا نماز میں قبلہ رو ہونے کا حکم دیا جس کے پاس قربانیاں کی جاتی ہیں اور جس کی طرف قربانی کے جانور لے جائے جاتے ہیں۔ اس طرح دو فعل جمع ہو جاتے ہیں۔ ۱۔ وہ قربانی جس کا حکم یوم الاضحیٰ کو دیا گیا ہے۔ ۲۔ نماز میں نحر تک ہاتھ اٹھانے میں اس کی طرف اشارہ، جس طرح وہ قبلہ محبوب ہوتا ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے اسی طرح اس کے پاس قربانی کی جاتی ہے اور اس کی طرف منہ کر کے نحر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے اس فرمان سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ مَنْ صَلَّى صَلَاتِنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَنَسَكَ نُسُكَنَا فَهُوَ مُسْلِمٌ۔ جس نے ہماری نماز ادا کی۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہماری طرح قربانی کی وہ مسلمان ہے۔“ ارشادِ ربانی ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۚ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿٢﴾ (الانعام)

”آپ فرمائیے، بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے سارے جہانوں کا نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نماز کی ادائیگی اور اس کی طرف قربانی کرنے کو اسی طرح جمع کیا جس طرح اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأِنْ حَضَرَ حَوْضَ كَعْدَنَ اَوْ صَافٍ مِّنْ سِوَاكَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَتَوَضَّعْ لِرَبِّكَ۔ حوض کے اوصاف میں سے ہے کہ اس کی چوڑائی اتنی زیادہ ہوگی جتنی کہ صنعاء اور ایلہ کے مابین مسافت ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔ كَمَا بَيْنَ جَرَبَاءَ وَ اَذْرَحَ۔ جتنی کہ جرباء اور اذرح کے مابین مسافت ہے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے كَمَا بَيْنَ عَدْنِ اَبِيْنِ اِلَى عَمَّانَ۔ جتنا فاصلہ عدن ابن اور عمان کے درمیان ہے حوض کوثر کی چوڑائی اتنی ہے۔ ابن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ زہیر بن ایمن بن حمیر ہے حمیر کے ایک شخص کا نام عدن تھا۔ یہ شہر اسی کے نام سے آباد ہوا۔ علامہ الطبری کا قول ہے کہ عدن اور ابن عدنان کے بیٹے تھے وہ عدنان جو معد کا بھائی تھا۔ عمان شام میں دمشق کے قریب ایک شہر ہے۔ عمان بن لوط بن حاران کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا۔ اسی نے ہی اس شہر کو آباد کیا تھا۔ عمان یمن کا ایک شہر ہے۔ عمان بن سنان کے نام سے یہ شہر آباد ہوا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھا لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سنان نامی کوئی بیٹا نہ تھا۔

حوض کی تعریف میں كَمَا بَيْنَ الْكُوفَةِ وَ مَكَّةَ وَ كَمَا بَيْنَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَ الْكَعْبَةِ۔ اس کی چوڑائی کوفہ اور مکہ کے مابین مسافت جتنی یا بیت المقدس اور کعبہ مشرفہ کے مابین مسافت جتنی ہے۔ یہ تمام روایات قریب المعنی ہیں۔ اگرچہ یہ فاصلے ایک دوسرے سے کم و بیش ہیں اسی طرح حوض کا طول و عرض، کنارے اور ارکان ہوں گے۔ اسی اعتبار سے حدیث شریف میں مختلف مسافتوں کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں سے میراب ہونے کی توفیق دے۔

لفظ ”کوثر“ کا اشعار میں استعمال

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ لبید بن ربیعہ کا شعر ہے۔

وَ صَاحِبُ مَلْحُوبٍ فُجِعْنَا بِيَوْمِهِ وَ عِنْدَ الرِّدَاعِ بَيْتُ آخِرِ كَوْثَرٍ
صاحبِ ملحوب کی وفات کے دن ہم بڑی اذیت سے دوچار ہوئے رداع کے پاس ایک اور
گھر بھی ہے جو بہت عظیم ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں صاحبِ ملحوب سے مراد عوف بن احوص بن جعفر بن کلاب ہے۔ یہ مقام

کوثر کے معنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ”کوثر جنت میں ایک نہر کا نام ہے جو آدمی بھی اپنے کانوں میں انگلیاں داخل کرتا ہے وہ اس کے چلنے کی آواز سنتا ہے۔ دارقطنی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک نہر عطا فرمائی ہے۔ میرا جو امتی اس کے چلنے کی آواز سننا چاہے وہ سن سکتا ہے۔“ میں نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ وہ کیسے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی انگلیوں کو شدت سے اپنے کانوں میں داخل کر لو جو آواز تمہیں سنائی دے گی وہ کوثر کی روانی کی آواز ہوگی۔“ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے تصرف میں میری جان ہے۔ اے علی! تم روزِ حشر میرے حوض سے لوگوں کو ہٹانے والے ہو۔ تم کفار امتوں کو وہاں سے اس طرح ہٹاؤ گے جس طرح بھٹکے ہوئے اونٹوں کو عوج کی لکڑی سے پانی سے ہٹایا جاتا ہے۔“ اس حدیث کو حرام بن عثمان نے حضرت جابر کے دو بیٹوں سے روایت کیا ہے۔ اس کے متعلق حضرت امام مالک سے پوچھا گیا۔ انہوں نے فرمایا وہ ثقہ نہیں ہے۔ امام شافعی نے بھی بڑی شدت سے اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، مَنْبَرِي عَلَى حَوْضِي۔ میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ اس حدیث کے معنی میں کئی اقوال ہیں۔ میرے نزدیک ایک اور حدیث اس کی تفسیر بیان کرتی ہے وہ یہ ہے۔ وَهُوَ عَلَى الْمَنْبَرِ إِنِّي لَا أَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي إِلَّا مِنْ مَقَامِي هَذَا۔ حوضِ کوثر میرے منبر کے اوپر ہے۔ میں اس مقام پر کھڑے ہو کر اب بھی اسے دیکھ رہا ہوں۔

کوثر کا معنی

ابن ہشام نے لبید بن ربیعہ کے اس شعر سے استشہاد کیا ہے۔

صَاحِبُ مَلْحُوبٍ فُجِعْنَا بِيَوْمِهِ..... اس کا دوسرا شعر یہ ہے۔

ملحوب پر مرا تھا۔ عِنْدَ الرِّدَاعِ بَيْتٌ آخَرَ كَوْثَرٌ۔ اس سے مراد شریح بن احوص بن جعفر بن کلاب ہے جو مقام رداع پر فوت ہوا تھا کوثر سے مراد کثیر ہے یہ لفظ کثیر سے ہی مشتق ہے۔ کمیت بن زید ہشام بن عبدالمالک بن مروان کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے۔

وَ أَنْتَ كَثِيرٌ يَا بَنَ مَرْوَانَ طَيْبٌ وَ كَانَ أَبُوكَ ابْنَ الْعَقَائِلِ كَوْثَرٌ
اے ابن مروان! تو کثیر عظمت والا اور طیب ہے لیکن تیرا باپ شریف عورتوں کی اولاد اور بہت ہی زیادہ با عظمت تھا۔

امیہ بن ابی عائد الہذلی جنگلی گدھے کی تعریف میں کہتا ہے۔

يُحَامِي الْحَقِيقَ إِذَا مَا احْتَدَمْنَ وَ حَمَحَنَّ فِي كَوْثَرٍ كَالْجَلَدِ
وہ ان چیزوں کا دفاع کرتا ہے جن کا دفاع کرنا اس پر لازم ہے جب ان کی مائیں دوڑتی ہیں اور بہت زیادہ گرد و غبار میں ہنہناتی ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو سنا۔ آپ ﷺ سے عرض کی گئی ”یا رسول اللہ ﷺ! اس کوثر سے کیا مراد ہے جو آپ ﷺ کو عطا کی گئی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ ایک نہر ہے جس کا طول و عرض صنعاء سے ایلہ تک کی مسافت جتنا ہے، آسمان پر ستاروں جتنے اس پر برتن ہیں، وہاں بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند پرندے ہوں گے۔“ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ وہ بڑے نرم و نازک ہوں گے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ان کے کھانے والے ان سے بھی نرم ہوں گے۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں، میں نے ایک اور حدیث سنی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”جو ایک

وَ بِالْفُورَةِ الْحَرَابِ ذُو الْفَضْلِ عَامِرٌ فَنِعَمَ ضِيَاءُ الطَّارِقِ الْمُنَوَّرِ
فورہ حراب میں صاحب فضیلت عامر ہے۔ روشن ستارے کی چمک کتنی عمدہ ہے۔

عامر سے مراد، ابن مالک ملاعب الاسۃ ہے۔ یہ لبید کا چچا تھا ہم عنقریب ذکر کریں گے کہ اس کا نام ملاعب الاسۃ کیوں پڑا۔ صاحب ملحوب سے مراد عوف بن احوص ہے۔ ابن ہشام کے نزدیک رداع سے مراد شریح بن احوص ہے لیکن دیگر مؤرخین کہتے ہیں کہ اس سے مراد حبان بن عتبہ بن مالک بن جعفر بن کلاب ہے۔ ”رادع“ یمامہ کی زمین میں ایک جگہ کا نام ہے ملحوب لَحَبْتُ الْعُودَ سے مشتق ہے اس کا معنی چھلکا اتارنا ہے، اس جگہ کو ملحوب اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ وہاں کوئی ٹیلہ یا درخت وغیرہ نہ تھے۔

دفعہ نہر سے پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ كَانَزُولِ

ابن اسحاق کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ ان سے گفتگو کی اور انہیں تبلیغ کی۔ آپ ﷺ سے زمعہ بن اسود، نصر بن حارث، اسود بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عاص بن وائل نے کہا ”اے محمد (فداہ روجی صلی اللہ علیہ وسلم) کاش! آپ ﷺ کے ہمراہ فرشتہ ہوتا جو آپ ﷺ کے متعلق لوگوں کو بتاتا۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ نظر آتا۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان آیات کا نزول فرمایا۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكَانَا لَفُضِّيَ الْاِمْرُؤُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكَاً لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ۝ (انعام)

”اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں۔“

وَلَقَدْ اسْتَهْزَى بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ

ابن اسحاق کہتے ہیں ایک دفعہ رسول معظم ﷺ ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ ﷺ کی طرف اشارے کئے، کنکھوں سے دیکھا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اس سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزَى

اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے اُسْتَهْزَى بِرُسُلٍ فرمایا پھر فرمایا فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ۔ سَخِرُوا کی جگہ اِسْتَهْزَءٌ وَا نْهٰی فرمایا پھر فرمایا مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ اس مقام پر یَسَخِرُوْنَ نہیں فرمایا۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے یقیناً اس میں حکمت پنہاں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے کلام اُسْتَهْزَى بِرُسُلٍ سے مراد یہ ہے کہ سابقہ رسولوں نے بھی ایسا کلام سنا جس میں مذاق تھا اور اس سے انہیں تکلیف ہوئی۔ یہ حضور ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا تا کہ سابقہ انبیاء و رسل کی تکلیف کی وجہ سے آپ ﷺ کو تشفی ہو۔ مذاق کو استہزاء اس وقت کہتے ہیں جب وہ قابلِ سماعت ہو۔ یہ جاہل اور

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٦﴾
(الانبیاء)

اجڈ لوگوں کا کام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

اتَّخَذُوا هُزُوًا قَالُوا عُرِذُوا بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿١٦﴾ (البقرہ)

”کیا آپ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں؟ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں کے گروہ میں۔“

جب کہ سُخِر اور سُخْرٰی کبھی کبھی نفس میں ہوتا ہے اور قابلِ سماعت نہیں ہوتا کہا جاتا ہے سَخِرَتْ مِنْهُ جس طرح کہا جاتا ہے عَجِبْتُ مِنْهُ مگر عجب مذموم معنی کے ساتھ مختص نہیں ہوتا جس طرح سخر ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿١٧﴾ (ہود)

”اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو (ایک دن) ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا نَسْتَهْزِئُ بِكُمْ كَمَا تَسْتَهْزِئُونَ۔ کیونکہ استہزاء انبیائے کرام کا فعل نہیں ہے یہ جاہلوں کا فعل ہے جبکہ انبیاء کرام سخر کر سکتے ہیں یعنی اپنے ساتھ مذاق کرنے والے کے کفر پر تعجب کر سکتے ہیں اور ان کی عقل کی بیکاری پر تعجب کر سکتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ”اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“۔ ”اللہ تعالیٰ ان سے استہزاء فرماتا ہے۔“ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اہل عرب اسے فعل کے اسم سے فعل پر جزاء کہتے ہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ۔ ”وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔“ یہ مجاز حسن ہے۔ وہ استہزاء جس کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں وہ حقیقتاً استہزاء ہے اس پر صرف جاہل ہی راضی ہو سکتا ہے۔ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ۔ ”انہیں اس وعید نے گھیر لیا“ رسلِ عظام جس کی انہیں تبلیغ کرتے تھے۔ ہر کلمہ اپنے مقام پر عمدہ ہے ایک کلمہ کو دوسرے کی جگہ رکھنے سے بلاغت کا حسن ختم ہو جاتا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

اگر ہم ان کی طرف ملائکہ میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجتے تو پھر بھی اسے انسانی شکل میں ہی بھیجتے۔ انہیں پھر بھی اسی التباس کا اندیشہ ہوتا جس التباس کا اندیشہ انہیں حضور ﷺ کے متعلق ہو رہا ہے۔ ”لَبَسْنَا“ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ تمام امر اللہ رب العزت کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ وہ جسے

”اور ضرور اے محبوب! تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی مذاق کیا گیا تو وہ جوان سے ہنتے تھے ان کی ہنسی ان ہی کو لے ڈوبی۔“

اسراء اور معراج

ابن ہشام کہتے ہیں مجھے زیاد بن عبد اللہ البرکائی نے محمد بن اسحاق الموطیٰ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ”پھر حضور ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے جو ایلیاء میں ہے اس وقت قریش اور دیگر قبائل میں اسلام پھیل چکا تھا۔“ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے درج ذیل اہل علم سے حضور ﷺ کی معراج کے متعلق روایات ملی ہیں۔
۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ ۲۔ حضرت ابو سعید الخدری۔ ۳۔ ام المومنین حضرت عائشہ

مَا يَلْبَسُونَ

اسی معاملہ کو جو وہ دوسرے پر ملتبس کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر جانتے تھے کہ یہ حق ہے لیکن وہ اس کے انکاری تھے حالانکہ ان کے نفوس کو یقین تھا اسی طرح وہ اس پیغام حق کو ایک دوسرے پر ملتبس کرنے لگے اور اپنے اہل و عیال اور پیروکاروں کے لئے حق کو باطل سے خلط ملط کر دیتے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ لَبَسْتُ عَلَيْهِمُ الْأَمْرَ الْبَسُءُ۔ یہ لَبَسُ الثِّيَابِ سے مشتق ہے کیونکہ کَسِيْتُ کے معنی میں ہے اس کا معنی پہننا ہے یہ عَرِيْتُ عَرِيَاں ہونے کے مقابلہ میں ہے اسی لئے اس کے وزن پر ہی ہے۔

حدیث معراج کے مشکل الفاظ کی تشریح

تمام راویوں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے ”اسراء“ ہی روایت کیا ہے۔ کسی نے بھی ”سُرَى“ کا لفظ روایت نہیں کیا۔ اگرچہ اہل لغت کہتے ہیں کہ سُرَى اور اَسْرَى ایک ہی معنی میں ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل لغت نے اس کی تحقیق نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قراء کرام نے اس آیت کی تلاوت میں اختلاف نہیں کیا۔ اَسْرَى کی جگہ کسی نے سُرَى نہیں پڑھا۔ اسی طرح ارشاد فرمایا وَاللَّيْلِ إِذَا يَسَّرَ۔ اس آیت میں يُسْرَى نہیں فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ السُّرَى سَرِيَتْ سے مشتق ہے اس کا معنی رات کو چلنا ہے۔ یہ مؤنث ہے کہا جاتا ہے طَالَتْ سُرَاكُ اللَّيْلَةِ۔ آج رات تیری سیر بسی ہوگئی۔ ”الْإِسْرَاءُ“ معنی میں متعدی ہوتا ہے لیکن اس کے مفعول کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔ حتیٰ

صدیقہ۔ ۴۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان۔ ۵۔ حضرت حسن بن ابی الحسن بصری۔ ۶۔ ابن شہاب زہری۔ ۷۔ قتادہ۔ ۸۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہم۔ ان تمام راویوں میں سے ہر راوی معراجِ مصطفیٰ ﷺ کا کچھ حصہ ہی روایت کرتا ہے۔ بلاشبہ اس عظیم سفر میں آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و سلطنت میں اس کے امر کا اظہار تھا۔ اربابِ دانش کے لئے عبرت تھی اہل ایمان و تصدیق کے لئے اس میں ہدایت و رحمت تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین رکھنے والوں کے لئے استحکام تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا اس طرح آپ ﷺ کو سیر کرائی گئی تاکہ وہ اپنی آیات میں سے کچھ آپ کو دکھائے۔ سیاحِ لامکان ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کی عظیم سلطنت کا معائنہ فرمایا اور اس کی اس قدرت کا مشاہدہ کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی دو جہاں ﷺ کے پاس ایک براق لایا گیا۔ یہ وہ جانور تھا جس پر پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سواری فرماتے تھے۔ وہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں تک قدم اٹھاتا تھا۔ حضور ﷺ کو اس پر سوار کرایا گیا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کو زمین اور آسمان کے درمیان نشانیاں دکھاتے رہے۔ حتیٰ کہ بیت المقدس آگیا انہوں نے وہاں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام دیکھے۔ تمام انبیاء حضور ﷺ کے لئے ہی جمع ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں امامت کروائی پھر آپ ﷺ کو تین برتن پیش کئے گئے۔ ایک برتن میں دودھ، دوسرے میں شراب اور تیسرے میں پانی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس وقت میں نے ایک کہنے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا۔ اگر انہوں نے پانی پکڑا تو یہ بھی غرق اور ان کی امت بھی غرق

کہ اہل لغت یہ سمجھنے لگے کہ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ لفظ کسی مفعول کی طرف متعدی نہیں ہوتے۔ اَسْرٰی بِعَبْدِہ کا معنی ہے جَعَلَ الْبَرَّاقَ یَسْرِی۔ براق کو یہ توفیق دی کہ وہ آپ ﷺ کو سیر کرائے۔ جس طرح کہا جاتا ہے اَمْضِیَّتْہ کا معنی ہے جَعَلَتْہ یَمْضِی (میں نے اسے انجام تک پہنچا دیا ہے) لیکن اس کے مفعول کو اکثر حذف کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یا تو اس پر اس کی قوی دلالت ہے یا اس کے ذکر سے استغناء ہے کیونکہ اس خبر سے حضور ﷺ کا ذکر مقصود ہے نہ کہ اس جانور کا تذکرہ مقصود ہے جس نے آپ ﷺ کو سیر کرائی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں ”فَاسْرِ بِاَهْلِکَ“ میں اس طرح کہنا بھی جائز ہے فَاسْرِ بِاَهْلِکَ بِالْقَطْعِ۔ یعنی انہیں اس

ہو جائے گی۔ اگر انہوں نے شراب والا برتن پکڑا تو یہ خود بھی گمراہ اور ان کی امت بھی گمراہ ہو جائے گی اور اگر انہوں نے دودھ والا برتن پکڑ لیا تو خود بھی ہدایت پا گئے اور ان کی امت بھی ہدایت یافتہ ہو گئی۔ میں نے دودھ والا برتن لیا اور اس سے نوش کر لیا۔ مجھ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا ”آپ ﷺ بھی ہدایت پا گئے اور آپ ﷺ کی امت بھی ہدایت پا گئی۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت

مجھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اسی اثناء میں کہ میں ”حجر“ میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے انہوں نے مجھے اپنے قدم سے مس کیا میں بیٹھ گیا لیکن مجھے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ پھر میں لیٹ گیا حضرت جبرائیل دوبارہ آئے اور پاؤں مس کیا میں پھر بستر سے اٹھ بیٹھا لیکن مجھے کوئی شئی دکھائی نہ دی، میں دوبارہ بستر پر لیٹ گیا انہوں نے سہ بار مجھے چھوا میں پھر اٹھ بیٹھا انہوں نے میرا بازو پکڑا میں ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا وہ مجھے مسجد کے دروازے کی طرف لے گئے۔ اچانک وہاں ایک سفید جانور نظر آیا جس کا قد خچر اور گدھے کے مابین تھا۔ اس کی رانوں کی جگہ دو پر تھے جن سے وہ اپنے پاؤں کو کرید رہا تھا۔ وہ اپنا اگلا قدم تا حد نگاہ رکھتا تھا۔ انہوں نے مجھے اس پر سوار کرایا۔ پھر نہ تو حضرت جبرائیل مجھ سے جدا ہوئے اور نہ ہی میں ان سے جدا ہوا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت قتادہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جب میں براق کے قریب ہوا تا کہ اس پر سوار ہوں تو وہ مچلنے لگا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سواری کے ساتھ لے کر راتوں رات چلو جس پر بھی وہ سوار ہوں لیکن حضور ﷺ کی معراج مبارک میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص کو کئی وجوہات میں سے ایک وجہ کے سبب سیر کرائی۔ اسی وجہ سے اس آیت کی تلاوت میں بھی اتفاق ہے۔

اسی طرح علمائے نحو سے باء اور حمزہ میں تسامح ہوا ہے وہ انہیں متعدی ہونے کے حکم میں ایک معنی میں کرتے ہیں۔ اگر ان کا قول درست ہوتا تو پھر یہ کہنا درست ہوتا اَمَرَضْتَهُ مَرَضْتُ بِهِ۔ اَسَقَمْتَهُ۔ سَقَمْتُ بِهِ۔ اَعَمَيْتَهُ، عَمَيْتُ بِهِ۔ جس طرح اَذْهَبْتَهُ اور اَذْهَبْتُ بِهِ کہنا درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام میں تدبیر کرنے سے ان میں اختلاف نظر آتا ہے اسی طرح علماء بھی ان میں فرق کرتے ہیں۔ باء تعدیہ کا معنی فعل کے ساتھ مشارکت کے اعتبار سے دیتی ہے لیکن حمزہ یہ معنی نہیں

نے اس کے ایال پر اپنا ہاتھ رکھا پھر فرمایا اے براق! تجھے یہ حرکت کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اللہ کی قسم! تجھ پر پہلے ایسا کوئی شخص سوار نہیں ہوا جو محمد عربی ﷺ سے افضل ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ سن کر وہ براق پسینے سے شرابور ہو گیا، وہ پرسکون ہو گیا، میں اس پر سوار ہو گیا۔“

حضرت حسن کی روایت

پھر حضور ﷺ عازم سفر ہوئے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ وہ بیت المقدس پہنچ گئے وہاں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دیگر انبیاء کرام جمع تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں امامت کروائی پھر آپ کے پاس دو برتن لائے گئے۔ ایک برتن میں شراب جبکہ دوسرے میں دودھ تھا آپ ﷺ نے دودھ والا برتن پکڑا اور اسے نوش فرمایا شراب والے برتن کو چھوڑ دیا۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی ”آپ ﷺ کی راہ نمائی فطرت کی طرف کی گئی ہے۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کی امت راہ ہدایت پر گامزن ہوگی۔ آپ ﷺ پر شراب حرام کر دی جائے گی“ پھر حضور ﷺ مکہ معظمہ واپس لوٹ آئے۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ قریش کے پاس گئے اور انہیں اس واقعہ کے متعلق بتایا۔ اکثر لوگوں نے کہا بخدا! یہ ناممکن ہے کارواں ایک ماہ چلتا رہتا ہے تب جا کر ملک شام آتا ہے اسی طرح واپسی پر بھی ایک ماہ کی مدت درکار ہوتی ہے اور محمد (مصطفیٰ ﷺ) نے وہ طویل فاصلہ شب بھر میں طے کر لیا پھر واپس مکہ معظمہ بھی آ گئے۔ بہت سے لوگوں کے ایمان ڈگمگا گئے۔

دیتا۔ اَقْعَدْتُهُ کا معنی ہے میں نے اسے بٹھایا (جَعَلْتُهُ يَقْعُدُ) لیکن جب قَعَدْتُ بہ کہا جائے تو اس کا معنی ہے کہ میں نے اس کے ساتھ بیٹھنے میں شرکت کی۔ دَخَلْتُ بہ وَ ذَهَبْتُ بہ بھی اسی طرح ہے لیکن اَدْخَلْتُهُ اور اَذْهَبْتُهُ میں یہ معنی نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ارشاد ربانی ہے۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ وَ ذَهَبَ بِسَعِيهِمْ وَ ابْصَارِهِمْ۔ اللہ تعالیٰ ان کے نور، ان کی قوت سماعت اور قوت بصارت لے گیا۔ اب اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کی صفت میں ذہاب ”چلا گیا“ کہا جائے یا اس کی طرف اس کا کچھ حصہ بھی منسوب کیا جائے۔ اس آیت کا معنی یہی ہے۔ اَذْهَبَ نُورُهُمْ وَ سَعْيُهُمْ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نور اور قوت سماعت کو ختم کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نور، سمع اور بصر اللہ کے دست قدرت میں ہیں جس طرح اس نے خود فرمایا ہے۔ بِمِثْلِ الْخَيْرِ بھلائی اس کے دست قدرت میں ہے۔ نور، سمع اور بصر کا تعلق بھی اسی بھلائی سے

لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے ”ابوبکر! اپنے ساتھی (ﷺ) کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اس رات بیت المقدس گئے۔ وہاں نماز ادا کی پھر مکہ مکرمہ آ گئے۔“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”تم لوگ آپ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کر رہے ہو۔“ لوگوں نے کہا ”نہیں وہ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں سے جو گفتگو ہیں۔“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”قسم بخدا! اگر انہوں نے یہ فرمایا ہے تو انہوں نے سچ فرمایا ہے۔ اس میں تعجب خیز بات کون سی ہے؟ اللہ کی قسم! وہ مجھے فرماتے ہیں کہ شب و روز کی کسی ساعت میں آسمان سے ان کے پاس خبر آتی ہے میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہ واقعہ اس واقعہ سے زیادہ حیرت انگیز ہے جس پر تم تعجب کر رہے ہو“ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اس رات بیت المقدس تشریف لے گئے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ انہوں نے عرض کی ”میں نے بیت المقدس کی زیارت کی ہے، آپ ﷺ مجھے اس کے اوصاف بیان کریں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”تمام حجابات اٹھا دیئے گئے، میں بیت المقدس کو دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اس کی خوبیاں بیان فرمانے لگے۔“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے سچ فرمایا ہے، آپ ﷺ جب بھی بیت المقدس کا کوئی وصف بیان فرماتے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسی طرح عرض کرتے، حتیٰ

ہے جو اس کے قدرت کے ہاتھ میں ہے جب سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے تو پھر ذَهَبَ بِہ کہنا درست ہے اسی کا معنی وہی ہوگا جس کا تقاضا اس کا یہ فرمان بَيِّدِہ الْخَيْرُ کرتا ہے۔ خواہ اس کا معنی جو بھی ہو۔ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ کے دوسرے معنی کی بنیاد بھی اسی پر ہوگی خواہ وہ حقیقتاً ہو یا مجازاً۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب اس نے رجب ”ناپاکی“ کا ذکر کیا تو کس طرح فرمایا لِيَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسُ (الاحزاب: ۳۳) اس میں يَذْهَبُ بِہ نہیں فرمایا اسی طرح فرمایا۔ وَيَذْهَبُ عَنْكُمُ رِجْزُ الشَّيْطَانِ۔

ان آیات کا مقصد اپنے بندوں کو حسن ادب کی تعلیم مقصود ہے کیونکہ ”اِرْجَاسٌ“ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ حقیقتاً ہو سکتی ہے نہ ہی معناً۔ اگرچہ تخلیق اور ملکیت اسی کی ہے یہ کہنا بھی درست نہیں کہ هِيَ بَيِّدَہ۔ کہ یہ اس کے ہاتھ میں ہے تا کہ عبارت میں بھی حسن رہے اور اس ذات پاک کی تزیینہ بھی ثابت رہے۔ نور، سمع اور بصر کے متعلق بہتر ہے کہ یوں کہا جائے هِيَ بَيِّدَہ۔ یہ اس کے دست تصرف

کہ اس سیاحت کا تذکرہ ختم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوبکر! تم ”الصِّدِّیقُ“ ہو اسی روز سے وہ صدیق کے نام سے معروف ہو گئے۔ اسلام سے مرتد ہونے والوں کے لئے اس آیت کا نزول ہوا۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّعْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۖ وَنُخَوِّفُهُمْ ۖ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴿١٠﴾ (الاسراء)

”اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو انہیں نہیں بڑھتی مگر بڑی سرکشی۔“

کیا معراج خواب میں ہوئی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔ شبِ معراج حضور ﷺ کا جسد اطہر غائب نہیں ہوا تھا۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی روح مبارک کو سیر کرائی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے حضور ﷺ کی

میں ہیں اس لئے اس کے ساتھ ذَهَبَ بِہ کہنا درست ہے لیکن اَسْرَى بِعَبْدِہ میں ”باء“ کا تعلق اس گروہ سے نہیں۔ یہ ایک ایسا فعل ہے جو مفعول کی طرف متعدی ہے اور وہ ”مُسْرَى“ سیر کروانے والا ہے۔ جس نے عبد کو سیر کروائی وہ بھی اس سیر میں شریک ہے جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ باء فعل میں مشارکت کا فائدہ دیتی ہے یا اس کے ساتھ کسی قدر شمولیت کا فائدہ دیتی ہے۔

معراج نیند میں تھی یا عالم بیداری میں

اس باب میں قابل تفصیل بات یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کو معراج عالم بیداری میں جسم مقدس کے ساتھ ہوئی یا عالم نیند میں صرف روح کو معراج ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى فِي الْاَنْفُسِ جَمِيعًا مَّوْتَهَا وَالتِّي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا۔ ”اللہ عز و جل جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں“ ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ ایک سچی خواب تھی، اور اس شب حضور ﷺ کا جسم مبارک مفقود نہیں ہوا تھا صرف آپ ﷺ کی روح مبارک کو سیر کرائی گئی تھی۔ مخالفین اللہ رب العزت

معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ ”وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک سچی خواب تھی۔“ ان دو حضرات کے اس قول کا انکار حضرت حسن کے اس قول کی وجہ سے نہیں کیا جاسکتا وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي اَرٰىنِكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔ ان کی دلیل وہ آیت بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ انہوں نے فرزند دلبد سے کہا۔ يٰيُٰبٰى اِنِّىْ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اِنِّىْ اَذْبَحُكَ (الصافات: ۱۰۲)

”اے میرے بیٹے! بے شک میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔“ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس خواب پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء پر وحی عالم نیند اور عالم بیداری دونوں حالتوں میں آسکتی ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضور ﷺ فرماتے تھے تَنَامُ عَيْنَايَ وَ قَلْبِي يَقْظَانُ۔ میری دونوں آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ معراج کس عالم میں ہوئی تھی، عالم نیند میں یا عالم بیداری میں؟ اور حضور ﷺ نے کیا کیا مشاہدات فرمائے تھے، معراج جس طرح بھی ہوئی وہ حق اور سچ ہے۔

کے اس فرمان سے بھی دلیل حاصل کرتے ہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي اَرٰىنِكَ اِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔ انہوں نے کہا یہ دُویاً صرف اس خواب کو کہتے ہیں جو نیند میں نظر آئے۔ انہوں نے بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی دلیل لی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات نبی اکرم ﷺ کو مسجد حرام سے سیر کرائی گئی یہ نزول وحی سے پہلے کا واقعہ ہے آپ ﷺ کے پاس تین افراد آئے۔ آپ ﷺ مسجد حرام میں استراحت فرماتے تھے ان میں سے پہلے نے کہا ان میں سے وہ (ﷺ) کون سے ہیں۔ درمیان والے نے کہا وہ یہی ہیں یہ ان سب سے بہترین ہیں۔ تیسرا نے کہا ان میں سے بہترین کو پکڑ لو۔ اس رات وہ چلے گئے۔ وہ دوسری شب آئے انہوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی چشمان مقدس مجہ استراحت تھیں جبکہ قلب انور بدستور بیدار تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی کیفیت اسی طرح ہوتی ہے ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ سے کوئی بات نہ کی انہوں نے آپ ﷺ کو اٹھایا اور چاہِ زمزم کے پاس رکھ دیا۔ اس حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔ اس حدیث میں کوئی شک نہیں کہ ایک سچی خواب تھی۔

وہ علماء جن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ معراج عالم بیداری میں ہوئی وہ کہتے ہیں کبھی کبھی ”رویا“ عالم بیداری میں دیکھنے کو بھی کہتے ہیں۔ وہ شاعر کے اس شعر سے دلیل پکڑتے ہیں جس میں وہ شکاری کی تعریف میں کہتا ہے۔

وَ كَبَّرَ لِلرُّوْيَا وَهَشَّ فَوَادُهُ وَ بَشَّرَ قَلْبًا كَانَ جَحًا بَلَدِلُهُ
اس نے اس منظر کو دیکھ کر تکبیر کہی۔ اس کا دل خوش ہو گیا اس نے اپنے دل کو بشارت دی وہ پہلے مختلف وساوس کی آماجگاہ تھا۔

وہ علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سیر عالم بیداری میں تھی ارشاد ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَمَّيْنُكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔ اگر یہ نیند میں خواب ہوتا تو لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہوتے بہت سے لوگوں کے پاؤں ڈمگنا نہ جاتے۔ کفار مکہ نے کہا۔ ”محمد ﷺ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس گئے اور پھر اسی رات مکہ مکرّمہ واپس بھی آگئے جبکہ کارواں ایک ماہ میں وہاں پہنچتے ہیں اور ایک ماہ میں واپس آتے ہیں“ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو ان میں سے کوئی ایک بھی اسے ناممکن نہ سمجھتا کیونکہ سونے والا کبھی کبھی اپنے آپ کو آسمان پر دیکھتا ہے کبھی وہ مشرق و مغرب میں جاتا ہے اسے کوئی بھی ناممکن نہیں کہتا۔ ان علماء نے ایک دلیل یہ بھی دی کہ حضور ﷺ نے اس برتن سے پانی پیا جسے اہل کارواں نے ڈھانپ رکھا تھا، صبح کے وقت انہوں نے دیکھا کہ برتن خالی تھا۔ اس کارواں کا ایک اونٹ براق کی آواز سن کر بدک گیا۔ آپ ﷺ نے ان کی راہ نمائی کی۔ حضور ﷺ نے اہل مکہ کو یہ علامت بھی بتائی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے ان دو بوروں کی بھی خبر دی جن میں سے ایک کالا اور دوسرا دھاری دار تھا۔ علامہ یونس کی روایت میں ہے کہ جس قافلہ سے حضور ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا اور گمشدہ اونٹ کی طرف ان کی راہ نمائی کی تھی اس کے متعلق فرمایا کہ وہ عنقریب پہنچ جائے گا اور اہل کارواں مذکورہ بالا واقعات کے متعلق بتائیں گے۔ قریش مکہ نے پوچھا وہ قافلہ کب پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ قافلہ بدھ کے روز پہنچ جائے گا“۔ بدھ کے روز سورج غروب ہونے کے قریب تر ہو گیا لیکن ابھی تک قافلہ نہ پہنچا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا حتیٰ کہ وہ کارواں پہنچ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کی امت تک سورج صرف یا تو آپ ﷺ کیلئے روکا گیا یا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لئے روکا گیا یہ تمام واقعات عالم بیداری میں ہی رونما ہو سکتے ہیں۔

علماء کا ایک تیسرا طائفہ بھی ہے جس نے سرخیل حضرت ابو بکر ابن عربی ہیں وہ اوپر بیان کردہ دونوں اقوال کی تصدیق کرتے ہیں وہ دونوں احادیث کو درست مانتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ معراج

دو مرتبہ ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کو پہلے عالم نیند میں معراج کرائی گئی تاکہ آپ ﷺ کے لئے سہولت اور آسانی رہے۔ جس طرح وحی کا آغاز سچی خوابوں سے ہوا تھا تا کہ نبوت کا امر آپ ﷺ کے لئے آسان ہو جائے کیونکہ یہ ایک عظیم امر تھا جس سے قوی بشر یہ کمزور تھے اسی طرح معراج پر جانے سے قبل آپ ﷺ کو نیند میں معراج کرائی گئی۔ پھر اسی طرح عالم بیداری میں معراج ہوئی یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ پر کرم تھا۔ میں نے بخاری کی شرح ”مہلب“ میں پڑھا ہے کہ بہت سے علماء کا یہی نقطہ نظر ہے وہ فرماتے ہیں کہ معراج دو مرتبہ ہوئی۔ ۱۔ عالم نیند میں۔ ۲۔ عالم بیداری میں۔ امام سیلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں یہی قول درست ہے احادیث کے معانی اسی پر متفق ہوتے ہیں۔ حضرت انس کی حدیث جو پہلے گذر چکی ہے اس میں ہے کہ نزول وحی سے قبل آپ ﷺ کے پاس تین آدمی آئے حالانکہ مشہور یہی ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوئی۔ نماز اسی وقت فرض ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ہجرت سے ایک سال پہلے معراج ہوئی۔ اسی وجہ سے حدیث مبارک میں ہے کہ بہت سے مسلمان ڈگمگائے۔ ان دونوں احادیث کے راوی حافظ ہیں۔ ان دونوں میں انطباق کی صورت صرف یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ معراج دو مرتبہ ہوئی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر ملے جبکہ اکثر صحیح روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ملاقات کی۔ ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس تین برتن لائے گئے جن میں سے ایک برتن میں پانی تھا۔

کہنے والے نے کہا اگر انہوں نے پانی والا برتن پکڑ لیا تو یہ خود بھی اور ان کی امت بھی غرق ہو جائے گی۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو صرف ایک برتن پیش کیا گیا جس میں شہد تھا۔ اس روایت میں پانی کا ذکر نہیں۔ دونوں احادیث کے راوی ثقہ ہیں ان کو جھٹلا کر ان کی توہین نہیں کی جا سکتی لہذا ثابت ہوتا ہے کہ معراج دو مرتبہ ہوئی تھی۔ اختلاف کے وقت یہی کہا جائے گا کہ یہ دو واقعات اور دو حالتوں کے متعلق روایات ہیں۔ قرآن کا ظاہر بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَمَّا دَنَا فَتَدَلَّى ۖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْسَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ ۖ مَا أَوْسَىٰ ۖ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۖ ”پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔“

یہ آیات حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کی تائید کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کے دل مبارک نے دیکھا تھا آنکھ سوتی رہی۔ الفواد، دل کو کہتے ہیں پھر فرمایا اَفْتَمُّوْنَهُ عَلٰی مَا يَرٰى۔ ”تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو۔“ اس آیت میں مَا قَدْ رَاٰی نہ فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس دیدار کے بعد ایک اور دیدار ہوا تھا پھر فرمایا وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اٰخَرٰى۔ ”اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا۔“ واپسی پر حضرت جبرائیل سے پھر ملاقات ہوئی اور آپ ﷺ نے انہیں اصلی شکل میں دیکھا۔ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى اِذْ يَنْفُثُ السَّدْرَةُ مَا يَغْشٰى۔ ”سدرۃ المنتہی کے پاس جب سدرۃ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔“ سونے کے بستروں نے سدرۃ کو ڈھانپ لیا تھا۔ روایت میں ہے کہ اس سے یاقوت بکھر رہے تھے، اس کے پھل ہجر کے مشکوں کی طرح تھے۔ پھر ارشاد فرمایا مَا ذَاغَ الْبَصَرُ۔ ”آنکھ نہ کسی طرف پھری۔“ اب ”بصر“ کا ذکر کیا ”فَوَاذُ“ کا ذکر نہ کیا۔ جس طرح پہلے ”الفواد“ کا ذکر کیا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسری مرتبہ آنکھ اور بصارت کا دیکھنا تھا پھر فرمایا لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَآءِہِ الْکُبْرٰى۔ ”بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔“ کیونکہ اب دیکھنا آنکھ سے تھا اسے آیات کبریٰ سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ بڑے بڑے دلائل اور عظیم براہین سے تھا اس طرح دوسری بار دیکھنا پہلی بار دیکھنے سے عظیم تر ہو گیا کیونکہ انسان کا خواب میں دیکھنا آنکھ سے دیکھنے سے کم تر ہوتا ہے۔ اسی لئے اکثر احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہی پر دو ظاہری نہریں اور دو باطنی نہریں دیکھیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ ظاہری دو نہریں دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ حضرت انس کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو ظاہری نہریں آسمان دنیا میں دیکھیں۔ فرشتے نے عرض کی یہ دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ یہ ان کا اصل اور عنصر ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے عالم بیداری میں ان کے منبع کو دیکھا ہو۔ اور پہلی مرتبہ صرف دو نہریں ہی دیکھی ہوں ان کی اصل نہ دیکھی ہو۔ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنْتُہٗ فِی الْاَرْضِ (مومنون: ۱۸)۔ ”اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازہ پر پھر اسے زمین میں ٹھہرایا۔“ کی تفسیر میں ہے کہ اس سے مراد دریائے نیل اور دریائے فرات ہے۔ انہیں حضرت جبرائیل کے پروں پر رکھ کر جنت سے اتارا گیا اور انہیں پہاڑوں کی وادیوں میں رکھ دیا گیا عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اٹھالے گا۔ جب قرآن اور ایمان اٹھ جائیں گے، انہیں بھی اٹھالیا جائے گا۔ اس وقت زمین پر کوئی بھلائی باقی نہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَ اِنَّا عَلٰی ذَہَابٍ بِہٖ لَقٰیْمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ”اور بے شک ہم اس کے لئے جانے پر قادر ہیں۔“ نحاس نے اسے معانی میں ذکر کیا ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

علامہ مازری نے ”کتاب المعلم“ میں ایک چوتھا قول بھی نقل کیا ہے کہ بیت المقدس تک معراج جسم اطہر کے ساتھ تھی۔ یہ مشاہدہ آنکھ کے ساتھ تھا پھر ساتوں آسمان سے اوپر تک معراج آپ ﷺ کی روح کے ساتھ تھی، اسی لئے کفار نے بیت المقدس تک کے سفر کو عجیب سمجھا لیکن باقی سفر کو عجیب نہ سمجھا۔

براق کا مچلنا

جب لامکان کے سیاح ﷺ براق پر سوار ہونے لگے تو وہ مچلنے لگا، حضرت جبرائیل نے اس سے کہا ”اے براق! تمہیں شرم نہیں آتی۔ آج تک تجھ پر کوئی ایسی ہستی سوار نہیں ہوئی جو محمد مصطفیٰ ﷺ سے افضل ہو۔“ ابن بطال ”جامع صحیح“ کی شرح میں اس کی وجہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

”اس کی وجہ یہ تھی کیونکہ عرصہ طویل گزر چکا تھا کہ براق پر کوئی نبی سوار نہ ہوئے تھے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مابین ایک طویل زمانہ تھا جس کی وجہ سے وہ اچھلنے لگا۔“

اس کا ایک اور سبب بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب براق اچھلنے لگا تو حضرت جبرائیل نے عرض کی یا رسول اللہ! شاید آپ ﷺ نے آج ”صفراء“ کو مس کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے اسے چھوا تو نہیں البتہ اس کے قریب سے گزرے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا ”ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کو چھوڑ کر تیری عبادت کرے۔“ اس روایت کو ابوسعید خدری نے ”شرف المصطفیٰ“ میں تحریر کیا ہے مسند الزاری میں ہے کہ صفراء ایک بت تھا جس کا کچھ حصہ سونے کا تھا، حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن اسے توڑ دیا تھا۔ امام ترمذی نے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مرکب ہمایوں بیت المقدس پہنچا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے چٹان کی طرف اشارہ کیا چٹان پھٹ گئی انہوں نے وہاں براق باندھ دی، حضرت حذیفہ نے اس روایت کو عجیب سمجھا ہے لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عالم غیب و شہادت کو مسخر فرما دیا تھا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سے ایک یہ فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ احتیاط کرنا تو کل کے صحیح ہونے کے خلاف نہیں اس سے ایمان بالقدر پر بھی کوئی زد نہیں پڑتی۔ حضرت وہب بن منہ سے روایت ہے کہ ہلاکتوں سے بچنے کے لئے احتیاط کرنے والا تو کل کے خلاف نہیں۔ حضرت وہب فرماتے ہیں میں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب میں سے ستر کتابوں میں پڑھا ہے اور حضور ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے۔ قَبِذْهَا وَتَوَكَّلْ پہلے اپنی سواری کو باندھو پھر توکل کرو آپ ﷺ کو یقین تھا آپ ﷺ کیلئے کائنات مسخر کر دی گئی ہے۔ آپ ﷺ کو تقدیر الہی پر بھی ایمان

تھا پھر بھی آپ ﷺ نے اپنے سفروں میں زاوراہ لیا۔ جنگوں میں ہتھیار سجائے، حتیٰ کہ غزوہ احد کے دن دوزر ہیں زیب تن فرمائیں براق کو اس حلقہ سے باندھنے کا تعلق اسی باب سے ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے حضرت بریدہ کے علاوہ دیگر راویوں نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ حارث بن ابی اسامہ اور ابوسعید کی روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے براق کو اسی حلقہ میں باندھا جہاں انبیاء علیہم السلام اسے باندھا کرتے تھے۔ لیکن اس حدیث کی سند میں داؤد بن محمر ہے جو ضعیف ہے۔

ملائکہ کا ”مَنْ مَعَكَ“ کہنا

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر آسمان پر پہنچتے، دستک دیتے تو آگے سے ملائکہ پوچھتے ”مَنْ مَعَكَ“ آپ کے ساتھ کون ہیں۔ وہ کہتے میرے ساتھ محمد عربی ﷺ ہیں۔ وہ پوچھتے اَوْ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ۔ کیا انہیں پیغام بھیج کر بلایا گیا ہے حضرت جبرائیل کہتے ہاں! صحیح احادیث میں اسی طرح کے الفاظ ہیں۔ ان کے اس سوال ”اَوْ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ“ کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا آپ ﷺ کو آسمان پر تشریف لانے کی دعوت دی گئی ہے؟ کیونکہ انہیں علم تھا کہ عنقریب حضور ﷺ معراج فرمائیں گے۔ اگر ان ملائکہ کا ارادہ یہ ہوتا کہ کیا آپ ﷺ کو مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے تو وہ اس طرح سوال کرتے اَوْ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ملائکہ پر یہ مخفی نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ کو مخلوق کی طرف مبعوث ہو چکے ہیں اور پھر معراج کی رات تک یہ معلوم نہ ہو سکا۔ اس کتاب میں بھی پہلے گزر چکا ہے جب حضور ﷺ نے ساتویں آسمان کے ملائکہ کی تسبیح کا ذکر فرمایا پھر ہر آسمان کے ملائکہ کی تسبیح کا ذکر کیا پھر وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ تم یہ تسبیح کیوں بیان کر رہے ہو حتیٰ کہ یہی سوال ساتویں آسمان کے ملائکہ تک پہنچتا ہے وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارے رب نے اپنی مخلوق میں فلاں فیصلہ فرمایا ہے۔ پھر یہ خبر آسمان دنیا تک پہنچ جاتی ہے..... یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ملائکہ کو نبوت محمدیہ کا علم تھا کہ آنحضرت ﷺ کو کب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کی طرف براق بھیج کر آپ ﷺ کو قدم رنجہ فرمانے کے لئے کہا گیا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آسمان دنیا کے ملائکہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا اَوْ قَدْ بُعِثَ۔ اس حدیث میں اِلَيْهِ کا ذکر نہیں کیونکہ یہ حدیث اس سیر کے متعلق ہے جس کا تعلق دل سے ہے اور یہ واقعہ نزول وحی سے پہلے کا ہے جس طرح تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہ حدیث اس امر کو تقویت دیتی ہے کہ پہلے معراج خواب میں پھر عالم بیداری میں ہوئی۔ اس لئے

ہم تمام روایات میں سے صرف اسی روایت میں یہ الفاظ پاتے ہیں۔ اَوْ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ۔

باب الحفظ

ابن اسحاق نے باب الحفظ کا ذکر کیا ہے کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کا تذکرہ مسند حارث میں آیا ہے اس میں ہے کہ اس فرشتے کے ماتحت ستر ہزار ملائکہ ہیں ان میں سے ہر ایک فرشتے کے ماتحت ستر ستر ہزار ملائکہ ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں بارہ ہزار ملائکہ کا ذکر ہے۔

سدرۃ المنتہی

اس کی صفت میں ہے کہ اگر اس کے ایک پتے سے اس امت کو ڈھانپ دیا جائے تو تمام امت اس کے نیچے آ جائے گی۔ تمام روایات میں ہے کہ اس کے پھل ”ہجر“ کے مشکوں کی طرح تھے۔ ”کتاب الطہارۃ“ کی ”حدیث القلتین“ میں ہے۔ اِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ مِنْ قِلَالٍ هَجَرَ لَمْ يَخْبِلِ الْخُبْثَ۔ جب پانی ہجر کے مشکوں میں سے دو مشکوں کی مقدار ہو جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ علماء فرماتے ہیں وہاں کے دو مشکوں کی مقدار پانچ سو نوے رطل بنتی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ یہ مقدار تقریباً پانچ قرب بنتی ہے۔ ابن سلام کی تفسیر میں اسلاف سے منقول ہے کہ اس مقام کو سدرۃ المنتہی اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ مؤمن کی روح وہاں پہنچ کر رک جاتی ہے وہاں مقرب ملائکہ نماز میں مشغول ہوتے ہیں انہوں نے یہ ”علیین“ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

آسمان دنیا پر حضرت آدم سے ملاقات

آپ ﷺ نے آسمان دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ ان کے دائیں جانب بھی کچھ لوگ تھے اور کچھ لوگ بائیں جانب تھے۔ حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو بتایا کہ وہ لوگ جو آپ کے دائیں جانب ہیں وہ اصحاب یمین ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام پر اولاد کی ارواح پیش کی جاتی ہیں جب آپ ان ارواح کو دیکھتے ہیں جو آپ کے دائیں جانب ہیں تو آپ مسکراتے ہیں۔

اس پر ایک اعتراض کیا گیا ہے آپ علیہ السلام نے اپنے دائیں طرف اصحاب یمین کی ارواح کو کیسے ملاحظہ فرمایا اس وقت تو اصحاب یمین تعداد میں بہت کم تھے۔ شاید اس رات ان میں سے کسی ایک نے بھی وفات نہ پائی ہو جبکہ حدیث کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایک پوری جماعت ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسراء سے مراد دل کا دیکھنا ہو تو اس کی تاویل یہ ہے کہ عنقریب ایسا ہوگا اور اگر یہ

دیکھنا آنکھ کا مشاہدہ ہو جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے وہاں مومنین کی ارواح ملاحظہ کی تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق پر اس کی نیند میں موت طاری کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (الزمر: ۴۲)

”اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔“

یہ ارواح وہاں پہنچ جاتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام ان کا مشاہدہ فرما لیتے ہیں پھر یہ ارواح اپنے اپنے جسموں میں لوٹا دی جاتی ہیں۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان ”اصحاب یمین“ سے مراد وہ فرخندہ فال لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ مدثر میں کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۖ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۖ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۖ

”مگر دائیں طرف والے باغوں میں پوچھتے ہیں مجرموں سے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اس سے مراد وہ بچے ہیں جو بچپن میں مر جاتے ہیں اسی لئے وہ مجرموں سے پوچھیں گے مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ۔ ”تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی۔“ کیونکہ وہ کفار کے کفر کی پہچان سے پہلے ہی مر گئے تھے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مومنین اور کفار کے بچے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہیں جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک باغ میں دیکھا تو حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کی یہ مومنین کے وہ بچے ہیں جو بچپن میں انتقال کر گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کفار کے بچے؟ انہوں نے عرض کی کفار کے بچے بھی ان میں شامل ہیں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجنائز میں لکھا ہے ایک اور جگہ بھی تحریر کیا ہے وہاں ”أَوْلَادُ النَّاسِ“ کا ذکر ہے یہ پہلی حدیث میں نص ہے اور دوسری حدیث میں عموم ہے۔ کفار کے بچوں کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ اہل جنت کے خادم ہیں۔ ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں سمت ان بچوں کی ہی ارواح ہوں جو حضور ﷺ نے ملاحظہ کی ہوں۔

پانی کا حکم

اس روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس برتن سے پانی نوش کیا جسے ڈھانپا گیا تھا۔ پانی اگرچہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا لوگ اس میں برابر شریک ہوتے ہیں آگ اور گھاس کا بھی یہی حکم ہے لیکن اگر

زبانِ مصطفیٰ ﷺ سے بیان کردہ بعض انبیاء علیہم السلام کی صفات

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ امام زہری نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے شبِ معراج حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی پھر صحابہ کرام سے ان کے اوصاف بیان کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام تمہارے صاحب (ﷺ) کے مشابہ اور تمہارے صاحب (ﷺ) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ وَأَمَّا مُوسَىٰ فَرَجُلٌ آدَمُ طَوِيلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ أَفْتَى كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنْوَاءَةٍ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گندم گوں، طویل، دبلے پتلے اور گھنگریالے بالوں والے تھے وہ بنو شنوءۃ میں سے ایک شخص محسوس ہوتے تھے۔ وَأَمَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَرَجُلٌ أَحْمَرُ بَيْنَ الْقَصِيرِ وَالطَّوِيلِ سَبَطُ الشَّعْرِ كَثِيرٌ خِيْلَانِ الْوَجْهِ كَأَنَّهُ خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ تَخَالُ رَأْسَهُ يَقْطُرُ مَاءٌ وَ لَيْسَ بِهِ مَاءٌ

پینے والا اسے اپنے برتن میں محفوظ کر لے تو یہ اس کی ملکیت بن جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے لئے اس پانی کا پینا کیسے جائز ہوا جبکہ وہ دوسرے کی ملکیت میں تھا۔ اس وقت تک نہ تو کفار کی املاک اور نہ ہی ان کے خون مباح تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب مسافروں کے لئے دودھ بھی جائز قرار دیتے تھے چہ جائیکہ پانی! وہ اپنے چرواہوں کو حکم دیتے تھے اور اس شرط پر انہیں اپنے جانور چرانے کی اجازت دیتے تھے کہ وہ کسی مسافر کو دودھ سے منع نہیں کریں گے۔ عرف میں حکم شریعت میں اصول ہوتا ہے امام بخاری نے کتاب البیوع میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہند بنت عتبہ سے کہا تھا۔ ”اس کے مال سے اتنا لے لیا کہ جو تیرے لئے اور تیرے بیٹے کے لئے کافی ہو“۔

بیت المقدس میں تشریف آوری اور انبیاء علیہم السلام کے اوصاف

آپ ﷺ بیت المقدس میں تشریف لے گئے وہاں انبیائے کرام علیہم السلام موجود تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں امامت کروائی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انکار کیا ہے کہ آپ ﷺ نے انبیاء کو امامت کرائی ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ براق کی پشت پر ہی سوار رہے حتیٰ کہ آپ نے جنت و دوزخ کا مشاہدہ کیا اور وہ نشانیاں دیکھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا۔ پھر آپ ﷺ زمین پر تشریف لے آئے لیکن حدیث میں عادل کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور ثابت کرنے والے کی روایت نفی کرنے والے سے مقدم ہوتی ہے۔

أَشْبَهَ رِجَالَكُمْ بِهِ عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُودٍ الثَّقَفِيُّ - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رنگت سرخ و سفید، درمیانہ قد، سیدھے بالوں والے اور چہرے پر بہت سے خال دکھائی دیتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ابھی حمام سے نکلے ہیں ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہو حالانکہ وہاں پانی نہ تھا۔ تم میں سے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے بہت مشابہ ہیں۔

ابن ہشام فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے تو یوں فرماتے۔

”لَمْ يَكُنْ بِالطَّوِيلِ السُّعْطِ، وَلَا الْقَصِيرِ الْمُرَوِّدِ، وَكَانَ رُبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا السَّبْطِ كَانَ جَعْدًا رَجُلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا الْمُكَلَّمِ وَكَانَ أَبْيَضَ مُشْرَبًا أَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ، أَهْدَبَ الْأَشْفَارِ، جَلِيلَ الْمَشَاشِ الْكَتْدِ، دَقِيقَ الْمَسْرَبَةِ أَجْرَدَ شَشْنِ الْكَفَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ إِذَا مَشَى تَقْلَعُ، كَأَنَّمَا يَمْشِي فِي صَبَبٍ وَإِذَا اِلْتَفَتَ اِلْتَفَتَ مَعًا، بَيْنَ كَتْفَيْهِ خَاتِمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتِمُ النَّبِيِّينَ أَجْوَدُ النَّاسِ كَفًّا وَاجْرَأُ النَّاسِ صَدْرًا، وَأَصْدَقُ النَّاسِ لِهَجَةً وَأَوْفَى النَّاسِ ذِمَّةً وَالْيَنَّهُمْ عَرِيكَةً وَأَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً، مَنْ رَأَاهُ بِدِيهَةٍ هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ أَحَبَّهُ يَقُولُ نَاعِيَتُهُ - لَمْ أَرَقْبَلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔“

مذکورہ بالا روایت میں انبیاء علیہم السلام کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توصیف میں فرمایا کَانَ رَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءٌ وَلَيْسَ بِهِ مَاءٌ۔ گویا کہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرات گر رہے تھے حالانکہ وہاں پانی نہ تھا۔ کَأَنَّهُ خَرَجَ مِنْ دِيْنَاسٍ۔ گویا کہ آپ ابھی ابھی حمام سے نکلے تھے۔ دِيْنَاسٌ حمام کو کہتے ہیں۔ اس کی اصل دِمَاسٌ ہے اور اس کی جمع دِمَاسِمُسُ آتی ہے بعض علماء اس کی جمع دِيْمَاسِمُسُ بتاتے ہیں یہ قیراط، دینار اور دیباچ کی طرح ہے یہ تمام مضاعف ہیں پھر حرف مدغم کو یاہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ جمع یا تصغیر بناتے وقت انہیں اصل پر لوٹا دیا جاتا ہے مثلاً قَرَارِيطٌ اور دَنَائِرٌ اور قُرَاطِيطٌ اور دُنَائِرٌ وغیرہ لیکن اہل عرب دِيْنَاسٌ، قِيَارِيطٌ نہیں کہتے جس طرح وہ دِيْمَاسِمُسُ کہتے ہیں وہ اسی طرح دَبَابِيْجٌ اور دِيَابِيْجٌ کہتے ہیں دِمَاسٌ کا معنی ”ڈھانپنا“ ہے اس سے لیل دَامِسٌ ہے۔ حضرت عیسیٰ کی اس صفت سے اس شادابی اور خوشحالی کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت ہوئی تھی جب وہ زمین پر تشریف لائے تھے۔

آپ ﷺ نہ زیادہ طویل القامت تھے اور نہ ہی کوتاہ قد تھے بلکہ آپ ﷺ کا قد میانہ تھا، آپ ﷺ کی زلفِ عنبریں نہ سیدھی تھیں نہ گھنگھریالی بلکہ دونوں صفات سے متصف تھیں۔ آپ ﷺ نہ موٹے تھے اور نہ ہی دبلے پتلے تھے۔ رنگت کی سفیدی میں سرخی تھی آنکھیں سرگیں تھیں، ابرو طویل تھے جوڑ بڑے بڑے تھے، شانوں کا درمیانہ حصہ بڑا تھا سینہ مبارک سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی باقی جسم پر بال نہ تھے، ہتھیلیاں اور قدم مبارک گوشت سے بھرپور تھے، قدم مبارک زمین پر پورے نہ لگتے تھے، ایسے لگتا تھا کہ آپ نسیب کی طرف چل رہے ہوں۔ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہو جاتے۔ دونوں شانوں کے مابین مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ خاتم النبیین تھے، آپ خچوں میں سے سب سے سخی، بہادروں میں سے سب سے زیادہ قوی اور اخلاق میں سب سے زیادہ کریم تھے، پہلی دفعہ زیارت کرنے والا مرعوب ہو جاتا تھا اور اکثر ملنے والا محبت کا دم بھرنے لگتا تھا، آپ ﷺ کی تعریف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ میں نے نہ پہلے آپ جیسا حسین دیکھا نہ بعد میں۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا نام ”ہند“ تھا، مجھے ان سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصف میں ہے اِنَّهُ اَدْمُ طَوَّالٍ۔ وہ گندم گوں، طویل تھے۔ ان کے گندم گوں ہونے کا وصف قرآن پاک میں موجود ہے۔ طبری اللہ تعالیٰ کے فرمان: تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ (طہ: ۲۲) ”وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ید بیضاء کے خروج میں یہ دلیل ہے کہ وہ اس دست اقدس کو نکالیں جس کا رنگ دوسرے سارے جسم کے رنگ سے مختلف ہوں یہی آپ علیہ السلام کے گندم گوں ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصف میں فرمایا اَلَمْ اَرَ رَجُلًا اَشْبَهَ بِصَاحِبِكُمْ وَلَا صَاحِبَكُمْ اَشْبَهَ مِنْهُ۔ اَشْبَهَ دونوں مقامات پر منصوب کیوں ہے یہ ایک اشکال ہے لیکن اس کا معنی سمجھنے سے اس کے اعراب کی سمجھ خود بخود آ جاتی ہے۔ اس کا معنی ہے میں نے تمہارے صاحب سے زیادہ ان کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ان کے علاوہ کسی کو تمہارے صاحب کے زیادہ مشابہ دیکھا ہے۔ اشبہ کو دوسری مرتبہ تاکید کے لئے بیان کیا گیا ہے اس طرح یہ لغو ہے۔ ”صَاحِبِكُمْ“ کا عطف اس ضمیر پر ہے جو پہلے اَشْبَهَ میں مضمَر ہے۔ وہ لِوَجْهِ کی صفت ہے۔ اگر ”هُوَ“ سے تاکید نہ لگائی گئی ہوتی تو پھر یہ

معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ ”جب حضور ﷺ کو معراج ہوئی تو آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے تاخیر سے نمازِ عشاء ادا فرمائی پھر محوِ استراحت ہو گئے ہم بھی سو گئے۔ نمازِ فجر سے کچھ دیر پہلے آپ ﷺ نے ہمیں بیدار کیا، آپ ﷺ نے نمازِ صبح ادا فرمائی ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اے ام ہانی! تو جانتی ہے کہ میں نے اس وادی میں تمہارے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی پھر میں بیت المقدس گیا میں نے وہاں نماز ادا کی پھر میں نے صبح کی نماز تمہارے ساتھ ادا کی جس طرح تو نے ابھی دیکھا ہے۔“ پھر آپ باہر تشریف لے گئے تاکہ لوگوں کو اس واقعہ کے متعلق بتائیں میں نے آپ ﷺ کی چادر مبارک کے دامن کو پکڑ لیا آپ ﷺ کے بطن اطہر سے کپڑا اٹھ گیا وہ لیٹے ہوئے قبلی کپڑے کی مانند دکھائی دیا ”یعنی

عطف کرنا بہت عمدہ ہوتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں عطف ہے۔ ”مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاءَنَا“ کیونکہ اس کے مابین ”لانا فیہ“ کے ساتھ فاصلہ ہے۔ اگر کلام سے دوسرا شبہ ساقط کر دیا جائے تو بہت عمدہ ہوتا اور اگر ”صَاحِبُكُمْ“ کو مؤخر کر کے اس طرح کہا جاتا۔ ”وَلَا أَشْبَهُ بِهِ صَاحِبُكُمْ مِنْهُ“ تو یہ بھی جائز ہوتا ہے۔ یہ ”صَاحِبُكُمْ“ دوسرے شبہ کا فاعل ہوتا۔ یہ اہل عرب کے اس قول کے مشابہ ہوتا مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْ زَيْدٍ۔ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کی آنکھوں میں سرمہ اتنا خوبصورت لگتا ہو جتنا کہ زید کی آنکھوں میں لگتا ہے لیکن یہ مسئلہ ایک ایسی مشکل گرہ ہے جسے علمائے نحو کے ہاتھ نہیں کھول سکے۔ نہ علمائے متقدمین اس کا شافی جواب دے سکے ہیں اور نہ ہی متاخرین علماء اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنی دوسری کتاب میں اس مسئلہ پر تحقیق کی ہے۔

حضور ﷺ کا حلیہ مبارک

الطَّوِيلُ الْمُتَعَطُّ۔ مُتَعَطُّ، غین کے ساتھ ہے لیکن یہ عین کے ساتھ بھی روایت ہے۔ مذکورہ بالا الفاظ کی شرح ابو عبید نے لکھی ہے انہوں نے اصمعی، کسائی اور ابو عمرو وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ الطَّوِيلُ الْمُتَعَطُّ سے مراد دراز قد ہے۔ الْقَصِيرُ الْمُتَرَدُّ۔ ایسا شخص جس کی تخلیق متردد نہ ہو۔ ایسا شخص جس کا قد اتنا کوتاہ نہ ہو کہ برا لگے۔ آپ ﷺ میانہ قد تھے۔ حدیث کے آخر میں ضَرْبُ اللَّحْمِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ سے مراد یہی ہے۔

انتہائی سفید“ میں نے عرض کی ”اے اللہ کے نبی! صلی اللہ علیک وسلم لوگوں کو اس واقعہ کے متعلق نہ بتائیں وہ آپ کی تکذیب کریں گے۔ وہ آپ ﷺ کو اذیت دیں گے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کی قسم! میں انہیں یہ حیرت انگیز واقعہ ضرور بتاؤں گا۔“ میں نے اپنی جہشی خادمہ سے کہا تو حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے جا اور غور سے سن کہ آپ ﷺ لوگوں سے کیا فرماتے ہیں اور لوگ آپ ﷺ سے کیا سلوک کرتے ہیں؟۔ حضور ﷺ لوگوں کے پاس آئے اور اس تعجب خیز واقعہ کے متعلق اطلاع دی۔ لوگوں نے تعجب کیا اور کہنے لگے اس حیرت انگیز سیر کی دلیل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں فلاں وادی میں فلاں کارواں کے پاس سے گزرا براق کی آہٹ نے انہیں ڈرا دیا ان کا ایک اونٹ بدک گیا، میں نے ان کی اس کی طرف راہ نمائی کی میں شام کی طرف عازم سفر تھا۔ واپسی پر میں وادی ”ضجنان“ سے گزرا وہاں فلاں قافلہ ”خیمہ زن“ تھا اہل کارواں سوئے ہوئے تھے۔ ان کے ایک برتن میں پانی تھا وہ کسی چیز سے ڈھکا ہوا تھا میں نے وہ چیز ہٹا کر پانی پیا اور پھر اسے اسی طرح ڈھانپ دیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ کارواں مقام بیضاء تنعیم کی گھائی پر پہنچ چکا ہے اس کے آگے آگے ایک خاکستری اونٹ ہے جس پر دو بورے ہیں۔ ان میں سے ایک کالا اور دوسرا دھاری دار ہے۔ قوم اس گھائی کی طرف دوڑ کر گئی لیکن وہ پہلے اونٹ کو اس طرح نہ پاسکے وہ تیز رفتاری سے آگے نکل چکا تھا۔ انہوں نے اہل کارواں سے پانی کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے برتن بھر کر رکھا تھا اسے ڈھانپا بھی تھا جب بیدار

لَيْسَ بِالْمُطَهَّمِ

اس سے مراد وہ کامل شخص ہے جس کی ہر چیز جدا جدا ہو۔ ایسا حسن دلکش ہوتا ہے۔ اسمعی کے علاوہ دوسرے علماء نحو فرماتے ہیں مُكَلَّفَم سے مراد چہرے کا گول ہونا ہے لیکن آپ ﷺ کا رخ انور بالکل گول نہ تھا بلکہ قدرے لمبا تھا۔ ”مُفْرَب“ سے آنکھوں کی سرخی مراد ہے۔ ”اَدْعَبُ“ سے مراد آنکھ کی سیاہی ہے۔ اسمعی کہتے ہیں ”الدَّعْجَةُ“ سے مراد سیاہی ہے۔ ”الْبَجَلِيلُ الْمَشَاشُ“ سے مراد بڑے بڑے جوڑ مثلاً گھٹنے، کہنیاں اور کندھے ہیں۔ ”الْكَعْدُ“ سے مراد گردن کا پٹھا اور اس سے متصل جسم ہے۔ ”شَشْنُ الْكُفْمَيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ“ یہ دونوں اعضاء گوشت سے بھر پور تھے۔ لَيْسَ بِالْمُسَبِّطِ وَلَا الْجَعْدِ الْقَطَطِ۔ نہ بال سیدھے تھے نہ گھٹنم یا لے۔ قَطَطُ سے مراد اہل حبشہ کے بالوں کی مانند بالکل گھٹنم یا لے بال ہیں۔

ہوئے تو دیکھا کہ وہ اسی طرح ڈھکا تھا لیکن اس میں پانی نہ تھا جب دوسرا کارواں مکہ معظمہ پہنچا تو انہوں نے اس سے بھی پوچھا۔ انہوں نے کہا ”بخدا! حضور ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ ہم اس وادی میں خوفزدہ ہوئے تھے ہمارا اونٹ بھی بدک گیا تھا، ہم نے ایک شخص کی آواز سنی وہ ہمیں بلا رہا تھا حتیٰ کہ ہم نے اونٹ پکڑ لیا۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے ابوسعید الخدري سے اس شخص نے روایت کیا ہے جسے میں جھوٹا نہیں سمجھتا۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ ”جب میں

اللہ رب العزت کا دیدار

کیا شب معراج حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا تھا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مسروق نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو۔ وہ فرماتی ہیں جس نے یہ زعم کیا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ انہوں نے بطور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (انعام: ۱۰۳)

”آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں۔“

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس اور حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ حضرت کعب فرماتے تھے اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ رُوَيْتَهُ وَ كَلَامَهُ بَيْنَ مُوسٰى وَ مُحَمَّدٍ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار اور کلام محمد ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین تقسیم کیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ”میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ۔ کیا آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا رَأَيْتُ نُورًا۔ ”میں نے نور دیکھا ہے۔“ مسلم شریف کی دوسری حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ نُورٌ اِنِّیْ رَاَۡهُ۔ وہ نور ہے میں نے اس کی زیارت کی ہے۔ اس حدیث میں کوئی ثانی وضاحت نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہو۔ حضرت ابوالحسن الاشعری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کیا۔ تفسیر نقاش میں حضرت ابن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا۔ هَلْ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَاَۡهُ رَاَۡهُ رَاَۡهُ حَتّٰی اِنْقَطَعَ صَوْتُهُ۔ کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہاں انہوں

بیت المقدس میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات سے فارغ ہوا تو ایک سیڑھی لائی گئی میں نے کوئی چیز نہ دیکھی جو اس سے زیبا تر ہو۔ وقت نزع تمہارے مردے اسی کی طرف نظر گاڑھ دیتے ہیں۔ میرے رفیق راہ نے مجھے اس پر چڑھا دیا۔ حتیٰ کہ وہ مجھے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے پاس لے گیا۔ اسے باب الحفظ کہا جاتا تھا۔ اس پر ایک فرشتہ تھا جس کا نام اسماعیل تھا اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ، بارہ ہزار فرشتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔ ”اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا“۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر آسمان میں داخل ہوئے تو اس فرشتے نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد! (فداہ روجی) ﷺ۔ اس نے پوچھا کیا ان کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا۔ حضرت جبرائیل نے کہا ہاں۔ اس فرشتے نے میرے لئے بھلائی کی دعا کی۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ نبی محترم ﷺ نے فرمایا جب میں

نے اسے دیکھا ہے، انہوں نے اسے دیکھا ہے، انہوں نے اسے دیکھا ہے حتیٰ کہ ان کا سانس ختم ہو جاتا۔ تفسیر عبدالرزاق میں امام زہری سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار مرقوم ہے اس کے بعد امام زہری فرماتے ہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ عالمہ نہیں ہیں۔ تفسیر ابن سلام میں حضرت عروہ سے روایت ہے کہ جب انہیں حضرت عائشہ کا یہ انکار سنایا جاتا تو وہ سخت ناراض ہوتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر بھی حضرت ابن عباس کے نقطہ نظر کی طرح ہے۔ داؤد بن حصین سے روایت ہے مروان نے حضرت ابوہریرہ سے سوال کیا کہ کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا انہوں نے فرمایا ہاں! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ سوال بھیجا کہ کیا لامکان کے سیاح اعظم ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ انہوں نے فرمایا ”ہاں“۔ انہوں نے پوچھا دیدار کیسے کیا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ”میں اس کی وضاحت ایسے الفاظ سے نہیں کرنا چاہتا جس سے کسی تشبیہ کا وہم ہو۔ اس کی وضاحت کسی تاویل کے بغیر ممکن نہیں“۔

ان تمام اقوال کا لب لباب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا لیکن یہ دیدار اس طرح اکمل نہیں تھا جس طرح آپ ﷺ کرامت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کے وقت بارگاہ قدس میں اس کا دیدار کریں گے، آپ ﷺ کا یہ فرمان اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ رَأَيْتُمْ نُورًا وَ نُورًا آتَى دَاۡءَ۔ جہاں

آسمان دنیا میں داخل ہوا تو مجھ سے مختلف ملائکہ نے ملاقات کی۔ ہر فرشتہ مجھ سے شاداں و فرحاں ملتا تھا۔ وہ عمدہ بات کرتا اور دعا دیتا مگر مجھ سے ایک ایسا فرشتہ ملا جس نے گفتگو تو دوسرے ملائکہ کی طرح کی اور دعا بھی اسی طرح دی لیکن اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ نہ تھی جو مجھے دوسرے ملائکہ کے چہروں پر نظر آئی۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ فرشتہ کون ہے؟ جس کا چہرہ مجھ سے ملاقات کرتے وقت بھی مسرت و شادمانی سے خالی تھا۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی اگر اس نے آپ ﷺ سے قبل کسی سے مسکرا کر بات کی ہوتی تو وہ آج آپ ﷺ سے ضرور ہنس کر بات کرتا لیکن وہ ہنس کر بات کرتا ہی نہیں۔ وہ دوزخ کا دروغہ ”مالک“ ہے۔ میں نے کہا اے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا نگران مقرر کیا ہے۔ اسی نے ہی تمہارا یہ وصف بیان کیا ہے۔ مُطَاعٌ ثَمَّ أَمِينٌ۔ ”اس کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ وہاں امین ہے۔“ کیا تم اس مالک کو حکم نہیں دو گے کہ وہ مجھے جہنم دکھائے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی کیوں نہیں! اے مالک! انہیں جہنم کے عجائبات دکھاؤ

تک ”الدُّنُو اور التَّدَلَّى“ کا تعلق ہے تو بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں جو حضور ﷺ کے قریب ہوئے۔ ”جامع صحیح“ کی ایک روایت ہے فَتَدَلَّى جَبَّارٌ۔ ذات باری تعالیٰ قریب ہوئی۔ اس روایت کے راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن اس کا ذکر کسی مفسر نے نہیں کیا، شاید اس کے ظاہری معنی کے محال ہونے کی وجہ سے ہو لیکن اس میں کوئی استحالہ نہیں کیونکہ اگر ”اسراء“ خواب میں ہوئی ہو اور آپ ﷺ کے قلب انور نے دیدار کیا ہو اور آنکھیں بدستور محو استراحت رہی ہوں تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ آپ ﷺ سے ایک اور روایت ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت آپ ﷺ کے مبارک شانوں کے مابین رکھا اس کی ٹھنڈک آپ ﷺ نے اپنے سینے کے وسط میں محسوس کی..... (ترمذی)

یہ خواب ہے اس کا انکار اہل علم میں سے کسی نے نہیں کیا اور نہ ہی اس کو بے مزہ سمجھا ہے لیکن اگر یہ فرمان ”فَتَدَلَّى الْجَبَّارُ“ اس معراج کے متعلق ہے جس میں آپ ﷺ کے جسم اقدس نے بھی سیر کی تو پھر اس میں وہی تاویل کرنا پڑے گی جو آپ ﷺ کے اس فرمان میں کرنا پڑی۔ يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا۔ ”ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔“ اس میں تاویل کرنا مشکل نہیں اور اس میں کوئی انکار بھی نہیں، معراج عالم نیند میں ہو یا عالم بیداری میں، ہم نے ”قَابَ قَوْسَيْنِ“ کی شرح میں اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ ہم نے وہاں سُبْحَانَ اللَّهِ وَ بِحَمْدِهِ۔ کی بھی تشریح کی ہے اور تقدیس و تسبیح کے معنی کے لطائف بیان کئے ہیں۔ ہم نے وہاں نیند

اس نے جہنم سے پردہ ہٹایا۔ جہنم شعلہ زن اور شرفشاں ہو گئی حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ مجھے نظر آنے والی تمام اشیاء کو یہ ہڑپ کر جائے گی۔ میں نے حضرت جبرائیل سے کہا ”اسے حکم دو کہ یہ جہنم کو پرسکون ہونے کا حکم دے۔“ ان کا حکم سن کر مالک نے جہنم کو پرسکون ہو جانے کا حکم دیا وہ جہنم اپنی سابقہ جگہ پر چلی گئی۔ اس کا لوٹنا سایہ کے لوٹنے کی مانند تھا۔ جب اس کے شعلے جہاں سے نکلے تھے وہاں چلے گئے تو اس نے اس پر پردہ ڈال دیا۔ حضرت ابوسعید الخدري اپنی حدیث کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔ ”جب میں آسمان دنیا میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک شخص دیکھا جو وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ بنو آدم کی ارواح اس پر پیش کی جا رہی تھیں۔ جب ان پر کچھ ارواح پیش کی جاتیں تو وہ ان سے خوش ہوتے اور انہیں بھلائی سے یاد کرتے۔ وہ کہتے۔ ”یہ عمدہ روح ہے جو عمدہ جسم سے نکلی ہے“ لیکن جب کچھ اور ارواح پیش کی جاتیں تو وہ انہیں ”اف“ فرماتے۔ وہ اپنے چہرے کو بھورتے اور فرماتے۔ ”یہ خبیث روح ہے جو خبیث جسم سے نکلی ہے۔“ میں نے حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ ﷺ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں جب ان کے پاس کسی مؤمن کی روح پیش ہوتی ہے تو وہ

میں ذاتِ باری تعالیٰ کے دیدار کے متعلق بھی لکھا ہے جو دُویۃ اور دُویۃ کا معنی دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ وہاں سے مطالعہ کر لے۔ اس سے بخاری شریف کی اس حدیث کی بھی وضاحت ہوتی ہے جس میں تَدَلٰی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ امام بخاری نے ابنِ حجر سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ معراج پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی کی جو کہ جب حضرت جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کا قرب محسوس کیا تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ وہ یوں تسبیح خواں تھے، سُبْحَانَ رَبِّ الْجَبَرُوتِ وَالْمَلٰئِکَوتِ وَالْکِبَرِیَّاءِ وَالْعَظَمَۃِ۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وہ انعامات اور نوازشات اپنے محبوب مکرم ﷺ کو دے دیں جو انہیں عنایت فرمائی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”پھر حضرت جبرائیل نے اپنا سراٹھالیا۔ میں نے انہیں اس صورت میں دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تخلیق فرمایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پرزبرد، موتی اور یا قوت سے آراستہ تھے، مجھے محسوس ہوا کہ انہوں نے میرے سامنے دونوں افقوں کو گھیر لیا۔ اس سے قبل میں نے انہیں مختلف صورتوں میں دیکھا تھا۔ میں نے انہیں اکثر حضرت دحیہ بن خلیفہ الکھمی کی صورت میں دیکھا تھا“ آپ نے اس سے قبل حضرت جبرائیل کو اسی طرح دیکھا تھا جس طرح آدمی غربال (چھنی) کے پیچھے سے اپنے ساتھی کو دیکھتا ہے۔

اس سے خوش ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ پاکیزہ روح پاکیزہ جسم سے نکلی ہے۔ جب کسی کافر کی روح ان پر پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے اف کہتے ہیں اور اسے ناپسند کرتے ہیں انہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں یہ خبیث روح ہے جو خبیث جسم سے نکلی ہے۔ پھر میں نے ایسے آدمی دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے ان کے ہاتھوں میں پتھروں کی طرح آگ کے انگارے تھے۔ وہ انہیں اپنے منہ میں ڈال رہے تھے پھر وہ ان کی پشتوں سے نکل رہے تھے۔ میں نے حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ”یہ ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”پھر میں نے ایسے آدمی دیکھے جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے کہ میں نے اس سے پہلے اتنے بڑے پیٹ نہیں دیکھے تھے۔ وہ آل فرعون کی راہ پر تھے۔ جب وہ آگ پر پیش کئے جاتے تو وہ پیا سے اونٹوں کی طرح وہاں سے گزر جاتے وہ آگ کو روندھتے جاتے وہ ادھر ادھر ہٹنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سودخور ہیں۔“

”پھر میں نے ایسے آدمی دیکھے جن کے سامنے عمدہ اور مہنگا گوشت پڑا تھا ان کی ایک طرف بدبودار گندا گوشت پڑا تھا۔ وہ بدبودار گندا گوشت کھا رہے تھے اور عمدہ، قیمتی گوشت کو ترک کر رہے تھے۔ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ان بیویوں کو چھوڑ دیتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حلال کیا ہے اور ان عورتوں کے پاس جاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حرام کیا ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا ”پھر میں نے ایسی عورتیں دیکھیں جو پستانوں کے بل لٹکی ہوئی تھیں میں نے پوچھا، اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ”یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے مردوں میں ایسے بچے کو شامل کرتی ہیں جو ان کی اولاد میں سے نہیں ہوتا۔“

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”اس

مختلف انبیاء کرام سے ملاقات

ایک سوال تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام سے آسمان دنیا پر ملاقات کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ساتویں آسمان پر ملاقات کی اور دیگر انبیاء سے مختلف آسمانوں پر ملاقات کی۔ ہر نبی کو اس آسمان کے ساتھ مختص کرنے کی کیا وجہ ہے جس میں آپ نے اس سے ملاقات کی؟ دوسرا

عورت پر اللہ تعالیٰ کا غصہ انتہائی شدید ہوتا ہے جس نے اپنے مردوں میں اس بچے کو شامل کیا جو ان میں سے نہ تھا اس نے ان کے مال و دولت کو کھایا اور ان کے خفیہ رازوں سے آگاہ ہو گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ”پھر وہ مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے وہاں دو خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام موجود تھے پھر حضرت جبرائیل مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے۔ میں نے وہاں ایک حسین و جمیل شخص دیکھا اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح تھا میں نے حضرت جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا آپ ﷺ کے بھائی حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام ہیں۔

پھر وہ مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے، میں نے وہاں ایک شخص دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ”رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا“۔ ”اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا“۔ پھر حضرت جبرائیل مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے۔ وہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ ان کے جسم پر بہت زیادہ بال تھے۔ میں نے کسی بوڑھے کو ان سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ اپنی قوم کے محبوب حضرت ہارون علیہ

سوال یہ ہے کہ آسمانوں پر صرف ان انبیاء سے ہی کیوں ملاقات ہوئی اور اگر آپ ﷺ نے تمام انبیاء کرام سے ملاقات کی تو پھر صرف ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیوں کیا؟ ابوالحسن نے بخاری کی شرح میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے لیکن انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام کو حضور ﷺ کی تشریف آوری کے متعلق علم ہوا تو انہوں نے اس طرح جلدی کی جس طرح ایک شخص دوسرے آنے والے شخص کی ملاقات کے لئے جلدی کرتا ہے۔ بعض انبیاء نے جلدی کی لیکن بعض نے جلدی نہ کی۔ ابوالحسن نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور اس سے زائد کچھ نہیں لکھا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے فہم کا ماخذ علم تعبیر ہے علم تعبیر کا تعلق علم نبوت سے ہے۔ علماء تعبیر کہتے ہیں۔ ”جس نے خواب میں کسی نبی کو دیکھا تو شدت یا نرمی یا دیگر امور میں اس کی کیفیت بالکل اسی طرح ہوگی جس طرح قرآن پاک اور حدیث مبارک میں اس کا تذکرہ موجود ہے“۔ معراج کا واقعہ مکہ معظمہ میں ظہور پذیر ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حرم اور اس کی امن گاہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پڑوسیوں کا مسکن ہے کیونکہ یہاں اس کا گھر ہے۔ حضور نبی محترم ﷺ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے

السلام ہیں۔ پھر وہ مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے وہاں ایک گندم گوں، طویل اور چھریرے بدن والے آدمی تشریف فرما تھے۔ وہ بنو شنیۃ کا ایک فرد لگتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ

امن اور اس کے پڑوس میں تھے لیکن اللہ کے دشمن ابلیس نے انہیں وہاں سے نکال دیا یہ داستان حضور ﷺ کے احوال میں سے پہلی حالت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ کو اللہ کے حرم اور اس کے پڑوس سے نکال دیا۔ آپ ﷺ کو اس سے بہت زیادہ دکھ اور غم ہوا۔ آپ ﷺ کا یہ قصہ حضرت آدم کے قصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس ان کی اولاد کی رو میں پیش کی جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے وہاں فاسق و فاجر اور پاکباز و صالحین کی ارواح کو دیکھا حالانکہ بد بختوں کی ارواح آسمان پر نہیں جاسکتیں اور نہ ہی آسمان کے دروازے ان کیلئے کھولے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات کی۔ ان دونوں کو یہودیوں نے ستایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی نے جھٹلایا اور اذیت دی۔ ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کر دیا۔ حضور ﷺ بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد ایک اور امتحان سے دوچار ہوئے۔ وہاں آپ ﷺ کو یہودیوں سے واسطہ پڑا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو اذیت دی۔ آپ ﷺ کے خلاف دشمنوں کی مدد کی۔ آپ ﷺ پر بڑا سا پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسی طرح نجات دی جس طرح اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے بچالیا تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو زہر آلود گوشت کھلایا تادم واپس آپ ﷺ اس زہر کا اثر محسوس کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے وقت وصال فرمایا۔ ”دو خالہ زاد بھائیوں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے بھی اسی طرح کیا گیا“ کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ اشیاع بنت عمران حضرت مریم علیہا السلام کی بہن تھیں ان کی والدہ کا نام ”حنہ“ تھا۔ آپ ﷺ نے تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ کی تیسری کیفیت حضرت یوسف علیہ السلام کی حالت سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر غلبہ پایا تو انہیں معاف فرما دیا حالانکہ انہوں نے ان کو گھر سے نکالا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا لَا تَقْرِبْ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ اسی طرح حضور ﷺ نے غزوہ بدر کے روز اپنے عزیز و اقارب کو گرفتار کر لیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکالا تھا۔ ان قیدیوں میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس اور چچا زاد بھائی حضرت عقیل بھی تھے۔ ان میں سے بعض کو آپ ﷺ نے دیے ہی آزاد فرما دیا اور بعض سے فدیہ لیا پھر

کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ ﷺ کے بھائی حضرت موسیٰ بن عمران ہیں۔ پھر وہ مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے۔ وہاں میں نے ایک بزرگ دیکھے جو بیت المعمور کے دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں۔ جو ایک بار داخل ہونے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم کے علاوہ ایسا کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا جو تمہارے صاحب ﷺ کے مشابہ ہو یا تمہارے صاحب ﷺ اس کے مشابہ ہوں۔ میں نے پوچھا۔ اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کی یہ آپ ﷺ کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر وہ مجھے جنت

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے ان پر غلبہ پالیا۔ آپ ﷺ نے انہیں جمع کیا اور فرمایا آج میں تمہیں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لَا تَقْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ پھر آپ نے چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی ان کے مقام کو اللہ تعالیٰ نے ”مَكَّنًا عَلِيًّا“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت ادریس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم سے لکھنے کی توفیق عطا کی۔ یہ حالت آپ ﷺ کی چوتھی حالت کے مشابہ ہے یہ حالت علوشان ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے بادشاہوں کو خوفزدہ کیا۔ انہیں خط لکھے اور انہیں اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ جب حضور ﷺ کا مکتوب گرامی روم کے بادشاہ تک پہنچا تو اس وقت ابوسفیان وہیں تھے جب انہوں نے ہر قل کا خوف ملاحظہ کیا تو انہوں نے کہا ابن ابی کبشہ (ﷺ) کی عظمت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ بنو اصر کا بادشاہ ان سے ڈرنے لگا ہے۔ آپ ﷺ نے قلم کے ذریعہ سے روئے زمین کے تمام بادشاہوں کے نام مکتوب گرامی لکھے۔ ان میں سے کچھ نے آپ ﷺ کے دین کی اتباع کر لی مثلاً ہر قل اور مقوقس۔ بعض نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان پر غلبہ عطا فرمایا یہی مقام علو ہے۔ آپ ﷺ نے قلم سے بھی لکھا جس طرح حضرت ادریس نے لکھا۔ پانچویں آسمان پر آپ ﷺ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات کی وہ اپنی قوم میں بڑے محبوب تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ قریش اور تمام دیگر لوگ بغض کے بعد آپ ﷺ کی محبت کے اسیر ہو جائیں گے۔ چھٹے آسمان پر آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس حالت کے مشابہ ہے جس میں آپ کو شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا آپ وہاں کے جابر حکمرانوں پر غالب آ گئے۔ بنو اسرائیل کے دشمنوں کو ہلاک کرنے کے بعد انہیں اس شہر سے نکالا گیا تھا۔ اسی طرح حضور ﷺ

میں لے گئے۔ میں نے وہاں حسین و جمیل حور دیکھی میں نے پوچھا تو کس کے لئے ہے۔ اس کے حسن و جمال نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ اس نے کہا ”میں زید بن حارثہ کے لئے ہوں۔“ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو اس کی بشارت دی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت

نے سرزمینِ شام میں مقام تبوک کی طرف لشکر کشی کی اور دومہ کے بادشاہ پر غلبہ پالیا۔ پابند سلاسل ہونے کے بعد اس نے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ آپ ﷺ نے مکہ معظمہ فتح کیا اپنے ان صحابہ کرام کو وہاں داخل کیا جو اس پاکیزہ شہر سے نکالے گئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اس میں دو حکمتیں ہیں۔ ۱۔ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور مکہ معظمہ کے بالکل اوپر ہے ملائکہ اسی کی طرف ادائیگی حج کے لئے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ مقدسہ کو تعمیر فرمایا اور لوگوں میں اعلان کیا کہ وہ اس کی طرف حج کے لئے آئیں۔ ۲۔ آپ ﷺ کے آخری احوال میں سے آپ ﷺ کا بیت اللہ کا حج ہے اس وقت آپ ﷺ کے ہمراہ ستر ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ وہاں حضرت ابراہیم سے ملاقات اسی حج کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بیت اللہ کی طرف سب سے پہلے داعی آپ علیہ السلام ہی ہیں اور کعبہ معظمہ کی بنیادوں کو آپ علیہ السلام نے ہی اٹھایا تھا۔

یہ تمام تفصیل ان دو سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے کہ صرف ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہی کیوں کیا اور ان کی ملاقات کے لئے آسمانِ دنیا سے لے کر ساتویں آسمان تک مختلف آسمانوں کو منتخب کیوں کیا؟ احتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ سلف نے جس میں کوئی تاویل نہیں کی اسے ترک کر دیا جائے لیکن حکمت الہیہ میں تفکر اور اللہ کی نشانیوں میں تدبر نے مجھے یہ ترغیب دی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ اس میں تفکر کرنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔ روایت ہے کہ اَنْ تَفَكَّرَ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةٍ سَنَةً۔ ایک لمحہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس سے مراد وہ غور و فکر ہے جو کتاب و سنت کے دائرہ سے باہر نہ ہو اور اہل عرب کے کلام کے مقتضی کے مطابق ہو۔ ورنہ کتاب و سنت میں گفتگو علم کے بغیر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے تفکر و تدبر سے بچائے اور ان لوگوں میں سے کرے جو اس کا حکم بجالاتے ہیں جس طرح اس نے فرمایا ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاَوَّلِي الْاَلْبَابِ۔ اے دانشمندو! عبرت حاصل کرو۔ وَلِيَذَّبَ رُوْاۤىٓآيٰتِهٖ۔ چاہے کہ وہ اس کی نشانیوں میں تدبر کرے۔ وَلِيَتَذَكَّرُوْا اُوْلُو الْاَلْبَابِ۔ اہل عقل کو غور کرنا چاہئے۔ اگر جہالت کی وجہ سے لوگوں کے

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل آپ ﷺ کو جس آسمان پر بھی لے کر جاتے، جب اجازت طلب کرتے تو سوال کیا جاتا اے جبرائیل! یہ کون انکار کا خدشہ نہ ہوتا کہ اکثر لوگ اسے نہ سمجھ سکیں گے تو ہم اس سوال کے جواب کو ذرا تفصیل سے لکھتے اور ان انبیاء کرام کے مراتب کے متعلق ذرا کھل کر بات کرتے۔

البیت المعمور

البیت المعمور، اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ ابن سبیر نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان پر اللہ کا گھر ہے جسے ”ضراخ“ کہا جاتا ہے، ساتویں آسمان کا نام ”عریبا“ ہے علامہ ابو بکر خطیب نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے۔ ”جس شخص نے جمعہ کے روز سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی تلاوت کی تو اس کے لئے ایسا نور ہوگا جو عریبا اور جریبا کے مابین ساری جگہ کو بھر دے گا۔“ جریبا ساتویں زمین کا نام ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی ہذیل سے روایت ہے کہ ہر روز بیت المعمور میں ستر ہزار سردار فرشتے داخل ہوتے ہیں ان میں سے ہر فرشتے کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں۔ اس روایت کو ابن نیاح نے روایت کیا ہے۔ ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے پوچھا ”الدِّحْیَہ“ سے کیا مراد ہے انہوں نے کہا اس سے مراد ”رئیس“ ہے۔ ابن سبیر نے حضرت ابو ہریرہ کی سند سے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ساتویں آسمان پر ایک گھر ہے جسے معمور کہا جاتا ہے۔ یہ گھر مکہ معظمہ کے بالکل اوپر ہے ساتویں آسمان پر ایک نہر ہے جس کا نام ”الحوان“ ہے۔ حضرت جبرائیل ہر روز اس میں داخل ہو کر ایک غوطہ لگاتے ہیں پھر باہر نکل کر پر جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرات گرتے ہیں ہر قطرہ سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بیت المعمور میں جائیں اور وہاں نماز ادا کریں وہ وہاں جا کر نماز ادا کرتے ہیں پھر وہاں سے نکل جاتے ہیں پھر قیامت ان کی دوبارہ باری نہیں آئے گی۔

نماز کی فرضیت

آپ ﷺ پر حریم قدس میں نمازوں کے فرض ہونے میں نمازوں کی فضیلت کو عیاں کرنا مقصود ہے کیونکہ یہ بارگاہ قدس میں فرض ہوئیں اس لئے ان کی ادائیگی کے لئے طہارت ہونا بہت ضروری ہے اور ان کے لئے شرط ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ رب تعالیٰ بھی بندے سے ہمکلام ہو جاتا ہے۔ وہ فرماتا ہے حَبِّدْنِي عَبْدِي۔ میرے بندے نے میری ستائش کی ہے۔ اَقْنِي عَلَيَّ عَبْدِي۔ میرے بندے نے میری ثناء خوانی کی ہے۔ حریم ناز میں ان کی فرضیت میں یہی مشابہت

ہیں؟ وہ کہتے ”یہ محمد ﷺ ہیں“۔ وہ پوچھتے ”کیا انہیں دعوت دے کر بلایا گیا ہے؟“۔ حضرت جبرائیل فرماتے ”ہاں“۔ وہ کہتے ”اللہ تعالیٰ اس عظیم بھائی اور مخلص دوست کی عمر دراز فرمائے“۔

ہے کیونکہ وہاں حضور ﷺ نے اپنے رب کا کلام سنا۔ اس سے مناجات کیس پھر آپ ﷺ کے ظاہر و باطن کو آب زمزم سے پاک کر کے آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی۔ اسی طرح نمازی بھی پاکیزگی حاصل کرتا ہے۔ حضور ﷺ اپنے جسم سمیت ان خاکدانِ اراضی سے نکل گئے اسی طرح نمازی بھی اپنے دل کے ساتھ اس دنیا سے نکل جاتا ہے۔ اس وقت نمازی پر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے اور قبلہ رو ہونے کے علاوہ ہر شئی حرام ہو جاتی ہے۔ حضور ﷺ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا اسی طرح نمازی بھی اپنے ہاتھ آسمانوں کی طرف اٹھاتا ہے اور اس میں بیت المعمور کی طرف اشارہ ہے اور اس معبودِ برحق کی طرف اشارہ ہے جس سے وہ مناجات کر رہا ہوتا ہے اور جس کے لئے وہ نماز ادا کر رہا ہوتا ہے۔

پچاس نمازوں کی فرضیت

اللہ رب العزت نے پہلے پچاس نمازیں فرض کی پھر دس، دس کی ان میں کمی کر کے پانچ کو باقی رکھا، ایک اور روایت کے مطابق کمی پانچ پانچ نمازوں کی ہوئی، ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ پانچ بھی دس میں شامل ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اسے نسخ کہیں گے یا نہیں؟ ایک طبقہ علماء کہتا ہے اس کا تعلق عمل سے قبل عبادت کے نسخ سے ہے لیکن ابو جعفر النخاس نے اس کا رد کیا ہے۔ انہوں نے اپنے رد کی بنیاد دو ستونوں پر رکھی ہے۔ ۱۔ ان کا اصول اور نقطہ نظر یہ ہے کہ عبادات ان پر عمل پیرا ہونے سے قبل منسوخ نہیں ہوتیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ البداء ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر محال ہے۔ ۲۔ اگر بعض کے نزدیک عبادت کا اس پر عمل پیرا ہونے سے قبل نسخ جائز بھی ہو پھر کسی کے نزدیک اس کا نسخ زمین تک پہنچنے سے قبل اور مخاطبین تک پہنچنے سے پہلے جائز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نسخ کا یہ دعویٰ علامہ قاشانی اور ان کے ہم نوا علماء نے کیا ہے تا کہ ان کا یہ نقطہ نظر درست ثابت ہو جائے کہ بیان مؤخر نہیں ہوتا لیکن یہ تو ایک شفاعت تھی جو حضور ﷺ نے اپنی امت کے لئے فرمائی تھی اور اپنے پروردگار سے ایک التجاء تھی تا کہ وہ اس امت مرحومہ سے تخفیف فرمائے اس لئے اسے نسخ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ علامہ ابو جعفر النخاس کا یہ نقطہ نظر درست نہیں کہ عبادت کا نسخ اس پر عمل ہونے سے قبل نہیں ہو سکتا۔ ان کا اسے بداء کہنا درست نہیں کیونکہ بداء کی حقیقت یہ ہے کہ کسی امر کے لئے ایک رائے ظاہر ہو جو اسے درست معلوم ہو حالانکہ پہلے اس میں اسے کوئی صحت نظر نہ آئی تھی یہ اس ہستی والا پر محال ہے جو اشیاء کو علم قدیمی اور ازلی سے جانتی ہے۔

حتیٰ کہ وہ ساتویں آسمان تک پہنچ گئے۔ پھر آپ ﷺ حرمِ ناز میں تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کیں۔ حضور نے فرمایا ”میں بارگاہِ ناز سے واپس

اس میں نسخ نامی کوئی چیز نہیں نسخ تو ایک حکم کو دوسرے حکم سے تبدیل کرنا ہوتا ہے یہ سب کچھ ذاتِ باری تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے اور اس کی حکمت کے تقاضا کے مطابق ہوتا ہے جس طرح مرض کو صحت اور صحت کو مرض میں تبدیل کرنا وغیرہ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عباد مامور پر جب کوئی حکم لاگو ہوتا ہے تو اس کیلئے تین امور کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ۱۔ اس کام کا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ ۲۔ حکم کو سنتے وقت اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم۔ ۳۔ اور اگر وہ حکم واجب ہو تو اس کے وجوب کا عقیدہ رکھنا۔ اگر فعل سے قبل ہی حکم منسوخ کر دیا جائے تو اس طرح صرف دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ عزم اور وجوب کا اعتقاد۔ اللہ تعالیٰ اس سے آشنا ہے بندہ اپنی آزمائش اور امتحان میں پورا اترتا ہے اور اس کی نیت کے مطابق اسے اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ امر کا نسخ اس کے نزول سے پہلے جائز نہیں اور نہ ہی مخاطب کے علم سے پہلے جائز ہے۔ جس نسخ کا تذکرہ علامہ نحاس نے کیا ہے وہ نسخ کی حقیقت نہیں ہے کیونکہ وہ عبادت جس کا اسے حکم دیا گیا تھا وہ ختم ہو چکی ہے۔ ہمارے نزدیک حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت مرحومہ سے ان پینتالیس نمازوں کا ختم ہونا دو اعتبار میں سے ایک کے لحاظ سے ہے۔ ۱۔ یا تو حضور ﷺ سے ان کی ادائیگی منسوخ ہوگی۔ اس طرح آپ ﷺ سے عزم اور وجوب کا اعتقاد رکھنا بھی ختم ہو جائے گا۔ یہی حقیقت میں نسخ ہے۔ اس سے اس کی تبلیغ بھی آپ ﷺ پر منسوخ ہو جائے گی کیونکہ آپ ﷺ ہر اس چیز کی تبلیغ پر حریص تھے جس کا آپ ﷺ کو حکم دیا جاتا۔ ابو جعفر نحاس کا یہ قول کہ یہ ایک سفارش اور شفاعت تھی۔ اس سے نسخ کی نفی ہو جاتی ہے درست نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھی نسخ ایک مشہور سبب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی شفاعت ہی آپ ﷺ کے لئے نسخ کا سبب بنی اور یہ حقیقت میں نسخ کو باطل کرنے والی نہیں۔ صرف اس تبلیغ کا حکم آپ ﷺ سے منسوخ ہوا ہے جو نسخ سے قبل آپ ﷺ پر واجب تھی۔ پانچ نمازوں کا حکم دینا آپ ﷺ کے خواص میں سے ہے۔ جہاں تک آپ ﷺ کی امت کا تعلق ہے تو اس سے کوئی حکم منسوخ ہوا ہی نہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اس سے صرف خبر دینا مقصود ہو عبادت مقصود نہ ہو اگر یہ صرف خبر ہو تو اس میں نسخ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے خبر کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ آپ ﷺ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہیں یعنی وہ لوح محفوظ پر پچاس نمازیں ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن ان کا ثواب پچاس جتنا ہے ایک نیکی کا اجر دس گنا زائد ہے۔ حضور ﷺ نے یہ تاویل کی کہ بالفعل پچاس

آگیا جب میں حضرت موسیٰ بن عمران رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا وہ تمہارے لئے ایک مخلص دوست ثابت ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا آپ ﷺ پر کتنی نمازیں فرض ہوئیں، میں نمازیں فرض ہیں پھر آپ ﷺ بارگاہِ صمدیت میں جاتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ یہ پچاس نمازیں ثواب کے اعتبار سے ہیں عمل کے اعتبار سے نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دس کے بعد دس نمازیں کم کرنے کا مقصد کیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کا دل از اول تا آخر نماز میں مشغول نہیں رہتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان کے لئے اتنا اجر ہی لکھا جاتا ہے جتنے میں اسے حضورِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ بندہ جب نماز ادا کرتا ہے تو اس کے لئے اس کا ربع یا نصف لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ دسویں حصہ تک پہنچ کر اختتام ہو جاتا ہے۔ یہ نمازیں پانچ اس شخص کے لئے ہیں جس کے لئے نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے اور دس اس کے لئے ہیں جس کے حق میں اس سے زیادہ اجر لکھا جاتا ہے اور پچاس نمازیں اس کے لئے ہیں جو اپنی نماز کو صحیح طریقے سے ادا کرتا ہے۔ خشوع و خضوع کے ساتھ قیام و سجود کرتا ہے۔

ملائکہ کے اوصاف

حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے جس فرشتے سے بھی ملاقات کی وہ تبسم کناں تھا لیکن خازنِ جہنم ”مالک“ کا چہرہ تبسم سے خالی تھا..... اللہ رب العزت کا یہ فرمان بھی اسی امر پر دلالت کرتا ہے۔ عَلَیْہَا مَلٰئِکَۃٌ غَلَاظٌ شِدَادٌ (التحریم: ۶) ”اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو اور سخت مزاج ہیں“۔ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہیں اس لئے اس غضب کا ان سے ہمیشہ اظہار ہوتا رہے گا۔ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس میں حضرت میکائیل علیہ السلام کے وصف میں کہا گیا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو تخلیق کیا ہے وہ اس وقت سے نہیں بنے اسی طرح دارقطنی کی روایت کردہ حدیث بھی اس کے معارض ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز میں تبسم فرمایا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ سے اس کا سبب پوچھا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے حضرت میکائیل کو دیکھا وہ مشرک قوم کی جستجو کے بعد واپس آ رہے تھے ان کے پروں پر گرد و غبار تھا وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میں نے انہیں دیکھ کر تبسم کیا“ اگر یہ دونوں احادیث صحیح ہیں تو ان کے مابین تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت میکائیل، جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو تخلیق کیا اس وقت سے لے کر اس وقت تک نہیں بنے جس میں انہوں نے حضور ﷺ کیلئے مسکراہٹ بکھیری۔ یہ حدیث عام ہوگی جس سے خصوص مراد ہوگا یا پہلے حضور ﷺ نے پہلی حدیث بیان کی ہوگی پھر جب وہ مسکرا دیئے تو دوسری حدیث

نے کہا اس ذات والا تبار نے ہر روز پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ”بلاشبہ نماز ایک بوجھ ہے۔ آپ ﷺ کی امت ناتواں ہے۔ آپ ﷺ اپنے بیان فرمائی ہوگی۔ آپ ﷺ نے کسی فرشتہ کو اس صورت میں نہیں دیکھا جس میں وہ آخرت میں گناہگاروں کو عذاب دیں گے۔ اگر آپ ﷺ انہیں اس شکل میں دیکھ لیتے تو شاید آپ ﷺ ان کی طرف نہ دیکھ سکتے۔“

سفر معراج میں سود خوروں کی حالت

حضور ﷺ نے سود خوروں کا تذکرہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آلِ فرعون کے راستہ میں پڑے ہیں وہ ان پر سے پیاسے اونٹوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”كَالْأَبِلِ الْمَهْيُومَةِ“ شدید پیاس کو الھیام کہتے ہیں اس وصف کا قیاس یہ تھا کہ اس میں مَہْيُومَہ نہ کہا جاتا جیسا کہ معطوشہ نہیں کہا جاتا اس میں هَانِمٌ يَاهِيْمَانٌ کہا جاتا۔ کبھی کبھی هَيُومٌ بھی کہا جاتا ہے جو هِيْم کی جمع ہے جو فعل کے وزن پر ہے لیکن یاء کی وجہ سے اسے کسرہ دیا جاتا ہے جس طرح کہ ارشادِ ربانی ہے۔ فَشَادِبُونَ شَرَبَ الْهَيْمِ۔ ”اس طرح پیو گے جس طرح پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔“ لیکن حدیث شریف میں ”مھیومہ“ کا لفظ ہے۔ گویا کہ اس کے ساتھ ”محمومہ، مجنونہ اور منہوم“ جیسا سلوک کیا گیا ہے۔ مَہْيُومٌ اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جو سیراب نہ ہو۔ یاء کا قیاس تھا کہ اس میں تعلیل کی جاتی اور ”مھیومہ“ کہا جاتا۔ جس طرح مَبْيُوعَةٌ میں مَبِيعَةٌ کہا جاتا ہے لیکن یاء کو برقرار رکھا کیونکہ یہ ”هَيُومَةُ“ کے معنی میں ہے جس طرح ”عَوْدٌ“ میں کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اَعْوَدُ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اِجْتَوَدُوا ہے کیونکہ تَجَاوَدُوا کے معنی میں ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں اس حالت میں دیکھا کہ ان کے پیٹ پھولے ہوئے تھے کیونکہ ان کی سزا ان کے گناہ کے مشابہ تھی، سود کھانے والے کا پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ جس طرح وہ چاہتا ہے کہ حرام کھانے سے اس کے مال میں اضافہ ہو جائے۔ اس کے مال سے برکت اٹھ جاتی ہے اور اس کا پیٹ پھول جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس طرح کھڑا ہوتا ہے گویا کہ اسے شیطان نے چھو کر مجبوظ کر دیا ہے۔ سود خور آلِ فرعون کی راہ میں پڑے ہیں وہ صبح و شام ان پر سے گزرتے ہیں کیونکہ روزِ حشر آلِ فرعون شدید ترین عذاب میں ہوں گے لیکن سود خوران کی راہ میں پڑے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ شدید عذاب والے انہیں روندھ رہے ہیں لیکن وہ اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

سود خور راہِ جہنم میں پڑے ہیں کفار ان پر سے گزرتے ہیں اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ یا تو وہ سود خوری سے رک جائیں اور یہ ان کے لئے بہتر ہے یا پھر وہ سود خوری کریں

پروردگار کے پاس جائیں اور تخفیف کی التجاء کریں۔“ میں حریم ناز میں گیا اور اپنے رب سے التجاء کی کہ وہ مجھ سے اور میری امت سے تخفیف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں میں لوٹ

اور اس پر اصرار کریں اور اللہ تعالیٰ انہیں آتش جہنم کے حوالے کرے۔ راہِ جہنم میں پڑنے والے کی یہی کیفیت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۚ وَأَمْرُهُ إِلَىٰ اللَّهِ** (بقرہ: ۲۷۵)۔ ”پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے تو وہ (سود سے) رک گیا۔ تو جائز ہے اس کے لئے جو گزر چکا ہے اور اس کا مطالبہ اللہ کے سپرد ہے۔“

بعض احادیث میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ملاحظہ کیا کہ ان کے پیٹ گھروں کی مانند تھے ان میں سانپ تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سود خوروں کی یہ حالت اگر آخرت میں ہو تو آل فرعون تو آخرت میں شدید ترین عذاب میں ہوں گے۔ برزخ میں صبح و شام انہیں آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور اگر ان کی یہ حالت عالم برزخ میں ہو تو پھر ان کے پیٹوں کی کیفیت کیا ہوگی حالانکہ وہ ہڈیوں اور چورہ میں تبدیل ہو چکے ہیں؟۔

جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں عالم برزخ میں دیکھا یہ حالت ان کی ارواح کی حالت ہے جو مرنے کے بعد ہوئی۔ اس میں اس شخص کے نقطہ نظر کی دلیل موجود ہے جو کہتا ہے۔ ارواح لطیف اجسام ہیں جو نعمتوں یا عذاب کو قبول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ارواح میں ہی وہ آرام اور تکالیف پیدا فرماتا ہے جنہیں وہ شخص محسوس کرتا ہے جس کا پیٹ پھول جائے اور قدموں سے روندھا جائے لیکن وہ اٹھنے کی استطاعت نہ رکھے۔ اس حدیث شریف میں یہ دلیل نہیں کہ وہ آل فرعون سے بھی شدید عذاب میں ہیں لیکن اس میں یہ دلیل ہے کہ انہیں آل فرعون اور وہ کفار قیامت تک اسی طرح روندھتے رہیں گے جنہوں نے سود نہیں کھایا۔ جس طرح کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر مجبوظ الحواس کر دیا ہو۔ پھر ندادینے والا ندادے گا۔ **أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ**۔ ”داخل کر دو فرعونوں کو سخت تر عذاب میں“۔ اسی طرح وہ عورتیں جنہیں آپ ﷺ نے دیکھا کہ پستانوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی ارواح کو دیکھا ہو کہ ان کی ارواح میں یہ درد و آلام پیدا کر دیا گیا ہو یا ان کے آخرت کے حالات کی تمثیل حضور ﷺ کو دکھائی گئی ہو۔

حضور اکرم ﷺ نے ان مردوں کا ذکر کیا جو ان عورتوں کو چھوڑ دیتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے حلال کیا ہے اور ان عورتوں سے بدکاری کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حرام کیا ہے۔ یہ اس بات پر بھی نص ہے کہ عورتوں کی سرین میں جماع کرنا حرام ہے اس کی تحریم کتاب و سنت

آیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے پہلے کی طرح کہا، میں پھر بارگاہِ لم یزل میں گیا اور اپنے رب سے التجاء کی اس نے مجھ سے دس نمازوں کی تخفیف کر دی پھر میں واپس آ گیا۔ حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرنے لگا تو انہوں نے مجھے پہلے کی طرح کہا، اللہ تعالیٰ

اور اجماع سے ثابت ہے۔ ہم نے ان مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں سے قرآن و حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے کفر کہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لواطت کہا ہے۔ تمام امت کا اجماع ہے کہ اگر عورت کی شرمگاہ پر کوئی مرض ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے، اگر اس جگہ کے علاوہ کہیں اور جماع کرنا جائز ہوتا تو پھر امت عورت کو اس طرح چھوڑنے پر اجماع نہ کرتی۔

ولد الحرام

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”فَاَكَلْ حَرَانِبَهُمْ“ حَرِيبَةُ مال کو کہتے ہیں یہ حَرْب سے مشتق ہے جس کا معنی چھیننا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر بچہ حرامی ہوگا اور اس شخص کی طرف منسوب ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا تو وہ بچپن میں اس شخص کا مال کھائے گا۔ وہ اس کی بیٹیوں کی طرف دیکھے گا جو اس کی بہنیں نہیں۔ وہ اس کی بہنوں کی طرف دیکھے گا جو اس کی پھوپھیاں نہیں ہیں، وہ اس کی ماں کی طرف دیکھے گا جو اس کی دادی نہیں ہے۔ یہ بہت بڑا فساد ہے۔ اگرچہ غیر محرموں کو دیکھنا زیادہ برا فعل ہے لیکن آپ ﷺ اس کے مال کھانے کو اس لئے مقدم کیا کیونکہ وہ حالت صغر میں پہلے اس شخص کا نان و نفقہ کھائے گا، پھر ممکن ہے کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچے یا نہ پہنچے۔ اسی طرح اگر اس کی ماں اسے اپنا دودھ پلائے اور اسے دایا کے سپرد نہ کرے تو پھر وہ اس شخص کا رضاعی بیٹا ہو جائے گا، یہ بھی قباحت ہے۔ اگر وہ بچہ بالغ ہو گیا اور اس کی ماں نے اس کا انکار کر دیا اور اسے بتا دیا کہ وہ حرامی ہے تاکہ وہ جائیداد سے حصہ نہ لے سکے اور ان کی عورتوں کو نہ دیکھ سکے یا وہ خود کسی وجہ یا قرینہ سے جان گیا، پھر اس کے لئے ان اشیاء سے رکنا واجب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ تینوں میں سے براہ ہے۔ اس حدیث شریف کی مختلف تاویلیں کی گئی ہیں لیکن حضور ﷺ کے فرمان ”اَكَلْ حَرَانِبَهُمْ“ کی وجہ سے مذکورہ بالا تاویل سب سے زیادہ درست ہے۔ جس نے جان بوجھ کر یہ فعل کیا۔ وہ تمام لوگوں سے برا ہے۔ اگر اس کو یہ علم نہ ہو تو پھر بھی اس کا کھانا اور پینا برا عمل ہے۔ جب اس کے والدین نے زنا کیا تو پھر وہ اسی لمحہ اس فعل شنیع سے علیحدہ ہو گئے لیکن ان کا یہ بیٹا قیامت تک برے فعل میں رہے گا، اس لئے اس کا عمل سب سے برا ہے۔

نے دس نمازوں کی تخفیف کر دی۔ اسی طرح میں جب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا وہ مجھے واپس جانے کے لئے کہتے، حتیٰ کہ شب و روز میں پانچ نمازیں فرض رہ گئیں۔ پھر میں

قاضی کا فیصلہ حلال کو حرام نہیں کرتا

اسی سے یہ فقہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بچہ شریعت کے فیصلہ کے مطابق صاحبِ فراش کا ہوتا ہے مگر جب لعان سے اس کی نفی کر دی جائے۔ جب قاضی یہ فیصلہ کر دے اور وہ بچہ بالغ ہو کر قاضی کے فیصلہ کے خلاف جان لے تو قاضی کا یہ فیصلہ اس بچے کے لئے مال کو کھانا اور ان کی عورتوں کو دیکھنا حلال نہیں کرتا۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کا رد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی قاضی کا فیصلہ اسے حلال کر دیتا ہے جو بعد میں حرام معلوم ہو۔ مثلاً اگر دو گواہ کسی شخص پر یہ گواہی دیں کہ اس نے طلاق دے دی ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اس نے طلاق نہیں دی۔ قاضی ان کی گواہی کو قبول کر لے اور اس کی بیوی کو اس سے جدا کر دے۔ جب وہ عورت جدا ہو جائے تو پھر ان دو گواہوں میں سے ایک اس سے نکاح کر سکتا ہے اگرچہ اس کو معلوم بھی ہو کہ اس نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ حضرت ابو حنیفہ کا نقطہ نظر حضور ﷺ کے اس فرمان سے مستنبط ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”میں بشر ہوں تم میرے پاس اپنے جھگڑوں کے فیصلے کروانے آتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے ایک شخص دلیل دینے میں اپنے ساتھی سے زیادہ ہوشیار ہو اور میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں اگر میں کسی کے لئے اس کے بھائی کے حق میں فیصلہ کر دوں تو وہ اس کا حق نہ لے یہ اسے آگ کے عذاب کا مستحق بنا دے گا۔“ اس حدیث مبارک میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کوئی دلیل نہیں کہ وہ کہیں کہ یہ دو اسباب کے ساتھ مختص ہے۔ ۱۔ قیاس ان کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے اور دونوں مسئلوں کا قیاس ایک ہے۔ ۲۔ حضور ﷺ نے مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فرمایا ہے۔ مِنْ مَالِ أَخِيهِ نہیں فرمایا۔ یہ لفظ تمام حقوق کو شامل ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”میرے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی بنیاد طلاقِ مکرہ پر رکھی ہے۔ جب کسی شخص کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے تو ان کے نزدیک طلاق ہو جاتی ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں اس کی طلاق ہو جاتی ہے۔ اب اس پر وہ عورت حرام ہو جاتی ہے۔ جب اس پر وہ حرام ہو گئی تو اس سے جو چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں گناہِ نکاح کے متعلق نہیں بلکہ شہادت کے متعلق ہے۔ فقہاء حجاز نے طلاقِ مکرہ میں امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہے۔ ان کے قول کو اثر اور ابو حنیفہ کے قول کو غور و فکر تقویت دیتا ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے پھر بارگاہِ قدس میں جانے کے لئے کہا، میں نے کہا میں اتنی مرتبہ اپنے رب کی بارگاہ میں گیا ہوں اور التجاء کی ہے کہ اب مجھے اس سے حیاء آتی ہے، اب میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس روایت کو امام بیہقی نے دلائل النبوت میں، ابن جریر اور

حضرت ادریس علیہ السلام کا مقام رفیع

آپ ﷺ نے حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (مریم) ”اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک“ حالانکہ آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام سے ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام کے مقام سے بلند تر مقام پر ہوئی تھی۔ اس کی وجہ حضرت کعب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات سے پہلے ہی چوتھے آسمان پر اٹھالیا تھا۔ انہیں ان کے ایک دوست فرشتے نے اٹھایا تھا۔ اس فرشتے کی ڈیوٹی سورج پر تھی۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے اسے جنت دکھانے کے لئے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی، جب وہ چوتھے آسمان پر پہنچے تو وہاں انہیں ملک الموت نے دیکھا اسے تعجب ہوا۔ اس نے کہا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اسی لمحہ حضرت ادریس علیہ السلام کی روح کو چوتھے آسمان پر قبض کروں۔ ملک الموت نے وہاں ہی ان کی روح کو قبض کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خصوصیت عطا کی کہ آپ کو زندہ ہی اس بلند مقام تک اٹھایا گیا۔

ہر آسمان پر ہر نبی حضور ﷺ کا اس طرح استقبال کرتا تھا۔ ”مَرْحَبًا بِالْآخِ الصَّالِحِ“ پاکباز بھائی! خوش آمدید! لیکن حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے ”بِالْأَبْنِ الصَّالِحِ“ سے استقبال کیا۔ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں تحریر کر دیا تھا کہ اس میں اس شخص کے لئے حجت ہے جو کہتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کا تعلق نہ تو حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد سے تھا اور نہ ہی حضور ﷺ کے آباء و اجداد سے تھا کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کا استقبال ”الْآخِ الصَّالِحِ“ سے کیا تھا۔ ”الْأَبْنِ الصَّالِحِ“ سے نہیں کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت محمدیہ میں سے ہونے کی خواہش

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس امت مرحومہ پر خصوصی توجہ کی تھی۔ انہوں نے نبی مکرم ﷺ سے انتہائی اصرار کیا تھا کہ وہ اس امت کیلئے شفاعت فرمائیں اور تخفیف کا سوال کریں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے جب انہیں وادی سیناء کے مغربی کنارے پر الواح عطا ہوئیں تو انہوں نے ان

ابن خاتم نے روایت کیا ہے۔ تم میں سے جس نے ان نمازوں کو ایمان لاتے ہوئے اور محاسبہ نفس کرتے ہوئے ادا کیا اسے پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا۔

الواح میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی صفات پڑھیں۔ حضرت موسیٰ کہنے لگے۔ میں نے الواح میں ایسی امت کا تذکرہ پڑھا ہے جو ان صفات کی حامل ہے۔ مولا! اسے میری امت بنادے۔ آپ علیہ السلام سے کہا گیا وہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت ہے..... اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی مولا! پھر مجھے اس امت میں سے بنادے۔ آپ علیہ السلام کی امت مرحومہ پر شفقت و رحمت اسی وجہ سے تھی۔

کچھ دیگر واقعات

بعض وہ واقعات جن کا ذکر ابن اسحاق نے نہیں کیا ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جسے حارث بن ابی اسامہ نے مسند میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کو ایک آواز دینے والے نے یوں آواز دی۔ یا محمد صلی اللہ علیک وسلم! آپ ﷺ براق پر سوار تھے، آپ ﷺ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی، پھر ایک اور ندادینے والے نے ندادی یا محمد! یا محمد! یا محمد صلی اللہ علیک وسلم! لیکن آپ ﷺ نے اس کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دی۔ پھر آپ ﷺ سے ایک آراستہ پیراستہ عورت ملی۔ وہ دونوں بازو کھول کر یا محمد! یا محمد! یا محمد صلی اللہ علیک وسلم! پکار رہی تھی لیکن آپ ﷺ نے اسے بھی کوئی جواب نہ دیا پھر حضرت جبرائیل سے ان کے متعلق پوچھا، انہوں نے عرض کی "پہلانا کرنے والا یہودیوں کا داعی تھا، اگر آپ ﷺ اسے جواب مرحمت فرمادیتے تو آپ ﷺ کی امت یہودیت اختیار کر لیتی۔ دوسرا پکارنے والا نصاریٰ کا داعی تھا۔ اگر آپ ﷺ اسے جواب دے دیتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی۔ وہ آراستہ و پیراستہ عورت دنیا تھی اگر آپ اسے جواب ارشاد فرمادیتے تو آپ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے

مذاق اڑانے والوں کا انجام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ صبر و استقامت کے ساتھ احکامات الہیہ کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپ ﷺ اپنی قوم کے لئے پیکر خلوص اور مجسمہ اخلاص تھے لیکن آپ ﷺ کی قوم مسلسل تکذیب، اذیت اور استہزاء سے آپ ﷺ کو تنگ کرتی رہی۔ حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی قوم کے پانچ سردار آپ ﷺ کو بہت زیادہ ستاتے اور تکلیف دیتے تھے۔ وہ ہر وقت آپ ﷺ کا تمسخر اڑاتے تھے۔ بنو اسد میں سے اسود بن مطلب بن اسد ابوزمعه آپ ﷺ کو تنگ کرنے میں پیش پیش تھا۔ جب یہ حضور اکرم ﷺ کو اذیت دیتا تو آپ ﷺ اس کے لئے بددعا کرتے۔

اللَّهُمَّ اَعْمِ بَصَرَةَ وَ اَثْكِلْهُ وَلَدَّہ۔ مولا! اس کی بصارت چھین لے اور اسے اس کے بیٹے پر رلا، بنو زہرہ بن کلاب میں سے اسد بن یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ، بنو مخزوم بن یقطہ بن مرہ میں سے ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، بنو سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب میں سے عاص بن وائل بن ہشام، ابن ہشام کہتے ہیں عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم۔ بنو خزاعہ میں سے حارث بن الطلائع بن عمرو بن حارث بن عبد عمرو بن لوی بن ملک۔ جب ان کی سرکشی و بغاوت حد سے تجاوز کر گئی اور رسول معظم ﷺ سے زیادہ تمسخر کرنے

مذاق اڑانے والے اور ملک

حارث بن طلائع

طلائع اس کی ماں کا نام تھا۔ ابو الولید قشی کہتے ہیں لغت میں طلائع ہر بڑی مصیبت کو کہا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں ہر عاجز کر دینے والے مرض کو طلائع کہا جاتا ہے۔ حارث کے نسب میں ملک کا ذکر کیا گیا ہے۔ حافظ شیخ ابو بحر کی کتاب کے حاشیہ میں ہے۔ ابن حبیب النخوی کا قول گزر چکا ہے کہ لوگوں میں ملک صرف دو ہیں۔ ۱۔ ملک بن جرم بن زبان بن حلوان عمران بن الحاف بن قضاعہ اور ملک بن عباد بن عیاض بن عقبہ بن سکون بن اشرس۔ عدی کے بھائی بنو نجیب تھے وہ اپنی ماں نجیب بنت دہم بن ثوبان کے نام سے مشہور تھے ان کا تعلق کندہ سے تھا۔ مذکورہ بالا ملک کے علاوہ باقی ملک ہیں۔ خزاعہ کے مشائخ کہتے ہیں کہ بنو خزاعہ میں بھی ملک تھا۔ قاضی ابن حبیب کہتے ہیں ملک بن انفی

لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٥١﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾ (الحجر)

”سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا، اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا۔ سو یہ (حقیقت حال کو) ابھی جان لیں گے۔

ابن اسحاق نے حضرت عروہ بن زبیر وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ بد بخت طوافِ کعبہ میں مصروف تھے تو حضرت جبرائیل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جبرائیل کھڑے ہو گئے ان کے ایک پہلو میں رسولِ محترم ﷺ بھی کھڑے ہو گئے۔ پہلے اسود بن مطلب پاس سے گزرا تو حضرت جبرائیل نے اس کے چہرے پر سبز پتا پھینکا جس سے وہ اندھا ہو گیا پھر اسود بن عبد یغوث وہاں سے گزرا، حضرت جبرائیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا وہ مرضِ استقاء میں مبتلا ہو گیا اسی مرض سے مرگیا۔ پھر ولید بن مغیرہ کا وہاں سے گزر ہوا، حضرت جبرائیل نے اس کے اس زخم کی طرف اشارہ کیا جو اس کے ٹخنے کے نیچے تھا، یہ زخم اسے دو سال قبل آیا تھا۔ اس زخم کے آنے کا سبب یہ تھا کہ ولید بنو خزاعہ کے ایک آدمی کے پاس سے گزرا جو اپنے تیر کے پر درست کر رہا تھا۔ تیر کا پھل اس کے ازار سے لٹک گیا جس سے اس کی ٹانگ پر خراش آئی۔ پہلے تو یہ ایک معمولی زخم تھا۔ بعض میں پھٹ گیا اور ولید کی موت کا سبب بنا۔ پھر وہاں سے عاص بن وائل کا گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا۔ اس کا گدھا چانک ایک سخت جگہ پر بیٹھ

بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر بھی تھا۔ ابن حبیب کے علاوہ ایک اور شخص کہتا ہے بنو خزاعہ میں ملک ان بن افسی تھا یہ ملک بن عدی بن عبد مناة تھا۔ ذوالرمہ شاعر کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اسی طرح سفیان بن سعید ثوری کا قبیلہ بھی ملک بن عبد مناة سے تعلق رکھتا تھا۔ اسود بن یغوث الزہری کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٥١﴾ (الحجر) تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے انہوں نے اسود کی پیٹھ مروڑی۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے ماموں، میرے ماموں حضرت جبرائیل نے عرض کی آپ ﷺ اسے چھوڑ دیں۔ پھر انہوں نے اس کی پیٹھ کو دوبارہ مروڑا حتیٰ کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

گیا جس سے اس کے پاؤں کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا اسی سے وہ ہلاک ہو گیا۔ پھر حارث بن طلاطلہ کا وہاں سے گزر ہوا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا وہاں سے پیپ بہنے لگی جس سے وہ بھی مر گیا۔

ولید اور ابواز بھر

ابن اسحاق کہتے ہیں جب ولید کی وفات کا وقت آیا تو اس نے اپنے تین بیٹوں کو بلایا۔ اس کے تین بیٹوں کے نام یہ تھے۔ ۱۔ ہشام بن ولید۔ ۲۔ ولید بن ولید۔ ۳۔ خالد بن ولید۔ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا اے میرے بیٹو! میں تمہیں تین وصیتیں کرتا ہوں، انہیں ہرگز ضائع نہ کرنا۔ ۱۔ بنو خزاعہ سے میرا خون بہا ضرور لینا۔ بخدا میں جانتا ہوں کہ وہ اس سے بری ہیں لیکن مجھے خطرہ ہے کہ تمہیں میرے بعد اسی وجہ سے گالیاں دی جائیں گی۔ ۲۔ بنو ثقیف میں میری کچھ سودی رقم ہے وہ ان سے لئے بغیر نہ چھوڑنا۔ ۳۔ میرا ایک عورت کا حق مہر ابواز بھر کے پاس ہے وہ بھی ضرور حاصل کرنا۔ ابواز بھر نے اپنی بیٹی کا نکاح ولید بن مغیرہ سے کیا تھا پھر اسے اپنے ہاں روکے رکھا حتیٰ کہ ولید مر گیا۔

جب ولید ہلاک ہو گیا تو بنو مخزوم بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے، انہوں نے ان سے ولید کے خون بہا کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا تمہارے ساتھی کے تیر نے ہی اسے ہلاک کیا ہے۔ بنو کعب بنو عبد المطلب بن ہشام کے حلیف تھے۔ بنو خزاعہ نے خون بہا ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے شاعری میں مقابلہ کیا۔ ان کے مابین تعلقات انتہائی شدت اختیار کر گئے۔ ولید کو بنو کعب بن عمر میں سے ایک شخص نے تیر سے ہلاک کیا تھا۔ یہ بنو خزاعہ کی شاخ تھی۔ عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم کہتا ہے۔

ولید بن مغیرہ

ولید بن مغیرہ نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا۔ عَقْرِي عَبْدَ اَبِي اَزْيَهَرِ الدَّوْسِي لَا تَذْعُوْا۔ میرا ایک حق مہر ابواز بھر دوسی کے پاس ہے وہ ہرگز نہیں چھوڑنا۔ غصب شدہ فرج کی دیت کو عقر کہا جاتا ہے۔ اصل میں یہ باکرہ کے لئے ہے اسی سے کہا جاتا، عَقْرَ السَّرْحِ الْفَرَسِ۔ زین نے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ اسی سے بَيْضَةُ الْعَقْرِ۔ مرغی کا پہلا انڈہ ہے وہ مرغی کے انڈے سے اس کی بکارت کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔

إِنِّي ذَعِيمٌ أَنْ تَسِيرُوا فَتَهْرَبُوا وَأَنْ تَتْرَكُوا الظَّهْرَانَ تَعْوَى ثَعَالِيَهُ
وَأَنْ تَتْرَكُوا مَاءَ بَجَزَعَةٍ أَطْرِقًا وَأَنْ تَسْأَلُوا أَيُّ الْأَرَاكِ أَطَابِيَهُ
فَإِنَّا أَنْاسٌ لَا تُطَلُّ دِمَاءُ نَا وَلَا يَتَعَالَى صَاعِدًا مَنْ نُحَارِبُهُ
میں گمان کرتا ہوں کہ تم یہاں سے رختِ سفر باندھ لو گے۔ یہاں سے راہِ فرار اختیار کرو
گے۔ وادیِ ظہران کو ویران چھوڑ دو گے تاکہ اس میں لومڑیاں اچھلتی کودتی رہیں۔ وادیِ اطرقا
کے کنارے پانی چھوڑ دو گے اور سوال کرو گے کہ پیلو کے درختوں میں سے کون سا درخت عمدہ
ہے۔ ہم وہ عظیم لوگ ہیں جن کا خون رائیگاں نہیں جاتا اور جس سے ہم نبرد آزما ہوتے ہیں وہ کبھی
بھی سر بلند نہیں ہو سکتا۔

الظہر ان اور الاراک بنوکعب کے رہنے کے مقامات تھے۔ جون بن ابی الجون، جس کا تعلق
بنوکعب سے تھا وہ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے۔

وَاللّٰهِ لَا نُؤْتِي الْوَلِيدَ ظِلَامَةً وَ لَمَّا قَرَوْا يَوْمًا تَزُولُ كَوَاكِبُهُ
وَيَصْرَعُ مِنْكُمْ مُسِينٌ بَعْدَ مُسِينٍ وَ تَفْتَحُ بَعْدَ الْمَوْتِ قَسْرًا مَشَارِبُهُ
إِذَا مَا أَكَلْتُمْ خُبْزَكُمْ وَ حَرِيرَكُمْ فَكُلُّكُمْ بَاكِي الْوَلِيدِ وَ نَادِبُهُ
قسم بخدا! ہم ولید کا خون بہا ادا نہیں کریں گے۔ ابھی تک تم نے وہ سخت دن نہیں دیکھا جس
کے ستارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ تم میں سے ایک موٹا شخص دوسرے موٹے شخص کے بعد چت گرتا
جائے گا اور موت کے بعد اس کا محل دوسروں کے تصرف میں ہوگا جب تم اپنا کھانا اور حریر کھا لو
گے تو پھر تم میں سے ہر ایک ولید پر آہ وزاری اور گریہ و فغاں کرے گا۔

پھر لوگوں کو کچھ تردد ہوا بالآخر انہیں معلوم ہو گیا کہ بنو ولید لوگوں کے طعن و تشنیع سے خوفزدہ
ہیں۔ بنو خزاعہ نے انہیں کچھ خون بہادے دیا اور کچھ سے منحرف ہو گئے جب ان کے مابین صلح ہو

مَاءَ بَجَزَعَةٍ أَطْرِقًا

الْبَجَزَعَةُ اور الْبَجَزَعُ کا معنی ”وادی کا کثیر حصہ“ ہے۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں یہ وادی کے نرم حصے
کے نام ہیں۔ أَطْرِقًا جگہ کا نام ہے، تشنیع کی وجہ سے اس کا نام فعل امر پر رکھا گیا ہے۔ یہ اسی طرح بیان
کردہ ہے اس کو اعراب نہیں دیا جاتا کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے تین آدمی اس وادی سے خوفزدہ
گزرے ان میں سے ایک نے آواز سنی۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ أَطْرِقًا خاموش ہو
جاؤ تاکہ ہم دیکھیں کہ یہ آواز کیسی ہے اسی وجہ سے اس کا نام أَطْرِقًا پڑ گیا۔

گئی تو جون بن جون نے کہا۔

وَ قَائِلَةٌ لِّمَا إِصْطَلَحْنَا تَعَجُّبًا لِّمَا قَدْ حَمَلْنَا لِلْوَلِيدِ وَ قَائِلٌ
أَلَمْ تَقْسِسُوا تَوْتُوَا الْوَلِيدَ ظُلَامَةً وَ لَمَّا تَرَوْا يَوْمًا كَثِيرَ الْبَلَابِلِ
فَتَحْنُ خَلَطْنَا الْحَرْبَ بِالسَّلَامِ فَاسْتَوَتْ فَأَمَّ هَوَاهُ أَمَّا كُلُّ رَاحِلٍ
جب ہم نے صلح کر لی تو بہت سے مرد اور عورتیں تعجب سے کہتے رہے کہ ہم نے ولید کے خون
بہا کا بوجھ کیوں اٹھایا ہے؟ کیا تم نے قسمیں نہیں اٹھائی تھیں کہ تم ولید کی مصیبت کا خون بہا نہیں
دو گے؟ ابھی تم نے وہ دن دیکھا ہی نہیں جو مصائب و مشکلات سے بھرپور ہوتا ہے۔ ہم نے جنگ
کو صلح کے ساتھ ملا دیا تو صلح ہوگی پھر ہر مسافر اپنی منزل مقصود کی طرف امن کے ساتھ عازم سفر
ہو گیا۔

أَلَمْ تَقْسِسُوا تَوْتُوَا الْوَلِيدَ ظُلَامَةً

تَوْتُوَا سے پہلے اَنْ محذوف ہے اس کا معنی اَنْ لَا تَوْتُوَا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ یٰبَیِّتُ
اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَصِلُوْا (النساء: ۱۷۶)

بعض علماء کے نزدیک اس کا معنی اَنْ لَا تَصِلُوْا ہے لیکن میرے نزدیک اس کا معنی کَرِهَ لَكُمْ اَنْ
تَصِلُوْا ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اَنْ، اس کا مقتضی اور اس کے کچھ اسرار بیان کئے ہیں۔ جب کلام کو
اس کے معنی پر محمول کیا جائے تو اسے رفع اور نصب دونوں جائز ہیں جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے۔
اَلَا اَيُّهَا الزَّاجِرِيُّ اَحْضُرِ الْوَعْيَ۔ اَحْضُرْ میں رفع اور نصب دونوں جائز ہیں۔ سیبویہ کہتے ہیں۔
وَ نَهْنَهْتُ نَفْسِيْ بَعْدَ مَا كَذْتُ اَفْعَلَهُ۔ یہ دراصل اَنْ اَفْعَلَهُ ہے۔ جب تو اس جگہ رفع دے گا تو یہ
رفع اَنْ کے معنی کو ظاہر نہیں کرے گا۔ سیبویہ سے روایت ہے مَرَّةً يَخْفُرُهَا۔ اس کے متعلق دو رائے
ہیں۔ ۱۔ اس سے حال مراد ہے یعنی مَرَّةً حَافِرًا لَهَا۔ ۲۔ مَرَّةً اَنْ يَخْفُرُهَا۔

جب اَنْ کو اٹھالیا جائے گا تو فعل مرفوع ہو جائے گا۔ ابن جنی نے ان دونوں کے مابین فرق بیان کیا
ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اَنْ کی نیت کی گئی ہو تو فعل مستقبل ہوگا اور اگر اس کی نیت نہ ہو تو فعل حاضر ہو
گا۔ امام الطبری نے یہاں اہل عرب کے ایک مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ تَصْنَعُ
مَاذَا وَ تَفْعَلُ۔ یہ عبارت دراصل یوں ہے تُرِيدُ اَنْ تَصْنَعَ مَاذَا جب اہل عرب کہتے ہیں۔ تُرِيدُ
مَاذَا تو تَصْنَعُ مرفوع ہوگا کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اَنْ ناصبہ کے آنے کا تقاضا کرے۔
کیونکہ یہ کہنا درست نہیں، تُرِيدُ اَنْ تُرِيدَ مَاذَا۔ کیونکہ ارادہ کا ارادہ کرنا ناممکن ہے۔

پھر جون بن ابی جون سے رہا نہ گیا وہ ولید کے قتل پر فخر کرتا رہا اس نے بیان کیا کہ اسے ہم نے ہی قتل کیا ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا، اس طرح ولید کے بیٹوں اور اس کی قوم کو اس رسوائی کا سامنا کرنا پڑا جس سے ولید نے انہیں ڈرایا تھا۔ جون بن ابی جون کہتا ہے۔

أَلَا زَعَمَ الْمُغِيرَةُ أَنَّ كَعْبًا بِنْتُةً مِنْهُمْ قَدَرُ كَثِيرٌ
فَلَا تَفْخَرُ مُغِيرَةُ أَنْ تَرَاهَا بِهَا يَنْشِي الْمَعْلَهَجُ وَالْمَهِيرُ
بِهَا آبَاءُنَا وَ بِهَا وَلَدُنَا كَمَا أَرَسَى بِمَشْبَتِهِ ثَبِيرُ
وَمَا قَالَ الْمُغِيرَةُ ذَلِكَ إِلَّا لِيَعْلَمَ شَانُنَا أَوْ يَسْتَشِيرُ
فَإِنَّ دَمَ الْوَلِيدِ يُطْلُ إِنَّا نَطْلُ دِمَاءَ أَنْتَ بِهَا خَبِيرُ
كَسَاهُ الْفَاتِكُ الْمَيُونُ سَهْمًا زُعَافًا وَ هُوَ مُتَلَيُّ بَهِيرُ
فَخَرَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مُسْلِحًا كَانَهُ عِنْدَ وَجْبَتِهِ بَعِيرُ
سَيَكْفِينِي مِطَالُ أَبِي هِشَامٍ صِغَارُ جَعْدَةَ الْأَوْبَارِ خُورُ

ارے! کیا مغیرہ نے یہ گمان کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم کو اس حالت میں دیکھ کر بنو مغیرہ فخر نہ کریں مکہ معظمہ میں معزز لوگ بھی ہیں اور دو جنسوں والے بھی۔ ہمارے آباء بھی یہیں پیدا ہوئے اور ہم نے بھی یہیں پرورش پائی جس طرح کوہ شہیر اپنی جگہ پر براجمان ہے۔ یہ بات مغیرہ نے صرف اس لئے کہی ہے تاکہ اسے ہماری اہمیت معلوم ہو جائے یا

الْمَعْلَهَجُ وَالْمَهِيرُ

آزاد، مہر والی عورت کے بچے کو مہیر کہا جاتا ہے، دو جنسوں والے شخص کو مَعْلَهَجُ کہا جاتا ہے۔ یہ یا تو عِلَج سے مشتق ہوگا کیونکہ لونڈی عِلَجَة (بہت کام کرنے والی) ہوتی ہے۔ یہ لَهَج سے بھی مشتق ہو سکتا ہے اس کا معنی فریفتہ ہونا ہے۔ گویا کہ اس سے وٹلی کرنے والا اس پر فریفتہ ہوتا ہے۔

كَمَا أَرَسَى بِمَشْبَتِهِ ثَبِيرُ

ارسی کی تخفیف کے ساتھ روایت درست ہے۔ یہ زحاف ہے جو زحاف پر داخل ہے کیونکہ ”مَفَاعِلَتُنْ“ کے لام کا سکون وافر میں زحاف کہلاتا ہے یہ بہت زیادہ عمدہ ہوتا ہے جب یہ کثیر ہو گیا تو شاعر نے اسے مفاعیل سے تشبیہ دے دی کیونکہ یہ اس کے وزن پر تھے۔ طویل مصرعہ میں مَفَاعِلَتُنْ کی یاء کو حذف کرنا بہتر ہے۔ یہ فَعُولُنْ، مَفَاعِلُنْ ہو گیا اسی لئے شاعر نے مَفَاعِلَتُنْ میں زحاف داخل کیا کیونکہ یہ مَفَاعِلَتُنْ کے وزن پر سکون کے بعد ہے۔

وہ لوگوں کو ہمارے خلاف ابھار سکے۔ بلاشبہ ولید کا خون رائیگاں جا رہا ہے۔ اسی طرح ہم بہت سے خون رائیگاں کرتے ہیں تو اس سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ اچانک حملہ آور نے اس کے زہر آلود تیر پیوست کر دیا ہے اور وہ اس حالت میں مر رہا ہے کہ وہ غصہ سے بھر پور ہے۔ پھر وہ ذلیل و رسوا ہو کر وادی مکہ میں گر پڑا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ ایک اونٹ نیچے آن پڑا ہے۔ ابو ہشام کے خون بہا کی ادائیگی کے وعدہ کو ٹالنے کے لئے چھوٹی چھوٹی، گھنگریالے بالوں والی بہت زیادہ دودھ دینے والی چند اونٹنیاں ہی کافی ہیں۔

ابو ازہر کے قتل کا بدلہ

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ہشام بن ولید نے ابی ازہر پر قبضہ کر لیا اس وقت وہ ذوالحجاز کے بازار میں تھا۔ ابو ازہر کی بیٹی ابوسفیان بن حرب کے نکاح میں تھی۔ ابو ازہر اپنی قوم میں ایک شریف شخص تھا۔ ولید کے اس حق مہر کی وجہ سے اسے قتل کر دیا گیا جو اس کے پاس تھا اور ولید نے اپنے بیٹوں کو اس کی وصیت کی تھی۔ یہ واقعہ ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ کے بعد رونما ہوا۔ اس وقت غزوہ بدر بھی ظہور پذیر ہو چکا تھا اور سردارانِ قریش پر قتل و غارت کا طوفان چل چکا تھا۔ یزید بن ابی سفیان گھر سے باہر نکل آیا اس نے بنو عبد مناف کو جمع کیا اس وقت ابوسفیان ذوالحجاز میں تھا، لوگوں نے کہا ابوسفیان اپنے سسرال کی حفاظت کرنے لگا ہے وہ ان کا بدلہ لینے لگا ہے۔ ابوسفیان کو اپنے بیٹے یزید کی کارروائی معلوم ہوئی۔ وہ ایک حلیم اور بردبار شخص تھا اسے اپنی قوم سے شدید محبت تھی۔ وہ جلدی جلدی مکہ کی طرف عازم سفر ہوا اسے خطرہ تھا کہ کہیں ابو ازہر کی وجہ سے قریش میں پھوٹ نہ پڑ جائے۔ وہ اپنے بیٹے کے پاس آیا اس وقت وہ غرقِ آہن تھا۔ وہ بنو عبد مناف اور مطہیین کے درمیان تھا ابوسفیان نے اسی کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس کے سر پر مارا وہ وہیں گر پڑا۔ ابوسفیان نے کہا تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو چاہتا ہے کہ بنو دوس کے ایک شخص کی وجہ سے قریش میں اختلاف پڑ جائے۔ ہم انہیں خون بہا دے دیں گے اگر انہوں نے پسند کیا۔ اس طرح یہ معاملہ سرد پڑ گیا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایسے اشعار کہے جن میں ابو ازہر کے خون کا بدلہ لینے پر ابھارا اور ابوسفیان کی بزدلی پر اسے طعنے دیئے۔ انہوں نے کہا۔

غَدَا أَهْلُ ضَوْحَى دِي السَّجَازِ كَلِمَتَا وَ جَارَ ابْنِ حَرْبٍ بِالْعَسِ مَا يَغْدُو
وَلَمْ يَنْتَعِ الْعِمْرُ الضُّرُوطَ دِمَارَةً وَ مَا مَنَعَتْ مَخْرَاقًا وَالِدَهَا هُنْدُ

كَسَاكَ هِشَامُ بْنُ الْوَلِيدِ ثِيَابَهُ فَابِلٌ وَأَخْلِفَ مِثْلَهَا جُدُودًا بَعْدَ
 قَضَى وَ طَرًّا مِنْهُ فَاصْبَحَ مَا جَدًّا فَاصْبَحَتْ رَحْوًا مَا تَحَبُّ وَمَا تَعْدُو
 وَ لَوْ أَنَّ أَشْيَاخًا بَيَّذَرِ تَشَاهِدُوا لَبَلَّ نَعَالَ الْقَوْمِ مُعْتَبَطٌ وَرَدُّ
 ذوالہجاز کی دونوں اطراف کے لوگ صبح سویرے ہی نکل آئے مگر ابوسفیان غمس کی طرف چلا
 گیا اور جنگ کے لئے نہ نکلا زیادہ گوز مارنے والے گدھے نے قابل حفاظت چیزوں کا تحفظ نہ
 کیا اور ہند بھی اپنے بیٹے کی رسوائی کو نہ روک سکی۔ ہشام بن ولید نے تجھے مقتول کے کپڑے پہنا
 دیئے، ان کپڑوں کو گھسا دے۔ اسی قسم کے اور کپڑے بھی تجھے مل جائیں گے تو اس نے اس سے
 اپنی تمنا پوری کر لی اور صاحب شرف ہو گیا تو آسودہ حال تو ہو گیا لیکن زمین کے نشیب و فراز پر
 جانے کے قابل نہ رہا۔ میدان بدر کے بوڑھے اسے دیکھ لیتے تو تازہ رواں خون قوم کے جوتوں
 کو رنگین کر دیتا۔“

جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار ابوسفیان تک پہنچے تو اس نے کہا حسان رضی اللہ
 عنہ کہتے ہیں کہ ہم بنو دوس کے ایک شخص کے لئے آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹیں۔ ان
 کی سوچ کتنی بری ہے؟

سورۃ البقرہ کی آیت ربا کا نزول

جب اہل طائف دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے

غَدَا أَهْلُ ضَوْجِي ذِي الْمَجَازِ

”ضَوْج“ وادی کے کنارے کو کہتے ہیں۔ ”ذُو الْمَجَازِ“ میدانِ عرفہ کے پاس ایک بازار کا نام
 تھا۔ جب حج کا زمانہ آتا تو اہل عرب شوال کے مہینہ میں عکاظ کے بازار جاتے پھر وہ ”مجنہ“ کے بازار
 جاتے اور وہاں ذوالقعدہ کے بیس دن مقیم رہتے پھر وہ ذوالہجاز چلے جاتے وہ ایام حج گزارتے وہ شوال
 کے مہینہ میں عکاظ کے بازار میں ایک دوسرے پر فخر کرتے۔ کہا جاتا ہے عَكَظَ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ۔
 جب انسان کسی سے فخر کرے اور اس پر غالب آ جائے اسی وجہ سے اس بازار کو عکاظ کہا جاتا ہے۔
 مُعْتَبَطٌ وَرَدُّ، ترک کرنے والا خون۔

ربا کے متعلق نازل شدہ آیات

ہم نے پہلے قریش مکہ کا وہ قول نقل کیا ہے جو انہوں نے تعمیر کعبہ کے وقت کہا تھا انہوں نے کہا۔

حضور ﷺ سے اس سود کے متعلق گفتگو کی جو ان کا باپ بنو ثقیف میں چھوڑ گیا تھا اور انہیں وصول کرنے کی وصیت کی تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں بعض اہل علم نے مجھے بتایا ہے کہ یہ آیت اسی وقت نازل ہوئی تاکہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بنو ثقیف کے سود سے دستبردار ہو جائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ (البقرہ)
 ”اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر تم (سچے دل سے) ایماندار ہو۔“

ابوازیہر کا بدلہ

ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ کسی نے ابوازیہر کا بدلہ لیا ہو حتیٰ کہ لوگ اسلام کی امن و آشتی کی خوشبو سے معطر ہو گئے مگر ایک واقعہ اس کے متعلق ملتا ہے وہ یہ کہ ضرار بن خطاب بن مرداس الفہری کچھ قریشیوں کو لے کر سرزمین دوس کی طرف گیا۔ وہ ام غیلان کے ہاں بطور مہمان ٹھہرے۔ ام غیلان بنو دوس کی لونڈی تھی۔ وہ عورتوں کا میک اپ کرتی تھی۔ دہنوں کا بناؤ سنگھار کرتی تھی، بنو دوس نے انہیں قتل کرنا چاہا لیکن ام غیلان اور دیگر خواتین ان کی راہ میں حائل ہو گئیں، حتیٰ کہ وہ اپنے مذموم ارادہ سے باز آ گئے۔ ضرار بن خطاب اسی کے متعلق کہتا ہے۔

جَزَى اللَّهُ عَنَّا أُمَّ غَيْلَانَ صَالِحًا وَ نِسْوَتَهَا إِذْ هُنَّ شُعْثٌ عَوَاطِلُ
 فَهِنَّ دَفَعْنَ الْمَوْتَ بَعْدَ إِقْتِرَابِهِ وَ قَدْ بَرَزَتْ لِلثَّانِيَيْنِ الْمَقَاتِلُ
 دَعَتْ دَعْوَةً دَوْسًا فَسَالَتْ شُعَابَهَا بَعِزٌّ وَ أَدَّتْهَا الشَّرَاجُ الْقَوَابِلُ
 وَ عُمَرَا جَزَاةَ اللَّهِ خَيْرًا فَمَا وَنَى وَ مَا بَرَدَتْ مِنْهُ لَدَى الْمَفَاصِلُ
 فَجَرَدَتْ سَيْفِي ثُمَّ قُتُّ بِنَصْلِهِ وَ عَنْ آتَى نَفْسٍ بَعْدَ نَفْسِي أُقَاتِلُ

اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے ام غیلان اور اس کی دوستوں کو عمدہ جزا دے، وہ پراگندہ بال اور

”اس حرم مقدس کی تعمیر میں نہ تو سود کی رقم خرچ کرنا اور نہ ہی بدکاری کے عوض حاصل ہونے والی رقم خرچ کرنا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی حرام تھا جبکہ یہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی حرام تھا۔ یہ تمام اعمال میں سے فبیح ہے۔ اس سے مروت ختم ہو جاتی ہے، انسان لالچی اور حریص ہو جاتا ہے۔ اس سے وسعت ظرفی کا فقدان ہو جاتا ہے۔ اس کے معاملہ میں حسن و جمال عنقاء ہو جاتا ہے۔ جو شخص سود کے مضرات پر غور کرتا ہے اس پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اسے حرام قرار کیوں دیا گیا؟ اس سے انسان اتنا حریص ہو جاتا ہے کہ اس کی حسن معاشرت ختم

آرائش کے بغیر ہی تھیں۔ انہوں نے موت کو ہٹایا، اس کے بعد کہ وہ قریب ہو چکی تھی حالانکہ بدلہ لینے والوں کے لئے قتل گاہیں واضح ہو چکی تھیں۔ ام غیلان نے بنو دوس کو صلح کی دعوت دی جس سے اس کی گھاٹیاں عزت و آبرو کے لئے بہہ پڑیں اور اس کے بالمقابل نالوں نے بھی ان کی تائید کی۔ اللہ تعالیٰ عمرو کو بھی جزا دے اس نے بھی کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا۔ میرے پاس اس کے جوڑے نہیں ہوئے تھے۔ میں نے اپنی تلوار سونت لی پھر اسے دستے سے پکڑ کر کھڑا ہو گیا اگر میں اپنے نفس کو بچانے کے لئے نہیں لڑوں گا تو پھر کس کے لئے لڑوں گا؟

ام غیلان کا عمل

ابن ہشام کہتے ہیں مجھے ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے کہ ضرار کی حفاظت ام جمیل نے کی تھی۔ اس کا نام ام غیلان بھی بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خونریزی روکنے کے لئے ام جمیل بھی ام غیلان کے شانہ بشانہ ہو۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو ان کے پاس ام جمیل آئی۔ اس کا گمان تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ضرار بن خطاب کے بھائی ہیں۔ جب اس نے ضرار کا نسب بیان کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمام واقعہ معلوم ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ

ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان آسانی سے مفلس کو قرض دینے پر راضی نہیں ہوتا اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرہ: ۲۷۹)

”اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔“

اسی وجہ سے جب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی لونڈی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان بیوع کے متعلق مسئلہ پوچھنے آئی جو سود کے مشابہ ہیں تو انہوں نے فرمایا۔ حضرت زید کا حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرنا باطل ہو چکا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے جہاد کے بطلان کا حکم فرمایا۔ ان کی نماز یا روزہ وغیرہ کے خاتمہ کا نہ فرمایا کیونکہ برائیاں نیکیوں کو ختم نہیں کرتیں مگر انہوں نے جہاد کو بطلان کے ساتھ مختص کیا کیونکہ جہاد اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ معرکہ آزمائی کا نام ہے اور سود خور اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کرتا ہے۔ یہ جہاد کی ضد ہے، دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ابوالحسن بن بطلان نے یہی معنی ذکر کیا ہے۔ یہ مسئلہ ”المدونۃ“ میں مذکور ہے لیکن اس کی نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ضعیف ہے۔

نے اس سے فرمایا ”میں صرف اسلام کے اعتبار سے ہی اس کا بھائی ہوں، وہ غازی ہے مجھے اس احسان کا علم ہے جو تو نے اس پر کیا۔“ آپ رضی اللہ عنہ نے ام جمیل کو مسافر ہونے کی حیثیت سے کچھ عطا فرمایا۔

ابن ہشام فرماتے ہیں ضرار غزوہ احد کے دن حضرت عمر بن خطاب سے ملا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو نیزے کا کنارہ مار کر کہنے لگا۔ ”اے ابن خطاب! بچو۔ میں آپ کو قتل نہیں کروں گا۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے اسلام لانے کے بعد اسے یہ واقعہ بتاتے تھے۔

حضور ﷺ کو ستانے والے

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل لوگ آپ ﷺ کو کاشانہ اقدس میں ستاتے تھے۔
 ۱۔ ابولہب۔ ۲۔ حکم بن عاص بن امیہ۔ ۳۔ عقبہ بن ابی معیط۔ ۴۔ عدی بن حراء الثقفی۔ ۵۔ ابن الاصداء الہذلی۔ یہ تمام حضور ﷺ کے پڑوسی تھے حکم بن ابی عاص کے علاوہ کسی کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ارزانی نہ ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ ﷺ مصروف نماز ہوتے تو ان میں سے ایک آپ ﷺ پر بکری کی رحم پھینک دیتا۔ جب آپ ﷺ کی ہنڈیا پک رہی ہوتی تو ان میں سے کوئی اس میں گندگی پھینک دیتا۔ حتیٰ کہ نبی محترم ﷺ نے ایک آڑ سی بنالی تھی جس میں آپ ﷺ ان سے چھپ کر نماز ادا فرماتے تھے۔ حضور ﷺ یہ تمام غلاظت اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدار حرم ﷺ اس غلاظت کو کسی چھڑی کے ساتھ اٹھاتے پھر پھینکنے والے کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے ”اے بنو عبد مناف! یہ کیسی ہمایگی ہے پھر آپ ﷺ اسے باہر پھینک دیتے۔“

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوطالب کا وصال

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت ابوطالب نے ایک ہی سال میں عالم فانی کو الوداع کہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر ملال کے بعد حضور ﷺ کو پے در پے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ وہ آپ ﷺ کی حقیقی غمگسار، خیر خواہ اور مشیرہ تھیں، مشکلات میں آپ ﷺ انہی سے مشورہ کرتے تھے، آپ ﷺ کے عم محترم بھی آپ ﷺ کے لئے پناہ گاہ اور قلعہ امن تھے۔ قریش کے خلاف وہ آپ ﷺ کے معاون و مددگار تھے۔ ہجرت مدینہ سے تین سال قبل یہ دونوں عظیم ہستیاں عالم بالا کو سدھار گئیں۔ حضرت ابوطالب کی

وفات حسرت آیات کے بعد حضور ﷺ نے قریش کی وہ اذیتیں برداشت کیں جو ان کی زندگی میں وہ جرأت نہ کر سکے۔ قریش کے احمقوں میں سے ایک احمق آپ ﷺ کو سرِ راہ ملا، اس نے آپ ﷺ کے سر اقدس پر مٹی پھینک دی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اس احمق نے سرورِ سرور ایں ﷺ کے سر مبارک پر مٹی بکھیری تو حضور ﷺ اسی حالت میں گھر تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے ایک انھیں اور آپ ﷺ کے سر مبارک کو دھونے لگیں، آنسو ان کی آنکھوں سے چھم چھم رواں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے میری نورِ نظر! مت رو! اللہ تعالیٰ تمہارے والد محترم ﷺ کا خود محافظ و نگران ہے۔“ آپ ﷺ فرماتے تھے ”حضرت ابوطالب کے وصال تک قریش میرے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کر سکے جو مجھے ناپسند ہو۔“

حضور ﷺ، ابوطالب اور مشرکین مکہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، جب حضرت ابوطالب مرضِ وصال میں مبتلا ہوئے، قریش کو ان کی اس کیفیت کا علم ہوا تو انہوں نے باہمی مشاورت کی، عمر اور حمزہ ایمان لا چکے ہیں، محمد عربی ﷺ کا مذہب تمام قریش میں پھیل چکا ہے آؤ ہم ابوطالب کے پاس جاتے ہیں، انہیں کہتے ہیں کہ اپنے بھتیجے سے کچھ لے، کچھ دے کر صلح کرادیں۔ قسم بخدا! ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم سے امارت بھی چھین لیں گے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، مجھے عباس بن عبد اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مندرجہ ذیل قریش کے سردار ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے بات چیت کی۔ ۱۔ عتبہ بن ربیعہ، ۲۔ شیبہ بن ربیعہ، ۳۔ ابو جہل بن ہشام، ۴۔ امیہ بن خلف، ۵۔ ابوسفیان بن حرب۔ انہوں نے کہا ”اے ابوطالب! آپ جانتے ہیں کہ آپ کی ہم میں حیثیت کیا ہے؟، آپ بھی عالم رنگ و بو کو الوادع کہہ رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے مابین معاملات کی نوعیت کیا ہے؟ آپ انہیں بلا لیں اور کچھ لے دے کر صلح کرادیں تاکہ وہ

حضرت ابوطالب کی وفات اور ان کی وصیت

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر حضرت ابوطالب کے ایمان کی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شہادت قبولِ اسلام کے بعد ہو تو وہ قبول ہوگی اور حضور ﷺ کے فرمان ”لَمْ أَسْمَعْ“ میں نے نہیں

ہم سے رک جائیں ہم ان سے باز آجائیں۔ وہ ہمیں اور ہمارے دین کو چھوڑ دیں اور ہم انہیں اور ان کے دین کو چھوڑ دیں۔“ حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کی طرف پیام بھیجا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو حضرت ابوطالب نے کہا ”اے محترم بھتیجے! یہ آپ ﷺ کی قوم کے سردار ہیں۔ یہ آپ ﷺ کے لئے جمع ہوئے ہیں تاکہ آپ ﷺ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر صلح کر لو۔“ رسول معظم ﷺ نے فرمایا۔ ”تم صرف ایک کلمہ کہہ دو تم اس سے عرب کے بھی بادشاہ بن جاؤ گے اور عجم کے شہنشاہ بھی۔“ ابوجہل نے کہا، ”آپ ﷺ کے والد محترم کی قسم! ضرور۔ ہم ایسے دس کلمات کہنے کے لئے بھی تیار ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہہ دو اور اللہ کے علاوہ معبودانِ باطلہ کو چھوڑ دو۔“ یہ سن کر سردارانِ قریش نے تعجب سے

سنا ”سنا“ سے رد نہیں ہوگی کیونکہ اگر ایک عادل گواہ کہے۔ ”سَمِعْتُ“ میں نے سنا ہے۔“ جو شخص جو اس سے اَعْدَل ہو وہ کہے۔ ”لَمْ أَسْمَعْ“ میں نے نہیں سنا تو سماع کو ثابت کرنے والے کے قول کو قبول کیا جائے گا کیونکہ سماعت نہ کرنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، جنہوں نے اسے سننے سے روک دیا ہو لیکن حضرت عباس کی یہ گواہی ان کے قبولِ اسلام سے پہلے کی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابوطالب کی وفات کفر و شرک پر ہوئی تھی یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (توبہ: ۱۱۳)

”نبی ﷺ اور ایمان والوں کے لئے نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں۔“

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کی بھرپور حمایت اور حفاظت کی۔ انہوں نے آپ ﷺ کی خاطر لوگوں کی ناراضگی مول لی کیا یہ چیز انہیں فائدہ دے گی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! میں نے انہیں آگ کی نختیوں میں پایا۔ میں انہیں نکال کر آگ کی سطح پر لے آیا۔“ حضرت ابوسعید سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”شاید روزِ حشر حضرت ابوطالب کو میری شفاعت فائدہ دے انہیں آگ کی سطح پر لے جایا جائے وہ آگ ان کے ٹخنوں تک ہوگی جس سے ان کا دماغ پگھل جائے گا۔“ دوسری روایت میں ہے کہ جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ ابن اسحاق کی روایت میں کچھ اضافہ ہے کہ اس آگ سے ان کا دماغ پگھل کر ان کے قدموں میں بہہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں غور و فکر کرنے سے حضرت ابو طالب کی جزاء اور ان کے عمل کے مابین مشاکلت نظر آتی ہے وہ یہ کہ حضرت ابوطالب پوری طرح حضور ﷺ کے ساتھ تھے صرف وہ حضرت عبدالمطلب کے دین پر ثابت قدم رہے۔ انہوں نے

ہاتھ مارے اور کہنے لگے۔ ”اے محمد! ﷺ کیا ہم اتنے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانیں یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے؟“ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا، ”یہ شخص تمہارا کوئی مطالبہ قبول نہیں کرے گا آؤ چلیں۔ تم اپنے دین پر پختہ رہو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ فرمادے۔“ پھر وہ جدا جدا ہو گئے۔

وصال کے وقت کہا، میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، عذاب اسی لئے ان کے قدموں پر مسلط کیا گیا کیونکہ وہی اپنے آباء کے مذہب پر تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم فرمائے۔

ابن اسحاق نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ... آپ ﷺ نے غزوہ احد کے دن فرمایا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ مولا! میری قوم کو معاف کر دے وہ کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت مشرکین نے آپ ﷺ کے رخِ زیبا کو مجروح کیا تھا۔ آپ ﷺ کے محترم چچا کو شہید کیا تھا، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شہادت کی رنگین قبازیب تن کی تھی۔ یہ تو درست نہیں کہ یہ آیت آپ ﷺ کے چچا کے متعلق غزوہ احد کے وقت نازل ہوئی جو ان کے بارے استغفار کرنے کی ناخ ہو کیونکہ حضرت ابوطالب اس غزوہ سے پہلے ہی مکہ مکرمہ میں انتقال کر چکے تھے۔ مقدم، متاخر کو منسوخ بھی نہیں کر سکتا پھر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ۱۔ آپ ﷺ کا اپنی قوم کے لئے استغفار کرنا ان کی شرک سے توبہ کے ساتھ مشروط تھا۔ گویا کہ آپ ﷺ نے دعا سے ارادہ فرمایا تھا کہ وہ توبہ کریں اور ان کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا جائے۔ یہ دوسری روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اس روایت کو ابن اسحاق نے لکھا ہے۔ ۲۔ یہ مغفرت ان کے لئے دنیا میں مسخ اور حسف جسے رسوا کن عذاب کو پھیر دے گی۔ ۳۔ ممکن ہے اس آیت کا نزول متاخر ہو، یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی جس سے مشرکین کے لئے استغفار کرنا منسوخ ہوا ہو اسی طرح ممکن ہے کہ اس کا سبب نزول مقدم اور اس کا نزول متاخر ہو۔ یہ آیت سورۃ البراءۃ کی ہے۔ سورۃ برآۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی اس طرح ممکن ہے کہ یہ تمام مشرکین کے لئے استغفار کی ناخ ہو۔ صحیح روایت میں ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابوطالب کی وفات کے وقت ان کے پاس آئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے میرے چچا آپ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں میں بارگاہ ربوبیت میں اس کی گواہی دوں گا“، ابو جہل اور ابن امیہ نے کہا ”اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے انحراف کر جاؤ گے۔“ ابوطالب نے کہا ”میں ملت عبدالمطلب پر ہی ہوں“۔ حدیث کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے

حضرت ابوطالب کا ایمان

اس کے بعد حضرت ابوطالب نے نبی اکرم ﷺ سے کہا ”اے میرے پیارے بھتیجے! قسم بخدا! آپ ﷺ نے ان سے کوئی غلط مطالبہ نہیں کیا“۔ جب حضرت ابوطالب نے یہ عرض کی تو حضور ﷺ کو ان کے ایمان کی امید پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ فرمانے لگے ”اے عم محترم! آپ

کہ ابوطالب کی وفات شرک پر ہوئی۔ علامہ مسعودی کی بعض کتب میں میں نے عبدالمطلب کے متعلق اختلاف دیکھا ہے۔ ایک قول کے مطابق وقتِ وصال آپ مسلمان تھے کیونکہ آپ نے حضور ﷺ کی نبوت کے بہت سے دلائل دیکھے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ توحید کے ساتھ ہی مبعوث ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ مسند البزار اور کتاب النسوی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، حضرت فاطمہ الزہراء انصار کے ایک فوت شدہ شخص کی تعزیت کے لئے گئیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ”شاید تم ان کے ہمراہ قبرستان تک گئی ہو“ عرض کی ”نہیں“۔ آپ نے فرمایا ”اگر تم ان کے ساتھ قبرستان جاتیں تو تم جنت نہ دیکھ سکتی، حتیٰ کہ تمہارے والد کا دادا اسے دیکھ لیتے“۔ ابوداؤد نے بھی اسے روایت کیا ہے انہوں نے حتیٰ يَدْخُلَهَا جَذُّ أَبِيكَ (حتیٰ کہ تمہارے والد محترم کا دادا اسے دیکھ لے) روایت نہیں کیا۔ اسی طرح اس میں مَا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ کے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”جَذُّ أَبِيكَ“ فرمایا جَذُّك نہیں فرمایا کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ کیا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی لخت جگر کو اس قول سے صرف ڈرایا ہو۔ جس سے یہ وہم پیدا ہو گیا ہو کہ آپ کے جد امجد کافر تھے حالانکہ آپ ﷺ کے اجداد میں سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام بھی ہیں۔ آپ ﷺ کا قول حق ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ان کے ساتھ ”کُذِيَ“ میں جانے میں یہ اشارہ نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا آگ میں جائیں گی۔ (نعوذ باللہ منہ) ہشام بن سائب سے روایت ہے کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو تمام قریش ان کے پاس جمع ہو گئے، آپ نے انہیں وصیت کی آپ نے کہا۔

”اے معشر قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں سے منتخب کر لیا ہے تم سارے عرب کا دل ہو۔ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کر لی ہیں۔ شرف و عزت کے تمام مدارج تم نے پائے ہیں، انہی گونا گوں خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوئی ہے۔ میں تمہیں اس مکان (بیت اللہ الحرام) کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی

ہی وہ کلمہ کہہ لیجئے۔ میں روزِ حشر آپ کی شفاعت کروں گا“ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ اشتیاق دیکھ کر انہوں نے کہا ”اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ میرے بعد آپ کو اور آپ کے بھائیوں کو مطعون کریں گے اور مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے کلمہ فقط موت کے خوف سے پڑھا ہے تو میں ضرور کلمہ پڑھ لیتا۔ میں یہ کلمہ صرف آپ ﷺ کی خوشی اور مسرت کے لئے پڑھتا“۔ جب حضرت ابوطالب پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا وہ اپنے ہونٹ ہلا رہے تھے۔ وہ فرماتے ہیں، ”میں نے اپنے کان ان کے قریب کئے اور کہا اے میرے بھتیجے! قسم بخدا! میرے برادرِ محترم نے وہ کلمہ کہا جس کے کہنے کا آپ ﷺ نے ابھی انہیں حکم دیا ہے“ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں نے نہیں سنا“۔

ہے اور اسی پر تمہاری معاش کا دار و مدار ہے اور اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے، قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا، قطع رحمی سے باز رہنا کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت و سرکشی کو ترک کر دینا کیونکہ اسی وجہ سے پہلے تو میں ہلاک ہوئیں۔ جو دعوت دے اس کی دعوت کو قبول کرنا، سائل کو خالی نہ لوٹانا کیونکہ اسی میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔ سچ بولنا، امانت میں خیانت نہ کرنا ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور عوام کے دلوں میں عزت جاگزیں ہوتی ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ سارے قبیلے میں سے وہ ”الامین“ کے لقب سے ملقب ہیں اور سارے اہل عرب انہیں ”الصدیق“ کہتے ہیں جن خصالِ حمیدہ کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ ان تمام کے جامع ہیں۔ قسم بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں اور ناداروں نے، دور دراز علاقوں کے مکیوں نے اور کمزور اور ضعیف لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ ان کے دین کی تعظیم کی ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں، ان کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں، عرب کے سارے لوگ ان کے ساتھ دلی محبت کرنے لگے ہیں۔ اپنے دلوں کو انہوں نے ان کی محبت و عقیدت کے لئے مخصوص کر لیا ہے اور اپنی زمامِ قیادت ان کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اے گروہِ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ۔ جنگوں میں ان کے حامی اور ناصر بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو شخص ان کی راہ پر چلے گا ہدایت پائے گا جو ان کے دین کو قبول کر لے گا وہ نیک بخت ہو جائے گا۔ اگر میری زندگی میں گنجائش ہوتی اور میری موت میں تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں ان کی مدد کرتا اور مصائب و آلام سے ان کا دفاع کرتا“ اس کے بعد آپ کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔

حضرت ابوطالب کے پاس حضور ﷺ سے عہد لینے والوں کے متعلقہ آیات کا نزول ابن اسحاق کہتے ہیں جب سردارانِ قریش ابوطالب کے پاس جمع ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں کلمہ پڑھنے کے لئے کہا اور انہوں نے انکار کر دیا اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

ص وَالْقُدَانِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ۝ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَُوا وَلَا تَجِئْ بِمَنَاصِرٍ ۝ وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ ۝ وَقَالَ الْكَاذِبُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝ أَجَعَلَ الْإِلَهَةَ الْهَآؤَاحِدًا ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنْ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ ۚ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ۚ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ (ص)

”اس نامور قرآن کی قسم! بلکہ کافر تکبر اور خلاف میں ہیں ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپائیں تو اب وہ پکاریں اور چھوٹنے کا وقت نہ تھا اور انہیں اس کا اچنبھا ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں کا ایک ڈر سنانے والا تشریف لایا اور کافر بولے یہ جادو گر ہے بڑا جھوٹا، کیا اس نے بہت خداؤں کا ایک خدا کر دیا؟ بے شک یہ عجیب بات ہے اور ان میں کے سردار چلے کہ اس کے پاس سے چل دو اور اپنے خداؤں پر صابر رہو بے شک اس میں اس کا کوئی مطلب ہے یہ تو ہم نے سب سے پچھلے دین نصرانیت میں بھی نہیں سنا۔“

أَنْ امْشُوا

بعض اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ امشوا، المشاء سے مشتق ہے یہ المشی سے مشتق نہیں ہے۔ المشاء کا معنی مال میں اضافہ اور زیادتی ہے کہا جاتا ہے مشی الرجل وامشى۔ آدمی کے مال میں اضافہ ہو گیا، شاعر کہتا ہے۔

وَ كُلُّ فَتًى وَ اِنْ اَمْشَى وَ اَثَرَى سَتُخْلِجُهُ عَنِ الدُّنْيَا مَنْوُنٌ
”اگر جوان، خواہ کتنا ہی مالدار اور ثروت مند بن جائے اس کی خواہشات اسے دنیا سے نکال دیں گی۔“ زاجر کہتا ہے۔ وَالشَّاءُ لَا تَمْشِي عَلَى الْهَمَلِ۔ بکری بھیڑ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ خطابي کہتے ہیں گویا کہ سردارانِ مکہ نے ارادہ کیا تھا کہ ان کے معبودانِ باطلہ پر صبر میں برکت اور اضافہ ہو لیکن اسے ”المشی“ سے مشتق ماننا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ کا وصال پر ملال

علامہ زبیر نے بیان کیا ہے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر نزع کا عالم تھا تو حضور ﷺ

ملت آخرہ سے مراد عیسائی ہیں کیونکہ وہ بھی کہتے تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ۔ ”اللہ تین خداؤں میں تیسرا ہے۔“ اِنْ هٰذَا اِلَّا اَخْتِلَافٌ (ص: ۷) ”نہ سنی یہ تو نری نئی گھڑت ہے۔“

ان کے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ نے فرمایا ”اے خدیجہ! کیا تم اپنی اس حالت کو ناپسند کرتی ہو، اللہ تعالیٰ نے اسی ناپسندیدگی میں بہت خیر و برکت رکھ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ جنت میں تمہارے ساتھ ساتھ، مریم بنت عمران، کلثوم اخت موسیٰ اور آسیہ امراۃ فرعون بھی میری زوجیت میں ہوں گی۔“ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ خبر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں۔“ انہوں نے عرض کی ”مکمل اتفاق اور رضا مندی ہے۔“ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت کا انگور کھلایا۔

حضور ﷺ کا سفر طائف

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد حضور ﷺ کو کفارِ قریش سے ان مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا جن کی ابوطالب کی زندگی میں وہ جرأت نہ کر سکے۔ اس وقت حضور ﷺ طائف تشریف لے گئے تاکہ بنو ثقیف سے کچھ نصرت طلب کی جاسکے اور ان کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے دفاع کر سکیں۔ آپ ﷺ کو امید تھی کہ شاید اہل طائف ہی اللہ تعالیٰ کا پیغام قبول کریں۔ آپ ﷺ تنہا ہی طائف تشریف لے گئے۔

بنو ثقیف کو تبلیغ

ابن اسحاق کہتے ہیں، ”محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ ہادی حق ﷺ طائف پہنچ کر سب سے پہلے بنو ثقیف کے سرداروں کے پاس گئے اس وقت ان کے چیدہ سردار اور اشراف تین بھائی تھے جن کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ عبد یلیل بن عمرو بن عمیر۔ ۲۔ مسعود بن عمرو بن عمیر اور ۳۔ حبیب بن عمرو بن عمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف۔ ان میں سے ایک کی زوجیت میں قریش کی شاخ بنو جحج کی ایک عورت تھی۔ مبلغ اعظم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور انہیں فرمایا تاکہ وہ اسلام کی نصرت و تائید کے علمبردار بن جائیں۔ آپ ﷺ کے مخالفین کے سامنے ڈٹ جائیں، ان میں سے ایک نے گستاخی کرتے ہوئے کہا، ”اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں غلافِ کعبہ کو پارہ پارہ کر دوں گا۔“ دوسرے نے بے ادبی کرتے ہوئے بکواس کیا۔ ”کیا اللہ تعالیٰ کو آپ کے علاوہ کوئی شخص نہیں ملا جس کو وہ رسول بنا کر بھیجتا؟“ تیسرے نے کہا۔ ”بخدا! میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گا۔ اگر آپ واقعی ہی اللہ کی طرف سے رسول ہیں جس طرح آپ فرما رہے ہیں تو پھر

ہادی حق ﷺ کا سفر طائف

ہم عنقریب بیان کریں گے کہ اس شہر کا نام طائف کیوں رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرموت کا ایک شخص یہاں آیا۔ اس نے اس کے باشندوں سے کہا ”کیا میں تمہارے لئے ایسی دیوار نہ بنا دوں جو تمہارے پورے شہر کو محیط ہو؟“ پھر اس نے وہ دیوار تعمیر کر دی۔ اسی وجہ سے اس کا نام طائف پڑ گیا اور بھی بہت سے اسباب ہیں جن کا ذکر ہم انشاء اللہ عنقریب کریں گے۔

آپ کی شان اس سے بلند ہے کہ میں آپ کی بات کا جواب دوں۔ اور اگر آپ نے اللہ تعالیٰ سے جھوٹ منسوب کیا ہے تو پھر بھی مجھے آپ سے گفتگو نہیں کرنا چاہئے۔“ حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے، آپ بنو ثقیف کی بھلائی سے مایوس تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ”تم نے میرے ساتھ جو سلوک کرنا تھا کر لیا ہے، اب اسے پوشیدہ رکھنا۔“ آپ ﷺ نے نا پسند کیا کہ اس برے سلوک کی خبر آپ ﷺ کی قوم تک پہنچ جائے۔ فَيَذَرُهُمْ ذَالِكَ عَلَيْهِ۔ اس سے ان کی بغاوت و سرکشی میں اضافہ ہو۔ ابن ہشام کہتے ہیں۔ عبید بن ابرص کا شعر ہے۔

وَلَقَدْ آتَانِي عَنْ تَيْمٍ أَنَّهُمْ ذَرُّوا لِقَتْلِي عَامِرٍ وَ تَعَصَّبُوا

فَيَذَرُهَا عَلَيْهِ

ابن ہشام نے اس کا معنی ظاہر کرنے کے لئے عبید کا شعر ذکر کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی محترم ﷺ نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا تو فرمایا، ذَنِيْرُ النِّسَاءِ عَلَى اَزْوَاجِهِنَّ۔ ابو عبید نے اس کا معنی عورتوں کا خاوندوں کی نافرمانی کرنا بیان کیا ہے۔

حضور ﷺ پر جور و ستم

موسیٰ بن عقبہ نے حضور ﷺ پر ڈھائے جانے والے ستم میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جہاں سے مصطفیٰ ﷺ نے گزرتا تھا اہل طائف وہاں دورو یہ صفیں بنالیں۔ جب آپ قدم مبارک اٹھاتے تو ظالم آپ ﷺ کے ٹخنوں پر پتھروں کی بارش کر دیتے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک خون سے رنگین ہو گئے۔ علامہ التیمی نے یہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے جب آپ ﷺ کو پتھر لگتا آپ ﷺ زمین پر بیٹھ جاتے۔ ظالم آپ ﷺ کے بازوؤں سے پکڑ کر آپ کو اٹھاتے، جب آپ ﷺ قدم بڑھاتے تو وہ پتھر برسانے لگتے اور مذاق اڑاتے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ عتبہ اور شیبہ کے باغ میں پہنچ گئے۔

إِلَى ظِلِّ حَبَلَةٍ

حَبَلَةٌ کا معنی انگور کی بیل ہے، یہ حَبَلٌ سے مشتق ہے کیونکہ بیل نے انگوروں کو اٹھا رکھا ہوتا ہے۔ اسی لئے درخت اور کھجور کے پھل کو ”حَبْلٌ“ کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے عورت کے حمل سے تشبیہ دی گئی ہے، اسے حَبْلٌ بھی کہا جاتا ہے اسے حَبْلٌ (بوجھ) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بعض علماء نے اسے حَبَلَةٌ کہا ہے لیکن یہ معروف نہیں ہے۔ ابوالحسن بن کیسان نے ”نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ حَبْلِ الْحَبَلَةِ“ کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس سے مراد انگور کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا ہے۔

بنو تمیم کی طرف سے مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ عامر کے قتل پر اکسار ہے ہیں اور تعصب کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

لیکن انہوں نے اپنے اس برے رویے کو پوشیدہ نہ رکھا، انہوں نے اپنے بے وقوفوں اور غلاموں کو ترغیب دی۔ وہ نئی دو جہاں ﷺ پر دشنام طرازی کرنے لگے۔ وہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے شور مچاتے حتیٰ کہ بہت سے لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے پھر آپ ﷺ عتبہ

جس طرح دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے کھجور کے درست ظاہر ہونے سے پہلے اس کی بیج سے منع فرمایا ہے لیکن یہ قول غریب ہے اس حدیث کی تاویل میں کسی نے یہ نقطہ نظر اختیار نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی کہ وہ زمینیں جو ان کے عہد خلافت میں مفتوح ہوئی ہیں، انہیں ان لوگوں کو مابین تقسیم کر دیا جائے جنہوں نے یہ فتح کی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وَاللّٰہِ لَا دَعْنَہَا حَتّٰی یُجَاحِدَ بِہَا حَبْلُ الْحَبَلَةِ۔ تم بخدا میں اسے چھوڑ دوں گا حتیٰ کہ اس کی آنے والی نسلیں جہاد کریں گی۔ اس قول کو ابو عبید نے ”کتاب الاموال“ میں ذکر کیا ہے۔ ابوالحسن کا ”حَبْلُ الْحَبَلَةِ“ کے متعلق قول علامہ یعقوب کی کتاب ”الالفاظ“ میں ہے۔ حَبَلٌ تاء کے دخول کی وجہ کیا ہے؟ علماء کو اس میں تردد ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق بہت سے اقوال کئے ہیں جو لغو ہیں۔ بعض کہتے ہیں ”حبلۃ“ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قوت گویائی نہیں ہوتی یا اس لئے کہ یہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ”قوت جمع کے لئے ہے۔ بعض اسے مہلختہ کے لئے بتاتے ہیں لیکن یہ تمام اقوال ”حَبْلُ الْحَبَلَةِ“ کے مخالف ہیں کیونکہ ان دونوں الفاظ میں سے صرف ایک پر ہی تاء داخل ہوئی ہے، جنہوں نے اسے ”بھیمہ“ قوت گویائی سے محروم کے معنی میں کیا ہے، یہ حضرت عمر کے اس واقعہ سے باطل ہو جاتا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ حَبْلُ جب تک حَبْلُ ہوتا ہے اس کی تذکیر و تانیث معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اسے حَبْلُ کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ مگر جب کوئی چیز مؤنث ہو اور وہ حاملہ ہونے کی عمر کو پہنچ جائے اور حاملہ ہو جائے تو پھر اس حَبْلُ کی بیج سے منع کیا گیا ہے۔ پہلی مؤنث کی تانیث ولادت کے بعد معلوم ہو گئی اس لئے اسے حَبَلَةٌ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جنینہ کے اس حمل کی بیج سے منع کیا گیا ہے جو خود حاملہ ہے اور اس کی پہچان نہیں کہ وہ کیا ہے اور وضع حمل کے بعد اس کی پہچان ہوئی۔ انسانوں کی بھی یہی صورت حال ہے جبکہ اس کی اس پہچان کے بعد ہی کہا جائے گا کہ وہ مؤنث ہے اور جبکہ دوسرا حمل ہوگا کیونکہ پہلی مؤنث حاملہ ہونے سے پہلے بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ اسے دِ خَلٰی وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ جب یہ حاملہ ہو جاتی ہے تو اس سے حمل کا لفظ زائل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کے حمل کا ذکر کیا

بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پہنچ گئے۔ فَعَبِدَ إِلَى ظِلِّ مَنْ عَنَبَ۔ آپ ﷺ انگور کی بیل کے سایہ میں رونق افروز ہو گئے۔ ربیعہ کے دو بیٹے آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے اور اس برے سلوک کو بھی دیکھ رہے تھے جو اہل طائف کے احمق آپ ﷺ سے کر رہے تھے۔ حضور ﷺ بنو حنظلہ کی اس خاتون سے ملے جس کی شادی بنو ثقیف میں ہوئی تھی اور فرمایا ”ہمیں تیرے سرال سے کیسے برے رویہ کا سامنا کرنا پڑا“۔

حضور ﷺ کی پرسوز دعا

جب حضور ﷺ کو قدرے اطمینان ملا تو آپ ﷺ بارگاہِ ربوبیت میں یوں دعا گو

گیا ہے اور اسے اس کی پہلی حالت کے ساتھ ملایا گیا ہے جس میں حمل تھی اور ”تاء تانیث“ سے دونوں میں فرق کیا گیا ہے اور اس لفظ کو مخصوص کیا گیا ہے جو تانیث کے لئے ہے حالانکہ اس کے متعلق یہ علم نہیں کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث۔ یہ ایک قریبی معنی تھا اور آسان ماخذ تھا اور اتنی طوالت کا محتاج ہی نہ تھا مگر فصیح کلام کی تخلیط کی وجہ سے ہمیں یہ شرح کرنا پڑی جس کا ذکر پہلے ہو گیا ہے اور جسے ایک فصاحت و بلاغت کا ماہر ہی عیاں کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نور اور وجہ

حضور ﷺ نے اپنی پرسوز دعا میں التجاء کی۔ مولا! تیری ذات کے نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں، یہاں نور، وجہ اور تاریکیوں کے روشن ہونے سے کیا مراد ہے؟ قرآن وحدیث میں جہاں جہاں وجہ کا لفظ مذکور ہے یہ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ کسی عمل سے حصولِ رضا اور تقرب کیلئے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (الکہف: ۲۸) وہ اس کی رضا کے حصول کا ارادہ کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى (اللیل) ”صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے“ اس مقام پر وجہ رضا کا حصول اور عمل کی قبولیت مراد ہے، عبادت گزار بندے پر کرم کی نظر مقصود ہے۔ یہ اس معنی سے ہے کہ وہ تجھ سے راضی ہے اور اس کی توجہ تیری طرف ہے یا وہ تجھ پر ناراض ہے اور تجھ سے روگرداں ہے اور اس نے تجھے اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔ یہاں وَجْهَكَ کا معنی رضا اور قبولیت ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ صرف کلام میں تاکید پیدا کرتا ہے لیکن ان کا یہ قول درست نہیں ہے۔ یہ اس شخص کا قول ہے جس کی طبیعت میں سختی ہو اور جس کا دل عجمیت کی وجہ سے بلاغت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ ابو عبیدہ اور ان کے مقلدین کہتے ہیں۔

ہوئے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْكُو إِلَيْكَ ضَعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيلَتِي وَهُوَ إِنِّي عَلَى النَّاسِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ وَأَنْتَ رَبِّي إِلَى مَنْ تَكْلِنِي إِلَى بَعِيدٍ يَتَجَهَّنِي أَوْ إِلَى عَدُوِّ مَلَكَتَهُ أَمْرِي إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِي وَلَكِنْ عَافِيَتَكَ أَوْسَعُ لِي أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَدَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ تَنْزِلَ بِي غَضَبُكَ أَوْ يُحِلَّ عَلَيَّ سُخْطَكَ لَكَ الْعُتْبَى حَتَّى تَرْضَى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ۔

بِیَقَی وَجْهَ رَبِّكَ۔ ”باقی ہے تمہارے رب کی ذات“ کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کا رب باقی رہے گا۔
 کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ“ (القصص: ۸۸) ”اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔“
 میں بھی ”وَجْهَهُ“ سے مراد اس کی ذات ہے۔ ان کے نزدیک یہ کلمہ صرف تاکید کے لئے ہے حالانکہ یہ کتاب حکیم ہے اس کا کوئی کلمہ بھی حکمت سے خالی کیسے ہو سکتا ہے۔ ”وجہ“ کو ذکر کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت پنہاں ہے۔ ”وَجْهَهُ“ یہاں اپنے دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے اس کا معنی اس کے جلال و مجد کی صفات میں سے قلوب و بصار کے لئے ظاہر ہونے والی صفات ہیں۔ لغت میں ”وَجْهَهُ“ کسی چیز کے ظاہر کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ چیز محسوس ہو یا معقول۔ کہا جاتا ہے هَذَا وَجْهُ الْمَسْئَلَةِ۔ یہ اس مسئلہ کا ظاہر ہے۔ ”هَذَا وَجْهُ الْحَدِيثِ“ یہ حدیث کا ظاہر ہے اسی طرح کپڑے کا ”وجہ“ وہ ہوتا ہے جو انسان کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ بصار اللہ تعالیٰ کے اوصاف کا احاطہ نہیں کر سکتے ان اوصاف میں سے ظاہر ہونے والا حصہ پوشیدہ حصہ سے انتہائی قلیل ہوتا ہے وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اسی طرح جب اہل جنت، جنت میں اس کے ”وجہ“ (چہرے) کی طرف دیکھیں گے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کے اس جلال کو دیکھیں گے جو تجلی ذات کے وقت ان کے لئے ظاہر ہو گا۔ اور اس سے حجاب اٹھا دیا جائے گا، وہ اس سے زیادہ جلال خداوندی کا ادراک نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
 کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۖ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (الرحمن) ”زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات بزرگی اور عظمت والی“۔ جب آسمان اور زمین اس کی قدرت و سلطنت کا مظہر ہیں، اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کا فناء ہونا اس کے اس جلال کو فناء نہیں کر سکتا جو اس کی اس سلطنت سے ظاہر ہوا اور بصار نے ان کا مشاہدہ کیا وہ جلال ان کی تخلیق سے پہلے بھی دیکھا تھا وہ ان کے فناء کے بعد بھی رہے گا۔ جس طرح کہ وہ قدیم تھا۔ وہ ذوالجلال والا کرام ہے۔ حضرت

مولا! میں اپنی طاقت کی کمزوری اور عمل کی قوت کی کمی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو میرا بھی رب ہے تو مجھے کس کس کے حوالے کرتا ہے؟ ایسے دور کے حوالے کرتا ہے جو ترش روئی سے میرے ساتھ سلوک کرتا ہے کیا تو نے میری قسمت کا مالک کسی دشمن کو بنا دیا ہے؟ اگر تو مجھ پر ناراض نہ ہو تو پھر مجھے ان تکلیفوں کی کوئی پرواہ نہیں پھر بھی تیری طرف سے عافیت اور سلامتی میرے لئے زیادہ دل کشا ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے نور کے ساتھ جس سے تاریکیاں روشن ہو

حسن فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے۔ ”اس نے دلکش تجلی ڈالی اور اسے جسے چاہا اپنے ”وجہ“ کی طرف دیکھنے کا اعزاز بخشا۔“

”وجہ“ سے اشعریہ نے وہی معنی مراد لیا ہے جو انہوں نے عین (آنکھ) اور یذ (ہاتھ) کا مراد لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی صفات ہیں جنہیں عقل کی رو سے نہیں جانا جاسکتا اور نہ ہی شرع کے اعتبار سے اسے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس نقطہ نظر میں بھی عجمیت کی بو ہے قرآن پاک تو عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔ اہل عرب نے اپنی زبان میں نزول ہونے کی وجہ سے اسے سمجھا۔ ان کی لغت میں یہ کہیں نہیں کہ وجہ ایک صفت ہے۔ اہل عرب میں سے کسی مشرک و کافر کو ان آیات کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی کیونکہ مؤمن کو اپنے عقیدہ پر شک یا تشبیہ کا کوئی خوف نہ تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی حضور ﷺ سے ان آیات کا معنی نہ پوچھا جو عوام الناس کے نزدیک آج بڑی مشکل ہیں اور نہ ہی کسی کافر نے ان کے متعلق جھگڑایا مجادلہ کیا جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کیا۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ (الانبياء: ۹۸) ”بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو۔“ ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق میں سے کسی چیز سے تشبیہ دیتے ہیں پھر اس کے لئے ہاتھ اور چہرہ ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں ایسی آیات میں کوئی دقت نہ تھی۔ وہ بغیر کسی تشبیہ کے ان کے معانی سمجھتے تھے۔ انہوں نے کلام کی عمدگی اور استعارہ کی خوبصورتی سے ہی سمجھ لیا کہ یہ کلام معجز ہے انہوں نے اس میں کوئی جھگڑا نہ کیا، ہم نے ”عین اور یدین“ کے معنی میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے وہاں سے دیکھا جاسکتا ہے۔

النور۔ نور سے مراد ظہور اور حقائق الہیہ کا انکشاف ہے، اسی سے ہی تاریکیاں دور ہوئیں یعنی اس نور سے وہ قلوب منور ہو گئے جو جہالت اور شکوک کی ظلمتوں میں تھے وہ دل اللہ کے نور سے منور ہو گئے۔ ”مَثَلُ نُورٍ“ کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مؤمن کے دل میں اس کا نور مشکوٰۃ

جاتی ہیں۔ دنیا و آخرت کے کام سنور جاتے ہیں کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے اور مجھ پر اپنی ناراضگی اتارے میں تیری رضا طلب کرتا رہوں گا، حتیٰ کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ تیری ذات کے علاوہ میرے پاس کوئی طاقت و قوت نہیں ہے۔

جب عتبہ اور شیبہ نے اہل طائف کا یہ وحشیانہ سلوک دیکھا تو انہیں ترس آیا، انہوں نے اپنے نصرانی غلام کو بلایا اس غلام کا نام عداس تھا، انہوں نے اس سے کہا انگوروں کا ایک گچھا لو۔ اسے طشت میں رکھو پھر اسے اس شخص پاس لے جاؤ اور اسے کھانے کے لئے عرض کرو۔ عداس نے انگور

(چراغ) کی طرح ہے۔ وہ نور ایمان اور معرفت کا نور ہے جو ہر ظلمت اور شک کو کافور کرتا ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں مشکوٰۃ سے مراد مومن کا فہم و ادراک، ”مصبح“ سے اس کی زبان اور ”الزجاجۃ“ سے مراد اس کا سینہ یا دل ہے یا اس سے مراد قلب مصطفیٰ ﷺ ہے آپ ﷺ نے عرض کی اَعُوذُ بِنُورٍ وَجْهِكَ۔ اگر آپ ﷺ بنورِ کَ فرماتے تو کیا ہی اچھا ہوتا لیکن آپ ﷺ نے اس نور سے تو سل پکڑا جو آپ ﷺ کے قلب انور میں ودیعت کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے لئے نعمت الہیہ اور اس کے فضل و کرم کے لئے اس کے فضل و کرم کا وسیلہ پکڑا۔ ممکن ہے کہ یہاں ظلمات سے مراد محسوسہ ظلمات ہوں اور اسی طرح انوار سے مراد انوار محسوسہ ہوں۔ ان سب کی دلالت اسی پر ہے وہ نور انور ہے۔ ظلمات کو منور کرنے والا بھی اسی کا مظہر ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی راہ نمائی میں ہی اسے درخشاں بناتا ہے۔

عداس۔ اس واقعہ میں ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ مشرک کا ہدیہ قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں، اس سے ہدیہ لے کر اسے کھا لینا چاہئے۔ اس مسئلہ کا تفصیلی بیان عنقریب آئے گا۔ علامہ تمیمی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ عداس نے جب حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا تذکرہ سنا تو اس نے کہا بخدا! جب میں نینوی سے نکلا تو وہاں کے دس افراد بھی متی کو نہیں جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں کہاں سے جان لیا حالانکہ آپ ﷺ امی ہیں اور آپ ﷺ کی قوم بھی ان پڑھ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے میں بھی نبی ہوں“۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب عداس کے سرداروں نے غزوہ بدر کے لئے جانا چاہا تو انہوں نے عداس کو بھی اپنے ساتھ جانے کے لئے کہا اس نے کہا ”کیا تم اس شخص سے جنگ لڑنے کے لئے جا رہے ہو جس کی زیارت میں نے تمہارے باغ میں کی تھی۔ قسم بخدا! اس کے سامنے تو پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے؟“ کہا جاتا ہے کہ عتبہ اور شیبہ نے کہا ”عداس! انہوں نے اپنی زبان سے تجھے مسحور کر دیا ہے۔“

توڑ کر رے میں رکھے پھر انہیں نبی محترم ﷺ کے حضور لے گیا، حضور ﷺ نے کھانے کیلئے ہاتھ بڑھایا اور زبانِ اقدس سے فرمایا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پھر تناول فرمانا شروع کیا۔ عداس نے آپ ﷺ کی طلعتِ زیبا کی طرف دیکھا پھر کہا ”قسم بخدا! ان شہروں کے لوگ کھانا کھاتے وقت یہ کلام نہیں پڑھتے“۔ حضور ﷺ نے اس سے پوچھا ”اے عداس! تیرا تعلق کس علاقے سے ہے اور تیرا دین کیا ہے؟“ اس نے عرض کی ”میں نصرانی ہوں اور میرا تعلق اہلِ نینوی سے ہے“، آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تیرا تعلق پاکباز مرد حضرت یونس بن متی علیہ السلام کی بستی سے ہے؟“ عداس نے عرض کی حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو آپ ﷺ کیسے جانتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے میں بھی نبی ہوں“۔ یہ سن کر عداس جھکا اور حضور ﷺ کا سر مبارک، دست اقدس اور قدم مبارک چومنے لگا۔ ربیعہ کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اس شخص نے تو تیرے غلام کو بھی خراب کر دیا ہے جب عداس ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا ”عداس! تیرے لئے ہلاکت ہو تو اس شخص کے ہاتھ، پاؤں اور سر کو کیوں چومنے لگا تھا“۔ عداس نے کہا ”میرے سردار! اس وقت روئے زمین پر ان سے افضل ہستی اور کوئی نہیں ہے، انہوں نے مجھے اس چیز کی خبر دی ہے جسے صرف نبی ہی جان سکتا ہے“۔ انہوں نے کہا ”عداس! وہ تجھے تیرے دین سے منحرف نہ کر دے، تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے“۔

جب نبی اکرم ﷺ کو اہل طائف سے اس وحشیانہ سلوک کا سامنا کرنا پڑا اور آپ ﷺ نے وہ رقت آمیز دعا فرمائی جو پہلے گزر چکی ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ بھی تھا۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی کیا ”آپ ﷺ پر غزوہٴ احد کے دن سے بھی مشکل دن گزرا ہے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”جب میں طائف گیا وہ دن مجھ پر اس دن سے کہیں شدید تھا۔ میں نے ابن عبد یلیل بن عبد کلال کو اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے میری دعوت قبول نہ کی۔ میں مغموں و خزین واپس آنے لگا۔ جب میں ”قرنِ ثعالب“ کے مقام پر پہنچا تو میں نے اوپر سر اٹھایا مجھے اپنے اوپر ایک بادل سایہ فگن نظر آیا میں نے دیکھا اس میں حضرت جبرائیل تھے۔ انہوں نے کہا ”اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی قوم کی گستاخانہ باتیں سن لی ہیں۔ اس نے ان کے بے ادبانہ جوابات بھی سن لئے ہیں۔ اس نے آپ ﷺ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ یہ آپ ﷺ کا ہر حکم بجالائے گا“۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے صدا دی، مجھے سلام عرض کیا اور کہا ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

نصیبین کے جنات

حضور ﷺ بنو ثقیف سے مایوس ہو کر مکہ معظمہ واپس آرہے تھے۔ آپ ﷺ مقام نخلہ پر پہنچے تو نصف شب کو آپ ﷺ کھڑے ہو کر نماز ادا فرمانے لگے۔ اسی اثناء میں جنات کا ایک گروہ آپ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ وہ نصیبین کے جن تھے ان کی تعداد سات تھی۔ انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت سنی جب آپ ﷺ قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو وہ

آپ ﷺ کو اختیار ہے اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو میں یہ دو پہاڑ ان پر گرا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو خدائے یکتا کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔“

نصیبین کے جنات

ان جنات کے متعلق ہم نے کافی تفصیلات پہلے ذکر کر دی ہیں۔ ہم نے وہاں ان جنات کے نام بھی لکھے تھے۔ شام کے ایک شہر کا نام نصیبین ہے۔ حضور ﷺ نے اس شہر کی تعریف فرمائی ہے۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”نصیبین کا شہر اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا گیا میں نے اس شہر کا مشاہدہ کیا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ اس کے دریاؤں کا پانی شیریں، اس کے درختوں کو سرسبز و شاداب اور اس کے پھلوں کو عمدہ بنادے۔“ دوسری روایت میں ہے۔ ”اس کے پھلوں کو زیادہ کر دے۔“

ابن درید نے ان جنات کے نام یہ لکھے ہیں۔ ۱۔ منشی، ۲۔ ماشی، ۳۔ شامر، ۴۔ مامر، ۵۔ احقب۔ انہوں نے صرف یہی نام لکھے ہیں۔ ہم نے پہلے ان تمام کے اسماء ذکر کر دیئے ہیں۔ صحیح روایت میں ہے کہ جنات نے ”لیلۃ الجن“ کو حضور ﷺ سے ایک درخت کے متعلق اذن طلب کیا تھا انہوں نے آپ ﷺ سے اپنی خوراک کے متعلق عرض کیا، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا ”ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور وہ ان کے ہاتھ آجائے وہ ان کی خوراک ہوگی۔ اس ہڈی پر گوشت چڑھ جائے گا اور ہر قسم کی میٹگنیاں ان کے جانوروں کا چارہ ہوں گی“ ابن سلام نے اپنی تفسیر میں اضافہ کیا ہے کہ میٹگنیاں ان کے جانوروں کے لئے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے ہڈی اور لید سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔“ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ کُلُّ عَظْمٍ ذُکِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْہِ۔ ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو لیکن ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے۔ کُلُّ عَظْمٍ لَمْ یُذْکَرْ عَلَیْہِ اسْمُ اللّٰهِ۔ ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ

اپنی قوم کو ڈرانے والے بن کر چلے گئے وہ ایمان لے آئے تھے اور آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو ان آیات میں بیان کیا ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (احقاف: ۲۹)

”اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو۔ آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے“ کہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سنا تے ہوئے انہوں نے جا کر کہا۔ اے ہماری قوم ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے (موسیٰ علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی راہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف اے ہماری قوم قبول کر لو، اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اس پر ایمان لے آؤ۔“

لیا گیا ہو۔ اکثر احادیث ابوداؤد کی روایت کردہ حدیث کے موافق ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مسلم کی روایت مؤمن جنات اور دوسری روایت کافر جنات کے لئے ہے۔ یہ قول درست ہے صحیح حدیث اسی کی تائید کرتی ہے۔ اس حدیث میں اس شخص کا بھی رد ہے جو کہتا ہے جنات کھاتے پیتے نہیں ہیں، انہوں نے حضور ﷺ کے اس فرمان کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَ يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔ جنات کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ بعض جنات سانپوں کی شکلوں میں ہیں۔ ۲۔ بعض جنات کالے کتوں کی شکل میں ہیں۔ ۳۔ بعض جنات ہوانما ہیں جو محو پرواز رہتے ہیں۔ بعض راویوں نے یہ اضافہ کیا ہے، ایک قسم عازم سفر ہے اور اقامت گزریں کم ہوتی ہے۔ یہی بھوت ہیں شاید یہی قسم اڑنے والی ہو جو نہ پتی ہو نہ کھاتی ہو۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں ”میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا ہم کہیں جا رہے تھے۔ اچانک ایک سانپ آیا، وہ آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور اپنا منہ حضور ﷺ کے کانوں کے قریب لے گیا گویا کہ وہ آپ ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”ہاں“ حضرت جابر فرماتے ہیں ”میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سانپ نے آپ ﷺ کے کان مبارک میں کیا کہا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس نے مجھے بتایا ہے کہ اس کا تعلق جنات سے ہے، اس نے عرض کی ہے کہ میں اپنی امت کو حکم دوں کہ وہ لید سے استنجاء نہ کریں اور نہ ہی ہڈی کو اس مقصد کیلئے استعمال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اشیاء ہمارے لئے رزق بنادی ہیں۔“

مختلف قبائل کو تبلیغ

ابن اسحاق کہتے ہیں، اس کے بعد حضور ﷺ مکہ معظمہ واپس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کی قوم کا بغض و عناد پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ صرف کچھ کمزور اور ناتواں افراد ہی آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ جب ایام حج آتے تو حضور ﷺ تبلیغ کے لئے مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ انہیں بتاتے کہ وہ نبی مرسل ہیں، آپ ﷺ انہیں اپنی تصدیق کرنے کے لئے کہتے حتیٰ کہ اللہ اس دین متین کو غالب کر دے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ربیعہ بن عباد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔ ”میں نو جوان تھا، میں اپنے والد کے ساتھ مقام منیٰ میں تھا، حضور ﷺ مختلف قبائل کی اقامت گاہوں پر تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے۔ ”اے بنو فلاں! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر مبعوث ہوا ہوں وہ تمہیں حکم

بنو شیبان بن ثعلبہ کو دعوتِ اسلام

اس روایت کو ابن اسحاق نے ذکر نہیں کیا۔ یہ روایت گویا کہ اس باب کا تتمہ ہے، قاسم بن ثابت اور علامہ خطابی نے ذکر کیا ہے۔ ”پھر حضور ﷺ بنو ذہل بن ثعلبہ کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر بنو شیبان بن ثعلبہ کی اقامت گاہ پر تشریف لے گئے۔ علامہ خطابی اور علامہ قاسم دونوں نے اس گفتگو کا تذکرہ کیا ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دغفل بن حظلہ ذہلی سے کی تھی۔ علامہ قاسم نے کچھ اضافہ کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس اضافہ کو اس کتاب میں شامل کروں کیونکہ اس کا اس باب سے گہرا تعلق ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”پھر ہم اس مجلس میں گئے جہاں وقار اور سکون تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اہل محفل کو سلام کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر بھلائی میں آگے آگے ہوتے تھے۔“ انہوں نے ان سے پوچھا تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ انہوں نے بتایا ہمارا رشتہ بنو شیبان بن ثعلبہ سے ہے پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی ”میرے والدین آپ ﷺ پر فدا، یہ اپنی قوم کے سردار ہیں، ان میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، ثنی بن حارثہ اور نعمان بن شریک جیسے سردار ہیں۔“ مفروق بن عمرو حسن و جمال اور فصاحت و بلاغت میں سب سے فائق تھا اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں جو اس کے سینے پر لٹک رہی تھیں۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریب تھا۔

دیتا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر معبودانِ باطلہ کو چھوڑ دو۔ تم مجھ پر ایمان لاؤ، میری تصدیق کرو۔ میرا تحفظ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس دینِ متین کو غالب کر دے جس کے ساتھ اس نے مجھے مبعوث کیا ہے۔“ اس وقت آپ ﷺ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا ”تمہاری تعداد کیا ہے؟“ انہوں نے کہا ہماری تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ ایک ہزار کبھی قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ”تمہارے تحفظ کرنے کا انداز کیا ہے؟“ انہوں نے کہا ”کوشش کرنا ہمارا کام ہے پھر ہر ایک کی قسمت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے مابین جنگ کیسے ہوتی ہے؟ مفروق نے کہا ”حالت جنگ میں اگر ہم ناراض ہوں تو ہم شدید ہوتے ہیں۔ ہم عمدہ گھوڑوں کو اولاد پر ترجیح دیتے ہیں، ہتھیاروں کو اونٹوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ نصرت اللہ کے پاس ہے۔ کبھی ہمیں غلبہ ہوتا ہے کبھی ہم مغلوب ہو جاتے ہیں۔ شاید آپ کا تعلق قریش سے ہے۔“ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا کیا تمہیں خبر ملی ہے کہ اللہ کے رسول معظم مبعوث ہو چکے ہیں؟ ”وہ رسول محترم ﷺ یہ ہستی والا ہیں۔“ مفروق نے کہا ”ہم نے ان کے متعلق سنا ہے۔ اے قریشی بھائی! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟“ حضور ﷺ آگے بڑھے اور فرمانے لگے میں اس بات کی شہادت کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ وحدہ لا شریک ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تم مجھے پناہ دو۔ میری مدد کرو قریش نے اللہ کے امر کے خلاف مدد کی ہے۔ انہوں نے اس کے رسول کو جھٹلایا ہے۔ وہ باطل کی وجہ سے حق سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غنی و حمید ہے“ مفروق نے پھر پوچھا ”اے قریشی بھائی! آپ کس کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا
أَوْلَادَكُمْ مِمَّنْ أَمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا
تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٥﴾ (الانعام)

آپ فرمائیے آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ بناؤ شریک اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے۔ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی اور مت قریب جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوں، اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے سوائے حق

کے پیچھے ایک بھینگا، چمکدار چہرے والا شخص تھا اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں اس نے عدن کا حلقہ پہن رکھا تھا۔ جب حضور ﷺ اپنی تبلیغ سے فارغ ہوتے تو وہ شخص کہتا ”اے بنو فلاں! یہ شخص تمہیں یہ دعوت دے رہا ہے کہ تم لات وعزئی کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکو، بنو مالک بن اقیث کے حلیف جنات کو چھوڑ دو اور اس کی اس بدعت اور گمراہی کو قبول کر لو جو وہ لے

کے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تا کہ تم حقیقت کو سمجھو۔

مفروق نے اثر آفریں کلام سن کر کہا ”اے قریشی بھائی! آپ عمدہ اوصاف اور اچھے خصائل کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ بخدا! آپ ﷺ کو جھٹلانے والی قوم بڑی احمق ہے۔ آپ ﷺ کے خلاف مدد کرنے والے بے وقوف ہیں۔“ مفروق اپنی گفتگو میں ہانی بن قبیصہ کو بھی شریک کرنا چاہتے تھے۔

مفروق نے کہا ”یہ صانی بن شریک ہیں جو ہمارے بزرگ ہیں۔ یہ ہمارے دین کے علمبردار ہیں۔“ ہانی نے کہا ”اے قریشی بھائی! میں نے آپ ﷺ کی گفتگو سنی ہے میرے خیال کے مطابق ایک ہی ملاقات میں ہمارا اپنے دین کو ترک کرنا اور آپ کے دین کو اختیار کرنا ایک لغزش ہو گئی۔ ہم نے ابھی تک انجام میں غور و فکر نہیں کیا۔ جلد بازی میں ہمیشہ خطا ہوتی ہے۔ ہم اپنے پیچھے ایک قوم چھوڑ آئے ہیں ہم ان کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ آپ بھی ابھی چلے جائیں ہم بھی واپس جاتے ہیں آپ بھی غور و فکر کر لیں ہم بھی تدبر و تفکر کر لیتے ہیں۔“ ہانی کی خواہش تھی کہ مثنیٰ بھی ان کی گفتگو میں شرکت کریں۔ انہوں نے کہا ”یہ مثنیٰ بن حارثہ ہمارے بزرگ ہیں۔ یہ ہمارے سپہ سالار ہیں۔“ مثنیٰ نے کہا ”اے قریشی بھائی! ہم نے آپ کی گفتگو سن لی ہے۔ ہانی کا جواب بالکل درست ہے ایک محفل میں اپنے دین کو ترک کر دینا دانشمندی نہیں۔ ہم دو پانیوں یمامہ اور سادہ کے مابین ہیں۔“ حضور ﷺ نے پوچھا ”وہ دو پانی کون سے ہیں؟“ انہوں نے کہا ”ایک طرف کسریٰ کی نہر جس جگہ دوسری طرف عرب کے پانی ہیں۔“ جہاں تک انہار کسریٰ کے صاحب کا تعلق ہے تو اس کا گناہ قابل معافی نہیں ہے۔ اس کا عذر قبول نہیں ہے جہاں تک اہل عرب کے پانیوں کا تعلق ہے تو ان کے گناہ قابل معافی اور ان کے عذر مقبول ہیں۔ ہم ایک معاہدہ کے پابند ہے جو ہم سے کسریٰ نے لیا تھا کہ ہم کسی نئے واقعہ کا ظہور نہ کریں گے اور نہ ہی کسی نئے واقعہ کو ظاہر کرنے والے کو پناہ دیں گے۔ میری رائے کے مطابق وہ امر جس کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں۔ وہ بادشاہوں کو ناپسند ہے۔ اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ہم پناہ دیں اور صرف اہل عرب کے پانی سے آپ ﷺ کا تحفظ کریں تو ہم حاضر ہیں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”تم نے غلط جواب نہیں دیا تم نے سچ بولا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے دین کی

کر آیا ہے، اس کی اطاعت ہرگز نہ کرنا اور نہ ہی اس کی بات سننا۔“ میں نے اپنے والد محترم سے کہا۔ ”یہ شخص کون ہے جو حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے ہے اور آپ ﷺ کے ہر فرمان کا رد کر رہا ہے۔“ انہوں نے کہا ”یہ ان کا چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے اس کی کنیت ابولہب ہے۔“

وہی نصرت کر سکتا ہے جو اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کچھ ہی مدت بعد اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی زمین اور ان کے اموال کا مالک بنادے اور ان کی خواتین تمہارے قبضہ میں ہو جائیں تو کیا تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرو گے۔“ نعمان بن شریک نے کہا ”ہم ضرور آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔“ پھر مبلغ اعظم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۖ وَذَاعِبًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَبِرَاجَا مُنِيرًا ۝

(الاحزاب)

”بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سنا تا اور اللہ کی طرف اس کے حکم بلانے والا اور چمکادینے والا چراغ بنا کر بھیجا۔“

پھر نبی محترم ﷺ کھڑے ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا ”اے ابوبکر! اے ابوالحسن ان لوگوں نے جاہلیت میں کس قدر عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ بعض کی سختی کو بعض سے روکتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی وہ باہم متفق ہیں۔“ اس کے بعد ہم اوس اور خزرج کی محفل میں گئے۔ انہوں نے ہمارے اٹھنے سے پہلے حضور ﷺ کی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔ وہ نہایت سچے اور انتہائی صابر تھے۔

مسند کی حدیث میں ایک روایت طارق سے منسوب ہے وہ کہتے ہیں ”میں نے حضور ﷺ کی دو مرتبہ زیارت کی۔ ایک دفعہ میں نے ذوالحجہ میں آپ ﷺ کا دیدار کیا۔ آپ ﷺ مختلف قبائل کو تبلیغ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے اے لوگو! ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہو کامیابی تمہارے قدم چوم لے گی۔ آپ ﷺ کے تعاقب میں ایک شخص تھا جس کی دو مینڈھیاں تھیں، وہ آپ ﷺ پر پتھر برسا رہا تھا۔ آپ ﷺ کے ٹخنوں سے خون بہنے لگا۔ وہ یہ بھی کہتا جا رہا تھا ”ارے لوگو! اس کی بات نہ سننا یہ جھوٹا ہے (نعوذ باللہ منہ)۔“ میں نے آپ کے متعلق پوچھا، مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ عبدالمطلب کے نور نظر ہیں، میں نے پوچھا، پتھر مارنے والا کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ آپ کا چچا ابولہب عبدالعزیٰ ہے۔

بنو کندہ کو دعوتِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ابن شہاب زہری نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ بنو کندہ کی خیمہ گاہوں کی طرف تشریف لے گئے۔ ان میں ان کا سردار بھی موجود تھا اس کا نام ملیح تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور اپنی ذات ان پر پیش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

بنو کلب کو دعوتِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن حصین نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ بنو کلب کی ایک شاخ بنو عبد اللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اپنی ذات کے لئے نصرت و اعانت مانگی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ اے بنو عبد اللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کا نام کتنا عمدہ رکھا ہے لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔

بنو حنیفہ کو اسلام کی دعوت

ابن اسحاق فرماتے ہیں عبد اللہ بن کعب بن مالک سے روایت ہے کہ حضور ﷺ بنو حنیفہ کے خیموں کے پاس تشریف لائے انہیں دین حق کی طرف دعوت دی اور دین متین کی مدد کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے آپ ﷺ کو سب سے قبیح جواب دیا۔

بنو کندہ کو دعوت

اس سے مراد بنو ثور بن مرہ بن اُدو بن زید بن مسیع بن عمرو بن عریب بن زید بن کھلان بن سباء ہیں۔ یہ علمائے نسب کا ایک قول ہے۔ کندہ کو اس لئے کندہ کہا جاتا تھا کیونکہ اس نے اپنے باپ کی نافرمانی کی تھی اس کے بیٹے کو مرتع کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے ہی اپنی قوم کے لئے چراگاہ بنائی تھی۔ اس کی اولاد کو بنو مرتع بن ثور کہا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق ثور، مرتع ہے اور کندہ اس کا باپ ہے۔

بنو حنیفہ

حنیفہ کا نام اٹال بن لجیم تھا۔ لجیم اللحم کی تصغیر ہے۔ علامہ قطرب کہتے ہیں کہ اس کا معنی چھوٹا جانور ہے۔ انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے۔

بنو عامر کو دعوتِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے امام زہری نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس تشریف لائے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، ایک شخص جس کا نام بحیرہ بن فراس تھا۔ ابن ہشام نے اس کا نام فراس بن عبد اللہ بن سلمہ بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ لکھا ہے۔ نے کہا ”قسم بخدا! اگر میں اس جوان کو قابو کر لوں تو میں اس کی وجہ سے پورے عرب پر حکومت کر سکتا ہوں۔“ پھر اس نے آپ ﷺ سے کہا ”اگر ہم آپ کی اتباع کریں پھر آپ کو اپنے مخالفین پر غلبہ نصیب ہو جائے کہ آپ کے بعد ہمیں امارت ملے گی۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”یہ معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہ جسے چاہے گا عطا فرمائے گا“، اس نے آپ ﷺ سے کہا۔ اَفْهَدِفْ نُحُوْرَنَا لِلْعَرَبِ دُوْنَكَ فَاِذَا اَظْهَرَكَ اللّٰهُ كَانَ الْاَمْرُ لِغَيْرِنَا لَا حَاجَةَ لَنَا بِاَمْرِكَ۔ ہم آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے پوری عرب قوم کو اپنے گلے کاٹنے کے لئے پیش کریں اور جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو غالب کر دے تو امارت کسی اور کو ملے۔ ہمیں آپ ﷺ کی ضرورت نہیں۔“ اس طرح انہوں نے بھی انکار کر دیا۔

جب لوگ حج سے فارغ ہوئے تو بنو عامر بھی واپس لوٹ گئے ان کے پاس ایک عمر رسیدہ بزرگ تھا وہ ان کے ساتھ حج میں شرکت نہیں کر سکتا تھا جب وہ واپس آتے تو وہ ان سے کسی نئے واقعہ کے متعلق دریافت کرتا۔ اس سال وہ واپس گئے تو اس سن رسیدہ شخص نے ان سے حج کے متعلق پوچھا انہوں نے جواب دیا ”ہمارے پاس بنو قریش میں سے بنو عبد المطلب کا ایک جوان آیا وہ گمان کرتا تھا کہ وہ نبی ہے اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کی حفاظت کریں۔ اس کے لئے دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں اور اسے اپنے شہروں میں لے جائیں۔“ یہ سن کر اس بزرگ

لَهَا ذَنْبٌ مِّثْلُ ذَيْلِ الْعُرْوَسِ اِلٰی سَبَّةٍ مِّثْلُ حَجْرِ اللَّجَمِ
 دہن کے دامن کی مانند اس کی پیٹھ کی طرف اس کی دم ہے جو چھوٹے جانوروں کے گڑھے کی مانند ہے۔ بحیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل ہے کیونکہ اس کے پاؤں میں ٹیڑھا پن تھا اس لئے اسے حنیفہ کہا جاتا ہے۔۔ بعض اہل نسب کے نزدیک اس کی ماں کا نام حنیفہ تھا۔ یہ کامل بن اسد کی بیٹی تھی یہ یمامہ کے باشندے تھے۔ مسلمانہ کذاب انہی سے پیدا ہوا۔ ہم نے ان کا تفصیلی تذکرہ پہلی جلد میں کر دیا ہے۔
 اَفْهَدِفْ نُحُوْرَنَا یعنی ہم اپنے گلوں کو اہل عرب کے تیروں کے لئے پیش کریں۔ ”هَدَفٌ“ نشانے کو کہتے ہیں۔ هَلْ لَهَا مِنْ تَلَافٍ کیا اب اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔ یہ تَلَفِیْتُهُمْ سے تفاعل

نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لئے اور کہا اے بنو عامر! هَلْ لَهَا مِنْ تَلَافٍ هَلْ لِكُنَا بَاهَا مِنْ مَطْلَبٍ کیا اس نقصان کی تلافی ممکن ہے کیا اس خسارے کو پورا کیا جاسکتا ہے مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں فلاں کی جان ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا یہ حق ہے۔ اس وقت تمہاری عقل کہاں چرنے چلی گئی تھی۔

ایام حج میں اہل عرب میں تبلیغ

ابن اسحاق کہتے ہیں ”حضور ﷺ کا انداز تبلیغ یہی تھا جب بھی لوگ حج کے موقع پر جمع ہوتے تو آپ ﷺ مختلف قبائل کے پاس جا کر انہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دیتے انہیں پیام ہدایت پہنچاتے، جب بھی آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ کوئی صاحب حیثیت اور صاحب شرف سردار مکہ معظمہ آیا ہے۔ آپ ﷺ اس کے پاس جاتے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اللہ تعالیٰ کا پیام سناتے۔“

سوید بن صامت

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری نے اپنی قوم کے چند بزرگوں سے بیان کیا ہے کہ سوید بن صامت کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ وہ مکہ معظمہ میں حج یا عمرہ ادا کرنے کے لئے آیا۔ اس کے حسن و جمال، شعر و شاعری، حسب و نسب اور قدر و شرف کی وجہ سے اس کی قوم اسے ”کامل“ کہتی تھی یہ کہتا ہے۔

أَلَا رَبُّ مَنْ تَدْعُو صَدِيقًا وَلَوْ تَرَى	مَقَالَتُهُ بِالْغَيْبِ سَائِكَ مَا يَفْرِى
مَقَالَتُهُ كَالشَّهَدِ مَا كَانَ شَاهِدًا	وَالْغَيْبِ مَأْثُورٌ عَلَى نُغْرَةِ النَّحْرِ
يَسْرُكَ بِأَوِيهِ وَتَحْتَ أَوِيهِ	نَيْمَةٌ غَشٍ تَبْتَرِي عَقَبَ الظَّهْرِ
تُبَيِّنُ لَكَ الْعَيْنَانِ مَا هُوَ كَاتِمٌ	مِنَ الْغِلِّ وَالْبَغْضَاءِ بِالنَّظْرِ الشَّرِّ

کے وزن پر ہے۔ وَهَلْ لِكُنَا بَاهَا مِنْ مَطْلَبٍ۔ اہل عرب جب کسی چیز کو پانے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو یہ ضرب المثل بیان کرتے ہیں۔ جب پرندہ پھندے سے نکل جاتا اور اسے اس کی دم سے پکڑنے کی کوشش رائیگاں جاتی تو یہ ضرب المثل بولی جاتی ہے

مَأْثُورٌ

اس سے مراد تلواری ہے۔ یہ اِنْر سے مشتق ہے۔ تلوار کی دھار کو اِنْرُ یا اِنْرُ کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

فَرِشْنِي بِخَيْرٍ طَالَمَا قَدْ بَرَّيْتَنِي وَ خَيْرُ الْمَوَالِي مَنْ يَرِشِي وَلَا يَبْرِي
 ارے! کتنے ہی ایسے آدمی ہیں جنہیں تو دوست سمجھتا ہے کاش کہ تو اس کی پوشیدہ گفتگو سن لیتا
 تو اس کا جھوٹ گھڑنا تجھے برا دکھائی دیتا۔ رو برو اس کی باتیں شہد کی طرح میٹھی ہوتی ہیں اور پیٹھ
 پیچھے وہ گدی کے گڑھے کے لئے تلوار کی دار کی طرح ہے۔ اس کا ظاہر تجھے مسرور کر دے گا لیکن
 اس کی جلد کے نیچے دھوکے کی سرگوشی ہے جو پیٹھ کے پٹھے کاٹ دیتی ہے۔ جو بغض اور کینہ وہ چھپا
 رہا ہوتا ہے اس کی ترچھی نگاہوں والی آنکھیں تجھ کو عیاں کر دیں گی۔ تو نے طویل عرصہ میری
 مخالفت میں گزارا ہے۔ اب میری مدد کر کیونکہ بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو مدد کرتا ہے کمزور
 کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

سويد بن صامت کا بنو سليم (بنو زعب بن مالک) کے ایک آدمی کے ساتھ سواونٹنیوں کے
 متعلق جھگڑا ہو گیا۔ وہ اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے ایک کاہنہ کے پاس گئے۔ کاہنہ نے
 سويد کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ سويد اور وہ سلیمی شخص دونوں اکیلے تھے۔ ان کے ہمراہ تیسرا شخص
 نہ تھا جب ان کی راہیں جدا ہونے لگیں تو سويد نے کہا۔ ”اے بنو سليم کے بھائی! میرے مال کا کیا
 بنے گا۔“ اس شخص نے کہا میں تمہارا مال بھیج دوں گا۔ سويد نے کہا ”تیرے جانے کے بعد ضامن
 کون ہوگا؟“ اس نے کہا ”میں خود۔“ سويد نے کہا ”ہرگز نہیں“، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ
 میں سويد کی جان ہے جب تک تو میرا مال ادا نہ کر دے تو مجھ سے جدا نہیں ہو سکتا“ اس نے اسے
 پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا۔ پھر اسے رسی سے باندھ کر بنو عمرو بن عوف کی حویلی میں لے گیا۔ وہ سلیمی
 شخص اس کی قید میں رہا حتیٰ کہ بنو سليم نے اسے اس کا مال دے دیا۔ وہ اسی کے متعلق کہا ہے۔

لَا تَحْسِنِي يَا بَنَ زَعْبِ بْنِ مَالِكٍ كَمَنْ كُنْتَ تُرْدِي بِالْغُيُوبِ وَ تَخْتَلُ
 تَحَوَّلْتُ قِرْنًا إِذْ صَرَعْتُ بِعِزَّةٍ كَذَلِكَ إِنَّ الْحَازِمَ الْمُتَحَوِّلُ

جَلَّاهَا الصِّمْعَلُونَ فَأَخْلَصُوهَا حِفَاقًا كُلَّهَا يَتَّقِي بِأَثَرِ
 اسے غریب لوگوں نے صیقل کیا ہے انہوں نے اسے باریک کرنے میں خلوص سے کام کیا ہے ہر
 ایک اس کی دھار سے ڈرتا ہے۔

سويد بن صامت بن حوط بن حبیب بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس تھا اس کی ماں کا
 نام لیلیٰ بنت عمرو بن جاسم بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار یعنی
 تیم اللہ بن عمرو بن خزرج تھی۔ یہ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ تھی۔ سويد حضرت عبدالمطلب کا

ضَرَبْتُ بِهِ اِبْطَ الشِّمَالِ فَلَمْ يَزَلْ عَلَى كُلِّ حَالٍ حَدِيدَهُ هُوَ اَسْفَلُ
اسے ابن زعب بن مالک مجھے ان لوگوں کی طرح نہ سمجھنا جنہیں تو چھپ کر ہلاک کرتا رہا
اور دھوکا دیتا رہا۔ میں نے اپنے مقابل کو پچھاڑ کر اٹھا لیا۔ ایک محتاط اٹھانے والا یوں ہی کرتا
ہے۔ میں نے اس کی بائیں بغل پر چوٹ ماری پھر ہر حالت میں اس کا رخسار نیچے ہی رہا۔

جب حضور ﷺ نے اس کی آمد کے متعلق سنا تو آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے
گئے۔ اسے اللہ تعالیٰ اور مذہب حق کی طرف دعوت دی۔ سوید نے آپ ﷺ سے کہا۔
”آپ ﷺ کے کلام کی مانند کلام میرے پاس بھی ہے“۔ حضور ﷺ نے فرمایا ”تیرے
پاس کیسا کلام ہے؟“ اس نے کہا ”میرے پاس مجلہ لقمان یعنی ”حکمت لقمان“ ہے۔“
حضور ﷺ نے فرمایا ”مجھے دکھاؤ اس نے وہ صحیفہ حضور ﷺ کو پیش کیا۔“ حضور ﷺ نے
فرمایا۔ ”یہ عمدہ کلام ہے“۔ لیکن جو میرے پاس پیغام ہے وہ اس سے کہیں افضل ہے وہ قرآن
ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ وہ سرچشمہ ہدایت اور منبع نور ہے۔“ حضور ﷺ نے
سوید کو قرآن پڑھ کر سنایا، اسے اسلام کی دعوت ہے سوید اسلام سے دور نہ رہا اس نے کہا یہ عمدہ
کلام ہے۔ وہ حضور ﷺ سے جدا ہو کر مدینہ طیبہ اپنی قوم کے پاس چلا گیا اس واقعہ کے کچھ
عرصہ بعد بنو خزرج نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی قوم کے افراد کہتے تھے ہمارا خیال ہے کہ وہ وقت

خالہ زاد تھا۔ سوید کی بیٹی ام عاتکہ تھی جو حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کی بہن اور حضرت عمر بن
خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ یہ اس کے دادا تھے اس کا نام زینب تھا۔ بعض نے اس کا نام جلیسہ
بنت سوید بتایا ہے۔ زبیر بن ابی بکر نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

مجلہ لقمان

مجلہ لقمان سے مراد صحیفہ ہے۔ یہ جَلَالٌ یا جَلَالَةٌ سے مَفْعَلَةٌ کے وزن پر ہے جَلَالَةٌ مخلوق کی
صفت اور جلال اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مخلوق کے لئے جلال اور جلالہ دونوں
الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے۔

فَلَا ذَا جَلَالٍ هِبْنُهُ لِبَجَلَالَةٍ وَلَا ذَا ضِيَاعٍ هُنَّ يَتَرُكْنَ لِلْفَقْرِ
اس شعر میں جلال اور جلالہ دونوں الفاظ مخلوق کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔ حضرت لقمان کا تعلق اہل
ایلات سے تھا۔ وہ لقمان بن عنقاء بن سرور تھے۔ ان کے ان فرزند کا نام جس کا قرآن پاک میں ذکر ہے
تار ان تھا۔ بعض علماء نے اس کے اور نام بھی ذکر کئے ہیں۔ اس سے مراد لقمان بن عاد الحمیری نہیں ہے۔

قتل مسلمان تھا۔ اس کا قتل جنگِ بعاث سے پہلے ہوا تھا۔

ایاس بن معاذ کا اسلام اور ابوالخسیر کا قصہ

ابن اسحاق کہتے ہیں محمود بن لبید سے روایت ہے کہ جب ابوالخسیر انس بن مالک مکہ معظمہ آیا تو اس کے ساتھ بنو عبد الاشہل میں سے چند جوان بھی تھے ان میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ وہ اپنی قوم خزرج کے خلاف قریش سے معاہدہ کرنے آئے تھے۔ جب حضور ﷺ کو ان کی آمد کا علم ہوا تو ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”جس مقصد کے لئے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز تمہیں چاہئے؟“ انہوں نے پوچھا ”وہ کون سی چیز ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں۔ اس نے مجھے اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے تاکہ میں انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت دوں اور ان سے کہوں کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہیں قرآن پڑھ کر سنایا اس وقت ایاس بن معاذ کم عمر تھے انہوں نے کہا ”قسم بخدا! ہم جس مقصد کے لئے آئے ہیں اس سے یہ بہتر ہے۔“ ابوالخسیر نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اسے ایاس کے چہرے پر دے مارا اور کہا ”اسے چھوڑو۔ ہم اس کے علاوہ ایک اور مقصد کیلئے آئے ہیں۔“ یہ سن کر ایاس خاموش ہو گئے۔ حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ پھر اس اور خزرج کے مابین جنگ بعاث ہوئی۔ اس واقعہ کے جلد ہی بعد ایاس بن معاذ کا انتقال ہو گیا۔

محمود بن لبید کہتے ہیں۔ وہ شخص جوان کی وفات کے وقت وہاں موجود تھا اس نے مجھے بتایا کہ وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے رہے۔ وہ اس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہے پھر فوت ہو گئے۔ ان کی قوم کا خیال ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مرے۔ اسلام اسی وقت ان کے دل میں جا گزیں ہو گیا جب انہوں نے حضور ﷺ سے حیات بخش پیغام سنا۔

ابوالخسیر کی مکہ معظمہ آمد

ابن اسحاق نے ابوالخسیر کی مکہ معظمہ آمد کا ذکر کیا ہے اس کی آمد کا سبب وہ جنگ تھی جو اس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی یہ جنگ، جنگِ بعاث کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے اس میں مشہور دن ہیں اس میں ان کے بہت سے سردار اور عظیم لوگ کام آئے۔ بعاث اس جگہ کا نام تھا جہاں یہ جنگ ہوئی۔

بنو خزرج کو اسلام کی دعوت اور عقبہ اولیٰ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کرنے کا ارادہ کیا، نبی محترم ﷺ کے سر پر عزتوں کا تاج سجانا چاہا اور اپنے وعدہ کو پورا کرنا چاہا تو نبی اکرم ﷺ ایام حج میں تبلیغ کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے انصار کے چند لوگوں سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے حسب معمول قبائل عرب کو اپنی تائید و اعانت کے لئے کہا۔ آپ ﷺ عقبہ کے پاس تھے کہ آپ ﷺ کو بنو خزرج کا ایک گروہ ملا۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ کیا ہوا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے اپنی قوم کے بزرگوں سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب انہیں حضور ﷺ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا تو آپ ﷺ

انصار میں اسلام کا آغاز

بنو خزرج اور بنو اوس کا نام جاہلیت میں انصار نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ان کا یہ نام رکھا تھا۔ الخزرج ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں۔ بعض علمائے لغت اسے جنوب کی ہوا کے ساتھ مختص کرتے ہیں۔ الاوس پر الف لام اسی طرح داخل کیا گیا ہے جس طرح ”التیم“ پر ہے اس کی جمع تمی ہے یہ رومی اور روم کی طرح ہے۔ اوس کا معنی عطیہ یا عوض ہے۔ اس طرح کے اسماء جب علم ہو جائیں تو ان پر الف لام نہیں آتا۔ اس کے علاوہ عربی میں تمام اوس الف، لام کے بغیر ہیں جس طرح اوس بن حارثہ الطائی وغیرہ۔ اوس اور اویس بھی اسی طرح ہیں، زاجر کہتا ہے۔

يَا لَيْتَ شِعْرِي عَنْهُ وَالْأَمْرُ عَنَّمَا فَعَلَ الْيَوْمَ أَوْيَسُ بِالْعَنَمِ

”کاش مجھے اس کے متعلق علم ہوتا، معاملہ وسعت اختیار کر گیا کہ آج بھیڑیے نے بھیڑوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟“ ان کے والد کا نام حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عزیق بن عامر بن السہام بن حارثہ بن لظریف بن امری القیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازدی۔ ایک روایت کے مطابق بنو خزاعہ کا بھی یہی باپ تھا۔ ان کی ماں کا نام قیلہ بنت کامل بن عذرہ قضاعیہ تھا۔ ایک قول کے مطابق وہ بنت جفہ تھی۔ اس کا نام غلبہ بن عمرو بن عامر تھا۔ ایک اور قول کے مطابق بنت سبع ابن الہون بن حریمہ بن مدرکہ

نے فرمایا۔ ”مَنْ أَنْتُمْ۔ تم کون ہو۔“ انہوں نے عرض کی ”ہمارا تعلق بنو خزرج سے ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”أَمِنْ مَوَالِي يَهُودٍ“۔ کیا تم یہودیوں کے حلیف ہو۔ انہوں نے عرض کی ”ہاں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم بیٹھ نہیں جاتے میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں“۔ انہوں نے عرض کی ضرور۔ وہ حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ ان پر اسلام پیش کیا۔ انہیں قرآن پاک سنایا۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک بہتری یہ بھی کی کہ ان کے شہروں میں یہودی رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب اور صاحب علم تھے جبکہ یہ مشرک اور منم پرست تھے۔ ان کے مابین جنگیں ہوتی تھیں۔ جب بھی جنگ ہوتی تو یہود ان سے کہتے۔ ”ایک عظیم الشان نبی (ﷺ) مبعوث ہونے ہی والے ہیں۔ ان کے ظہور کا وقت قریب ہے ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کی معیت میں تمہیں عادی و ارم کی طرح قتل کریں گے“۔ جب حضور ﷺ نے اس فرخندہ فال گر وہ سے گفتگو فرمائی۔ انہیں اللہ رب العزت کی طرف دعوت دی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا ”اے قوم! جان لو قسم بخدا! یہ وہی نبی محترم ہیں جن سے یہود تمہیں ڈراتے ہیں وہ ان کے پیغام کو قبول کرنے میں تم سے سبقت نہ لے جائیں، ان کی دعوت پر لبیک کہو“۔ انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ ﷺ کی تصدیق کی پھر عرض کی، ”یا رسول اللہ! ﷺ ہم اپنے پیچھے ایک قوم چھوڑ آئے ہیں۔ ان کے مابین عداوت و شرارت انتہائی عروج پر ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی برکت سے انہیں متفق فرمائے۔ ہم ان کے پاس جا کر آپ ﷺ کا معاملہ ان کو پیش

تھا۔ اس قول کو زبیر بن ابی بکر نے اخبار مدینہ میں ذکر کیا ہے۔

انصار، ناصر کی جمع ہے۔ یہ ”فاعل“ کی خلاف قیاس جمع ہے۔ اس میں ”ناصر“ کے الف کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ زائدہ ہے۔ اس کے حذف سے اسم ثلاثی بن جاتا ہے اور ثلاثی اسم کی جمع افعان کے وزن پر آتی ہے مثلاً صاحب کی جمع اصحاب، شاہد کی جمع اشہاد آتی ہے۔

أَمِنْ مَوَالِي يَهُودٍ أَنْتُمْ

موالی سے مراد حلیف ہے۔ موالی کا لفظ، حلیف، چچا زاد، آزاد کردہ اور آزاد کرنے والا سب کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ وَلَايَةُ سے مَفْعَل کے وزن پر ہے، یہ تمام ولی کے لئے طاء اور پناہ گاہ ہیں۔ عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں عورتوں سے بیعت لینے کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

کریں گے۔ اپنے اس دین کے متعلق انہیں بھی بتائیں گے جس کو ہم نے قبول کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں متفق کر دیا پھر ہمیں آپ ﷺ سے پیارا اور معزز کوئی نہ ہوگا۔ پھر وہ اپنے شہر لوٹ آئے، وہ دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے تھے اور آپ ﷺ کی تصدیق کر کے کونین کی لازوال نعمت کو حاصل کر چکے تھے۔

عقبہ کے پاس حضور ﷺ سے ملاقات کرنے والے بنو خزرج کے نام ابن اسحاق کہتے ہیں، وہ بنو خزرج میں سے چھ افراد تھے۔ ان میں سے کچھ بنو نجار (تیم اللہ) میں سے تھے ان کا تعلق بنو مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارثہ بن عمرو بن عامر سے تھا۔ وہ حضرت اسعد بن زراہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھے یہ ابو امامہ سے مشہور تھے۔ دوسرے حضرت عوف بن حارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار تھے۔ یہ ابن عفراء سے مشہور تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں، عفراء بنت عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو زریق بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج میں سے حضرت رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان کو عامر بن ازرق بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے

يُبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكَنَ بِاللَّهِ شَيْئًا (الممتحنہ: ۱۲)

تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی۔ عورتوں سے بیعت لیتے وقت آپ ﷺ ان سے صرف عہد و میثاق لیتے تھے۔ جب وہ خواتین اپنی زبانوں سے اقرار کر لیتیں تو آپ ﷺ فرماتے قَدْ بَايَعْتُكُنَّ ”میں نے تمہیں بیعت کر لیا ہے۔“

القواقل

ان سے مراد بنو عمرو بن غنم بن مالک ہیں۔ انہیں قواقل اس لئے کہا جاتا تھا کہ جب یہ کسی کو پناہ دیتے تھے تو اس سے کہتے تھے قَوْلٌ حَيْثُ شِئْتَ۔ جہاں چاہے جاؤ۔ القواقل اور الجعاور اس کی دو شاخیں تھیں۔ اس کے نام کا سبب ایک ہی ہے۔ ”جعاور“ جب کسی کو پناہ دیتے تو اسے ایک تیر دیتے اور اسے کہتے جَعْدٌ رَبِّ حَيْثُ شِئْتَ۔ جہاں چاہو جاؤ۔ جس طرح کہ قواقل کرتے تھے۔ ان سے مراد بنو زید بن عمرو بن مالک بن ضبیعہ ہیں۔ انہیں ”كَسْرُ الذَّهَبِ“ بھی کہا جاتا تھا ان سب کا تعلق اس سے ہی تھا۔ شاعر کہتا ہے۔

ہیں، بنو سلمہ بن سعد بن علی بن سارودہ بن تیزید بن جشم بن خزرج میں سے حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمر بن غنم بن سواد نے یہ سعادت پائی۔ ان کا تعلق بنو سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ سے تھا۔ ابن ہشام نے عمرو بن سواد کہا ہے۔ سواد کا کوئی بیٹا غنم نام کا نہ تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں بنو حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام تھے۔ بنو عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ بن رباب بن نعمان بن سنان بن عبید کو یہ توفیق ارزانی ہوئی۔ جب یہ حضرات مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے حضور ﷺ کا تذکرہ کیا۔ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام ان میں پھیل گیا۔ کوئی گھرایا نہ رہا جس میں حضور ﷺ کا ذکر نہ ہو رہا ہو۔

بیعت عقبہ اولیٰ

آئندہ سال حج کے زمانہ میں بارہ آدمی مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ آئے اور حضور ﷺ سے ”عقبہ“ میں ملاقات کی۔ یہ ”بیعت عقبہ اولیٰ“ کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان سے اس طرح بیعت لی جس طرح آپ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے تھے۔ یہ بیعت ان پر جہاد کے فرض ہونے سے پہلے تھی۔ ان بلند اقبال ہستیوں میں سے بنو نجار (بنو مالک بن نجار) میں سے اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار نے بیعت کی

فَإِن لَّنَا بَيْنَ الْجَوَارِي وَلَيْدَةَ مُقَابَلَةً بَيْنَ الْجَعَادِ وَالْكَسْرِ
مَتَى تَدْعُ فِي الزَّيْدَانِ زَيْدُ بْنُ مَالِكٍ وَ زَيْدُ بْنُ عَمْرٍو تَأْتِيهَا عِزَّةُ الْخَفْرِ
پناہ دینے والوں کے مابین ایک نجیب الطرفین بچہ ہے جو جعادر اور کسر کے درمیان ہے۔ جب تو دوزیدوں یعنی زید بن مالک اور زید بن عمرو کو بلائے گا تو انہیں پناہ لینے والے کی عزت آتی ہے۔

ابن اسحاق نے ان میں ابوالہیشم بن التیمان کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا نسب بیان نہیں کیا اور نہ ہی الی عقبہ ثانیہ میں ان کا نسب بیان کیا ہے اور نہ ہی غزوہ بدر میں شرکت کرنے والوں میں ان کا نسب بیان کیا ہے ان کا نام مالک بن تیمان ہے۔ تیمان کا نام مالک بن عتیک بن عمرو بن عبد الاعلم بن عامر بن زعون بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس تھا۔ یہ بنو عبد الاشہل کے حلیف تھے یہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ ان کی شہادت کے وقت میں اختلاف ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف شامل ہوئے اور شہادت سے سرخرو ہوئے۔ میرا گمان ہے کہ ابن اسحاق اور ابن ہشام نے ان کا نسب انصار میں ان کی جلالت شان

سعادت حاصل کی۔ حضرت عوف اور حضرت معاذ حارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار کے فرزند ان۔ ان کی والدہ کا نام عفراء تھا۔ بنو زریق بن عامر میں سے رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق اور ذاکوان بن عبد قیس بن خلدہ بن مغلہ بن عامر بن زریق نے یہ دولت حاصل کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں ذکوان مہاجر بن انصاری ہے۔ بنو عوف بن خزرج (بنو غنم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج، انہیں ”القواقل“ کہا جاتا ہے) میں سے عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فھر بن ثعلبہ بن غنم اور ابو عبد الرحمن یزید بن ثعلبہ بن حزمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ نے بھی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی یہ بنو عیینہ کے حلیف تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ انہیں ”القواقل“ اس لئے کہا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص ان سے پناہ لیتا تو یہ انہیں ایک تیر دیتے اور کہتے قَوْلٌ بِہِمْ قَوْلٌ حَمْتُ شَنْت۔ جہاں چاہو شرب میں چلتے پھرو، ابن ہشام کہتے ہیں۔ ”القواقلہ“ چال کی ایک قسم ہے۔

کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ یہ تمام اہم امور میں رسول محترم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب حضور ﷺ کی میزبانی کا شرف ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا اس وقت حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ضیافت میں ایک اونٹنی ذبح کی اور ترکھوریں بھی پیش کیں۔ اس وقت حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یوں تعریف کی۔

قَلَمَ اَرْكَا لِسَلَامٍ عِزًّا لِّاَهْلِيہِمْ وَ لَا مِثْلَ اَضْيَافٍ لِاَرَاثِي مَعْشَرًا
میں نے کسی کے لئے اسلام کی مانند کوئی چیز نہیں دیکھی جو اپنے اہل کے لئے باعث عزت و شرف ہو اور نہ ہی میں نے اراشی کے مہمانوں کی مانند کوئی معزز و محترم مہمان دیکھے ہیں۔

الاراشی اراشی کی طرف منسوب ہے جو بنو خزاعہ سے تھا یا پھر اراش بن لیحان بن غوث کی طرف منسوب ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ نسب کے اعتبار سے انصاری ہیں یا حلیف ہونے کی وجہ سے ایک قول کے مطابق ان کا تعلق بنو اراشہ بن فاران بن عمرو بن بلقی سے تھا یعنی یہ بلوی تھے لفت میں ابیہشم شکرے یا شاہین کے بچے کو کہتے ہیں گھاس کی ایک قسم کا نام بھی ابیہشم ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے انسان کا یہ نام پڑ جاتا ہے یہ قول ابو حنیفہ کا ہے اور انہوں نے بطور دلیل یہ شعر پڑھا ہے،
رَعَتْ بِقَرَانِ الْحَزَنِ رَوْضًا مُنَوِّدًا عِوَمًا مِنَ الظَّلَاةِ وَالْمُهَنِّمِ الْجَعْدِ
اس نے مقام قرآن خزن میں ایک روشن باغ کی نگرانی کی۔ وہ باغ ایک تنگ زمین اور گھنی گھاس میں تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، بن سالم بن عوف بن عمرو بن خزرج (بنو عجلان بن زید بن غنم بن سالم) میں سے حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ بن مالک بن علقان کو یہ توفیق ارزانی ہوئی۔ بنو سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارہ بن تزیذ بن جشم بن خزرج (بنو حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ) میں سے حضرت عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام بھی اس بیعت میں شامل تھے۔ بنو سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم بن سواد بھی اس میں شریک تھے۔ اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر (بنو عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس) میں سے ابوالکشم بن التیہان رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام مالک تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں التیہان میں مہیت، مہیت کی طرح تخفیف اور ثقل دونوں جائز ہیں۔ بنو عمرو بن عوف بن مالک بن اوس میں سے حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ نے یہ سعادت حاصل کی۔

بیعت عقبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں ”میں بھی ان خوش قسمت افراد میں شامل تھا جو عقبہ اولیٰ کی بیعت میں تھے۔ ہم بارہ افراد

عقبہ اولیٰ میں بیعت کرنے والوں میں، بنو سلمہ میں سے حضرت سارہ بن تزیذ بن جشم رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ عرب میں ایک ”تزیذ“ تو یہ ہیں۔ ایک تزیذ بن الحاف بن قضاء بھی ہے۔ انہی کی طرف ”تزیذیہ“ کپڑے منسوب ہوتے ہیں۔ سلمہ۔ ان کا تعلق انصار سے تھا سَلِیَہ کا واحد السِّلَام ہے۔ اس کا معنی پتھر ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

ذَٰکَ غَلِیْلِی و ذُو یُعَاتِیْنِی یَوِی و دَآئِی بِالسَّہْمِ وَالسَّلِیَہِ

وہ میرا دوست ہے جو مجھے جھڑکتا ہے اور میرے پیچھے پتھر اور تیر پھینکتا ہے۔

بنو عصفہ میں سلمہ بن عمرو بن دحل بن مردان بن ہثلی تھے۔ بنو محمدیہ میں سلمہ بن نصر بن غطفان تھے۔ ان کے متعلق ابن حبیب ”النسابہ فی الصحابہ“ میں لکھتے ہیں کہ یہ ابو یریدہ عمرو بن سلمہ ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو چھ یا سات سال کی عمر میں امامت کرائی۔ حدیث شریف کو روایت کرنے والوں میں سے حضرت عبد اللہ بن سلمہ ہیں۔ بنو سَلِیَہ کے افراد کو سَلِیَہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بنو سَلِیَہ کے افراد کو بھی سَلِیَہ کہا جاتا ہے۔ یہ بنو عامر کے دو قبیلے تھے انہیں سَلَمَات کہا جاتا تھا۔ ایک کو سَلِیَہ الخیر اور دوسرے کو سَلِیَہ الشر کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں قیصر بن کعب بن ربیعہ بن عامر کے بیٹے

تھے۔ حضور ﷺ نے ہم سے عورتوں کی بیعت کی طرح کی بیعت لی۔ یہ بیعت فرضِ جہاد سے قبل تھی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔ ہم بدکاری نہیں کریں گے۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ نہ ہی کسی پر وہ بہتان لگائیں گے جسے ہم نے اپنے سامنے گھڑا ہوگا اور کسی نیک کام میں آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے اس بیعت کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر کسی سے کوئی لغزش ہوگئی تو اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد ہے اگر وہ چاہے گا تو اسے عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو معاف فرما دے گا۔“

ابن اسحاق نے امام زہری کی سند سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں، ”ہم نے عقبہ کی شب حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی کہ ہم اللہ

تھے۔ بنو سلیمہ کا تعلق دوس سے تھا وہ بنو سلیمہ بن مالک بن فہم بن غنم بن دوس تھے۔ یہ سلیمہ، جزیمہ الابرش کا بھائی تھا اس نے ہی اپنے بھائی مالک کو خطا قتل کر دیا تھا۔ اس کے نسب میں سلیمی بھی کہا جاتا ہے۔ قیاس بھی یہی ہے۔ اسے سلیمی بھی کہا جاتا ہے جس طرح عمیرہ میں عمیری کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے بنو نجار میں سے بنو جدارہ کا ذکر کیا ہے۔ جدارہ اور خدارہ دونوں بھائی تھے۔ بعض علمائے نحو نے اسے خدارہ کہا ہے۔ ابو عمرو نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ ابن درید نے بھی یہی کہا ہے۔ درست بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ خدرہ کا بھائی تھا اہل عرب بھائیوں کے نام وہ رکھتے تھے جو ایک دوسرے سے متشقق ہوتے تھے۔

عورتوں کی بیعت

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے عورتوں کی بیعت کی مانند بیعت لی۔ عورتوں کی بیعت کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

وَلَا يَأْتِيَنَّ بَيْهَتَانِ۔ ”اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام۔“ اس سے مراد وہ بچہ ہے جسے عورت اپنے خاوند سے منسوب کر دے، حالانکہ وہ اس سے نہ ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عورت کا عورت سے لطف حاصل کرنا ہے مثلاً بوسہ لینا اور جسم کو چھونا۔ مردوں سے بیعت پہلے قول کے مطابق لی گئی۔ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ۔ ”اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیکی کے کام میں۔“ اس سے مراد نوحہ کرنا ہے لیکن مرد نوحہ خوانی نہیں کرتے اس لئے یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا۔ يَفْتَرِيَنَّهُ بَيْنَ آيْدِيَهُنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ۔

تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ہم چوری نہیں کریں گے، ہم بدکاری نہیں کریں گے، ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے نہ ہی ہم کسی پر وہ بہتان لگائیں گے جو ہم نے خود گھڑا ہوگا اور کسی بھلائی کے کام میں آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے اگر کسی نے گناہ کیا اور اسے اس کا خمیازہ دنیا میں بھگتنا پڑا تو وہ اس کا کفارہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری پردہ پوشی فرمادی تو پھر معاملہ اس کے سپرد ہے اگر چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے۔“

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور وفد عقبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، جب یہ خوش قسمت لوگ واپس جانے لگے تو حضور ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کو بھیجا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں قرآن پڑھائیں۔ انہیں اسلام کی تعلیم دیں۔ دینی مسائل سے آگاہ

”اس سے مراد کذب اور لوگوں کے وہ عیوب بیان کرنا ہیں جو ان میں نہ ہوں اور گناہ کی طرف چل کر جانا ہے۔“ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ۔ ”اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیکی کے کام میں۔“ معروف سے مراد بھلائی اور خیر ہے۔ معروف کا لفظ تمام مکارم اخلاق کو جامع ہے جن کا حسن و جمال معروف ہو اور دل ان کا انکار نہ کریں۔ یہ معنی عورتوں اور مردوں دونوں کو شامل ہے۔ ابن اسحاق سے یونس کی روایت میں ہے۔ وَلَا تَغْشُشْنَ اَزْوَاجَكُنَّ۔ وہ اپنے خاوندوں سے دھوکا نہیں کریں گی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت خاوند کا مال لے اور اس سے دوسرے کی مدد کرے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

ان کو ”المُقْرِئُ“ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ اسلام سے قبل قریش میں سے سب سے زیادہ عیش پسند تھے۔ سب سے زیادہ عطر استعمال کرتے تھے۔ ان کی والدہ ان سے شدید محبت کرتی تھیں۔ جب یہ سوتے تھے تو حیس (کھجور اور ستو سے بنایا گیا ایک کھانا) ان کے سر کے پاس موجود رہتا تھا۔ جب بیدار ہوتے تو اسے کھا لیتے۔ جب اسلام قبول کیا تو شدت تکالیف کی وجہ سے ان کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ان کے جسم پر سے گوشت ختم ہو گیا اور وہ انتہائی کمزور ہو گئے۔ جب حضور ﷺ انہیں دیکھتے تو رونے لگتے کیونکہ آپ ﷺ ان نعمتوں اور آسائشوں کو جانتے تھے جو اسلام سے پہلے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو میسر تھیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ رضی اللہ عنہ

کریں۔ انہیں مدینہ طیبہ میں ”المُقَرِّی“ کہا جاتا تھا۔ ان کی رہائش ابو امامہ اسعد بن زرارہ بن عدس رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہم نے بیان فرمایا کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کو نماز پڑھایا کرتے تھے کیونکہ اوس اور خزرج ناپسند کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی دوسرے کو امامت کرائے۔

مدینہ طیبہ میں جمعہ کی پہلی نماز

ابن اسحاق نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد محترم حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو مسجد لے جانے کی سعادت حاصل کرتا تھا۔

کی والدہ نے قسم اٹھائی کہ وہ نہ کھائے گی نہ ہی پیئے گی اور نہ ہی سایہ میں بیٹھے گی، حتیٰ کہ اس کا فرزند دلہند اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ آئے۔ وہ دھوپ میں اس قدر کھڑی ہوتی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتی۔ اس کے بیٹے اس کا منہ سایہ میں کر دیتے اور اس پر پانی انڈیلتے تا کہ وہ مرنے نہ پائے۔ ہم عنقریب بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے تذکرہ میں اس کا نسب اور نام ذکر کریں گے۔ حضور ﷺ ان کا تذکرہ یوں کرتے تھے۔ ”میں نے مکہ معظمہ میں کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو بالوں کی زیبائش، لباس کی خوبصورتی اور نعمتوں کی آسائش میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے زیادہ باذوق ہو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ کے خوبصورت اور حسین جوان تھے ان کے والدین ان سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ ان کی والدہ انہیں حسین ترین لباس پہناتی تھی۔ یہ مکہ معظمہ کے لوگوں میں سے سب سے زیادہ عطر استعمال کرتے تھے۔ یہ حضری جوتے پہنا کرتے تھے۔“

مَنْزَلْ

مَنْزَلْ زاء کی فتح سے ہے اسی طرح ہر جگہ اس کتاب میں یہ زاء کی فتح کے ساتھ ہے کیونکہ اس سے مراد مصدر ہے مکان نہیں ہے۔ شیخ ابو بحر نے اسی طرح کہا ہے۔

قیس بنت مھسن

ان کا نام حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، یہ اپنے چھوٹے بچے کو بارگاہ رسالت میں لے کر آئیں۔

جمعۃ المبارک کی پہلی نماز

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں نماز

میں جب بھی انہیں نماز جمعہ کے لئے لے کر نکلتا وہ اذان سنتے تو حضرت ابو امامہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے۔ اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا۔ وہ جب بھی اذان جمعہ

جمعہ پڑھائی دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو سب سے پہلے نماز جمعہ پڑھائی کیونکہ مہاجرین میں سے سب سے پہلے وہی مدینہ طیبہ میں ہجرت کر گئے تھے۔ ان کے بعد حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں ذکر کیا تھا کہ کعب بن لوی سب سے پہلے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کو جمعہ کے دن اکٹھا کیا کرتے تھے۔ وہ اس روز خطبہ دیتے، وعظ و نصیحت کرتے، حضور ﷺ کی آمد کی بشارت دیتے اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے پر ابھارتے۔ انہوں نے سب سے پہلے عروبہ کو ”جمعہ“ کہا تھا۔ ”عروبہ“ کا معنی رحمت ہے۔ حضرت زبیر بن بکار فرماتے ہیں، قریش مکہ اس روز ان کے پاس جمع ہوتے اور وہ انہیں خطبہ دیتے ہوئے کہتے ”اما بعد! خوب جان لو زمین اللہ رب العزت کا بچھونا ہے، پہاڑ میخیں ہیں، آسمان عمارت ہے، ستارے نور و روشنی کا سبب ہیں“ پھر وہ صلہ رحمی کا حکم فرماتے اور حضور ﷺ کے متعلق بشارت دیتے ہوئے کہتے ”اے میری قوم! وہ تمہارا حرم ہے اس کی تعظیم کرو۔ عنقریب اس سے ایک عظیم خبر کا ظہور ہوگا۔ اس سے نبی کریم ﷺ رونق افروز ہوں گے۔“ پھر وہ یہ شعر پڑھتے۔

عَلَى غَفْلَةٍ يَأْتِي النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ فَمِنْ خَيْرِ أَخْبَارَا صَدُوقٌ خَبِيرُهَا
صُرُوفٌ رَأَيْنَاهَا تُقَلِّبُ أَهْلَهَا لَهَا عُقْدٌ مَا يَسْتَحِيلُ مَرِيْرُهَا
جب قوم غافل ہو جائے گی تو نبی محترم محمد ﷺ تشریف لائیں گے، وہ ایسی خبروں کے متعلق بتائیں گے جن سے آگاہ کرنے والا انتہائی سچا ہوگا۔ ہم نے دیکھا کہ حوادثِ زمانہ نے لوگوں کو تبدیل کر دیا ہے لیکن ان کی گرہیں ایسی ہوں گی جنہیں کوئی نہیں کھول سکے گا۔
پھر فرماتے۔

يَا لِمَتْنِي شَاهِدٌ فَخَوَاءَ دَعْوَتِهِ إِذَا قَرَيْشٌ تَبَغَّى الْحَقُّ حِدْلَانَا
کاش میں ان کی عظیم دعوت کو دیکھ سکوں جب قریش حق کو ناجائز جھٹلائیں گے۔

نَقِيعُ الْخَضَعَاتِ

ابن اسحاق نے اسے ”نَقِيعُ الْخَضَعَاتِ“ لکھا ہے مگر شیخ ابو بحر کے نسخہ میں یہ ”بَضِيعُ“ ہے۔ علامہ البکری نے اسے معجم میں لکھا ہے کہ یہ ”نَقِيعُ“ ہے جو جگہ کا نام ہے۔

سننے حضرت ابو امامہ کے لئے دعا اور استغفار ضرور کرتے۔ میں نے دل میں کہا قسم بخدا اگر میں ان سے اس دعا اور استغفار کے متعلق سوال نہ کروں تو یہ میری بہت بڑی کمزوری ہے۔ میں ایک

هَزْمُ النَّبِيِّ

یہ مدینہ طیبہ سے کچھ مسافت پر ایک پہاڑ ہے حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے نقیع کے غرر کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر علامہ نے یوں کی ہے کہ ”نقیع“ سے مراد جگہ ہے جبکہ غزر گھاس کی مانند ایک چیز کو کہتے ہیں۔ ”خضمت“ خضم سے مشتق ہے۔ منہ سے کھانے کو خضم کہا جاتا ہے۔ دانتوں کے کناروں سے کھانے کو خضم کہا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں خشک چیز کھانے کو خضم اور تر چیز کھانے کو خضم کہتے ہیں گویا کہ یہ خَضَمَہ کی جمع ہے۔ خَضَمَہ اس جانور کو کہتے ہیں جو پورے منہ سے کھاتا ہے۔ ”بقیع“ اس سے قریب تر ہے۔ ”بَقِيعٌ خَبْخَبَةٌ“ کا ذکر سنن ابی داؤد میں ہے۔ ”خَبْخَبَةٌ“ ایک درخت کا نام ہے۔

جمعہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جمعہ پر اجماع اور اس کا نام جمعہ رکھنا حالانکہ پہلے اس کا نام ”عروبہ“ تھا توفیق الہی کی وجہ سے تھا۔ ابھی تک انہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ سورۃ الجمعہ کا نزول ہجرت مصطفیٰ ﷺ کے بعد ہوا تھا۔ اس طرح اس کا فرض مستحکم اور اس کا حکم مضبوط ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس لئے جمعہ کے متعلق فرمایا۔ اَضَلَّتْهُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ وَهَذَا كُمُ اللّٰهُ اِلَيْه۔ یہود و نصاریٰ اسے تلاش کرنے میں ناکام رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس کی طرف راہ نمائی کر دی۔

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری سے پہلے اور سورۃ الجمعہ کے نزول سے پہلے اہل مدینہ ایک جگہ جمع ہوئے۔ انہوں نے ہی اس مبارک دن کا نام جمعہ رکھا۔ انصار رضی اللہ عنہم نے کہا۔ ”یہودیوں نے سات ایام میں سے ایک دن مقرر کر رکھا ہے، اسی طرح نصاریٰ بھی اپنے معین دن میں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ ہم بھی ایک دن مقرر کر لیتے ہیں۔ جس میں ہم جمع ہوں گے۔ ہم اللہ کا ذکر کریں گے۔ نماز ادا کریں گے اس کا شکر ادا کریں گے۔“ انہوں نے کہا ”سبت (ہفتہ) یہودیوں کے لئے ہے۔ اتوار عیسائیوں کے لئے ہے، تم اپنے لئے عروبہ متعین کر لو۔“ وہ اس دن کو جمعہ کہنے لگے۔ تمام انصار حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہوتے وہ انہیں اس دن دو رکعتیں نماز پڑھاتے۔ انہیں پند و نصائح کرتے۔ ان کے لئے ایک بکری ذبح کرتے اور انہیں کھانا بھی پیش کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

روز حسب معمول انہیں مسجد کی طرف لے کر نکلا۔ جب انہوں نے اذان سنی تو حضرت ابو امامہ

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ۔ (جمعہ: ۹)

”جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف۔“

امام سہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”اگرچہ انصار کی راہ نمائی توفیق خداوندی سے ہی ہوئی تھی لیکن یہ ناممکن ہے کہ انہوں نے یہ اہم کام حضور ﷺ کے اجازت کے بغیر ہی سرانجام دینا شروع کیا ہو۔ امام زہری حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہی جمعہ کی اجازت دے دی مگر حضور ﷺ مکہ معظمہ میں نماز جمعہ کے لئے اجتماع نہ کر سکتے تھے اور نہ ہی اس کا اظہار فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ ”اما بعد! اپنے لئے ایک دن مختص کر لو جس طرح یہودیوں نے ہفتہ کو مقرر کیا ہے۔ مرد و خواتین کو جمع کرو جب سورج نصف سے مائل ہو جائے تو دو رکعتیں نماز ادا کر کے بارگاہ خداوندی میں تقرب حاصل کرو۔“ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ پڑھائی پھر حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے زوال کے بعد ظہر کے وقت نماز جمعہ پڑھائی۔ حضور ﷺ کے اس فرمان أَضَلَّتْهُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى وَهَذَا كُمُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ کا مفہوم اہل علم یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو حکم دیا گیا کہ ہفتہ کا ایک دن متعین کرو جس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرو۔ اس کی عبادت کرو، انہوں نے اپنی طرف سے ہفتے کے دن کا تعین کیا اور اسے اپنی شریعت کا حصہ بنا دیا۔ اسی طرح نصاریٰ کو بھی حکم دیا گیا انہوں نے اتوار کا دن متعین کیا اور اسے اپنی شریعت میں مختص کر لیا۔

امام سہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہودیوں نے ہفتہ کا دن اس لئے مختص کیا تھا کیونکہ وہ اسے ساتواں دن سمجھتے تھے پھر اپنے کفر کی وجہ سے اس میں یہ اضافہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں آرام کیا، اللہ تعالیٰ ان کے اس بہتان سے بلند و برتر ہے۔ یہودیوں کے نزدیک تخلیق کا آغاز اتوار کے روز سے ہوا تھا اور چھٹا دن جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی وہ جمعہ تھا۔ نصاریٰ کا نقطہ نظر بھی یہی تھا۔ انہوں نے اپنے لئے اتوار کا دن متعین کر لیا۔ ان کے نزدیک پہلا دن یہی تھا۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کو گمراہ فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا۔ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز مٹی کو پیدا کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پہلا دن جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی وہ ہفتہ تھا اور آخری دن جمعرات تھا۔ ابن اسحاق نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ روایت میں ہے کہ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہا گیا کیونکہ اس میں حضرت آدم کی تخلیق ہوئی۔ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ انصار اپنے اجتماع کی وجہ سے اس

کے لئے دعا اور استغفار کیا۔ میں نے ان سے کہا ”اے والد محترم! آپ جب بھی اذان سنتے

دن کو جمعہ کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ نام رکھنے کی توفیق دی اور اس مبارک دن کو اختیار کرنے کی ہدایت دی۔ اس میں اس حکمت کے ساتھ موافقت بھی ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ حضرت آدم کو تخلیق کیا ان میں جنس بشر کی تخلیق کا آغاز کیا اور روزِ حشر اسی دن کو انہیں فناء کرے گا۔ اسی روز قیامت قائم ہوگی۔ اس لئے ضروری تھا کہ یہ دن ذکر و عبادت کے لئے مختص ہوتا کیونکہ اس میں آغاز و انجام کا ذکر ہے۔ ذرا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف دیکھو۔

فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذُرُوا الْبَيْعَ ۖ (جمعہ)

”اور دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور فوراً چھوڑ دو خرید و فروخت۔“

اس میں بیع (خرید و فروخت) کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں اس دن کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں بیع اور دوستی کسی کام نہ آئے گی۔ پھر یہ وتر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی وتر کو پسند کرتا ہے کیونکہ یہ اس کے اسماء میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کو الہام فرمایا پھر اس پر استحکام نصیب فرمایا کیونکہ اس میں ہی حکمت تھی۔ روزِ حشر یہی امت آخر و سابق ہوگی۔ جس طرح انہوں نے اس دن کو منتخب فرمایا جو یہود و نصاریٰ کے متعین کردہ دن سے پہلے تھا۔ اسی لئے حضور ﷺ اس مبارک دن کو سورۃ السجدہ تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت ہے۔ البزار اور ترمذی نے احوص سے اسی طرح روایت کیا ہے کیونکہ اس میں چھ ایام کا ذکر ہے اور اس میں حضرت آدم کا مٹی سے تخلیق ہونے کا بھی تذکرہ ہے جمعہ کے دن کو متعین کرنے میں یہی حکمت کار فرما ہے اور اسی میں دلوں کے لئے نصیحت پزیری ہے۔

حضور ﷺ اس روز دوسری رکعت میں ”هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ“ تلاوت فرماتے تھے کیونکہ اس میں سعی مشکور اور اللہ کی قدر دانی کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ۝ (الدھر) ”اور تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں۔“ اس سورت کے آخر میں انسانی تخلیق کا ذکر ہے کہ انسان اس سے قبل کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، سورۃ الجمعۃ میں فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذُرُوا الْبَيْعَ ۖ فرمایا اور یہ سورۃ تلاوت فرما کر اشارہ فرمایا کہ تمہاری اس سعی کی قدر دانی کی جائے گی۔

حضور ﷺ نمازِ جمعہ میں اکثر سورۃ الغاشیہ تلاوت فرماتے تھے کیونکہ اس میں اس لِسْعِيهَا رَاضِيَةٌ ۖ ”اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے۔“ کا ذکر ہے جس طرح سورۃ الجمعۃ میں فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ کا ذکر ہے۔ حضور ﷺ نے دوسری رکعت میں اس سورۃ کو تلاوت کرنا پسند فرمایا جس میں ذکر ہے کہ اہل

ہیں تو حضرت ابوامامہ کے لئے دعا اور استغفار کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اے میرے نورِ نظر! انہوں نے بنو بیاضہ کی سخت زمین میں مقام ”هَزْمُ النَّبِیَّتِ“ میں ہمیں سب سے پہلے نمازِ جمعہ ایمان کی یہ کوشش قابلِ قدر ہوگی۔

لفظِ جمعہ

جمعہ کا لفظ اجتماع سے نکلا ہے۔ یہ فُعْلَہ یا فُعْلَہ کے وزن پر ہے کیونکہ یہ قُرْبَہ یا قُرْبَہ کے معنی میں ہے۔ اہل عرب اکثر کلمہ کو اس وزن پر بنا لیتے جو اس کے معنی میں ہوتا، وہ عمرہ کہتے اور مسجد حرام کی عمارت سے مشتق قرار دیتے۔ وہ اسے فُعْلَہ کے وزن پر بناتے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصال اور قربت کا تصور پایا جاتا ہے۔ لغت عرب میں اس کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جمعہ کے اجتماع کے لئے اہل عرب ”جَمْعٌ“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ عید کے دن کے لئے ”عَیْدٌ“ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اور میدانِ عرفات میں جانے کے لئے ”عَرَفٌ“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جمعہ کے علاوہ یہ لفظ بخاری شریف میں ہے۔ اَوَّلُ مَنْ عَرَفَ بِالْبَصْرَةِ ابْنُ عَبَّاسٍ۔ ”بصرہ میں سب سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل عرفہ جیسے اعمال سرانجام دیئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”میدانِ عرفات“ تو مکہ معظمہ میں ہے وہ بصرہ میں موجود ہو کر اس میں قیام کیسے کرتے تھے؟ لیکن اس اثر کا معنی یہ ہے کہ جب وہ یومِ عرفہ کو نمازِ عصر ادا کر لیتے تو وہ دعا، ذکر اور آہ و زاری میں مشغول ہو جاتے اور غروبِ آفتاب تک اسی طرح کرتے جس طرح اہل عرفہ کرتے ہیں۔

ہفتے کے ایام

ہفتہ کے ایام کے نام رکھنے میں اس شخص کے لئے کوئی دلیل نہیں جو یہ کہتا ہے کہ ہفتہ کا پہلا دن اتوار اور آخری دن ہفتہ ہے جس طرح اہل کتاب کہتے ہیں کیونکہ یہ اجنبی زبان کے نام ہیں، لغت قدیمہ میں ان کے نام شیار، اھون، جبار، دبار، مونس اور عروہ تھے اور اس سے پہلے ان کے نام ابو جاد، ہوز، حُطَیْ وغیرہ تھے۔ اگر قرآن پاک میں ان کے نام وہ مذکور ہوتے جو عدد سے مشتق ہوتے تو ہم کہتے کہ یہ نام مسمیٰ پر صادق آتے ہیں، حضور ﷺ نے بھی احداور اثینین وغیرہ بھی اپنی قوم کے رواج کے مطابق ہی بیان فرمائے ہیں ان کے نئے نام نہیں رکھے۔ شاید آپ ﷺ کی قوم نے یہ نام اہل کتاب سے سنے ہوں جو ان کے پڑوسی تھے۔ پھر اپنی زبان میں بھی ان کے یہی نام رکھے ہوں ورنہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الثَّرْبَةَ یَوْمَ السَّبْتِ وَالْجِبَالَ یَوْمَ الْاَحَدِ۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز مٹی اور اتوار کے دن پہاڑوں کو تخلیق کیا۔

پڑھائی تھی۔ اس جگہ کو نَقِيعُ الْخَصِمَاتِ کہا جاتا تھا۔ میں نے عرض کی اس وقت آپ کی تعداد کتنی تھی؟ انہوں نے فرمایا ”ہم تعداد میں چالیس تھے۔“

حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر کا اسلام قبول کرنا

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ، مجھے عبید اللہ بن مغیرہ اور عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد نے بیان کیا ہے

زیادہ تعجب تو امام الطبری پر ہوتا ہے۔ وہ علم کے بحر بے کراں تھے مگر پھر بھی انہوں نے اس حدیث کے مقتضی کی مخالفت کی۔ انہوں نے ابن اسحاق وغیرہ کاشت سے رد کیا ہے، انہوں نے یہود کے اس قول کی طرف رجحان رکھا ہے کہ اتوار، پہلا اور جمعہ چھٹا دن ہے۔ یہ وتر نہیں بلکہ ہفتہ کا روز وتر ہے حالانکہ حضور ﷺ کا فرمان پہلے نازل چکا ہے۔ اَضَلَّتْهُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى وَهَذَا كُمْ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ امام الطبری نے ایک اور حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن وہ حدیث درست نہیں ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں غور و فکر کرو اس دن کو متعین کرنے میں جنس انسانی کی تخلیق کی طرف کیسے اشارہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کیسی دلیل ہے؟ اگر تو کسی روز جمعہ کے دن میں غور و فکر کرے پھر اس سے پہلے جمعہ میں تفکر کرے اسی طرح پہلے تمام ایام جمعہ میں غور و فکر کرے تو تیرا ذہن اس دن کے متعلق سوچے گا جس میں تیرے محترم باپ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی پھر تو جمعہ سے قبل چھ ایام کے متعلق سوچے گا تو تجھے معلوم ہوگا کہ ہفتہ تک ہر روز مخلوقات میں سے کوئی جنس موجود ہو گی۔ پھر اس ہفتہ کے بعد ایسا جمعہ آئے گا جس میں صرف واحد، حمد، وتر کا وجود ہی ہوگا۔ جمعۃ المبارک غور و فکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و اولیت کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی لئے واجب ہے کہ اس روز دل کی توحید کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے پختہ کیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اس ذکر کو عمل سے مؤکد کیا جائے اور وہ عمل بھی توحید کے معنی کے مشابہ ہو۔ اس طرح وہ اجتماع، مساجد میں سے صرف ایک مسجد میں ہونا چاہیے اور آئمہ میں سے صرف ایک امام کی اقتداء میں ہونا چاہیے۔ وہ امام خطبہ دے گا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ملاقات کے متعلق بتائے گا۔ اس طرح فعل، قول کے اور قول، عقیدہ کے مطابق ہو جائے گا۔ ان اغراض و مقاصد پر ذرا غور کرو۔ یہ حق کی یاد دلاتی ہیں۔ ہماری بحث قدرے طویل ہو گئی ہے۔ بات سے بات نکلتی رہتی ہے مگر بھلائی میں اضافہ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ واللہ المستعان۔

حضرت سعد اور حضرت اسید کا قبول اسلام

اہل مکہ نے حضرت سعد کے اسلام سے قبل ایک غبی صدا سنی کوئی اس طرح کہہ رہا تھا۔

کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لے کر باہر آئے، وہ بنو عبد الاشہل اور بنو ظفر کے پاس جانا چاہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ بن نعمان بن امری القیس بن زید بن عبد الاشہل حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد تھے۔ حضرت اسعد، حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کو بنو ظفر کے ایک باغ میں لے گئے۔ ابن ہشام فرماتے ہیں ظفر کا نام کعب بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس تھا۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما بزمِ مرق پر تشریف لائے۔ مسلمان ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن خضیر بنو عبد الاشہل کے سرداروں میں سے تھے، انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، جب انہوں نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے متعلق سنا تو حضرت سعد نے حضرت اسید سے کہا تیرا باپ تجھے روئے! ان دونوں کے پاس جاؤ جو ہماری حویلی میں آئے ہیں تاکہ ہمارے کمزور لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔ انہیں خوب ڈانٹو اور انہیں منع کرو کہ وہ دوبارہ اس طرف آنے کی جرأت نہ کریں اگر اسعد بن زرارہ میرے رشتہ دار نہ ہوتے تو میں انہیں کافی ہو جاتا۔ وہ میرے خالہ زاد ہیں میں ان کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ حضرت اسید نے اپنا نیزہ لیا اور حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت اسعد نے انہیں آتے دیکھا تو حضرت مصعب سے کہنے لگے، آپ کے پاس قوم کا سردار آ رہا ہے۔ اس سے ذات باری تعالیٰ کے متعلق سچ کہنا حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اگر وہ بیٹھ گیا تو میں اس سے بات چیت کروں گا“۔ حضرت اسید ان کے پاس آ کر انہیں سب دشمتم کرنے لگے اور کہنے لگے۔ ”کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بناؤ۔ اگر

فَإِنْ يُسْلِمَ الشَّعْدَانِ يُصْبِحُ مُحَنَّدٌ بِمَكَّةَ لَا يَخْشَى خِلَافَ الْمُخَالِفِ
 ”اگر دونوں سعدوں نے اسلام قبول کر لیا تو پھر حضور ﷺ اس حالت میں ہوں گے کہ وہ مکہ معظمہ میں کسی مخالف کی مخالفت سے خوفزدہ نہ ہوں گے“۔ قریش مکہ نے گمان کیا کہ شاید ”سعدان“ سے مراد دو قبیلے سعد بن ہذیم اور سعد بن مناة بن تمیم ہیں لیکن انہوں نے دوسرے روز سنا کوئی کہہ رہا تھا۔
 فَيَا سَعْدَ سَعْدَ الْاَوْسِ كُنْ اَنْتَ نَاصِرًا وَ يَا سَعْدَ سَعْدَ الْخَزَرَجِيِّنَ الْغَطَارِفِ
 اَجِيْبًا اِلَى دَاْعِي الْهُدَى وَ تَمْنِيًا عَلَى اللّٰهِ فِي الْفِرْدَوْسِ مُنِيَّةً عَارِفِ
 اے سعد یعنی قبیلہ اوس کے سعد! تم حضور ﷺ کے معاون بن جاؤ اور اے سعد یعنی سردار اور بنی بنو خزرج کے سردار! تم دونوں اللہ تعالیٰ کے داعی کو لبیک کہو اور اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کی خواہش کرو

تمہیں اپنی جانوں کی ضرورت ہے تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔“ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”ذرا بیٹھیں اور چند باتیں تو سنیں۔ اگر کچھ پسند آئے تو قبول کر لینا اور اگر پسند نہ آئے تو اسے رد کر دینا۔“ حضرت اسید نے کہا آپ نے انصاف کی بات کی ہے پھر اپنا برچھا زمین میں گاڑھا اور ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی تعلیم دی۔ قرآن پاک سنایا۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسید کی گفتگو سے پہلے ہی ہم نے ان کے چہرے پر اسلام کا اجالا دیکھ لیا تھا پھر انہوں نے فرمایا ”یہ کلام کتنے حسن و جمال والا ہے۔ جب تم اس دین میں داخل ہونا چاہو تو تم کیا کرے ہو؟“ انہوں نے کہا ”غسل کرو، پاکیزگی حاصل کرو، اپنے کپڑوں کو صاف کرو، حق کی گواہی دو، پھر نماز ادا کرو۔“ حضرت اسید اٹھے غسل کیا اور اپنے پاکیزہ کپڑے زیب تن کئے، دو رکعت نماز ادا کی پھر حضرت اسعد رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا ”میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے اگر اس نے تمہاری اتباع کر لی تو پھر اس کی قوم میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ میں عنقریب اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اس کا نام سعد بن معاذ ہے“ پھر وہ حضرت سعد اور ان کی قوم کے پاس آئے وہ اپنی محفل میں بیٹھے تھے جب سعد بن معاذ نے حضرت اسید کو آتے دیکھا تو کہا ”اللہ کی قسم! اسید کا چہرہ وہ نہیں ہے جو یہاں سے لے کر گیا تھا۔“ جب حضرت اسید رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو حضرت سعد نے ان سے کہا ”تم نے کیا بنایا ہے۔“ انہوں نے

کافر کا اسلام قبول کرتے وقت غسل کرنا

ابن اسحاق نے حضرت سعد اور حضرت اسید رضی اللہ عنہما کے متعلق ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے غسل کیا۔ ہر کافر کے لئے سنت ہے کہ جب وہ اسلام قبول کرنا چاہے تو غسل کرے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ اس وقت اس کافر کی نیت کیا ہوگی؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کی نیت جنابت کی گندگی کو دور کرنا ہوگی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ عبادت کی نیت کرے گا۔ اس کے حق میں جنابت کا حکم نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم نماز کی اباحت کے لئے ہے جب پہلی شرط ”ایمان“ ہی نہیں ہے تو پھر لازم ہے کہ دوسری شرط جنابت سے غسل بھی نہ ہو۔ جب کافر نے اسلام قبول کر لیا تو اسلام نے اس کے پہلے تمام گناہ معاف کرادے کسی گزری ہوئی نماز کا اعادہ اس پر واجب نہ رہا۔ جب نمازیں ساقط ہو گئیں تو اس کی شروط بھی ساقط ہو گئیں، شریعت کے احکام نئے سرے سے لاگو ہوں گے۔ جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو نمازیں اپنی شروط مثلاً وضو اور جنابت وغیرہ کے ساتھ واجب

نے کہا ”میں نے ان دونوں سے گفتگو کی ہے مجھے کوئی خطرہ نظر نہیں آیا۔ میں نے ان دونوں کو منع کر دیا ہے، انہوں نے وعدہ کیا ہے۔“ ہم وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے۔“ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنو حارثہ حضرت اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے لئے چلے گئے ہیں انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ آپ کا خالہ زاد ہے وہ انہیں قتل کر کے آپ کو اذیت دینا چاہتے ہیں۔“ یہ سن کر حضرت سعد جلدی جلدی کھڑے ہو گئے۔ وہ حضرت اسید کی بات سن کر انتہائی غصے میں تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں برچھالیا اور کہا ”قسم بخدا! تم نے مجھے کوئی فائدہ نہیں دیا۔“ پھر وہ حضرت مصعب اور حضرت اسعد کی طرف گئے۔ انہوں نے انہیں دیکھا وہ انتہائی مطمئن اور پرسکون تھے، حضرت سعد فوراً سمجھ گئے کہ حضرت اسید کا ارادہ ہے کہ میں بھی ان دونوں کی گفتگو سنوں۔ وہ انہیں سب دشمتم کرتے ہوئے ان کے سامنے کھڑے ہو گئے پھر حضرت اسعد کو مخاطب کر کے کہنے لگے ”اے ابو امامہ! اگر میرے اور تمہارے مابین قربت نہ ہوتی تو پھر تم اس کا ارادہ کبھی نہ کر سکتے۔ کیا تم ہمارے گھر میں ہی ہم پر وہ چیز مسلط کرنا چاہتے ہو جسے ہم پسند نہیں کرتے؟“ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی فرما دیا تھا ”اے مصعب! آپ کے پاس وہ سردار آ رہا ہے جسے اس کی قوم کا پورا پورا تعاون حاصل ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر اس کی قوم کے دو افراد بھی پیچھے نہ رہیں گے۔“ حضرت مصعب نے حضرت سعد سے کہا ”کیا بیٹھ کر ہماری بات نہیں سنیں گے۔ اگر وہ بات تمہیں پسند آئے اور تمہارا میلان اس جانب ہو تو اسے قبول کر لینا اور اگر تمہیں پسند نہ آئے تو اسے ترک کر دینا۔“ حضرت سعد نے فرمایا ”تم نے سچ کہا ہے، اپنا برچھال ایک سمت گاڑھا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے ان پر اسلام پیش کیا۔

ہو گئیں۔ اب وہ اگر جنبی ہوگا تو اسے غسل کرنا ہوگا۔ بعض متاخر علماء سے میں نے سنا ہے کہ اس کا غسل سنت ہوگا فرض نہیں لیکن میرے نزدیک یہ نقطہ نظر واضح نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّمَا الْمَشْرُكُوْنَ نَجَسٌ (توبہ: ۲۸) ”مشرکین تو نرے ناپاک ہیں۔“ اور نجاست کا حکم طہارت سے اٹھ جاتا ہے۔ کفار پر جنابت کی وجہ سے نجیس کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ اس نجاست کا حکم شرک کی صفت سے معلق ہے۔ وہ حکم جو کسی صفت سے معلل ہوتا ہے وہ اسی کے ساتھ مربوط ہوتا ہے جب شرک کا حکم ایمان سے اٹھ گیا تو پھر جنابت کا حکم باقی نہیں رہے گا، مثلاً جب کوئی مسلمان جنبی ہو پھر وہ پیشاب بھی کر دے تو جنابت سے طہارت حدیث اصغر کے حکم کو رفع کر دیتی ہے کیونکہ طہارت صغریٰ، طہارت کبریٰ میں شامل ہے اس لئے ضروری ہے طہارت کبریٰ، طہارت صغریٰ سے مستغنی ہو۔ جس طرح جنابت سے طہارت،

قرآن پاک کی تلاوت کی۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ ہم نے پہلے ہی ان کے رونق افزاء چہرے سے ان کے ایمان کا اندازہ لگالیا تھا۔ حضرت سعد نے کہا ”جب تم اسلام قبول کرتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو تم کیا کرتے ہو؟“ انہوں نے کہا ”آپ غسل کریں، پاکیزگی حاصل کریں، صاف لباس پہنیں، حق کی گواہی دیں پھر دو رکعت نماز ادا کریں۔“ حضرت سعد اٹھے، غسل کیا اپنے کپڑے صاف کیے۔ حق کی گواہی دی پھر دو رکعت نماز ادا کی پھر اپنا برچھالیا اور اپنی قوم کی مجلس کی طرف آنے لگے۔ ان کے ہمراہ حضرت اسید بن حضیر بھی تھے۔

جب آپ کی قوم نے آپ کو آتے دیکھا تو کہنے لگے ”اللہ کی قسم! سعد تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آرہے جس چہرے کے ساتھ وہ یہاں سے گئے تھے۔“ حضرت سعد اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”اے بنو عبد الاشہل! تم میں میری حیثیت کیا ہے؟ انہوں نے کہا ”تم ہمارے سردار، رائے کے اعتبار سے افضل اور عقل کے اعتبار سے دانا ہو۔“ حضرت سعد نے فرمایا ”تمہارے مردوں اور عورتوں سے، میرے لئے گفتگو کرنا اس وقت حرام ہے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔“ حضرت مصعب اور حضرت اسعد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ قسم بخدا! شام تک بنو عبد الاشہل کے تمام مرد و خواتین اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر آ گئے اور لوگوں کو دین حق کی دعوت دینے لگے۔ انصار کے تمام گھروں کے مرد و خواتین حلقہ بدوش اسلام ہو چکے تھے مگر بنو امیہ بن زید، خطمہ، وائل اور واقف اسلام کی سعادت سے محروم رہے۔ یہ اوس اللہ کہلاتے تھے یہ بنو اوس بن حارثہ میں سے تھے۔ ان کا شاعر اور قائد ابو قیس بن الاسلت تھا وہ اس کی بات غور سے سنتے تھے اور اس کی پیروی کرتے تھے۔ اس نے انہیں اسلام سے روک رکھا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق بھی گزر گئے۔ جب ابن

حدث سے طہارت سے مستغنی ہوتی ہے جبکہ ان دونوں طہارتوں میں سے کوئی ایک طہارت بھی عین نجاست کو زائل کرنے والی نہیں ہے۔ اس بحث کے بعد یہی واضح ہوتا ہے کہ کافر کو غسل کا حکم عبادت کے لئے ہوا اور یہ حکم فرض کے حکم میں نہ ہو۔ امام ترمذی نے حضرت قیس بن عامر سے روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث مبارک کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء فرماتے ہیں کافر کے لئے مستحب ہے کہ وہ اسلام لاتے وقت غسل کرے اور کپڑے دھوئے۔ لہذا یہ مستحب ہے۔

الاسلت کو اسلام میں صداقت نظر آئی اور لوگوں نے اس سے اختلاف کیا تو اس نے کہا۔

أَرَبُّ النَّاسِ أَشْيَاءُ أَلَمْتُ يَلْفُ الصَّعْبُ مِنْهَا بِالذَّلُولِ
أَرَبُّ النَّاسِ أَمَّا إِذْ ضَلَلْنَا فَيَسِّرْنَا لِمَعْرُوفٍ السَّبِيلِ
فَلَوْلَا رَبَّنَا كُنَّا يَهُودًا وَ مَا دِينَ الْيَهُودِ بِذِي شَكْوَلٍ
وَلَوْ لَا رَبَّنَا كُنَّا نَصَارَى مَعَ الرُّهْبَانِ فِي جَبَلِ الْجَلِيلِ
وَلَكِنَّا خُلِقْنَا إِذْ خُلِقْنَا حَنِيفًا دِينًا عَنْ كُلِّ جَبَلٍ
نَسُوقُ الْهَدَى تَرْسُفُ مَدْعِنَاتٍ مَكْشَفَةِ الْمَنَاقِبِ فِي الْجُلُولِ

اے لوگوں کے پروردگار! چند اشیاء باہم مل گئی ہیں ان سے مشکلات آسانیوں سے مل گئی ہیں۔ اے لوگوں کے پروردگار! اگر ہم گمراہی کے رستے پر ہیں تو تو ہمارے لئے نیکی کی راہ کو آسان بنا۔ اگر ہمارا رب ہماری دستگیری نہ کرتا تو ہم یہودی ہوتے۔ حالانکہ یہودیوں کے دین کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ہمارا مولا ہماری راہ نمائی نہ کرتا تو ہم عیسائی ہوتے اور کوہ جلیل میں راہبوں کے ساتھ خلوت گزریں ہو جاتے لیکن جب ہمیں پیدا کیا گیا تو ہمیں ایک الگ دین والے ہی پیدا کیا گیا۔ ہمارا دین تمام لوگوں سے جدا ہے۔ ہم قربانی کے جانور لے کر چلتے ہیں۔ وہ ان جانوروں کی مانند آہستہ آہستہ چلتے ہیں جن کے پاؤں بندھے ہوں جھولوں میں ان کے بازو منکشف ہوتے ہیں۔

بِذِي شَكْوَلٍ

شُكُول، شکل کی جمع ہے۔ شکل کسی چیز کی مثل کو کہتے ہیں جبکہ شکل حسن و جمال کو کہتے ہیں۔ ابن اسلت کے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ یہودیوں کا دین ایک بدعت بن چکا ہے۔ اس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نیک کام ان کی تائید کرتا ہے۔

الطائی نے کہا ہے:

وَقُلْتُ أَحْيِ قَالُوا آخِ مِنْ قَرَابَةِ فَقُلْتُ لَهُمْ إِنَّ الشُّكُولَ أَقَارِبُ
قَرِيبِي فِي دَانِي وَ دِينِي وَ مَذْهَبِي وَ إِنَّ بَاعِدَتَنَا فِي الْخُطُوبِ الْمُنَاسِبِ
میں نے پوچھا کیا بھائی ہے انہوں نے کہا قرابت داری میں بھائی ہے، میں نے ان سے کہا شکلیں تو بہت ملتی ہیں تو میری رائے، مذہب اور دین میں میرا بھائی ہے اگرچہ نسب کے معاملات میں تو ہم سے بہت دور ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے۔ انصار بھی دیگر مشرکین کے ہمراہ ایام حج میں مکہ معظمہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ وہ مکہ مقدسہ میں پہنچ گئے اور ایام تشریق کے وسط میں ”عقبہ“ کے مقام پر حضور ﷺ سے عہد کیا یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے انصار کے سروں پر عزت و کرامت کا تاج سجانا چاہا۔ اپنے نبی محترم ﷺ کی تائید اور اسلام کو غلبہ عطا فرمانا چاہا۔ اہل شرک کو رسوا کرنے کا ارادہ کیا۔

حضرت براء بن معرور اور ان کی نماز

ابن اسحاق کہتے ہیں معبد بن کعب بن ابی بن کعب بن قین نے مجھے بیان کیا ہے کہ ان کے بھائی عبد اللہ بن کعب رضی اللہ عنہ انصار کے بہت بڑے عالم تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد محترم نے انہیں بیان کیا ہے۔ ان کے والد محترم حضرت کعب رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جو عقبہ میں حضور ﷺ سے ملے تھے اور آپ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم اپنی قوم کے ان مشرکوں کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ ہم نماز بھی پڑھتے رہے اور دین کے مسائل بھی سیکھتے رہے۔ ہمارے درمیان حضرت براء بن معرور بھی تھے وہ ہمارے سردار اور ہم میں سے بڑے تھے۔ جب ہم مدینہ طیبہ سے باہر نکلے اور اپنے سفر پر عازم ہوئے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا۔ ”اے میرے ہم سفر! میرا ایک مشورہ ہے میں نہیں جانتا کہ تم میری مخالفت کرو گے یا موافقت۔ ہم نے کہا وہ کیا

الْجَلِيلُ

شام کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا نماز میں قبلہ رو ہونا

حضرت براء رضی اللہ عنہ تمام راستہ میں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کے دیگر ہم سفر بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے، حضور ﷺ نے حضرت براء سے فرمایا، قَدْ كُنْتَ عَلَى قِبْلَةٍ لَوْ صَبَوْتَ عَلَيْهَا۔ تم ایک قبلہ پر تھے کاش کہ تم صبر کر لیتے۔ حضور ﷺ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کو وہ نمازیں قضاء کرنے کا حکم نہ دیا تھا جو انہوں نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں تھیں کیونکہ انہوں نے اس میں تاویل کی تھی۔

ہے؟ انہوں نے کہا ”میں پسند نہیں کرتا کہ میں اس عظیم عمارت خانہ کعبہ کی طرف پشت کروں، میں اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔“ ہم نے کہا ”ہمیں تو حضور ﷺ سے یہی روایت پہنچی ہے کہ آپ ﷺ شام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ہم آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے۔“ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں تو کعبہ معظمہ کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھوں گا لیکن ہم نے انکار کر دیا جب نماز کا وقت ہوتا تو ہم شام کی طرف منہ کر لیتے اور حضرت براء رضی اللہ عنہ قبلہ رو ہو جاتے حتیٰ کہ ہم مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ ہمیں حضرت براء رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بڑا معیوب لگتا تھا لیکن وہ اسی پر ہی مصر تھے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر انہوں نے مجھ سے کہا ”اے بھتیجے! آؤ ہم حضور ﷺ سے ملاقات کرنے جاتے ہیں اور ہم آپ ﷺ سے اس فعل کے متعلق بھی پوچھیں گے جو میں نے راستہ میں کیا ہے جب میں نے تمہیں اپنا مخالف دیکھا ہے تو میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں۔“ ہم حضور ﷺ کی جستجو میں نکلے، ہم نے آپ ﷺ کی پہلے زیارت نہ کی تھی۔ ہم مکہ معظمہ کے ایک باشندے سے ملے اس سے حضور ﷺ کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کیا تم آپ ﷺ کو جانتے ہو، ہم نے کہا نہیں، اس نے پوچھا کیا ”تم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو جانتے ہو؟“ ہم نے کہا ہاں ہم

حضور ﷺ کا قبلہ

اس روایت میں دلیل ہے کہ حضور ﷺ مکہ معظمہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک طائفہ کا نقطہ نظریہ ہے کہ حضور نے مدینہ طیبہ میں صرف سترہ یا سولہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اس طرح قبلہ میں دو نسخ ہوں گے۔ ۱۔ سنت کا نسخ سنت کے ساتھ۔ ۲۔ اور سنت کا نسخ قرآن کے ساتھ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت حدیث اس مسئلہ کے خلاف ہے۔ ان سے کئی اسناد سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ مکہ معظمہ میں نماز ادا فرماتے تو بیت المقدس کی طرف منہ کرتے آپ ﷺ کعبہ مقدسہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے تھے۔ جب آپ ﷺ دونوں قبلوں کی طرف منہ کرتے تھے تو اس میں لوگوں کے لئے یہ ظاہر نہ تھا۔ آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کرتے ہیں حتیٰ کہ آپ ﷺ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے۔ قبلہ کو منسوخ کرنے والی آیت یہ ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ: ۱۵۰)

”اور جہاں سے بھی آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں (نماز کے وقت) اپنا رخ مسجد حرام کی طرف۔“

حضرت عباس کو جانتے ہیں وہ بحیثیت تاجر ہمارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس شخص نے کہا جب تم مسجد میں جاؤ گے تو جو ذات حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھی ہو گئی وہ حضور ﷺ ہی ہوں گے۔ جب ہم مسجد میں داخل ہوئے تو مسجد میں حضرت عباس بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس حضور ﷺ بھی موجود تھے۔ ہم آپ ﷺ کو سلام عرض کرنے کے بعد بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے عباس! ”کیا تم ان دو افراد کو جانتے ہو“ انہوں نے کہا ”ہاں! یہ براء بن معرور ہیں جو اپنی قوم کے سردار ہیں اور یہ کعب بن مالک ہیں۔ حضرت کعب فرماتے تھے قسم بخدا! مجھے آپ ﷺ کا یہ فرمانا کبھی نہیں بھولے گا۔“ وہ کعب بن مالک جو شاعر ہیں“ انہوں نے عرض کی ”ہاں!“ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ جب میں اس سفر پر روانہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دی۔ میں نے اس مبارک عمارت ”بیت اللہ“ کی طرف پشت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا رہا میرے ساتھی میری مخالفت کرتے رہے حتیٰ کہ میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ حضور ﷺ! اس ضمن میں آپ ﷺ کی رائے کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ قَدْ

یعنی آپ ﷺ جس سمت سے بھی نماز ادا کرنے کے لئے آئیں تو آپ ﷺ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیں خواہ بیت المقدس آپ ﷺ کے پیچھے ہو یا نہ ہو کیونکہ آپ ﷺ مکہ معظمہ میں یہ کوشش فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ آپ ﷺ اور بیت المقدس کے مابین ہو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت سے فرمایا۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَكُّواْ وُجُوْهُكُمْ شَرْقًا (البقرہ: ۱۴۴) ”(اے مسلمانو) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف“۔ امت کو ”حَيْثُ مَا كُنْتُمْ“ نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے امام تھے۔ آپ ﷺ انہیں امامت کرانے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ پر نماز کی طرف خروج واجب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ”خروج“ کا لفظ صرف آپ ﷺ کے لئے مختص فرمایا۔ یہ حکم کسی اور کے لئے اس طرح نہ تھا۔ اگر خروج کا لفظ امت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تو پھر یہ لفظ عورتوں اور ان لوگوں کے خروج کا تقاضا کرتا جن پر جماعت واجب نہ ہوتی۔ اللہ رب العزت نے تین آیات میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ تمویل قبلہ کے منکرین کے تین گروہ تھے۔ ۱۔ یہودی۔ ان کے مذہب میں نسخ بالکل ہی نہ تھا۔ ۲۔ منافق اور مشکوک۔ ان کا انکار سب سے زیادہ شدید تھا۔ ۳۔ قریش مکہ۔ یہ کہتے تھے محمد ﷺ ہمارے دین کو ترک کر کے نادام ہوئے ہیں۔ وہ عنقریب ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں گے جس طرح وہ ہمارے

كُنْتُ عَلَى قِبْلَةٍ لَوْ صَبَرْتُ عَلَيْهَا۔ ”تم ایک قبلہ پر تھے تم اسی پر ہی صبر کر لیتے۔“ یہ سن کر حضرت براء رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے قبلہ کی طرف لوٹ آئے اور ہمارے ساتھ شام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ ان کے اہل و عیال کا یہ زعم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ تادم وصال کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن ان کا یہ قول درست نہیں۔ ہم انہیں ان سے زیادہ جانتے تھے“ ابن ہشام کہتے ہیں عون بن ایوب بن انصاری کہتے تھے۔

وَمِنَّا الْمُصَلِّي أَوَّلَ النَّاسِ مُقْبِلًا عَلَى كَعْبَةِ الرَّحْمَنِ بَيْنَ الْمَشَاعِرِ
اللہ تعالیٰ کے مشاعر کے مابین کعبہ مقدسہ کی طرف منہ کرنے والا شخص ہم میں سے ہی تھا۔

قبلہ کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اس سے قبل وہ اسی سے حضور ﷺ کے خلاف دلیل پکڑتے تھے۔ وہ کہتے تھے محمد ﷺ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ملت کی طرف بلاتے ہیں لیکن انہوں نے ان کے قبلہ کو ترک کر دیا ہے اور یہودیوں کے قبلہ کو اس پر ترجیح دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لَيْسَ لَكَ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ (البقرہ: ۱۵۰)

”تا کہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش) بجز ان لوگوں کے جو نا انصافی کریں ان سے“
اس آیت میں استثناء منقطع ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا نہ لوٹیں گے اور نہ ہی ہدایت پاسکیں گے۔ ارشاد فرمایا۔

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ (البقرہ)

”یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز نہ بن جانا شک کرنے والوں سے۔“
یعنی میں نے آپ ﷺ کو جو بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حق ہے سابقہ انبیاء کرام کا بھی یہی قبلہ تھا۔ شک میں مبتلا نہ ہوں۔

وَلَا الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ (البقرہ: ۱۴۴)

”اور بے شک وہ جنہیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے۔“

وَأَنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ)

”اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر۔“

وہ اپنے علم کو چھپاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ خانہ کعبہ سابقہ انبیاء کا بھی قبلہ تھا۔ ابوداؤد السجری نے اپنی کتاب ”ناسخ و منسوخ“ میں ابن شہاب سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ سلمان بن

اس سے شاعر کی مراد حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کا اسلام لانا

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے معبد بن کعب نے بیان کیا ہے وہ اپنے بھائی عبداللہ بن کعب سے اور وہ حضرت کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ ”پھر ہم ادائیگی حج کے لئے چلے گئے۔ ہم نے ایام تشریق کے وسط میں حضور ﷺ سے ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو وہ رات بھی آگئی جس کا وعدہ حضور ﷺ نے ہم سے کیا تھا۔ ہمارے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بھی تھے وہ ہمارے سرداروں اور راہ نماؤں میں سے تھے۔

عبداللہ مالک ایلیاء کا اتنا احترام نہ کرتے تھے جتنا احترام ان کے گھروالے کرتے تھے۔ میں ایک سفر میں ان کے ساتھ تھا اس وقت وہ ولی عہد تھے۔ ان کے ساتھ خالد بن یزید بن معاویہ بھی تھا۔ سلیمان نے کہا جس قبلہ کی طرف مسلمان اور نصاریٰ منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس پر تعجب ہے۔ خالد بن یزید نے کہا میں نے وہ کتاب بھی پڑھی ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔ میں نے تو رات بھی پڑھی ہے۔ یہودیوں نے اس کتاب میں اس کے متعلق کچھ نہیں پایا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کی تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سکیئہ کا تابوت ”الصخرہ“ پر تھا جب اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل پر ناراض ہوا تو اس نے وہ تابوت اٹھا لیا۔ انہوں نے باہمی مشاورت کر کے یہ طے کیا کہ وہ اپنی نماز میں منہ اس ”الصخرہ“ کی طرف کریں گے۔ ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے ابو عالیہ سے قبلہ کے متعلق مناظرہ کیا۔ ابو عالیہ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام ”الصخرہ“ کے پاس نماز پڑھتے تھے ان کا منہ بیت الحرام کی طرف ہوتا تھا۔ کعبہ ان کا قبلہ تھا۔ ”صخرہ“ ان کے درمیان ہوتی تھی۔ یہودی نے کہا میرے اور آپ کے درمیان حضرت صالح علیہ السلام کی مسجد فیصلہ کرے گی۔ حضرت ابو عالیہ نے فرمایا میں نے حضرت صالح کی مسجد میں نماز ادا کی ہے۔ ان کا قبلہ خانہ کعبہ تھا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت ذوالقرنین کی مسجد بھی دیکھی ہے ان کا قبلہ بھی خانہ کعبہ ہے۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت جبرائیل سے فرماتے تھے میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہودیوں کے قبلہ سے پھیر دے۔ حضرت جبرائیل نے فرمایا میں عبد مامور ہوں۔ روایت ہے کہ جب آپ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ (البقرہ: ۱۳۴)

ہم نے انہیں بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ ہم اپنے اس معاملہ کو اپنی مشرک قوم سے چھپا رہے تھے۔ ہم نے حضرت عبداللہ سے کہا ”اے ابو جابر! آپ ہمارے سرداروں اور راہ نماؤں میں سے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کل آتش جہنم کا ایندھن بنیں۔“ پھر ہم نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی اور حضور ﷺ سے ملاقات کرنے کے متعلق بتایا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے ہمراہ عقبہ میں تشریف لے گئے۔ وہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔

بیعت کرنے والی دو خوش نصیب خواتین

ہم اس رات اپنے کجاوؤں میں سو گئے۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا تو ہم حضور ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے نکل آئے۔ ہم چھپتے چھپاتے قطا کی طرح کھسک آئے۔ عقبہ کے پاس ہم ایک گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ ہم بہتر مرد تھے ہمارے ساتھ دو خواتین بھی تھیں۔ ۱۔ حضرت نسیبہ بن کعب۔ ام عمارہ۔ ان کا تعلق بنو مازن بن نجار سے تھا۔ ۲۔ حضرت اسماء بنت عمرو بن عدی بن نابی۔ یہ ام منیع تھیں اور ان کا تعلق بنو سلمہ سے تھا۔

حضرت عباس اور انصار

حضرت کعب فرماتے ہیں ”ہم اس گھاٹی میں بیٹھ کر حضور ﷺ کا انتظار کرنے لگے۔ حضور ﷺ وہاں تشریف لے آئے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اس وقت وہ اپنی قوم کے دین پر تھے مگر انہوں نے پسند کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ اس معاملہ

حضرت ام عمارہ اور حضرت ام منیع رضی اللہ عنہما

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا سے مراد نسیبہ بنت کعب ہیں وہ حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ یہ بیعت عقبہ، بیعت رضوان اور یمامہ کے دن حاضر ہوئیں۔ انہوں نے بذات خود جہاد کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں اپنے بیٹے عبداللہ کو شریک کیا۔ اس جنگ میں ان کے ہاتھ کٹ گئے۔ انہیں بارہ زخم آئے، اس کے بعد وہ تادیر حیات رہیں۔ لوگ اپنے مریض لے کر ان کے پاس حاضر ہوتے۔ وہ اپنا خشک ہاتھ مریضوں پر پھیرتیں اور ان کے لئے دعا کرتیں۔ اللہ تعالیٰ مریضوں کو شفاء عطا فرمادیتا۔

دوسری صحابیہ کا نام حضرت اسماء بنت عمرو ام منیع تھا۔ ابن اسحاق نے ان کا نسب لکھا ہے روایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ تمام سعادتیں تو مرد لے گئے ہیں

میں شریک ہوں اور آپ ﷺ کے لئے معاہدہ کی توثیق کریں۔ جب حضور ﷺ تشریف فرما ہو گئے تو سب سے پہلے گفتگو کا آغاز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کیا انہوں نے کہا ”اے گروہ خزر ج! محمد ﷺ ہم میں کس حیثیت کے مالک ہیں تم خوب جانتے ہو۔ ہم نے بھرپور ان کا تحفظ کیا ہے۔ ہمارے اس تحفظ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آپ کے متعلق رائے میں ہم سے متفق نہ تھے۔ یہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ یہ تمہارے پاس ہی جانا چاہتے ہیں۔ وہ تم سے ہی ملنا چاہتے ہیں۔ اگر تم محسوس کرتے ہو کہ تم ان سے کئے گئے عہد کو نبھا سکو گے۔ مخالفین سے آپ ﷺ کا تحفظ کر سکو گے۔ تو پھر یہ بارگراں تمہیں مبارک ہو، اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تم انہیں ہجرت کے بعد دشمن کے سپرد کر دو گے، اور انہیں رسوا کرو گے تو پھر ابھی سے ہی انہیں چھوڑ دو۔ یہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں مکرم و محفوظ ہیں۔“ ہم نے حضرت عباس نے کہا ”ہم نے آپ کی بات سن لی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ فرمائیں کہ آپ ﷺ اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے کیا پسند فرمائیں گے۔“

حضور ﷺ کا انصار سے معاہدہ

پھر حضور ﷺ محو کلام ہوئے۔ آپ ﷺ نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ اسلام کی ترغیب دی پھر فرمایا۔ ”میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم

عورتوں کیلئے کیا بچا ہے؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ (الاحزاب: ۳۵)

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ

حضرت براء رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے دست اقدس پر رکھا اور بیعت کی۔ انہوں نے عرض کی لَنَمْنَعَنَّكَ مِمَّا نَمْنَعُ مِنْهُ اُزَدْنَا۔ اُزَدْنَا سے مراد نِسَاء نَا ہے۔ اہل عرب ازار بول کر عورت مراد لیتے تھے اور ازار سے نفس مراد بھی لے لیتے تھے وہ کپڑے بول کر کپڑے پہننے والا بھی مراد لیتے تھے۔ شاعر کہتا ہے۔

رَمَوْهَا بِاثْوَابٍ حِفَافٍ فَلَا تَرَىٰ فَلَا تَرَىٰ لَهَا شَبَهًا إِلَّا النَّعَامَ الْمُنْفَرَا
انہوں نے انہیں ہلکے پھلکے جسموں کے ساتھ پھینک دیا تجھے ان کے لئے بھاگے ہوئے شتر مرغ کے علاوہ اور کوئی تشبیہ مناسب نہیں لگے گی۔

اثْوَابٌ حِفَافٌ سے مراد اَبْدَانٌ حِفَافٌ ہے۔ اُزَدْنَا میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ اہل خانہ جس طرح کہ ایک مجاہد نے میدان جنگ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا جس میں اس نے

میری حفاظت ہر اس چیز سے کرو جس سے تم اپنی خواتین اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔
 ”حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے دست اقدس کو پکڑا اور عرض کی بالکل یا
 رسول اللہ ﷺ! لَنَنْعَنكَ مِمَّا نَنْعُ مِنْهُ اُزِدْنَا فَبَايَعْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ یا رسول اللہ! ﷺ
 ہم آپ ﷺ کا تحفظ ہر اس چیز سے کریں گے جس سے ہم اپنی بیویوں اور اولاد کا تحفظ کرتے
 ہیں۔ آپ ﷺ ہمیں بیعت فرما لیجئے۔ ہم جنگی چالوں کے ماہر ہیں، ہمارے دوست و احباب
 کا حلقہ وسیع ہے، ہم نسل در نسل اس کے وارث ہیں۔“ اسی دوران حضرت ابوالہیثم بن تیہان نے
 عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان معاہدے ہیں ہم انہیں ختم کر
 دیں گے کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ﷺ اپنی

اپنے اہل خانہ کا ذکر کیا۔ اس نے کہا

أَلَا أَبْلَغُ أَبَا حَفْصٍ رَسُولًا فِدَى لَكَ مِنْ أَخِي ثَقَفٌ إِذَا رَى
 ارے! ابو حفص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف میرا پیغام پہنچا دو۔ آپ کا قابل اعتماد بھائی آپ
 پر فدا! میرے اہل خانہ کی خبر لیجئے۔

ازار سے مراد اہل خانہ ہیں۔ اس سے پہلے ”إِحْفِظْ“ فعل محذوف ہے مگر ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ
 اس شعر میں ازار سے مراد اس کا نفس ہے یعنی میرا نفس آپ پر فدا۔ عربی میں یہ قول مشہور ہے۔ پہلا
 قول معروف نہیں ہے۔ پہلا قول درست اس لئے نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے ایک ناصب فعل محذوف
 مانا گیا ہے لیکن اس کے مابعد شعر میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ وہ شعر دوسرے قول کو تقویت دیتا
 ہے۔ وہ شعر یہ ہے۔

قَلَانِصَنَا هَذَاكَ اللَّهُ مَهَلًا شُغِلْنَا عَنْكُمْ ذَمَنَ الْحِصَارِ
 اے ہماری اونٹنیوں اللہ تمہیں ہدایت دے آہستہ چلو۔ حصار کے زمانہ نے ہمیں تم سے غافل رکھا
 ہے۔

اس شعر میں قَلَانِص کو اسی فعل نے نصب دی ہے جسے پہلے قول میں مضمَر مانا گیا ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو البشر تھی۔ یہ کنیت ان کے بیٹے بشر بن براء کی وجہ سے تھی
 انہوں نے ہی حضور ﷺ کے ساتھ ہر آلود بکری کا گوشت کھایا تھا اور اسی سے انتقال فرمایا تھا ان کے
 والد کا نام معرور تھا۔ اس کا معنی مقصود ہے کہا جاتا ہے عَرَّ وَاعْتَرَّ۔ اس نے قصد کیا۔ حضرت براء رضی
 اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن کی قبروں پر حضور نے نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔

قوم کی طرف لوٹ آئیں اور ہمیں چھوڑ دیں۔“ حضور ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا ”الذَّمُّ، الذَّمُّ۔ وَالْهَذْمُ الْهَذْمُ اَنَا مِنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مِنِّي اُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ وَاَسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ۔ تمہاری پناہ میری پناہ اور تمہاری حرمت میری حرمت ہوگی میں تم سے اور تم مجھ سے ہو میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تم جنگ کرو گے اور میں اس سے صلح کروں گا جس سے تم صلح کرو گے۔“

یہی حدیث قبر پر نماز جنازہ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث چھ اسناد سے مروی ہے۔ ابو عمر نے تمہید میں ان سب کا تذکرہ کیا ہے اور تین اسناد کا اضافہ کیا ہے اس لئے نو صحابہ کرام نے اسے روایت کیا ہے۔ ان میں حضرت عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت بریدہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ابوقنادہ انصاری، حضرت سہل بن حنیف، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

الْهَذْمُ الْهَذْمُ

حضور ﷺ نے بیعت کرنے والوں سے فرمایا۔ الذَّمُّ الذَّمُّ وَالْهَذْمُ الْهَذْمُ۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ الْهَذْمُ دال کی فتح سے ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں اہل عرب حلیف بنتے وقت یا پناہ دیتے وقت کہتے تھے۔ دَمِي دَمُكَ وَ هَدَمِي هَذْمُكَ۔ جسے تو خون بہا معاف کرے گا میں بھی اسے معاف کر دوں گا۔ ایک قول کے مطابق یوں کہا جاتا تھا الذَّمُّ وَالذَّمُّ وَالْهَذْمُ الْهَذْمُ مثلاً کسی شاعر نے کہا ہے۔ ”ثُمَّ الْحَقِيْ بِهَدَمِيْ لَدَمِيْ“ الذَّمُّ لَا دَمَ کی جمع ہے اس سے وہ مراد لوگ ہوتے ہیں جو انسان کے فوت ہو جانے پر نوحہ کناں ہوتے ہیں۔ یہ لَدَمْتُ صَدْرًا سے مشتق ہے یعنی میں نے اس کے سینے پر مارا۔ ابن ہشام نے ”الْهَذْمُ“ سے مراد حرمت لی ہے انسان اور اس کے اہل و عیال کی حرمت کو کنایہ ہدم کہا جاتا ہے کیونکہ اہل عرب ایک جگہ سے دوسری جگہ محو سفر رہتے تھے۔ وہ چھوٹے چھوٹے گھر بنا لیتے تھے جب آگے جانے کا ارادہ کرتے تھے تو انہیں گرا دیتے تھے۔ هَذْمٌ مَّهْذُومٌ کے معنی میں ہے جس طرح قبض، مقبوض کے معنی میں ہے۔ اہل عرب گرائے جانے والے گھر کے لئے الھدم کا لفظ استعمال کرنے لگے پھر کہا جانے لگا هَدَمِيْ هَذْمُكَ میرا سفر تیرے سفر کے ساتھ ہوگا۔ میں تجھے چھوڑ کر کبھی سفر نہیں کروں گا۔ یعقوب نے کہا ہے۔

تَنْصِيْ اِذَا رُجِرَتْ عَنْ سَوَآءٍ قُدَمَا كَالَهَا هَذْمٌ فِي الْجَفْرِ مُنْقَاضٌ
جب اسے کسی پرانی بری عادت پر جھڑکا جائے تو وہ شکستہ کنویں میں پتھر پھینکنے کی طرح ہو جاتی ہے۔

انصار میں سے بارہ نقیب

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضور نے فرمایا۔ ”مجھے بارہ ایسے افراد دو جو اپنی قوم میں اس وقت فیصلہ کریں جب ان میں اختلاف رونما ہو۔ اس طرح بارہ نقیب بنائے گئے جن میں سے نو کا تعلق خزرج اور تین کا تعلق اوس سے تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ زیاد بن عبد اللہ البرکائی نے محمد بن اسحاق المہطلبی سے روایت کیا ہے کہ ان نقیبوں میں درج ذیل افراد شامل تھے۔ ۱۔ ابو امامہ اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار (تیم اللہ) بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج، ۲۔ سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث، ۳۔ عبد اللہ بن رواحہ بن ثعلبہ امری القیس بن عمرو بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج، ۴۔ رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج، ۵۔ براء بن معرور بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارۃ بن تزید بن جشم بن خزرج، ۶۔ عبد اللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارۃ بن تزید بن جشم بن خزرج، ۷۔ عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔ ابن ہشام کہتے ہیں غنم بن عوف، سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج کا بھائی تھا، ۸۔ سعد بن عبادہ بن دلیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج، ۹۔ منذر بن عمرو بن خنیس بن حارثہ بن لوزان بن عبید بن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج۔ ابن ہشام کہتے ہیں ابن خنیس کو ابن خنیس بھی کہا جاتا ہے۔

اوس میں سے، ۱۰۔ اسید بن خضیر بن سماک بن عتیک بن رافع بن امری القیس بن زید بن

بارہ نقیب

حضور ﷺ نے انصار میں سے بارہ نقیب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پیش نظر رکھ کر بنائے تھے۔ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (مائدہ: ۱۲) ”اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار“۔ حضرت موسیٰ کے ان نقیبوں کے نام ”التعریف والاعلام“ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس بن حارثہ، ۱۱۔ سعد بن خثیمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحاط بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امری القیس بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس بن حارثہ، ۱۲۔ رفاعہ بن عبدالمند ر بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ بعض اہل علم کہتے ہیں۔ ان نقباء میں حضرت ابوالہیثم بن التیہان بھی تھے وہ حضرت رفاعہ کو ان میں شمار نہیں کرتے۔ (رضی اللہ عنہم)

حضرت کعب بن مالک کے اشعار

ابوزید انصاری نے ان کے درج ذیل اشعار مجھے روایت کئے ہیں۔

أَبْلَغُ أَيْبًا أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ
أَبَى اللَّهِ مَا مَنَّكَ نَفْسُكَ إِنَّهُ
وَأَبْلَغُ أَبَا سُفْيَانَ أَنْ قَدْ بَدَلْنَا
فَلَا تَرْغَبَنَّ فِي حَشْدٍ أَمْرٍ تُرِيدُهُ
وَدُونَكَ فَاعْلَمْ أَنَّ نَقْضَ عَهْدِنَا
وَحَانَ غُدَاةُ الشَّعْبِ وَالْحَيْنُ وَاقِعُ
بِرُصَادٍ أَمْرٍ النَّاسِ رَأَى وَ سَامِعُ
بِأَحْمَدَ نُورٍ مِنْ هُدَى اللَّهِ سَاطِعُ
وَالْبَّ وَ جَبَعُ كُلِّ مَا أَنْتَ جَامِعُ
أَبَاهُ عَلَيْكَ الرَّهْطُ حِينَ تَبَايَعُوا

ابی کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اس کی رائے غلط نکلی ہے۔ شعب ابی طالب کی صبح گزر چکی ہے اور اب موت واقع ہونے والی ہے۔ تیرے نفس نے جن خواہشات کا اظہار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو پورا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کے معاملات کا نگہبان بھی ہے وہ دیکھنے اور سننے والا بھی ہے۔ ابوسفیان کو بھی یہ پیغام پہنچا دو کہ حضور ﷺ کی ذات میں ہدایت الہی کا وہ نور نکلا ہے جو ہر لمحہ پھیلنے والا ہے۔ جس امر کے پورا ہونے کی تو آرزو رکھتا ہے اس میں رغبت نہ کرتو اکٹھا کر لے اور جو کچھ جمع کرنا چاہتا ہے اسے جمع کر لے۔ خوب جان لے ہمارے قبیلے نے اس عہد کو توڑنے سے انکار کر دیا ہے جو انہوں نے حضور ﷺ سے کیا تھا۔

أَبَاهُ الْبِرَاءِ وَأَبْنُ عَمْرٍو كِلَاهُمَا
وَسَعْدُ أَبَاهُ السَّاعِدِيُّ وَ مُنْذِرُ
وَمَا ابْنُ رَبِيعٍ إِنْ تَنَاوَلَتْ عَهْدُهُ
بِمُسْلِيهِ لَا يَطْعَنُ ثُمَّ طَامِعُ
وَأَسْعَدُ يَا بَاهُ عَلَيْكَ وَ رَافِعُ
لَأَنْفِكَ إِنْ حَاوَلْتَ ذَلِكَ جَادِعُ

امام زہری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے نقیب مقرر کرتے وقت اوس اور خزرج کے لوگوں سے کہا تم میں سے کوئی میرے فعل کی وجہ سے ناخوش نہ ہو، میں وہی کرتا ہوں جو مجھے حکم دیا جاتا ہے۔

وَاَيْضًا فَلَا يُعْطِيكَهٗ ابْنُ رَوَاحَةَ ۖ وَاخْفَارُهُ مِنْ دُونِهِ السَّمُ نَاقِعٌ
حضرت براء اور حضرت ابن عمرو نے اس بیعت کو توڑنے سے انکار کر دیا ہے۔ اسی طرح
حضرت اسعد اور حضرت رافع بھی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ حضرت سعد، جن کے جد امجد
ساعدی ہیں، اور حضرت منذر نے بھی اس مبارک عہد کو توڑنے سے انکار کر دیا ہے اگر تو نے پھر
کوشش کی تو تیری ناک کٹ جائے گی۔ حضرت ابن ربیع رضی اللہ عنہ بھی اس عہد کو نہیں توڑیں
گے۔ خواہ تو کتنی ہی کوشش کرے۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ کو تیرے سپرد نہیں کریں گے۔ کسی
لا لچی کو بھی اس ضمن میں کسی قسم کا لالچ نہیں دیا جاسکتا۔ اس معاملہ میں حضرت ابن رواحہ بھی تیری
اطاعت نہیں کریں گے اور اس بیعت کو توڑنا ان کے لئے سم قاتل ہے۔

وَفَاءٌ بِهِ وَالْقَوْلُ بِنُ صَامِتٍ ۖ بِنْدُوحَةٍ عَمَّا تَحَاوَلَ يَافِعُ
أَبُو هَيْثَمٌ أَيْضًا وَ فِي بَيْثِهَا ۖ وَفَاءٌ بِمَا أَعْطَى مِنَ الْعَهْدِ خَانِعُ
وَمَا ابْنُ خَضِيرٍ إِنْ أَرَدَتْ بِطَطْمٍ ۖ فَهَلْ أَنْتَ عَنْ أَحْوَقَةِ الْغَيِّ نَازِعُ
وَسَعْدُ أَخُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَإِنَّهُ ۖ ضَرُوحٌ لِّمَا حَاوَلْتَ مِنَ الْأَمْرِ مَانِعُ
أُولَاكَ نَجُومٌ لَا يُغْبِكَ مِنْهُمْ ۖ عَلَيْكَ بِنَحْسٍ فِي دُجَى اللَّيْلِ طَالِعُ
یہ تمام سب آپ کے ساتھ با وفا ہیں۔ تو قلی ابن صامت میں بھی اتنی وسعت ہے کہ وہ اس
امر کو روک سکے جس کا تو ارادہ کر رہا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو ہیشم رضی اللہ عنہ بھی با وفا ہیں اور
اپنے عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اگر تو ابن خضیر کے پاس اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے
جائے تو وہاں بھی تو کامیاب نہ ہوگا۔ کیا تو اپنی نادانی کی حماقت سے باز آ جائے گا؟ عمرو بن
عوف کے بھائی حضرت سعد بھی تیرے ارادے کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑانے والے ہیں اور اس
امر کو روکنے والے ہیں۔ یہ تمام ستارے ہیں جو رات کی ظلمت میں تجھ پر نحوست لے کر طلوع
ہوں گے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ابو الہیشم کا ذکر کیا ہے انہوں نے حضرت رفاعہ کا ذکر نہیں کیا۔
ابن اسحاق کہتے ہیں کہ، مجھے عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ
نے ان نقباء سے کہا ”تم اپنی قوم کے اسی طرح کفیل ہو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر یکے بعد دیگرے ان کی طرف اشارہ
کر رہے تھے۔ معیطی نے حضرت مالک بن انس سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں متعجب تھا کہ

طرف حواریوں نے کفالت کی تھی۔ میں اپنی قوم کا کفیل ہوں“ تمام نقیبوں نے اقرار کیا۔

حضرت عباس بن عبادۃ کی بنو خزرج کو تنبیہ

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ حضور ﷺ کی بیعت کے لئے جمع ہوئے تو حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا ”اے گروہ خزرج! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم حضور کی بیعت کس چیز پر کر رہے ہو؟“ انہوں نے کہا ”ہاں“۔ حضرت عباس نے کہا ”تمہاری بیعت اس بات پر ہے کہ تم ہر کالے اور سرخ سے بر سر پیکار ہوں گے۔ ذرا سوچو کہ جب تمہارے مال برباد ہونے لگیں اور تمہارے سرداروں کے سر کٹنے لگیں اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ دنیا و آخرت کی رسوائی ہوگی۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اپنے اموال کی ہلاکت اور سرداروں کے قتل کے باوجود ان سے وفا کرو گے تو پھر ان کا دامن پکڑ لو۔ اللہ کی قسم! دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے“۔ بنو خزرج نے کہا ”ہم اپنے اموال کی بربادی اور اپنے سرداروں کی ہلاکت کے باوجود آپ ﷺ کو ہی ترجیح دیں گے“۔ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! اگر ہم نے وفا کی تو ہمیں کیا ملے گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”جنت ملے گی“۔ انہوں نے عرض کی ”اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں، آپ ﷺ نے اپنا دست اقدس آگے بڑھایا اور ان فرخندہ فال لوگوں نے آپ ﷺ کی بیعت کی“۔

حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ فرماتے ہیں ”قسم بخدا! حضرت عباس نے یہ بات اس لئے کہی تھی تاکہ حضور ﷺ کی بیعت کا قتادہ ان کی گردنوں میں سختی سے پڑے“۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر فرماتے ہیں ”حضرت عباس نے یہ بات اس لئے کہی تھی تاکہ وہ لوگ اس رات بیعت کو مؤخر کر دیں انہیں امید تھی کہ شاید عبداللہ بن ابی سلول بھی آجائیں اور ان لوگوں کو تقویت مل جائے“۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی نیت کیا تھی۔ ابن ہشام فرماتے ہیں سلول، بنو خزاعہ کی ایک عورت کا نام تھا۔ یہ ابی بن مالک بن حارث کی ماں تھی۔

دست مصطفیٰ ﷺ پر بیعت کرنے والی سب سے پہلی شخصیت

ابن اسحاق فرماتے ہیں، بنو نجار کا گمان تھا کہ ابو امامہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ

دو آدمی ایک قبیلے سے اور ایک آدمی دوسرے قبیلے سے مقرر کیا گیا تھا حتیٰ کہ مجھے یہ حدیث سنائی گئی۔ انہیں نبل۔ ز مقرر کیا تھا اور حضور ﷺ کو ان کی طرف اشارہ کیا تھا۔

نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی بیعت کی تھی۔ نبو عبدالاشہل کہتے تھے سب سے پہلے یہ سعادت حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ نے حاصل کی تھی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں امام زہری فرماتے تھے کہ مجھے معبد بن کعب بن مالک نے بیان کیا ہے وہ اپنے باپ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی بیعت کی پھر دوسری قوم نے بیعت کی۔

شیطان اور بیعت عقبہ

انصار کہتے ہیں کہ جب ہم نے حضور ﷺ کی بیعت کر لی۔ صَرَخَ الشَّيْطَانُ مِنْ رَأْسِ الْعَقَبَةِ بِأَنْفَذِ صَوْتٍ سَبْعَتُهُ قَطُّ يَا أَهْلَ الْجَبَابِجِ هَلْ لَكُمْ فِي مُدْمَمٍ وَالصُّبَاةِ مَعَهُ قَدْ اجْتَمَعُوا عَلَيَّ حَرْبُكُمْ۔ تو عقبہ کی چوٹی سے بلند آواز سے شیطان چلایا یہ آواز ان آوازوں سے کہیں بلند تھی جو میں نے سنی تھیں۔ اس نے کہا اے اہل جبابہ! کیا تمہیں مذمم اور صابیوں کے متعلق علم ہے وہ تمہارے خلاف جنگ لڑنے کے لئے جمع ہو چکے ہیں۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ! صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا أَزْبُ الْعَقَبَةِ۔ هَذَا ابْنُ أَزْبَب۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ عقبہ کا شیطان ہے یہ ازبب کا بیٹا ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں اسے ”أَزْيَب“ کہا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ کے دشمن سن لے قسم بخدا میں تیرے لئے ضرور فارغ ہوں گا۔

بِأَنْفَذِ صَوْتٍ

شیخ ابو بحر فرماتے ہیں بڑے بڑے نسخوں میں اسی طرح مرقوم ہے مگر قاضی ابودلید نے اسے بَابَعَدَ کہا ہے۔ امام سہیلی فرماتے ہیں اس اصلاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ صوت کی صفت نفاذ کو بنانا درست ہے۔ یہ بعد کی صفت لگانے سے زیادہ فصیح ہے۔ حضرت عمر کی کاہن سے یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ لَقَدْ سَبَعْتُ مِنْ صَوْتِ الْعَجَلِ صَوْتًا مَا سَبَعْتُ أَنْفَذَ مِنْهُ۔ میں نے پھڑے کی آواز سنی اس سے بلند تر آواز میں نے پہلے نہیں سنی تھی۔ صحیح حدیث میں ہے۔ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَحْشُرُ الْخَلْقَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صَرَدَحٍ وَاحِدٍ فَيَنْفَذُ هُمْ الْبَصَرُ وَيَسْبَعُهُمُ الدَّاعِي۔ ”اللہ تعالیٰ روز قیامت لوگوں کو ایک وسیع میدان میں جمع کرے گا۔ نظر ان تمام کو دیکھے گی۔ پکارنے والا ان کو سن سکے گا۔ یونس بن بکر نے ابن اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

حضور ﷺ انصار کو جنگ کی اجازت نہیں دیتے

پھر حضور ﷺ نے فرمایا اپنی اپنی اقامت گاہوں میں چلے جاؤ۔ حضرت عباس بن عبادہ بن نضله رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اگر آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ہم صبح ہی اہل منیٰ پر اپنی تلواروں سے حملہ کر دیں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا تم اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ۔“

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”پھر ہم اپنے اپنے خیموں میں لوٹ آئے اور وہاں صبح تک سوئے رہے۔“

بیت عقبہ کے متعلق قریش کا رویہ

جب صبح ہوئی تو قریش مکہ کا ایک گروہ ہمارے پاس آیا اس نے کہا ”اے گروہ خزرج! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ہمارے صاحب (ﷺ) کے پاس اس لئے آئے ہوتا کہ انہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔ تم نے ہمارے خلاف جنگ لڑنے کے لئے ان سے بیعت بھی کر لی ہے۔ قسم بخدا! ہمیں اس سے ناپسندیدہ امر اور کوئی نہیں کہ ہمارے اور تمہارے مابین جنگ ہو۔“ اس وقت ہم میں سے مشرک اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ”ایسا کوئی واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا اور نہ ہی ہمیں اس کا کچھ علم ہے۔“ انہوں نے سچ ہی کہا تھا کیونکہ انہیں اس بیعت کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔

يَا أَهْلَ الْجَبَابِ

جباب سے مراد منیٰ کی منازل ہیں یہ لفظ چڑے کے برتنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً زبیل وغیرہ خیموں اور منازل کو برتنوں سے تشبیہ دے کر انہیں جباب کہا گیا ہے۔

هَذَا أَزْبُ الْعُقْبَةِ هَذَا ابْنُ أَزْيَبَ

ابن ہشام نے اسے ابن ازیب کہا ہے۔ ابن ماکولا نے کہا ہے ام کرز بنت الازب بن عمرو بن بکیل۔ اس نسب میں الازب کا استعمال بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ یہ بنو ہمدان سے تھی اور عباس کی دادی تھی۔ ان کی نانی کا نام ”سیلہ“ تھا ابن ماکولا کہتے ہیں۔ الازب بطور اسم اسی نسب میں ہے۔ ”أَزْبُ الْعُقْبَةِ“ شیطان کا نام تھا اس نسخہ میں غزوہ احد کے باب میں یہ ”إِزْبُ الْعُقْبَةِ“ مرقوم ہے۔ حضرت ابن زبیر کے واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام اَزْبُ تھا۔ انہوں نے اپنے کجاوے کے

ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر قوم قریش کے وہ لوگ اٹھ کر جانے لگے۔ ان میں حارث بن ہشام بن مغیرہ المخزومی بھی تھا۔ عَلَیْہِ نَعْلَانِ جَدِیدَانِ۔ اس نے نئے جوتے پہن رکھے تھے۔ میں نے اس کے متعلق ایک بات کہی گویا کہ میں بھی ان کی گفتگو میں شرکت کرنے کا خواہاں تھا، میں نے کہا ”اے جابر! تم سردار ہو کیا تم مجھے اس قسم کا جوتا خرید کر نہیں دے سکتے جس طرح کا جوتا اس قریشی جوان نے پہن رکھا ہے“۔ میری گفتگو حارث نے بھی سن لی۔ اس نے اپنے جوتے اتارے اور میری طرف پھینک دیئے۔ اس نے کہا ”بخدا! اب انہیں تم ہی پہنو گے“۔ ابو جابر نے مجھے کہا ”رکو! بخدا! تم نے اس جوان کو ناراض کر دیا ہے۔ اس کے جوتے اسے واپس لوٹا دو“۔ میں نے کہا ”نہیں، میں اسے یہ جوتے ہرگز نہیں لوٹاؤں گا۔ یہ ایک عمدہ فال ہے۔ اگر یہ فال سچی ہوئی تو میں اس سے سب کچھ چھین لوں گا“۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ پھر قریش مکہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کے پاس آئے۔ انہوں نے اس سے بھی وہی سوال کیا جو پہلے ہم سے کر چکے تھے۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا۔ ”یہ معاملہ بڑا اہم ہے اس جیسے معاملہ سے میری قوم مجھے کیسے دور کر سکتی تھی۔ مجھے اس کا کوئی علم نہیں“ پھر قریش چلے گئے۔

کپڑے پر ایک شخص دیکھا اس کی لمبائی دو ہاتھ تھی۔ وہ اپنی لائٹھی لے کر اس کے پاس آئے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا ”میں اَزَب ہوں“۔ انہوں نے کہا ”کون اَزَب“۔ اس نے جواب دیا ”میرا تعلق جنات سے ہے“ انہوں نے اپنی لائٹھی سے اس کے سر پر ضرب لگائی وہ فوراً بھاگ گیا۔

علامہ یعقوب ”الفاظ“ میں لکھتے ہیں اَلَا زَب، چھوٹے قد والے کو کہتے ہیں۔ ابن زبیر کے اس واقعہ کو عتسی نے ”الغریب“ میں لکھا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا لفظ صحیح ہے۔ ابن ہشام نے اسے ابن ازیب کہا ہے۔ ممکن ہے یہ ازب سے فعلیل کے وزن پر ہو۔ ازیب کا معنی بخیل، ہوا کا نام، گھبراہٹ اور چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلنا بھی ہے۔ یہ فعلیل کے وزن پر ہے (العین) ممکن ہے کہ یہ ازیب سے مشتق ہو جس کا معنی چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلنا ہے۔ جس کا معنی بخیل ہے وہ فعلیل کے وزن پر ہے کیونکہ علامہ یعقوب نے ”الفاظ“ میں لکھا ہے۔ ”إِمْرَأَةٌ أَزِيبَةٌ“ اگر مذکر میں اس کا وزن الفعل پر ہوتا تو مؤنث میں اسے ذِیْب کہا جاتا۔ مگر فعلیل کا وزن اسماء میں بڑا قلیل ہے۔ ضَہِیَاءَ (وہ عورت جسے حیض نہ آتا ہو) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ فعلی کے وزن پر ہے اس کا ہمزہ زائدہ بتایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک یہ فعلیل کے وزن پر ہے کیونکہ اللہ کے فرمان ”يُضَاهَوْنَ“ میں

قریش انصار کو تلاش کرتے رہے اور حضرت سعد بن عبادہ کی اسیری حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، پھر لوگ منیٰ سے واپس آ گئے۔ قوم قریش اسی خبر کی تلاش میں شروع ہو گئی۔ انہیں معلوم ہوا کہ کوئی واقعہ ضرور رونما ہوا ہے۔ وہ انصار کی جستجو میں نکلے انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما کو مقام ”اذاخر“ میں پایا۔ یہ دونوں نقیب تھے، حضرت منذر کو قریش پکڑ نہ سکے حضرت سعد کو انہوں نے پکڑ لیا۔ انہوں نے ان کے تسمے سے ان کے ہاتھ ان کی گردن سے باندھ دیئے پھر انہیں مکہ معظمہ میں لے آئے۔ وہ انہیں زد و کوب کرنے لگے اور انہیں بالوں سے کھینچنے لگے، ان کے بال بہت زیادہ تھے۔

حضرت سعد کی نجات

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”میں قریش کے ہاتھوں میں اسیر تھا اچانک قریش مکہ کی ایک جماعت میرے پاس آئی۔ فِیْہُمْ رَجُلٌ وَضِیْءٌ اَبِیْضٌ شَعْشَاعٌ حُلُوٌّ مِّنْ

عاصم کی قرأت کے مطابق لام کلمہ ہمزہ ہے اور الضَّہِیَّہُ اسی سے ہے کیونکہ وہ مردوں کے مشابہ ہوتی ہے۔ ضَہِیَّاءُ بھی روایت ہے۔ اس میں کوئی اشکال نہیں یہ تانیث کے لئے ہے اور ضَاہِیَّتَ سے ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اَرْمَلٌ اور اَرْمَلَةٌ کی طرح اَزِیْبٌ اور اَزِیْبَةٌ ہو اور فَعِیلٌ کے وزن پر نہ ہو۔ ابواشہب نے حضرت حسین سے روایت کیا ہے کہ جب انصار نے منیٰ میں حضور ﷺ کی بیعت کی تو شیطان چلایا حضور ﷺ نے فرمایا یہ ابوہنئی ہے جو تمہیں ڈرا رہا ہے۔

فعیل کی تذکیر و تانیث۔ نَعْلَانُ جَدِیدَانِ

نعل اگرچہ مؤنث ہے لیکن فصیح کلام میں اس کی صفت جَدِیدَۃ نہیں آتی۔ مگر مِلْحَفَۃ جَدِیدٌ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مَجْدُوْدَۃ (کٹے ہوئے) کے معنی میں ہے یہ کَفٌ حَصِیْبٌ اور اِمْرَاۃٌ قَتِیْلٌ کی مانند ہے۔ سیبویہ کہتے ہیں۔ ”جس نے اس کی صفت ”جَدِیدَۃ“ لگائی اس نے اسے حَدِیثَۃ کے معنی میں کیا۔“ ان کے نزدیک حَدِیثَۃ، حَادِثَۃ کے معنی میں ہے اور ہر فعیل جو فاعل کے معنی میں ہو اس پر ”ة“ آ سکتی ہے۔

رَجُلٌ وَضِیْءٌ شَعْشَاعٌ

شَعْشَعٌ، شَعْشَعَانِ طویل فحوص کو کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سَلْهَبٌ، صَعْقَبٌ، شَوْقَبٌ، شَرْعَبٌ، شَرْجَبٌ، حَبَقٌ، شَوْدَبٌ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

الرِّجَالِ۔ ان میں سے ایک روشن جبیں، سفید، درخشاں اور دل موہ لینے والا شخص بھی تھا۔ ابن ہشام نے اس کی جگہ ”الطویل الحسن“ لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے روبہ نے کہا ہے يَمْطُوهُ مِنْ شَعْشَاعٍ غَيْرِ مُودِنٍ۔ اونٹ کی گردن چھوٹی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے مُودِنُ الْيَدِ۔ وہ چھوٹے ہاتھوں والا ہے۔ حضرت سعد فرماتے ہیں ”میں نے دل میں کہا اگر ان میں سے کسی سے بھلائی کی توقع کی جاسکتی ہے تو وہ یہ ہے مگر جب وہ میرے قریب ہوا تو اس نے مجھے زور سے مکا مارا۔ میں نے دل میں سوچا قسم بخدا! اس کے بعد ان میں کسی قسم کی کوئی بھلائی نہیں ہے۔ میں ان کی قید میں تھا اسی اثناء میں ایک شخص آیا اس کا تعلق ان کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے مجھے کہا ”کیا قریش کے کسی شخص کے ساتھ تیرا عہد یا پناہ نہیں؟“ میں نے کہا ”کیوں نہیں۔ میں وقت تجارت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کو پناہ دیا کرتا تھا اور اپنے اہل شہر کے ظلم و تعدی سے اسے بچایا کرتا تھا۔ اسی طرح میں حارث بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کو بھی پناہ دیتا تھا۔“ اس نے کہا ”ان دونوں کا نام لے کر آواز دو۔ اور ان کے اور تمہارے مابین جو تعلق ہے وہ یاد دلاؤ۔“ میں نے اسی طرح کیا وہ شخص ان دونوں کے پاس گیا اس نے انہیں مسجد حرام میں پایا۔ اس نے ان سے کہا ”بنو خزرج کے ایک شخص کی وادی بطحاء میں پٹائی ہو رہی تھی وہ تمہارے نام لے کر آوازیں لگا رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ اس کے اور تمہارے مابین پناہ ہے۔“ انہوں نے

تَنْطَسَ الْقَوْمُ الْخَبَرَ

لوگوں نے اس کے متعلق بہت زیادہ بحث کی تَنْطَسَ کسی چیز میں باریک بینی سے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں۔ زاجر کہتا ہے۔

وَ قَدْ أَكُونُ عِنْدَهَا نِقْرِيْسًا طِبًّا بِأَدَوَاءِ النِّسَاءِ نَطِيْسًا
میں اس کے نزدیک ایک حاذق طبیب تھا جو عورتوں کی ادویہ کا ماہر تھا۔

ضرار بن خطاب

ضرار قریش کے شاعر اور شہہ سوار تھے قریش میں ان سے بہتر شاعر کوئی نہ تھا پھر ابن زبیری بن قیس بن عدی کا مقام ہے۔ ان کے دادا کا نام مرد اس تھا جو بنو محارب بن فھر کا رئیس تھا اور ان سے مال غنیمت کا چوتھا حصہ لیتا تھا۔ ان کا باپ جنگ فجار میں بنو محارب کا رئیس تھا ضرار نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔

پوچھا ”وہ کون ہے“ اس شخص نے کہا وہ حضرت سعد بن عبادہ ہیں۔ انہوں نے کہا ”اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا ہے۔ وہ ہمارے تجارتی کارواں کو پناہ دیتے تھے وہ اپنے اہل شہر کے ظلم و ستم سے بچایا کرتے تھے۔“ وہ وادی بطحاء میں آئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے ہاتھوں سے نجات دلائی۔ وہ شخص جس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو طمانچہ مارا تھا۔ وہ سہیل بن عمرو تھا اس کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں جس شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پناہ دی تھی اس کا نام ابوالختری بن ہشام تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں ضرار بن خطاب بن مرداس نے ہجرت کے متعلق یہ دو شعر کہے۔ یہ اس واقعہ کے متعلق سب سے پہلے شعر تھے ضرار کا تعلق بنو محارب بن فہر سے تھا۔

تَدَارَكْتُ سَعْدًا عَنَوَةً فَأَخَذَتْهُ
وَ كَانَ شِفَاءً لَوْ تَدَارَكْتُ مُنْذِرًا
وَ لَوْ نِلْتُهُ طُلْتُ هُنَاكَ جِرَاحَهُ
وَ كَانَتْ حَرِيًّا أَنْ يُهَانَ وَ يُهْدَرَا
میں نے اچانک سعد کو پکڑ لیا اور اس پر غلبہ پالیا۔ اس سے مجھے شفاء ملی کاش میں منذر کو بھی پکڑ لیتا اگر میں اسے پکڑ لیتا تو اسے بہت زیادہ زخم آتے۔ وہ اس سے بالاتر ہوتا کہ اس کی توہین کی جائے اور وہ رائیگاں بھی ہوتا۔

ابن ہشام کہتے ہیں آخری مصرعہ اس طرح بھی روایت ہے۔ وَ كَانَ حَقِيقًا أَنْ يُهَانَ وَ يُهْدَرَا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان اشعار کا جواب یوں دیا۔
لَسْتُ إِلَى سَعْدٍ وَ لَا الْبَرِّ مُنْذِرٍ
إِذَا مَا مَطَايَا الْقَوْمِ أَصْبَحْنَ ضُرًّا
فَلَوْ أَبُو وَهَبٍ لَمَرَّتْ قَصَائِدُ
عَلَى شَرَفِ الْبَرِّقَاءِ يَهُوِينَ حُسْرًا
أَتَفْخَرُ بِالْكَتَّانِ لَمَّا لَبِسْتَهُ
وَ قَدْ تَلَبَّسَ الْآنِبَاطُ رِيْطًا مُقْصَرًّا
فَلَا تَكُ كَالْوَسْنَانِ يَحْلُمُ أَنَّهُ
بِقَرْيَةٍ كَسْرَى أَوْ بِقَرْيَةٍ قَيْصَرًا
تو نہ تو سعد کی طرح ہو سکتا ہے اور نہ ہی منذر کی طرح۔ بالخصوص اس وقت جب ان کے لئے چھری سواریاں تیار کی جائیں۔ اگر تو ابو وہب نہ ہوتا تو پھر قصائد برقاء کی چوٹی سے بھی

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار

لَسْتُ إِلَى عَمْرٍو۔ بھی ایک روایت کے مطابق ہے اس سے مراد عمرو بن حنیس ہے جو حضرت منذر رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ یعنی نہ تو عمرو اور نہ ہی اس کے فرزند حضرت منذر رضی اللہ عنہ کی مانند ہو

گذر جاتے اور وہ تھک کر نیچے گرتے جاتے۔ کیا تو کوئی روئی کا لباس پہن کر فخر کرتا ہے حالانکہ نبطی بھی سفید چادریں پہنتے ہیں تو اس اونگھنے والے کی مانند نہ ہو جا جو کسریٰ کے شہر یا قیصر کے شہر کے متعلق خواب دیکھتا ہے۔

وَلَا تَكُ كَالْتَّكْلِی وَ كَانَتْ بِعَزَلٍ
وَلَا تَكُ كَالشَّاةِ الَّتِی كَانَ حَتْفُهَا
وَلَا تَكُ كَالْعَاوِی فَاَقْبَلَ نَخْرَهُ
فَانَا وَ مَنْ یُهْدِی الْقَصَائِدَ نَحُونَا
عَنِ الشُّكْلِ لَوْ كَانَ الْقَوَادَ تَفَكَّرَا
بِحَفَرٍ ذَرَاعِیْهَا فَلَمْ تَرْضَ مُحْفَرَا
وَلَمْ یَخْشَهُ سَهْمًا مِنَ النَّبْلِ مُضْمَرَا
كُمُسْتَبْضِعٍ تَمَرًا اِلٰی اَهْلِ خَیْبَرَا
تو اس عورت کی طرح نہ ہو جا جو اپنے اکلوتے بیٹے پر شب و روز گریہ بار رہتی ہے، اگر اس کے دل میں سوچنے کی صلاحیت ہوتی تو وہ اس آہ و فغاں سے جدا ہوتی۔ نہ تو اس بکری کی مانند ہو جا جس کی موت اس کے بازو سے کھودے ہوئے گڑھے سے ہوئی۔ وہ اپنے کھودے ہوئے گڑھے پر خوش نہ ہوئی اور تو اس کتے کی طرح نہ ہو جا جو گردن نکالے کھڑا ہو لیکن اسے پوشیدہ تیر کا کوئی خوف نہ ہو۔ ہم اور وہ شخص جو ہماری طرف اشعار روانہ کرتا ہے اسی طرح ہیں جس طرح کوئی شخص خیبر کی زمین پر کھجوریں بیچنے کے لئے لائے۔

حضرت عمرو بن جموح اور ان کا بت

جب انصار مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں اسلام کی تبلیغ کرنے لگے، ان کی قوم کے بہت سے بزرگ ابھی اپنے مذہب ”شُرک“ پر ہی تھے۔ ان میں عمرو بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن

سکتا ہے بلکہ تو ان سے کم ہے۔ حضرت منذر بن عمرو کو اَعْنَقَ لَیْمُوْت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نقیب بھی تھے۔ ابن اسحاق نے مواخاۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں حضرت ابوذر غفاری کا بھائی بنایا لیکن امام واقدی نے اس کا رد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت منذر اور حضرت طلیب بن عمرو کے مابین مواخات تھی۔ ان کے اور حضرت ابوذر غفاری کے مابین مواخاۃ کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ مواخات غزوہ بدر سے پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت ابوذر مدینہ طیبہ میں نہ تھے وہ غزوہ بدر کے بعد مدینہ منورہ میں آئے اس وقت مواخات منسوخ ہو چکی تھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مواخات کا نسخ ہوا۔

وَأُولَٰئِكَ الْأَرْحَامُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِی كِتَابِ اللّٰهِ ۖ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۵﴾ (الانفال)
”اور رشتہ دار (ورثہ میں) ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں حکم الہی کے مطابق یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

سلمہ شامل تھے ان کے نورِ نظر حضرت معاذ بن عمرو عقبہ میں حاضر ہوئے تھے اور حضور ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی عمرو بن جموح اپنی قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں لکڑی کا بت بنا رکھا تھا جسے ”مناة“ کہا جاتا تھا اس وقت وہاں کے سردار اسی طرح اپنے اپنے گھروں میں بت رکھتے تھے۔ انہوں نے اسے اپنا خدا بنا رکھا تھا۔ وہ اس کی تعظیم کرتے اور اسے صاف کرتے تھے جب بنو سلمہ کے جوانوں مثلاً حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہما وغیرہ نے اسلام قبول کیا تو وہ رات کی ظلمت میں عمرو کے بت کے پاس جاتے، اسے اٹھاتے اور بنو سلمہ کے ایک کنویں میں منہ کے بل پھینک دیتے۔ لوگ اس کنویں میں گندگی پھینکتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو عمرو نے کہا ”تمہارے لئے ہلاکت ہو اس رات ہمارے معبود پر ظلم کس نے کیا ہے؟ پھر وہ اپنے بت کو تلاش کرنے کے لئے چلے گئے انہیں وہ ایک کنویں میں نظر آیا، اسے باہر نکالا، دھویا، صاف کیا اور خوشبو لگائی۔ انہوں نے کہا کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیرے ساتھ یہ رسوا کن سلوک کون کرتا ہے؟ میں اسے ذلیل کر دیتا۔ دوسری رات جب عمرو سو گئے وہ جوان پھر آئے اور اس بت کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ عمرو نے پھر اپنا بت اسی کنویں سے نکالا اسے صاف کیا اور اس پر خوشبو لگائی۔ پھر رات کے وقت ان صحابہ کرام نے اس بت سے یہی سلوک کیا۔ جب لگاتار یہی ذلیل کن سلوک ہوتا رہا تو ایک دن عمرو نے اسے کنویں سے باہر نکالا

حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ نے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔ عبدالمہسن بن عباس بن سہل بن سعد اپنے باپ، وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت منذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کیا مگر عبدالمہسن ضعیف ہے۔

وَلَا تَكُ كَالشَّاةِ

یہ ایک ضربِ المثل ہے جو پرانے زمانہ میں بیان کی جاتی تھی اس شخص کے متعلق یہ کہا جاتا ہے جس کا نفس ہی اس ہلاکت میں گرا دے جو اس نے خود پیدا کی ہو۔ جاحظ فرزدق سے کہتا ہے۔

وَ كَانَ يُجِمُّ النَّاسَ مِنْ سَيْفِ مَالِكٍ فَاصْبَحَ يَبْغِي نَفْسَهُ مَنْ يُجِمُّهَا
وَ كَانَ كَعَنْزِ السُّوءِ قَامَتْ بِظُلْفِهَا إِلَى مُذْيَةِ تَحْتَ التُّرَابِ تُفِيئُهَا
وہ بادشاہ کی تلوار سے لوگوں پر ظلم کیا کرتا تھا پھر وہ سرکشی کرتے ہوئے اپنے ہی نفس پر ظلم کرنے والا ہو گیا۔ اس بے وقوف بکری کی مانند جو اپنے کمر سے اسی مٹی میں چھڑی دبا دیتی ہے جس کو اس نے کھودنا ہوتا ہے۔

اسے صاف کیا، غسل دیا اور خوشبو لگائی پھر ایک تلوار لائے اور اس کے گلے میں لٹکا دی اور کہا ”اے بت! میں نہیں جانتا کہ تجھ سے یہ سلوک کون کرتا ہے؟ اگر تجھ میں کچھ بھلائی ہے تو پھر اس شخص کو روک دینا یہ تلوار تیرے پاس موجود ہے۔“ رات ہوئی، عمرو سو گئے تو وہ جوان اس بت کے پاس گئے اس کے گلے سے تلوار اتاری، ایک مردہ کتا لیا اور ایک رسی سے ان دونوں کو باندھ کر بنو سلمہ کے کنویں میں لٹکا دیا۔ اس کنویں میں لوگ گندگی پھینکتے تھے۔ صبح عمرو اپنے بت خانے میں گئے لیکن انہیں وہاں اپنا خدا نظر نہ آیا۔

حضرت عمرو بن جموح کا اسلام

وہ اپنے بت کی جستجو میں نکلے انہوں نے اسے اسی کنویں میں دیکھا وہ منہ کے بل لٹکا ہوا تھا ایک کتے کی لاش اس کے ساتھ بندھی ہوئی تھی جب انہوں نے یہ دیکھا تو نگاہوں سے پردے اٹھ گئے۔ اپنی قوم کے مسلمانوں سے گفتگو کی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اپنے اسلام کو انتہائی عمدہ کیا جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کی پہچان کی توفیق دی تو اپنے بت کی رسوا کن حالت اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتُ اِلٰهًا لَّمْ تَكُنْ اَنْتَ وَكَلْبٌ وَسُطَ بِنْرِ فِی قَرْنٍ
اَوْ لِمَلَقَكَ اِلٰهًا مُّسْتَدِنٌ اَلَا نَ فَتَشْنَاكَ عَنْ سُوءِ الْغَبْنِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ ذِی الْمُنَنِ الْوَاهِبِ الرِّزَاقِ دَيَّانِ الدِّیْنِ

حضرت عمرو بن جموح کا اسلام

ان کے بت کا نام ”مناة“ تھا۔ یہ فعلة کے وزن پر ہے۔ یہ مَنِيتُ الدَّم سے مشتق ہے اس کا معنی خون بہانا ہے کیونکہ اس بت کے پاس حصول تقرب کے لئے جانور ذبح کئے جاتے تھے اسی لئے اس کو ”مناة“ کہا جانے لگا۔ ”اَصْنَامُ دُمِی“ ایسے ہی بتوں کو کہا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک بت کا نام ”مناة الطاغیہ“ تھا جس کے پاس مشرک کپڑے کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔

ارشاد ربانی ہے وَمَنَاةُ الثَّالِثَةَ الْاٰخِرٰی۔ ”اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللات والعزی کے بعد تیسرے مقام پر ”مناة“ کا ذکر کیا ہے اور وہ بت جس کی پوجا حضرت عمرو بن جموح وغیرہ کرتے تھے اس کے ساتھ صفت ”الآخری“ استعمال کیا کیونکہ ”مناة“ نامی بت دو تھے ان میں سے ہر ایک دوسرے کی نسبت سے آخری تھا۔

هُوَ الَّذِي أَنْقَذَنِي مِنْ قَبْلِ أَنْ أَكُونَ فِي ظُلْمَةٍ قَبْرِ مَرْتَهَنٍ
بِأَحْمَدَ الْمَهْدِيِّ النَّبِيِّ الْمُرْتَهَنِ

بخدا! اگر تو معبود ہوتا تو تیری لاش کتے کے ساتھ بندھی ہوئی کنویں میں نہ ملتی۔ اس ذلت آمیز حالت میں تمہاری ملاقات پر صد افسوس! اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہم تمہارے بارے میں دھوکا میں مبتلا تھے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بلند ہے بڑے احسانات والا ہے وہ عطا بھی کرتا ہے رزاق بھی ہے اور تمام اہل دین کو جزاء دینے والا ہے اس کی ذات وہ ہے جس نے مجھے کفر سے نجات دی اس سے پیشتر کہ میں قبر کے اندھیروں میں رہن رکھ دیا جاتا۔ اس نے مجھے ہدایت یافتہ نبی مکرم ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق دی۔

عقبہ آخری کی بیعت کی شرائط

ابن اسحاق کہتے ہیں اس بیعت میں جہاد کی شرط بھی شامل تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے

الْغَبْنَ

رائے کے ٹیڑھے ہونے کو غبن کہا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے سَفِهَ نَفْسَهُ۔ اہل عرب نَفْسَهُ کو نصب دیتے ہیں کیونکہ اس کا معنی ہے اس نے خود کو خسارے میں رکھا۔ اس نے اسے ہلاک کر دیا اسی طرح اس کا معنی ہے اس نے اپنی رائے کو ٹیڑھا کر دیا۔

مُسْتَدَنَّ

یہ ”السَّدَانَةُ“ سے مشتق ہے اس کا معنی گھر کی تعظیم اور اس کی خدمت کرنا ہے۔

دَيَّانُ الدِّينِ

الدِّينَ دِيْنَةً کی جمع ہے دین کا معنی عادت ہے اسے دین بھی کہا جاتا ہے۔ ابن الطبری، یزید کہتا ہے۔

أَرَى سَبْعَةَ يَسْعَوْنَ لِلْوَصْلِ كُلُّهُمْ لَهُ عِنْدَ لَيْلَى دِيْنَةٌ يَسْتَدِيْنُهَا

فَالْقَيْمُ سَهْبِي بَيْنَهُمْ حِمْنٌ أَوْ خَشْوًا فَمَا صَارَ لِي فِي الْقَسَمِ إِلَّا ثِيْنُهَا

میں نے ان سات کو دیکھا جب سب وصل کے لئے وشاں تھے لیلیٰ کے ہاں اس کا قرض ہے جس

کا وہ مطالبہ کرتا ہے۔ جب انہوں نے تیر اندازی کی تو میں نے بھی اپنا تیر پھینکا تو میرے حصے میں اس

کا اگلا حصہ ہی آیا۔

اپنے محبوب مکرم ﷺ کو جہاد کا اذن عطا فرما دیا تھا۔ یہ شرط عقبہ اولیٰ میں شامل نہ تھی کیونکہ اس وقت جہاد کا اذن نہیں ملا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جہاد کا حکم دیا تو عقبہ آخری میں حضور ﷺ نے ان سے سرخ و کالے کے خلاف جہاد کرنے پر بھی بیعت لی۔ اس میں آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے اور اپنے پروردگار کے لئے بھی بیعت لی اور وفا کرنے پر انصار کو جنت کا مژدہ سنایا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عبادۃ بن ولید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم نے اپنے دادا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے جہاد کی شرط کے ساتھ حضور ﷺ کی بیعت کی۔ حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ ان بارہ افراد میں شامل تھے جنہوں نے عقبہ اولیٰ میں حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی۔ یہ بیعت ان شرائط پر مشتمل تھی جن پر عورتوں سے بیعت لی جاتی ہے یعنی وہ اپنی تنگی اور کشادگی، خوشی اور مجبوری میں سر تسلیم خم اور مطیع رہیں گے۔ حکام کے ساتھ کسی قسم کا جھگڑا نہیں کریں گے۔ جہاں بھی ہوں گے حق کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں گے۔

عقبہ میں حاضر ہونے والے خوش نصیبوں کے اسماء

ابن اسحاق کہتے ہیں، یہ ان خوش نصیب افراد کے نام ہیں جو عقبہ اخیرہ میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ یہ قافلہ تہتر مرد اور دو عورتوں پر مشتمل تھا۔

اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر (بنو اشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس) میں سے حضرت اسید بن خضیر بن سماک بن عتیک بن رافع بن امری القیس بن زید بن عبد الاشہل نے یہ سعادت حاصل کی۔ یہ نقیب تھے لیکن غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔

ممکن ہے دین سے مراد ادیان ہو یعنی وہ اہل ادیان کو جزا دینے والا ہے لیکن شاعر نے اس کی جمع دین بنائی ہو کیونکہ یہ کئی اقوام اور مذاہب پر صادق آتا ہے جس طرح کہ حُرّۃ کی جمع حرار بنائی جاتی ہے کیونکہ وہ کرائم اور عقائل کے معنی میں ہوتی ہیں۔ اسی طرح مَرَائِرُ الشَّجَرِ بھی کہا جاتا ہے۔

بعض نسبوں کی تشریح

ابن اسحاق نے ان بلند بخت حضرات کا ذکر کیا ہے جو عقبہ اخیرہ میں حضور ﷺ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ انہوں نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے نسب کو ذکر نہیں کیا ہم نے ان کا اور ان کے والد کا نام پہلے ذکر کر دیا ہے اور نسب ذکر نہ کرنے کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

حضرت ابوالہیثم بن القتیبان۔ ان کا نام ”مالک“ تھا۔ یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت سلمہ بن سلمہ بن قش بن زغبہ بن زعوراء بن عبدالمشہل بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ یہ جی غزوہ بدر میں معرکہ آزما ہوئے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس میں سے حضرت ظہیر بن رافع بن عدی بن زید بن ہشیم بن حارثہ اور حضرت ابو بردہ بن نیار، ہانی بن نیار بن عمرو بن عبید بن کلاب بن دھمان بن غنم بن ذبیان بن ہسیم بن کاہل بن ذہل بن دھنی بن بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بنو حارثہ کے حلیف تھے۔ یہ بھی غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت نہیر بن الہیثم بن کاتعلیق بنونابی بن مجدعہ بن حارثہ سے تھا۔ اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ بنو عمرو بن عوف بن مالک بن اوس میں سے حضرت سعد بن خثیمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحات بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امری القیس بن مالک بن اوس کو بھی یہ توفیق ارزانی ہوئی۔ یہ بھی نقیب تھے غزوہ بدر میں شامل ہوئے اور جام شہادت نوش کیا۔ ابن ہشام کہتے ہیں ابن اسحاق نے حضرت سعد کا نسب بنو عمرو بن عوف میں بیان کیا ہے جبکہ ان کا تعلق بنو غنم بن سلم سے تھا کیونکہ بعض اوقات کوئی شخص کسی قوم میں پرورش پاتا ہے پھر ان کی طرف منسوب ہونے لگتا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت رفاعہ بن عبدالمندر بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ انہوں نے بھی غزوہ بدر میں شرکت کی۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر بن نعمان بن امیہ بن برک (امری القیس) بن ثعلبہ بن عمرو نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ انہوں نے بھی غزوہ بدر میں شرکت کی غزوہ احد میں شہید ہوئے یہ تیر اندازوں کے امیر تھے۔ ابن ہشام نے امیہ بن البرک کہا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت معن بن عدی بن جد بن عتبہ بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بنو

قطبہ بن عامر

ابو حنیفہ فرماتے ہیں قطبہ، قطب کی واحد ہے۔ اس بڑے کانٹے کو جس میں تین چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں قطبہ کہتے ہیں۔ یہ سعدان کے کانٹے کے ساتھ تشبیہ ہے ہم اپنے شہروں میں اس بوٹی کو ”حصص الامیر“ کہتے ہیں۔ قطبہ، پیکان کے سرے کو بھی کہتے ہیں۔ ابن اسحاق نے ذکوان بن عبد قیس کا ذکر کیا ہے اور ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ عامر بن زریق بن عامر بن زریق بن رواحہ

حارث کے حلیف تھے ان کا تعلق بنو بلی سے تھا، یہ غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق میں شریک ہوئے اور جنگ یمامہ میں شہادت سے سرخرو ہوئے اور حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی یہ بھی غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ یہ گیارہ حضرات وہ تھے جن کا تعلق اس سے تھا۔ بنو خزرج بن حارث بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر، بنو نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج میں سے حضرت ابوالیوب خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار نے یہ سعادت حاصل کی۔ انہوں نے غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شرکت کی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ”روح“ کے مقام پر ایک غازی کی حیثیت سے وصال فرمایا۔ حضرت معاذ بن حارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ یہی ابن عفراء ہیں ان کے بھائی حضرت عوف بن حارث غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور شہادت سے سرخرو ہوئے۔ انہوں نے ابو جہل بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں رفاعہ بن حارث بن سواد۔ حضرت عمارہ بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن نجار بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ وہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ حضرت اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے۔ یہ غزوہ بدر سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ اس وقت مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ان کی کنیت ابوامامہ تھی۔ بنو عمرو بن مہذول (عامر بن مالک بن نجار) میں سے حضرت سہل بن عتیک بن نعمان بن عمرو بن عتیک بن عمرو۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ بنو عمرو بن مالک بن نجار (یہ بنو حدیلہ تھے ابن ہشام کہتے ہیں حدیلہ بنت مالک بن زید مناة بن حبیب بن عبد حارث بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج) میں سے حضرت اوس بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناة بن

بن غضب بن جشم۔ لغت میں غضب شدید سرخی کو کہتے ہیں، جشم جاشم سے معدول ہے، یہ جَشِشَتُ الْأَمْرِ۔ (میں نے بمشکل کام کیا) سے مشتق ہے اسی طرح عمر، عامر سے معدول ہے۔ ہم نے اپنی کتاب میں منصرف اور غیر منصرف کے امرا بیان کر دیئے ہیں۔ ہم نے وہاں فاعل سے فعل کی طرف معدول کا فائدہ بھی ذکر کر دیا ہے۔ ہم نے وضاحت کی ہے کہ عدل کی حقیقت کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے اور اسمائے اجناس میں عدل کیوں نہیں ہوتا۔ عدل صفات میں ہی کیوں ہوتا ہے اور صفات میں بھی

عدی بن عمرو بن مالک بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے، انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ابو طلحہ زید بن سہل بن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناة بن عدی بن مالک بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ یہ بھی غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

بنو مازن بن نجار میں سے حضرت قیس بن ابی صصہ عمرو بن زید بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بھی غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرو بن غزیہ بن عمرو بن ثعلبہ بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بھی اس مبارک موقع پر حاضر تھے۔ بنو نجار میں سے گیارہ حضرات نے یہ بیعت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں عمرو بن غزیہ بن عمرو بن ثعلبہ بن خنساء ہے جس کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے وہ غزیہ بن عطیہ بن خنساء ہے۔

بلحارث بن خزرج کے بلند اقبال لوگ

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو بلحارث بن خزرج میں سے حضرت سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی غزوہ احد میں جام شہادت نوش کیا۔ حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیر بن مالک بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بھی اس سعادت سے لطف اندوز ہوئے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور غزوہ احد میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے، حضرت عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امری القیس بن عمرو بن امری القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ یہ بھی نقیب تھے۔ یہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شامل ہوئے۔ جنگ موتہ میں حضور ﷺ کی طرف سے امیر لشکر مقرر ہوئے اور شہادت کی رنگین قبا پہنی۔ حضرت بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن جلاس بن زید بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بھی وہاں تھے۔ حضرت ابو نعمان بن بشیر بھی غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

عامر، زافر اور قاثم وغیرہ میں ہی کیوں عدل ہوتا ہے جبکہ مالک، صالح اور سالم میں عدل نہیں ہوتا۔ معدول کے لئے اسی بناء کو مخصوص کیوں کیا گیا ہے کیا اس کے علاوہ کسی اور بناء میں بھی معدول ہے یا نہیں؟ اس بناء پر ہونے کی وجہ سے اسم پر تنوین اور کسرہ کیونکہ نہیں آ سکتا۔ جو ان تمام امور کو جاننے کا مشتاق ہو وہ وہاں سے مطالعہ کرے ابن جنی نے اپنی کتاب ”الخصائص“ میں ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے اور کچھ کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ بن زید مناۃ بن حارث بن خزرج بن حارثہ بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شمولیت کی۔ انہیں ہی خواب میں اذان سکھائی گئی تھی اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا اور حضور ﷺ نے اسی کا حکم دیا۔ حضرت فلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امرئ القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارثہ بھی اس سعادت کبریٰ میں شامل تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شرکت کی اور بنو قریظہ کے دن شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان پر ایک ٹیلے پر سے چکی پھینکی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان کے لئے دو شہیدوں کا اجر ہے۔ حضرت عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ بن اسیرہ بن عسیرہ بن جدارہ بن عوف بن حارثہ نے بھی اس سعادت میں شرکت کی۔ یہ عقبہ میں شرکت کرنے والوں میں سے سب سے کم عمر تھے۔ یہ غزوہ بدر میں شریک نہ تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انتقال کیا۔

بنو بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج میں سے حضرت زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بھی اس سعادت میں شامل تھے۔ یہ غزوہ بدر میں بھی شامل تھے۔ حضرت فروہ بن عمرو بن وذفہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ بھی اس عظیم سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ ابن ہشام نے وَذْفَہ کو وَذْفَہ کہا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت خالد بن قیس بن مالک بن عجلان بن عامر بن بیاضہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ بنو زریق بن عامر بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج میں سے حضرت رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے۔ حضرت ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ بن مغلد بن عامر بن زریق بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بھی سعادت اندوز ہوئے۔ یہ حضور ﷺ کی محبت میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر

وذقہ

ابن اسحاق نے بنو بیاضہ میں عمرو بن وذقہ کا ذکر کیا ہے ابن ہشام نے اسے وذقہ کہا ہے۔ ابن ہشام کا قول درست ہے، دکلش باغ کو ”وَذْفَہ“ کہا جاتا ہے کیونکہ اسے دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ ”ذکر“ کو ودا ف کہتے ہیں۔ یہ دراصل وادف ہے کیونکہ پانی اور منی کے قطرات اس سے گرتے ہیں اس لئے اسے ودا ف کہا جاتا ہے۔ دکلش باغ کو ”الدقری“ بھی کہا جاتا ہے۔ عمرو بن وذقہ وہی بیاضی ہیں جن سے امام مالک نے ”کتاب الصلوٰۃ“ میں روایت کیا ہے لیکن ان کا نام نہیں لیا۔

مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں حضور ﷺ کے پاس رہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے عشق میں مدینہ حبیبہ سے ہجرت کی انہیں مہاجر جری اور انصاری کہا جاتا تھا۔ یہ غزوہ احد میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت عباد بن قیس بن عامر بن خلدہ بن مخند بن عامر بن زریق بھی اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی۔ حضرت حارث بن قیس بن خالد بن مخلد بن عامر بن زریق نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ ابو خالد کے نام سے مشہور تھے، بنو سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارودہ بن تزیذ بن جشم بن خزرج (بنو عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ) میں سے حضرت براء بن معرور بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم نے یہ سعادت کبریٰ حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے۔ انہی کے متعلق بنو سلمہ گمان کرتے تھے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی اور حضور ﷺ کی شرائط کو تسلیم کیا۔ وہ حضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے ہی وصال فرما گئے ان کے فرزند دلہند حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما نے غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں شرکت کی۔ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ اس بکری کا گوشت کھایا تھا جس میں زہر کی ملاوٹ تھی اور خیبر میں ہی وصال فرما گئے۔ حضور ﷺ کی مراد یہی تھی جب آپ ﷺ نے بنو سلمہ سے استفسار فرمایا۔ مَنْ سَيِّدُكُمْ يَا بَنِي سَلَمَةَ۔ فَقَالُوا الْجَدُّ بْنُ قَيْسٍ عَلَى بُخْلَةٍ فَقَالَ وَآئِي دَاءٍ أَكْبَرُ مِنَ الْبُخْلِ سَيِّدُ بَنِي سَلَمَةَ الْاَبْيَضُ الْجَعْدُ بَشْرُ بْنُ الْبَرَاءِ بْنِ

بنو نجار سے مراد بنو تیمم اللہ بن ثعلبہ ہیں اسے نجار اس لئے کہا جاتا تھا، لِأَنَّهُ نَجَرَ وَجْهَ رَجُلٍ بِقَدْوَمٍ، کیونکہ اس نے کلہاڑے سے ایک شخص کا چہرہ چیر دیا تھا۔ عرب میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن کا نام ثعلبہ ہے لیکن ثعلب نام بہت کم رکھا جاتا ہے اگرچہ قیاس اس نام کے رکھنے کو ترجیح دیتا ہے جس طرح وہ نیر، سبُع اور ذنب وغیرہ نام رکھتے تھے مگر ثعلب کا لفظ مشترک ہے ثَعْلَبُ الرُّمَحِ (نیزے کا کنارہ) اور ثَعْلَبُ الْحَوْضِ (حوض کا کنارہ) کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے۔

حَتَّى أَقَامَ أَبُو لُبَابَةَ يَسُدُّ ثَعْلَبَ مِرْبِدَةَ بِرِدَائِهِ۔ اسی لئے اہل عرب نے ثعلب سے ثعلبہ کی طرف توجہ دی ہے کیونکہ لومڑی اپنی اولاد کی زیادہ حفاظت کرتی ہے اور (ثعلب) لومڑی سے زیادہ غیرت مند ہوتی ہے۔

مَنْ سَيِّدُكُمْ يَا بَنِي سَلَمَةَ

امام زہری اور عامر الشعمی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا سردار تو عمرو بن جموح

مغزوہ۔ اسے خواجہ احمد دارون نے انہوں نے عرض کی ہمارا دار جید بن قیس ہے اگرچہ وہ طفیل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، "بخل سے بڑی یہاری اور کیا ہو سکتی ہے؟" جو محمد کا سردار سفید اور کھنڈ یا لے بالوں والا بشر بن براہ بن عمرو ہے۔ حضرت سان بن ثعلبی بن محرز بن خضاء بن سان بن جبید بھی اس سعادت میں شریک تھے۔ انہوں نے بھی غزوہ بدر میں شرکت کی۔ حضرت طفیل بن نعمان خضاء بن سان بن جبید بھی وہاں حاضر تھے۔ یہ غزوہ خندق میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ حضرت معقل بن منذر بن سرح بن خناس بن سان بن جبید رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی یہ بھی غزوہ بدر میں شامل ہوئے۔ حضرت مسعود بن یزید بن سمیع بن خضاء بن سان بن جبید اور حضرت نضاک بن حارث بن زید بن اثلجہ بن جبید اور حضرت یزید بن خدام بن سمیع بن خضاء بن سان بن جبید حضرت جبار بن صخر بن امیہ بن خضاء بن سان بن جبید بن حدی بن غنم بن کعب بن سلمہ رضی اللہ عنہم بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور غزوہ بدر میں شرکت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں جبار بن صخر بن امیہ بن خناس بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت طفیل بن مالک بن خضاء بن سان بن جبید نے بھی یہ سعادت حاصل کی اور غزوہ بدر میں شرکت کی۔ یہ طفیل بن نعمان بن خضاء بن سان کے چچا زاد تھے۔ بنو سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت کعب بن مالک بن ابی کعب بن النخعی بن کعب نے یہ سعادت حاصل کی۔ بنو غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت سلیم بن عمرو بن حدیدہ بن عمرو بن غنم، حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم اور حضرت یزید بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم رضی اللہ عنہم بھی ان پر کیف لمحات میں حاضر تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی۔ حضرت ابو الیسر کعب بن عمرو بن عباد بن عمرو بن غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ بھی عقبہ میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت صفی بن سواد بن عباد بن عمرو بن غنم رضی اللہ عنہ نے بھی ان بابرکت لمحات میں شرکت کی۔ ابن

رضی اللہ عنہ ہے۔ انصار کا ایک شاعر اسی واقعہ کے متعلق کہتا ہے۔

وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ وَالْحَقُّ قَوْلُهُ لَمَنْ قُلْنَا مَنْ تَعْبُدُونَ سَيِّدًا
فَقَالُوا لَهُ جَدُّ بْنُ قَيْسٍ عَلَى الَّتِي نَبِّخِلُهُ فِيهَا، وَ مَا كَانَ أَسْوَدًا
فَسَوَدَ عَمْرَوَيْنِ الْجَمُوحِ لِحُودِهِ وَ حَقٌّ لِعَمْرٍو وَ عِنْدَنَا أَنْ يُسَوِّدَا
حضور ﷺ نے فرمایا اور آپ ﷺ کا فرمان حق ہے۔ ”تم اپنا سردار کسے سمجھتے ہو؟“ لوگوں

ہشام کہتے ہیں صلیبی بن اسود بن عباد بن عمرو بن غنم بن سواد ہیں، سواد کا غنم نامی بیٹا کوئی نہ تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں بنونابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت ثعلبہ بن غنمہ بن عدی بن نابی نے یہ عظیم سعادت حاصل کی، غزوہ بدر میں بھی شرکت کی اور غزوہ خندق میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ حضرت عمرو بن غنمہ بن عدی بن نابی اور حضرت عبس بن عامر بن عدی بن نابی رضی اللہ عنہما بھی ان عظیم لمحات میں شریک تھے، مؤخر الذکر نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کے دست شفا بخش پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ بنوقضاعہ میں سے ان کے حلیف تھے۔ اسی طرح حضرت خالد بن عمرو بن عدی بن نابی رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت میں شریک تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند ہوئے۔ یہ نقیب تھے غزوہ بدر میں شریک ہوئے، غزوہ احد میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ ان کے نورِ نظر کا نام حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما تھا۔ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح بن زید بن حرام رضی اللہ عنہ بھی ان سعادت اندوز لمحات میں شامل تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی۔ حضرت ثابت بن الجذع (ثعلبہ) بن زید بن حارث بن حرام رضی اللہ عنہ بھی اس وقت حاضر تھے انہوں نے بھی غزوہ بدر میں معرکہ آزما ہونے کی سعادت حاصل کی اور طائف میں شہادت کا جام نوش کیا۔ حضرت عمیر بن حارث بن ثعلبہ بن زید بن حارث بن حرام رضی اللہ عنہ بھی ان پر لطف لمحات میں حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں عمیر بن حارث بن لبده بن ثعلبہ۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت خدیج بن سلامہ بن اوس بن عمرو بن الفرافر نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔ یہ بنوبلی سے ان کے حلیف تھے۔ حضرت معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائد بن

نے عرض کی ”ہم اپنا سردار جد بن قیس کو سمجھتے ہیں اگرچہ وہ بخیل ہے حالانکہ وہ سردار ہونے کے قابل نہ تھا۔“ آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن جموح کو ان کی سخاوت کی وجہ سے سردار بنادیا۔ ہمارے نزدیک بھی وہ اس قابل تھے کہ انہیں سردار بنایا جاتا۔

ابن اسحاق نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ازی بن سعد بن علی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ادی کی نسل ختم ہو گئی تھی۔ سب سے آخر میں حضرت عبدالرحمن بن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے

عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعد بن علی بن اسد بھی اس شرف میں شامل ہوئے۔ انہیں اسد بن سارودہ بن تزید بن جشم بن خزرج کہا جاتا ہے۔ یہ بنو سلمہ میں سے تھے، یہ غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے بلکہ تمام غزوات میں شرکت کی۔ انہوں نے ”عمواس“ کے مقام پر طاعون سے انتقال کیا۔ بنو سلمہ کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ ہل بن محمد بن جد بن قیس بن ضحہ بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ کے ماں کے جانب سے بھائی تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں اس سے مراد ابن عباد بن عدی بن کعب بن عمرو بن ادی بن سعد ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو عوف بن خزرج (بنو سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج) میں سے حضرت عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فھر بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ان سعادت افزا لمحات میں موجود تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں غنم بن عوف، سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج کے بھائی تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عباس بن عبادہ بن نضله بن مالک بن العجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف رضی اللہ عنہ سے بھی اس شرف میں شرکت کی۔ انہوں نے بھی محبت رسول ﷺ میں مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کی اور وہیں مقیم رہے۔ انہیں مہاجر انصاری کہتے تھے۔ یہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت ابو عبد الرحمن یزید بن ثعلبہ بن خزیمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت میں شامل ہوئے۔ یہ بنو غصینہ سے ان کے حلیف تھے۔ حضرت عمرو بن حارث بن لبدہ بن عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت بھرے وقت میں شریک تھے۔ انہیں قواقل کہا جاتا تھا۔

بنو سالم بن غنم بن عوف بن خزرج بنو حہلی (سالم بن غنم بن عوف کو پیٹ کے بڑے ہونے کی وجہ سے حہلی کہا جاتا تھا) میں سے حضرت رفاعہ بن عمرو بن زید بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن سالم بن غنم رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سعادت حاصل کی۔

انتقال کیا۔ ادی کو اذن بھی کہا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے طاعون عمواس میں وصال فرمایا۔ نسخہ میں عمواس ہی ہے علامہ الہکری نے اسے کتاب المعجم میں عمواس لکھا ہے۔ یہ شام کا ایک قصبہ تھا۔ طاعون کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ اسی شہر سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اس طاعون کو عمواس اس لئے کہا جاتا تھا لآئہ عَمَّ وَاَسَى۔ کیونکہ یہ مرض بہت عام ہو گئی تھی اور لوگوں کو ایک دوسرے کا نمونہ بنا دیا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں حضرت رفاعہ کو ابن مالک اور مالک سے مراد ابن الولید بن عبد اللہ بن مالک بن جشم بن مالک بن سالم ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عقبہ بن وہب بن کلدہ بن جعد بن ہلال بن حارث بن عمرو بن عدی بن جشم بن عوف بن جھشہ بن عبد اللہ بن غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان رضی اللہ عنہ بھی اس سعادت میں شریک ہوئے۔ یہ بنو سالم کے حلیف تھے، غزوہ بدر میں شرکت کی انہوں نے بھی حضور ﷺ کی محبت میں مکہ معظمہ کو اپنا مسکن بنا لیا انہیں مہاجر بنی انصاری کہا جاتا تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں بنو ساعدہ بن کعب بن خزرج میں سے حضرت سعد بن عبادہ بن ولیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ نے بھی اس موقع پر حاضری دی۔ یہ بھی نقیب تھے۔ حضرت منذر بن عمرو بن خنیس بن حارثہ بن لوزان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن جشم بن خزرج بن ساعدہ نے بھی دست مصطفیٰ ﷺ پر بیعت عقبہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ بھی نقیب تھے یہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ بنو معونہ کے واقعہ میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ انہیں "أَعْنَقَ لَيْمُونُ" کہا جاتا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو اوس اور بنو خزرج میں سے تہتر مردوں اور دو عورتوں نے عقبہ میں حضور ﷺ کی بیعت کی۔ حضور ﷺ بیعت کرتے وقت عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ صرف ان سے عہد لیتے تھے اگر وہ اقرار کر لیتیں تو فرماتے جاؤ۔ "میں نے تمہیں بیعت کر لیا ہے۔"

بنو مازن بن نجار میں سے حضرت نسیبہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار اس سعادت سے بہرہ مند ہوئیں۔ ان کی کنیت ام عمارہ تھی۔ یہ غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں ان کے ہمراہ ان کی ہمشیرہ ہوتی تھیں ان کے خاوند کا نام حضرت زید بن عاصم بن کعب رضی اللہ عنہ تھا۔ حضرت حبیب بن زید اور حضرت عبد اللہ بن زید ان کے نور نظر تھے۔ ان کے فرزند دلبد حضرت حبیب رضی اللہ عنہ وہی خوش نصیب شخص ہیں

خزیمہ

ابن اسحاق اور ابن کلبی نے اسے خزیمہ لکھا ہے امام الطبری نے اس کو خزیمہ لکھا ہے یہ بنو عمارہ میں سے بلوی تھے عرب میں عمارہ صرف یہی ہے اور عمارہ بھی ایک ہی ہے یعنی ابی بن عمارہ موزوں پر مسج والی حدیث ان ہی سے مروی ہے انہیں عمارہ بھی کہا جاتا ہے ان کے علاوہ باقی "عمارہ" ہیں مگر دارقطنی نے محمد بن حبیب سے اور وہ ابن الکلی سے قضاعہ کے نسب میں

ہیں میلہ کذاب نے پکڑ لیا۔ وہ ان سے پوچھنے لگا۔ ”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟“ انہوں نے فرمایا ”ہاں!“ پھر میلہ نے پوچھا ”کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“ انہوں نے فرمایا ”میں نے نہیں سنا“۔ اس ستم زرنے ان کا ایک ایک عضو کاٹا، وہ جامِ شہادت نوش کر گئے لیکن اپنی زبان سے اس سے زیادہ کچھ نہ نکالا جب ان کے سامنے حضور تاجدارِ مدینہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا وہ آپ ﷺ پر درود و سلام پیش کرتے جب میلہ الکذاب کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتے لَا أَسْمَعُ میں نے نہیں سنا۔ حضرت نسیمہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہمراہ یمامہ کی طرف گئیں۔ بنفس نفیس جنگ میں شرکت کی حتیٰ کہ میلہ کذاب جہنمِ واصل ہو گیا۔ جب یہ واپس تشریف لائیں تو ان کے جسمِ اطہر پر تیرو تلواریں کے بارہ زخم تھے۔

بنو سلمہ میں سے حضرت ام منیع اسماء بنت عمرو بن عدی بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ رضی اللہ عنہما نے اس سعادت میں شرکت کی۔

حضور ﷺ کو جہاد کی اجازت

محمد بن اسحاق مطبلی روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کو بیعت عقبہ سے پہلے جہاد کا اذن نہیں ملا تھا۔ خون ریزی حلال نہ ہوئی تھی اس وقت صرف بارگاہِ ربوبیت میں التجاء کرنے، اذیتوں اور مصائب پر صبر کرنے، جاہل سے درگزر کرنے کی اجازت تھی۔ قریش آپ ﷺ کے صحابہ کو جو رستم کا نشانہ بناتے تھے۔ وہ انہیں دینِ متین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان میں کچھ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، کچھ قریش کے ہاتھوں مشتقِ ستم بنتے رہے، کچھ حبشہ چلے گئے اور بعض مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ جب قریش مکہ نے اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت و سرکشی کا مظاہرہ کیا اور اس عزت و کرامت کو ٹھکرا دیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کے

لکھتے ہیں۔ مدرک بن عبد اللہ القمقام بن عمارہ بن ذوید بن مالک۔ خواتین میں سے عمارہ بن نافع ہیں یہ محمد بن عبد اللہ بن عبد الرزاق کی والدہ تھیں۔ انصار میں اس خزمہ کے علاوہ باقی تمام خزمہ ہیں۔

ابن اسحاق نے حضرت خدیج رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ دارقطنی اور الطبری نے انہیں ”خدیج“ لکھا ہے انہوں نے لکھا ہے یہ عقبہ میں تو حاضر ہوئے تھے لیکن غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ ان کی کنیت ابو رشید تھی۔

ساتھ ارادہ کیا تھا۔ نبی محترم ﷺ کو جھٹلایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والوں، اس کی عبادت کرنے والوں اور اس کے نبی معظم ﷺ کی تصدیق کرنے والوں کو مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو جنگ کی اجازت دے دی، ظلم کرنے والوں اور علم بغاوت بلند کرنے والوں سے بدلہ لینے کا حکم دے دیا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلی وہ آیت جس میں جہاد کا اذن تھا، خونریزی کو حلال کیا گیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول کے باغیوں کی سرکوبی کا حکم ہے وہ یہ تھی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنفُسِهِمْ ظُلُمًا ۖ وَإِن لِّلَّهِ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقُدْرٌ ۖ ۝۱۰۱ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۖ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفُتِنَتْ صَوَامِعُ وَبِهَيْجُوا
صَلَوَاتُ مَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۖ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝۱۰۲
الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالنَّعْرُوفِ وَلَهُوَ عَيْنُ الْمُنْكَرِ ۖ
وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝۱۰۳ (الحج)

”اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارتگری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سارے کاموں کا انجام۔“

حبلی سے نسبت ”حبلی“ ہے۔ یہ خلاف قیاس ہے یہ سیبویہ کا قول ہے۔ اس سے بعض علماء کو گمان ہوا ہے کہ سیبویہ نے اس میں حبلی کہا ہے جس طرح حَدِیْمَۃ سے نسبت حَدَامِیٰ بنائی جاتی ہے لیکن سیبویہ نے اسے حبلی کے ساتھ ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ شاذ ہے مگر سیبویہ نے اسے ضمہ کے ساتھ ہی روایت کیا ہے۔ اس قول کو ابو علی القالی نے ”البارع“ میں لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے سیبویہ

یعنی میں نے ان کے لئے جہاد اس لئے جائز قرار دیا کیونکہ ان پر ستم ڈھایا گیا حالانکہ لوگوں کے درمیان ان کا کوئی گناہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ لوگ جب غالب آجائیں گے تو نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے نیکی کا حکم دیں گے برائی سے منع کریں گے۔ جنہیں اذن جہاد دیا گیا تھا ان سے مراد نبی محترم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر اس آیت کا نزول ہوا۔ وَ قَتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ يَكُونَ الْبَدِينُ لِلَّهِ (بقرہ: ۱۹۳) ”اور (اے مسلمانو!) لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لئے۔“

سے صحیح نسخہ میں اسی طرح تحریر ہے۔ اس کی دلیل یہی کافی ہے کہ تمام محدثین نے ابو عبد الرحمن کو حُبْلٰی ہی کہا ہے۔ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے اس شخص کی خطا واضح ہوتی ہے جس نے اسے سیہویہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

مسلمانوں کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے کا اذن

ابن اسحاق کہتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے نبی محترم ﷺ کو جہاد کا اذن دے دیا، خوش قسمت انصار نے اسلام اور نصرت پر بیعت کر لی۔ مظلوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی انصار کے ہاں پناہ لینی چاہی تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور انہیں اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جانے کا اذن دے دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھائی اور ایک بستی عطا فرمادی ہے جہاں تم امن و سلامتی سے رہ سکتے ہو۔ حضور ﷺ خود مکہ معظمہ میں ہی اقامت گزیر رہے اور ہجرت میں اذن الہی کے منتظر رہے۔

حضرت ابوسلمہ اور ان کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت

بنو مخزوم میں سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی ان کا نام عبداللہ تھا، انہوں نے بیعت عقبہ سے ایک سال قبل ہجرت کی۔ یہ سرزمین حبشہ سے مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ جب قریش نے انہیں ظلم و تعدی کا نشانہ بنایا اور انہیں انصار کے اسلام لانے کی خبر ملی تو یہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ”وہ فرماتی ہیں جب حضرت ابوسلمہ نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم مصمم کر لیا تو وہ اپنا اونٹ میرے پاس لے کر آئے مجھے اس پر سوار کیا میری آغوش میں اپنے لخت جگر سلمہ کو رکھا پھر ہمیں لے کر عازم سفر ہوئے۔ جب بنو مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کو خبر ملی تو وہ حضرت ابوسلمہ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ ایک تو تمہارا اپنا نفس ہے جس کی وجہ سے تم ہم پر غالب آ گئے ہو لیکن تمہارا اپنی اس زوجہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا ہم اسے تمہارے ساتھ چھوڑ دیں گے کہ یہ

حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ

جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن ابی طلحہ کی رفاقت میں ہجرت کی اس وقت وہ دین اسلام سے وابستہ نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے صلح حدیبیہ کے سال اسلام قبول کیا اور مکہ فتح ہونے سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوہ احد میں

مختلف شہروں میں تمہارے ساتھ چلتی رہے۔ انہوں نے حضرت ابوسلمہ کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل چھین لی اور مجھے پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر بنو عبد الاسد بھی غصے میں ہو گئے۔ یہ حضرت ابوسلمہ کا قبیلہ تھا۔ انہوں نے کہا ”بخدا! انہیں جب تم نے ہمارے ساتھی سے اس کی زوجہ چھین لی ہے تو پھر ہم اس کا بچہ بھی اس عورت کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔“ وہ میرے نورِ نظر کو کھینچنے لگے۔ اسی کشاکش میں اس کا ہاتھ بھی اتر گیا مگر پھر بھی بنو عبد الاسد اسے لے گئے۔ مجھے بنو مغیرہ نے اسیر کر دیا میرے خاوند محترم مدینہ طیبہ چلے گئے۔ اس طرح میرے، میرے خاوند اور میرے فرزند دلبند کے مابین جدائی ڈال دی گئی۔ میں ہر روز باہر نکل جاتی اور ٹیلوں پر بیٹھ کر روتی رہتی۔ اس گریہ زاری میں ایک سال گزر گیا ایک روز میں اسی کیفیت میں تھی کہ میرے پاس سے میرا چچا زاد گزرا اس نے میری قابلِ ترس حالت دیکھ کر رحم کیا اس نے بنو مغیرہ سے کہا ”تم اس مسکینہ کو جانے کیوں نہیں دیتے، تم نے اس کے خاوند اور اس کے بیٹے کے مابین جدائی ڈال دی ہے۔“ بنو مغیرہ نے مجھے کہا ”اگر تم اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہو تو جاؤ“ اس وقت بنو عبد الاسد نے بھی مجھے میرا بیٹا لوٹا دیا۔ میں نے اپنا اونٹ تیار کیا اپنے بیٹے کو اپنی گود میں لے کر سوار ہوئی اور مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اللہ کی مخلوق میں سے میرے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ میں نے سوچا مجھے جو بھی ملے گا میں اسی پر کفایت کر لوں گی، حتیٰ کہ میں اپنے خاوند تک پہنچ جاؤں۔ جب میں مقام تنعیم پر پہنچی تو مجھے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ملے۔ ان کا تعلق بنو عبد الدار سے تھا، انہوں نے مجھ سے پوچھا ”اے ابوامیہ کی بیٹی! کہاں کا ارادہ ہے؟“ میں نے کہا ”میں اپنے خاوند محترم کے پاس مدینہ طیبہ جانا چاہتی ہوں۔“ انہوں نے پوچھا ”کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟“ میں نے کہا ”نہیں بخدا! میرے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس ننھے بیٹے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“ انہوں نے کہا ”قسم بخدا! تمہیں اکیلے نہیں چھوڑا جاسکتا۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل کو پکڑ لیا اور میرے آگے آگے چلنے لگے۔ میں نے اس سے زیادہ شریف رفیق رہا اہل عرب میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی مقام پر پہنچتے تو اونٹ کو بٹھاتے پھر ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاتے۔ جب میں اونٹ سے اتر

اے بھائیوں کو ہی قتل کیا۔ خانہ کعبہ کی چابیاں انہی کے پاس ہوتی تھیں فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے یہ چابیاں حضرت عثمان بن ابی طلحہ اور ان کے چچا زاد بھائی شیبہ بن ابی عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیں۔ بنو شیبہ کے جد امجد یہی ہیں، ابو طلحہ کا نام عبد اللہ بن عبد العزیٰ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اجنادین کے میدان میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

جاتی تو وہ اونٹ کو لے جاتے اور کسی درخت سے باندھ دیتے پھر کسی دوسرے درخت کی نیچے جا کر لیٹ جاتے جب روانگی کا وقت قریب آتا تو اونٹ کے پاس جاتے اس پر کجاوہ رکھتے پھر اسے میرے پاس لے آتے اور مجھے کہتے، ”سوار ہو جاؤ“۔ جب میں سوار ہو جاتی اور اپنے اونٹ پر اچھی طرح بیٹھ جاتی تو وہ قریب آتے اونٹ کی نکیل پکڑتے اور چلنے لگتے۔ وہ اسی طرح عازم سفر رہے حتیٰ کہ ہم مدینہ طیبہ پہنچ گئے جب انہیں قباء میں بنو عمرو بن عوف کی بستی نظر آئی تو انہوں نے کہا تمہارے محترم خاوند اس بستی میں ہیں۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ وہیں تھے، اللہ کا نام لے کر اس میں داخل ہو جاؤ پھر حضرت عثمان مکہ معظمہ واپس آ گئے۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں ”قسم بخدا! میں کسی ایسے گھرانہ کو نہیں جانتی جسے اتنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہو، جتنی تکالیف ابوسلمہ کے گھرانہ کو سہنا پڑیں، میں نے کسی ساتھی کو حضرت عثمان بن ابی طلحہ سے شریف نہیں دیکھا۔“

حضرت عامر، ان کی اہلیہ محترمہ اور بنو جحش کی ہجرت

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ ”بنو عدی بن کعب کے حلیف“ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی خثمہ بن غانم بن عبد اللہ بن عوف بن عبید بن عدی بن کعب رضی اللہ عنہما نے ہجرت کی پھر حضرت عبد اللہ بن جحش بن رباب بن یحمر بن صبرہ بن مرة بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ یہ بنو امیہ بن عبد شمس کے حلیف تھے ان کے ہمراہ حضرت ابواحمد عبد بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابواحمد نابینا تھے، یہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور! بغیر کسی راہ نما کے مکہ معظمہ کے بالائی نشیبی علاقے میں آیا جایا کرتے تھے۔ یہ شاعر تھے الفرعہ بنہ ابی سفیان بن حرب ان کی زوجیت میں تھیں ان

بنو جحش کی ہجرت

بنو جحش سے مراد عبد اللہ اور ابواحمد عبد ہیں۔ ان کا بھائی عبید اللہ تھا جس نے پہلے اسلام قبول کیا پھر نصرانیت اختیار کر لی، حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو حرم رسول میں داخل ہونے کی سعادت ملی۔ انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا (الاحزاب: ۳۷) ”پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش کی تو ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا۔“

کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ بنو جحش کا گھر ہجرت کی وجہ سے بند پڑا تھا ان کے گھر کے پاس سے عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبدالمطلب اور ابو جہل بن ہشام گزرے۔ یہ گھر ان کھنڈرات پر تھا جہاں ابان بن عثمان کا گھر تھا۔ یہ مکہ معظمہ کے بالائی علاقہ کی طرف جا رہے تھے، عتبہ بن ربیعہ نے ان کے گھر کا جائزہ لیا اس کے دروازوں سے آواز آرہی تھی اس میں کوئی ساکن نہ تھا۔ عتبہ بن ربیعہ نے اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہ لی پھر فرمایا۔

وَكُلُّ دَارٍ وَ إِن طَالَتْ سَلَامَتُهَا يَوْمًا سَتَذُرُكُمَا النِّكْبَاءُ وَالْحُوبُ
”تمام گھر، اگرچہ ان کی سلامتی کتنی بھی طویل ہو جائے، ایک نہ ایک دن مخالف ہوا اور وحشت کا سامنا کریں گے۔“ ابن ہشام کہتے ہیں کہ یہ شعر ابو داؤد الایادی کا ہے۔ حوب کا معنی تکلیف اور وحشت ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو جحش کے گھر خالی ہو گئے۔ ابو جہل نے کہا وَ مَا تَبْكِي عَلَيْهِ مِنْ قُلِّ بْنِ قُلِّ۔ تو ایک کے بیٹے ایک پر کیا روتا ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں قُلِّ کا معنی واحد ہے لبید بن ربیعہ کہتا ہے۔

كُلُّ بَنِي حُرَّةٍ مَصِيرُهُمْ قُلٌّ وَإِنْ أَكْثَرَتْ مِنَ الْعَدُوِّ
تمام بنو حُرّة کا انجام واحد (ایک) ہے اگرچہ وہ تعداد میں کثیر بھی ہوں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ابو جہل نے کہا ”یہ سب کام تمہارے بھتیجے کا ہی ہے جس نے ہماری جماعت کے شیرازہ کو بکھیر دیا، ہمارے معاملات کو متفرق کر دیا اور ہمارے مابین قطع تعلقی کرا دی۔“ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت ابو احمد بن جحش قباء میں بشر بن عبدالمزہر بن نبر کے پاس مقیم تھے پھر دیگر صحابہ کرام بھی جوق در جوق

حضرت ام حبیب بنت جحش رضی اللہ عنہا حضرت عبدالرحمن بن عوف کی زوجیت میں تھیں۔ ”موطا“ میں ہے کہ حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں لیکن حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کسی دور میں بھی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں نہیں رہیں۔ یہ کسی کا قول نہیں اور نہ ہی کوئی اسے تسلیم کرتا ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں حضرت ام حبیب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا نام بھی زینب ہی تھا اور کنیت سے ان میں فرق ہوتا تھا۔ اس لئے ”موطا“ کی حدیث میں کوئی وہم یا غلطی کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا۔ حضور نے ان کا نام زینب رکھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی نشوونما میں مدد

ادھر کا رخ کرنے لگے۔ بنو غنم بن دودان جو دولت اسلام سے مالا مال ہو چکے تھے وہ بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ درج ذیل حضرات نے سب سے پہلے ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت ابواحمد بن جحش، حضرت عکاشہ بن مھسن، حضرت شجاع، حضرت عقبہ، حضرت اربد بن جمیرہ (ابن ہشام نے جمیرہ کہا ہے) حضرت منقذ بن نباتہ، حضرت سعید بن رقیش، حضرت محزر بن نضلہ، حضرت یزید بن رقیش، حضرت قیس بن جابر، حضرت عمرو بن مھسن، حضرت مالک بن عمرو، حضرت صفوان بن عمرو، حضرت ثقف بن عمرو، حضرت ربیعہ بن اکثم، حضرت زبیر بن عبید، حضرت تمام بن عبیدہ، حضرت سخرہ بن عبیدہ اور حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہم۔

فرخندہ فال خواتین میں سے یہ سعادت حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیب بنت جحش، حضرت جذامہ بنت جندل، حضرت ام قیس بنت مھسن، حضرت ام حبیب بنت ثمامہ، حضرت آمنہ بنت رقیش، حضرت سخرہ بنت تمیم اور حضرت حمہ بنت جحش رضی اللہ عنہن نے حاصل کی۔ جب بنو اسد بن خزیمہ کو اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی رضا کے لئے ہجرت کی دعوت دی گئی تو ان تمام نے اس دعوت پر لبیک کہا، حضرت ابواحمد بن جحش بن رباب اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَلَوْ حَلَفْتُ بَيْنَ الصَّفَا أَوْ أَحَدٍ
لَنَحْنُ الْأُولَى كُنَّا بِهَا ثُمَّ لَمْ نَزَلْ
بِهَا حَيَّتْ غَنَمُ بْنُ دُودَانَ وَابْتَنَتْ
إِلَى اللَّهِ تَعْدُو بَيْنَ مَثْنَى وَوَاحِدٍ
وَمَرَّوْتَهَا بِاللَّهِ بَرَّتْ يَمِينُهَا
بِمَكَّةَ حَتَّى عَادَ غَنَّا سِيبُهَا
وَمَا إِنْ غَدَتْ غَنَمٌ وَخَفَّ قَطِينُهَا
وَدِينُ رَسُولِ اللَّهِ بِالْحَقِّ دِينُهَا

کرنے والی دایا کا نام بھی برہ تھا، آپ ﷺ نے ان کا نام بھی زینب رکھا۔ گویا کہ آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا کہ کوئی عورت اس نام سے اپنے آپ کو پاکباز بنانے کی کوشش کرے۔ جحش بن رباب کا نام برہ تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ کا ش آپ میرے باپ کا نام بھی تبدیل کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا باپ مسلمان ہوتا تو میں اپنے اہل بیت کے ناموں میں سے اس کا نام رکھتا لیکن میں نے اس کا نام جحش رکھا ہے اور جحش کا معنی ”برہ“ سے زیادہ ہے۔ (المؤتلف والمختلف)۔ وَكُلُّ بَيْتٍ..... ابوداؤد کے اس شعر کے بعد دوسرا شعر یہ ہے۔

اگر ام احمد کوہ صفا اور کوہ مروہ کے درمیان کھڑی ہو کر قسم اٹھائے تو اس کی قسم سچی ہوگی کہ ہم مکہ معظمہ میں ہی اقامت گزریں تھے پھر وہیں مقیم رہے حتیٰ کہ اس کے موٹے آدنی کمزور ہو گئے۔ بنو غنم بن دودان بھی وہیں خیمہ زن تھے۔ ان کے گھر بھی وہیں تھے پھر وہاں سے بنو غنم صبح سویرے عازم سفر ہو گئے اور یہ سفر ان کے مقیم کے لئے آسان ہو گیا۔ وہ ایک ایک، دودو ہو کر اللہ کی طرف ہجرت کرتے جا رہے ہیں اور حضور ﷺ کا سچا دین، ان کا دین بن گیا۔

یہ قصیدہ بھی حضرت ابو احمد بن جحش رضی اللہ عنہ کا ہی ہے۔

لَمَّا رَأَيْتَنِي أَمْ أَحْمَدَ غَاوِيَا بِذِمَّةٍ مَنْ أَخْشَى بَغِيبٍ وَ أَرْهَبُ
تَقُولُ فِيمَا كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَيَمِّمُ بِنَا الْبُلْدَانِ وَلَتَنَا يَثْرَبُ
فَقُلْتُ لَهَا بَلْ يَثْرَبُ الْيَوْمَ وَجْهَنَا وَ مَا يَشَاءُ الرَّحْمَنُ فَالْعَبْدُ يَرْكَبُ
إِلَى اللَّهِ وَجْهِي وَالرَّسُولِ وَ مَنْ يَقُمْ إِلَى اللَّهِ يَوْمًا وَجْهَهُ لَا يُخَيِّبُ
فَكَمْ قَدْ تَرَكْنَا مِنْ حَبِيبٍ مُنَا صَبِحَ وَ نَاصِحَةٍ تَبْكِي بِذَمِّهِ وَ تَنْدَبُ

جب ام احمد نے مجھے دیکھا کہ میں اس ذات والا کے بھروسے پر عازم سفر ہو رہا ہوں جس سے میں بن دیکھے ڈرتا ہوں اور لرزہ بر اندام رہتا ہوں۔ اس نے کہا اگر تو نے سفر پر روانہ ہونا ہی ہے تو ہمیں یثرب کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں لے چلو میں نے اس سے کہا نہیں آج ہمارا رخ

كُلُّ أَمْرٍ بِلِقَاءِ الْمَوْتِ مُرْتَهِنٌ كَأَنَّهُ غَرَضٌ لِلْمَوْتِ مَنْصُوبٌ
ہر شخص کے مقدر میں موت سے ملاقات ضروری ہے گویا کہ وہ موت کیلئے ایک مقرر کردہ نشانہ ہے۔

ابوداؤد الا یادی کا نام حنظلہ بن شرتی تھا، دوسری روایت کے مطابق اس کا نام جاریہ بن حجاج تھا۔

الرَّدْمُ

زمانہ جاہلیت میں مقتولوں کو دفنانے کے لئے کو جو گڑھا کھودا جاتا تھا اسے ردم کہا جاتا تھا بنو نجح اور بنو حارث بن فھر کے مابین جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں بنو حارث کو شکست ہوئی اسی وجہ سے ان کی تعداد کم تھی قریش میں سب سے کم تعداد انہی کی تھی۔

إِلَى اللَّهِ يَوْمًا وَجْهَهُ لَا يُخَيِّبُ

اسے ”باء“ کے کسرہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ اسے ضرورت کے لئے مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس وقت اس سے پہلے ”فاء“ مضمّر ہوگا، یہ فَلَا يُخَيِّبُ ہوگا۔ یہ ابو عباس کا مذہب ہے لیکن

یثرب کی طرف ہی ہوگا۔ درحقیقت بندہ وہی فعل سرانجام دیتا ہے جو رحمن رب چاہتا ہے، آج میرے سفر کا مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کی ذات ہے جو کسی دن اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر لیتا ہے وہ کبھی خسارہ میں نہیں ہوتا۔ ہم نے کتنے ہی ایسے مرد و خواتین کو چھوڑا ہے جو نصیحت کرنے میں انتہائی مخلص تھے ان کے آنسو رواں ہوئے تھے اور وہ آہ و فغاں کر رہے تھے۔

تَرَىٰ اَنْ وِتْرًا نَّائِيًا عَن بِلَادِنَا وَ نَحْنُ نَرَىٰ اَنْ الرِّغَائِبَ نَطْلُبُ
دَعَوْتُ بَنِي غَنَمٍ لِّحَقِّنْ دِمَانِهِمْ وَ لِّلْحَقِّ لَنَا لَاحٌ لِلنَّاسِ مَلْحَبُ
اَجَابُوا بِحَمْدِ اللّٰهِ لَنَا دَعَاهُمْ اِلَى الْحَقِّ دَاعٍ وَالنَّجَاحِ فَاَوْعَبُوا
وَ كُنَّا وَ اَصْحَابًا لَّنَا فَارَقُوا الْهَدَى اَعَانُوا عَلَيْنَا بِالسِّلَاحِ وَ اَجْلَبُوا
كَفَوَجَيْنِ اَمَّا مِنْهُمَا فَمَوْفِقُ عَلَى الْحَقِّ مَهْدِيٌّ وَ فَوْجٌ مُّعَذِّبُ
وہ خیال کرتی ہے کہ ہمارا اپنے شہروں سے جدا ہونا ہمیں اکیلا کر دے گا مگر ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم پسندیدہ چیزوں کو طلب کر رہے ہیں، میں نے بنو غنم کو ان کی جانوں کے تحفظ اور حق کی طرف دعوت دی جب لوگوں کے لئے شاہراہ ہدایت روشن ہو گئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ جب داعی نے انہیں حق اور نجات کی طرف دعوت دی تو انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ ہمارے کچھ ایسے دوست بھی تھے جو ہدایت سے جدا ہو گئے۔ ہمارے خلاف دشمنوں کی ہتھیاروں کے ساتھ مدد کی۔ جیسا کہ دو گروہ ہوں جن سے ایک گروہ توفیق الہی سے ہدایت یافتہ ہو، راہ حق پر ہو جبکہ دوسرا گروہ عنقریب عذاب میں مبتلا ہونے والا ہو۔

طَغَوْا وَ تَمَنَّوْا كَذِبَةً وَ اَزَلَّهُمْ عَنِ الْحَقِّ اِبْلِيسُ فَخَابُوا وَ خُيَّبُوا
وَ رُعْنَا اِلَى قَوْلِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ فَطَلَبَ وَّلَاةُ الْحَقِّ مِنَّا وَ طُيِّبُوا
نَسْتُ بِاَرْحَامِ اِلَيْهِمْ قَرِيْبَةً وَ لَا قُرْبَ بِالْاَرْحَامِ اِذَا لَا تُقْرَبُ
فَاتَى ابْنِ اُخْتٍ بَعْدَنَا يَأْمَنُكُمْ وَ اَيَّةُ صِهْرٍ بَعْدَ صِهْرِي تُرْقَبُ

سیبویہ کے نزدیک فاء کے اضمار کے بغیر بھی رفع جائز ہے لیکن اس سے پہلے اس فعل کو مقدم کرنے کا ارادہ کرنا ہوگا جو شرط پر دلالت کرے مثلاً اِنَّكَ اِنْ يُّضْرَعُ اَخُوكَ تُضْرَعُ۔ یہ اصل عبارت یوں ہو گی۔ اِنَّكَ تُضْرَعُ اِنْ يُّضْرَعُ اَخُوكَ۔ اسی طرح مَنْ يُّفْعَلُ الْحَسَنَاتِ اللّٰهُ يَشْكُرُهُ ہے۔
وَ لَا قُرْبَ بِالْاَرْحَامِ اِذَا لَا تُقْرَبُ

ابن ہشام نے تاویل کی ہے کہ یہاں اِذَا، اِذَا کے معنی میں ہے لیکن یہ ان کا تسامع ہے۔ اس کی دو

سَتَعْلَمُ يَوْمًا آيْنَا إِذْ تَزَايَلُوا وَ ذُيِّلَ أَمْرُ النَّاسِ لِلْحَقِّ أَصَوْبُ
 ”انہوں نے سرکشی کی جھوٹی آرزوئیں کیں۔ ابلیس نے انہیں راہِ ہدایت سے پھسلا دیا۔ وہ
 محروم ہو گئے اور انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ ہم نے محمد عربی ﷺ کی بات کی طرف رجوع کیا۔ حق
 کے نمائندے پاک ہو گئے اور انہیں پاکیزہ بنا دیا گیا۔ ہم ان لوگوں سے ہی قریبی رشتہ داری کر
 لیتے ہیں اور رشتہ دار قریب کرنے والے نہ ہوں تو ان کے قرب میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔
 ہمارے بعد کون سا بھانجا تم پر اعتماد کرے گا اور میرے سرال کے بعد کس کے سرال سے امید
 کی جاسکتی ہے جب لوگ متفرق ہو جائیں گے ان کے معاملات بکھر جائیں گے تو تجھے اس دن
 معلوم ہو جائے گا کہ راہِ حق پر کون تھا؟“

ابن ہشام کہتے ہیں جن اشعار میں ”وَلْتَنَاءَ يَثْرَبُ“ اور ”إِذْ لَا نُقَرِّبُ“ ہے وہ ابن
 اسحاق سے مروی نہیں ہیں اور اس میں إِذْ، إِذَا کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس
 فرمان میں ہے إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ (سبا: ۳۱) ابوالنجم العجلی کا شعر ہے۔

ثُمَّ جَزَاهُ اللَّهُ عَنَّا إِذْ جَزَىٰ جَنَّاتٍ عَدْنٍ فِي الْعَلَالِي وَالْعَلَا
 پھر انہیں اللہ تعالیٰ جب ہماری طرف جزا دے تو انہیں رفعتوں اور بلندیوں میں سدا بہار
 باغات میں رہنے کی توفیق دے۔

وجہیں ہیں۔ ۱۔ فعل مضارع اذا کے بعد صحیح نہیں سمجھا جاتا جبکہ اس کے ساتھ حرف نفی ہو مگر اذا کے بعد
 اسے عمدہ سمجھا جاتا ہے مثلاً إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ۔ لیکن تیرا یہ قول سَأَتِيكَ إِذَا تَقُولُ كَذَابًا قبیح ہے،
 خواہ اس میں فعل مضارع اذا سے مؤخر ہو یا مقدم کیونکہ اذا میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جب
 حروف شرط کے بعد فعل ماضی ہو تو اس طرح کہنا بہتر ہوتا ہے مثلاً سَأَتِيكَ إِنْ قَامَ زَيْدٌ وَ إِذَا
 قَامَ زَيْدٌ۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں سَأَتِيكَ إِنْ يَقُمْ زَيْدٌ۔ کیونکہ جب حرف شرط مؤخر ہو جاتا ہے تو وہ
 لغو ہو جاتا ہے جب وہ لغو ہو جاتا ہے تو اس کے بعد فعل معرب واقع نہیں ہو سکتا مگر ”کیف“ میں یہ
 استعمال بہت بہتر ہے مثلاً يَنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ اور يَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ۔ اس میں ایک
 عجیب راز ہے ہم اسے تفصیل سے لکھیں گے جب ہمیں موقع ملے گا۔ قسم کے بعد اذا اور فعل مستقبل ذکر
 کرنا بہتر ہے مثلاً وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ۔ کیونکہ اس وقت اس میں شرط کا معنی معدوم ہو جاتا ہے۔ ۲۔ إِذَا کا
 إِذَا کے معنی میں استعمال معروف نہیں ہے اور نہ ہی اسے کسی کی تائید حاصل ہے۔ رُوْبَةُ کے قول سے بھی
 دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ اس کا معنی ہے ثُمَّ جَزَاهُ اللَّهُ إِنْ جَزَىٰ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

کی طرح ہے۔ یَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (البقرہ: ۲۸) ڈرو اس دن سے جب نہ بدلے دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی۔

إِذْ، اَنْ مفتوحہ کے معنی میں ہے جزی مضر ہے جو مدوح کی طرف راجع ہے سیبویہ نے سواد الکتاب میں اسی طرح لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (آل عمران) وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ (زخرف: ۳۹) سیبویہ نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے النسوی نے اس طرف توجہ نہ دی۔ انہوں نے حرف ”لن“ کے بعد فعل مضارع کو ماضی کی ظرف میں عامل بنایا ہے۔ ان کا یہ قول اس طرح ہوگا۔ سَأَتِيكَ الْيَوْمَ أَمْسٍ۔ لیکن اس قول میں تسامح ہے کاش انہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق ہی معلوم ہوتا۔ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِمْ فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ ۝ (الاحقاف) ”اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی، قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے۔“ اگر ماضی کی ظرف میں فعل مستقبل کے وقوع کو جائز قرار دیا جائے جس کی بنیاد درست نہیں تو فاء کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل کیسے کر سکتا ہے؟ بالخصوص جبکہ اس کے ساتھ سین بھی متصل ہو۔ اس طرح یہ کہنا غدا سَأَتِيكَ بھی درست نہیں اسی طرح غدا فَسَأَتِيكَ بھی درست نہیں تو أَمْسٍ فَسَأَتِيكَ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اذ بھی اَمْس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یہ تمام امور وہ ہیں جن میں کوئی خفاء نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَلَوْ تَرَى إِذْ دُفِقُوا اور وَلَوْ تَرَى إِذْ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ میں إِذْ، اِذَا کے معنی میں ہے۔ ابن ہشام کا بھی یہی نقطہ نظر ہے کہ إِذْ، اِذَا کے معنی میں ہے جو مستقبل کا معنی دیتا ہے تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ إِذْ، اِذَا کے معنی میں کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اِذَا کے بعد مبتداء اور خبر واقع نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد إِذْ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ کا معنی یہ ہوگا کہ کاش تو ان کی ندامت اور حزن اس دن دیکھ سکتا جب وہ آگ پر کھڑے ہوں گے۔ إِذْ، دراصل ظرف ماضی ہے حزن اور ندامت کا وقوع معاینہ اور توقیف کے بعد ہے اس طرح توقیف کا وقت اپنے مابعد کی اضافت سے ماضی ہو گیا اس کے بعد جو کچھ ہے وہ تری کا مفعول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی اسی طرح گمان کیا جاتا ہے۔ فَأُطْلَقًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ (کہف: ۱۷)۔ یہاں یہ زعم کیا گیا ہے کہ إِذَا، اِذَا کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ماضی کی داستان ہے لیکن یہ گمان درست نہیں کیونکہ اِذَا کے بعد فعل مستقبل ہے جب اسے انطلاق کی نسبت سے دیکھا جائے کیونکہ یہ اس کے بعد ہے اور انطلاق اس سے پہلے ہے۔ اگر حتیٰ نہ ہوتا تو پھر صرف یہی کہا جاسکتا، اِنْطَلَقَا إِذْ رَكِبَا۔ لیکن حتیٰ میں غایت کا معنی اس امر پر دلالت

کرتا ہے کہ رکوب، انطلاق کے بعد تھا۔ اس لئے یہ اس کی نسبت سے مستقبل ہے سابقہ ”حزن“ اور سوء حال کا مسئلہ بھی یہی ہے جو ترکی کا مفعول ہے اگرچہ وہ لفظ مذکور نہیں ہے اور یہ وقوف کے وقت کے بعد ہے۔ اس طرح یہ وقوف اس حزن کے اعتبار سے وقوف بھی ماضی ہے۔ اس میں کسی نہ کسی حذف کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اللہ کے اس فرمان ”وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ“ میں بھی کوئی عبارت مقدر ہوگی اور یہ اِذْ اُنْ کے معنی میں ہوتا تو پھر اس کے لئے کسی تعلق کا ہونا ضروری ہوتا گویا کہ یہ عبارت اس طرح ہوتی۔ جُزِيتُمْ بِهَذَا مِنْ اَجَلٍ اَنْ ظَلَمْتُمْ۔ يَا مِنْ اَجَلٍ اَنْ يَهْتَدُوا بِهِ ضَلُّوا۔

ابن اسحاق نے بنو جحش کی خواتین میں حضرت جذامہ بنت جندل کا ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کا ارادہ جذامہ بنت وہب بن مھسن کا نام ذکر کرنے کا تھا۔ موطا کی حدیث رضاعت میں ان کا ذکر ہے۔ امام بزار نے انہیں جذامہ لکھا ہے۔ امام مسلم نے ان سے اسی طرح روایت کیا ہے جبکہ معروف جذامہ ہے۔ انہیں ”جُذَامَة“ بھی کہا گیا ہے جذامہ کا معنی کھیتی کو کاٹنا ہے۔ حافظ ابو بکر نے ہمیں اسی طرح املاء کرایا تھا اور میں نے ان سے اپنے ہاتھ سے اسی طرح لکھا تھا۔ مالک بن عبد الجبار نے، ابو اسحاق برکی سے، انہوں نے محمد بن زکریا بن جویہ سے، انہوں نے ابو عمر زاہد مطرز سے جُذَامَة روایت کیا ہے۔ کھجور کی شاخ کے کنارے کو جذامہ کہتے ہیں، اسی سے عورت کا نام جذامہ رکھا جاتا ہے۔ حضرت جذامہ بنت وہب، حضرت انیس بن قتادہ انصاری رضی اللہ عنہما کی زوجیت میں تھیں۔ جذامہ بنت جندل نامی کوئی خاتون آل جحش میں نہ تھی شاید کتاب میں یہ وہم ہے اور شاید یہ بنت وہب بن مھسن ہو جو حضرت عکاشہ بن مھسن رضی اللہ عنہما کی بیٹی تھی۔

ابن اسحاق نے بنو اسد میں ثقف بن عمرو کا ذکر کیا ہے، ان کو ثقاف بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے بھائی حضرت مدلاج رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں یہ جنگ خیبر میں شہید ہوئے انہیں ”اسیر“ یہودی نے شہید کیا تھا۔

ابن اسحاق نے ام حبیب بن ثمامہ کا ذکر کیا ہے۔ ابو عمرو نے ان کا ذکر بھی اپنی کتاب میں نہیں کیا انہوں نے ثمام بن عبیدہ کا ذکر نہیں کیا جبکہ ابن اسحاق نے ان تمام کا ذکر کیا ہے۔

ابن اسحاق نے حضرت اربد بن جمیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام نے انہیں حمیرہ کہا ہے، ابراہیم بن سعد نے ابن اسحاق سے حمیرہ روایت کیا ہے گویا کہ یہ ”حمار“ کی تصغیر ہے۔ ابن اسحاق نے محرز بن نضله کا ذکر کیا ہے لیکن ان کا نسب ذکر نہیں کیا۔ یہ ابن نضله بن عبد اللہ بن مرہ بن غنم بن دووان بن اسد ہیں، یہ غزوہ ذی قرد میں شہید ہوئے، یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ یہ ”اخرم“ کے نام سے مشہور

حضرت عمر اور حضرت عیاش رضی اللہ عنہما کی ہجرت

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر حضرت عمر اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی ہجرت کے لئے عازم سفر ہوئے، حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر کے غلام حضرت نافع رضی اللہ عنہم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اور وہ اپنے والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ”وہ فرماتے ہیں جب ہم نے ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو ہم نے ایک دوسرے سے ”سرف“ کے اوپر بنو غفار کے اضاۃ کے قریب کانٹے والے درختوں کے پاس ملنے کا وعدہ کیا۔ ہم نے کہا ”ہم میں سے جو اس مقام کے پاس صبح تک نہ پہنچ سکے گا تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اسے روک دیا گیا ہے۔ باقی دونوں ساتھیوں کو سفر پر روانہ ہو جانا چاہئے۔“

میں عیاش بن ربیعہ ”تَنَاضُب“ کے پاس پہنچ گئے لیکن حضرت ہشام کو روک دیا۔ انہیں فتنہ و آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر ہم قباء میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں فروکش ہوئے۔ ابو جہل بن ہشام اور حارث بن ہشام حضرت عیاش بن ربیعہ کے پاس گئے۔ یہ ان کا چچا زاد اور ماں کی طرف سے بھائی تھا۔ اس وقت حضور ﷺ مکہ معظمہ میں ہی جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے

تھے۔ ان کا لقب فہیرہ تھا، موسیٰ بن عقبہ نے انہیں محرز بن وہب کہا ہے انہوں نے ابن نضله نہیں کہا۔ ابن اسحاق نے حضرت یزید بن رقیش کا ذکر کیا ہے بعض نے انہیں اربد کہا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ یہ ابن رقیش بن رباب بن یحمر بن کبیر بن غنم بن دودان ہیں انہوں نے حضرت ربیعہ بن اسلم کا ذکر کیا ہے لیکن ان کا نسب بیان نہیں کیا۔ یہ ابن اسلم بن سخرہ بن عمرو بن نفیر بن عامر بن غنم بن دودان بن اسد ہیں ان کی کنیت ابو یزید تھی ان کا قد چھوٹا تھا، یہ غزوہ خیبر میں مقام ”الطاة“ میں شہید ہوئے انہیں حارث یہودی نے شہید کیا تھا۔

التَنَاضُبُ

یہ ”ضاء“ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ تَنَاضُب کی جمع ہے یہ درختوں کی ایک قسم ہے، گرگٹ اس سے محبت کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

إِنِّي أَتَيْتُ لَهَا جَرَبَاءَ تَنْضُبِي لَا يُرْسِلُ السَّاقَ إِلَّا مُسِيكًا سَاقًا
میں نے اس کے مقدر میں ”تنضب“ کی گرگٹ کو کر دیا ہے جو ایک شاخ کو نہیں چھوڑتا مگر دوسری شاخ کو پکڑ کر۔

ابن ربیعہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری ماں نے یہ نذر مانی ہے کہ وہ اپنے سر کو کنگھی بھی نہ کرے گی حتیٰ کہ تجھے دیکھ لے۔ وہ سورج کی دھوپ میں ہی بیٹھی رہے گی حتیٰ کہ تجھے دیکھ لے۔ تم اس کے لیے ہی دل میں نرمی پیدا کرو۔“ حضرت عمر فرماتے ہیں ”میں نے حضرت عیاش رضی اللہ عنہ سے کہا، اے عیاش! قسم بخدا! یہ قوم تجھے دین متین سے برگشتہ کرنے کے لئے اس منصوبہ پر عمل پیرا ہے۔ ان کی بات نہ مانیں۔ تمہاری والدہ کے سر میں جوئیں پڑیں تو وہ خود بخود کنگھی کرنے لگے گی، اگر مکہ معظمہ کی گرمی شدت اختیار کر گئی تو خود بخود سايہ میں بیٹھ جائے گی“ لیکن انہوں نے کہا ”میں اپنی ماں کی قسم پوری کروں گا۔ وہاں میرا مال بھی ہے میں وہ بھی لے کر آؤں گا۔“ میں نے کہا ”اے عیاش! تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام قریش سے زیادہ مالدار ہوں تم ان کے ساتھ نہ جاؤ۔ میرا نصف مال لے لینا“ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے ان کے ہمراہ جانے کا اصرار کیا۔ جب میں نے ان کی یہی ضد دیکھی تو میں نے کہا ”اگر تمہارا یہی عزم ہے تو میری یہ اونٹنی لے لو۔ یہ فرمانبردار اور تیز رفتار ہے۔ اس کی پیٹھ پر ہی بیٹھے رہنا۔ اگر تمہیں اس قوم کی طرف سے کوئی شک ہو تو اس اونٹنی پر بیٹھ کر بیچ جانا“۔ حضرت عیاش اس اونٹنی پر سوار ہو کر ان کے ہمراہ قباء سے نکل آئے۔ جب انہوں نے کچھ فاصلہ طے کیا تو ابو جہل نے ان سے کہا ”اے میرے بھتیجے! میں نے اونٹ پر بہت سامان لا دھا ہے کیا تم مجھے اس اونٹنی پر بیٹھنے کی اجازت دو گے“۔ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ نے کہا ”ضرور! وہ اونٹنی سے اترے، وہ دونوں بھی

اس درخت کے پھل کو ”الْمِثْعَ“ کہا جاتا ہے یہ فُنْعِلُّ کے وزن پر ہے نون کو میم میں ادغام کیا گیا ہے۔ سیبویہ کا قول ہے کہ ”فُعَلُّ“ کے وزن پر ہے یہ ان اسماء میں سے ہے جنہیں حرف زائد کے ساتھ مضاعف بنا دیا جاتا ہے لیکن اس کی مثال ”هَنْدَلِعُ“ پہلے قول کی تائید کرتی ہے۔ اس درخت سے کمان بنائے جاتے ہیں جس طرح نبع، شوط، شریان، سراء اور اشکل سے کمان بنائے جاتے ہیں۔ اس کے دھویں کا تذکرہ ابو حنیفہ نے ”نباتات“ میں کیا ہے، جعدی کہتا ہے۔

كَانَ الْغُبَارُ الَّذِي غَادَرَتْ ضَحِيًّا دَوَاحِنُ مِنْ تَنْضُبٍ
وہ گرد و غبار وقت چاشت گھوڑوں نے بلند کیا تھا ”تنضب“ کا دھواں محسوس ہوتا تھا۔ اس کے دھویں کی سفیدی کی وجہ سے گرد و غبار کو اس سے تشبیہ دی گئی۔ عقیل بن علقہ کہتا ہے۔

وَهَلْ أَشْهَدُنَ حَمِيلًا كَانَ غُبَارَهَا بِأَسْفَلِ عُلْكِدَ دَوَاحِنُ تَنْضُبٍ
کیا انہوں نے گھوڑوں کو دیکھا تھا جن کا گرد و غبار ”علکد“ کے نیچے تنضب کے دھویں کی طرح تھا،

اپنے اپنے اونٹوں سے اترے۔ زمین پر اتر کر انہوں نے حضرت عیاش پر حملہ کر دیا۔ پکڑ کر ہاندھ لیا اور مکہ معظمہ میں آئے۔ انہیں وہاں مختلف آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عیاش کی اولاد میں سے ایک شخص نے بتایا کہ جب وہ دونوں حضرت عیاش کو لے کر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے ان کو ہاندھ رکھا تھا، انہوں نے اعلان کیا "اے اہل مکہ! جس طرح ہم نے اپنے امتی کے ساتھ سلوک کیا ہے تم بھی اپنے بے وقوفوں کے ساتھ اسی طرح کرو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہشام بن عاصی کی طرف مکتوب

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حضرت نافع نے حضرت عبداللہ سے اور وہ اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں "ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے کوئی فرض، نفل یا

اضافۃ بن غفار

یہ مقام مکہ معظمہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اَضَافَ، تالاب کو کہا جاتا ہے۔ گویا کہ یہ وَضْءٌ سے منسوب ہے۔ اس کا وزن فَعْلَةٌ ہے یہ وَضْءٌ سے مشتق ہے اس کا معنی نکالت ہے کیونکہ پانی صفائی کرتا ہے۔ اَضَافَ کی جمع اَضَافٌ ہے نابغہ کہتا ہے۔

غُلَبْنٌ بِكُنْدَتُونٍ وَأَبْطُنٌ كُرَّةٌ وَ هُنَّ اَضَافٌ ضَلِيلَتِ الْفَلَاحِلِ
وہ ذر ہیں سخت چٹانوں پر لے جاتی ہیں۔ دامن کوہ میں انہیں اتارا جاتا ہے وہ خوب روشن ہیں اور ان کی میٹھیں بھی صاف ہیں۔

یہ جمع اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ منسوب نہ ہو۔ وَضْءٌ میں واؤ مکسورہ ہمزہ کا بدل ہے واؤ مکسورہ کا تقاضا ہے کہ مادہ اشتقاق میں ہمزہ ہے اس طرح واحد منسوب ہوگا کیونکہ واؤ مفتوحہ ہمزہ میں تبدیل نہیں ہوتی۔ پھر فعل کا لام کلر بھی ہمزہ نہیں کبھی جمع کو بھی واحد پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس وقت جمع بھی منسوب ہوگی۔ اَضَافَةٌ بھی کہا جاتا ہے کبھی اَضَافَ کی جمع اَضَافِین بھی آتی ہے۔ مَخَالِفٌ كُنُسْرِيَّةٌ الْاَضَافَةُ سُرِّيَّةٌ سُرِّيَّةٌ کی جمع ہے مہوئی مدی کو سُرِّيَّةٌ کہا جاتا ہے۔

حضرت ہشام بن عاص

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت قُلْ يٰعِبَادِی..... مکہ معظمہ کے کمزور لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ "ہی طوی طوی الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ یہ مکہ معظمہ کی ایک لٹینی جگہ ہے۔ بیان کیا جاتا

ان کی توبہ قبول نہیں کرے گا جو فتنہ میں مبتلاء ہو گئے یعنی وہ لوگ جنہوں نے حق تعالیٰ کو پہچانا پھر وہ کسی اذیت یا تکلیف کی وجہ سے کفر کی طرف لوٹ گئے۔ وہ لوگ بھی اپنے متعلق اسی طرح کہتے تھے۔ جب تاجدارِ مدینہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٦﴾ وَابْتَغُوا إِلَيَّ مَغْفِرَتِي وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٧﴾ وَابْتَغُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥٨﴾ (زمر)

”آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور (سچے دل سے) لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سرخم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آجائے تم پر عذاب پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور پیروی کرو عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے بیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے۔“

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے اپنے ہاتھ سے اس آیت کو خط میں لکھا پھر اسے ہشام بن عاصی کے پاس بھیج دیا، حضرت ہشام فرماتے ہیں ”جب مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب ملا تو میں مکہ معظمہ کے نشیب و فراز میں پڑھنے لگا۔ میں مقام ”ذی طوی“ میں دہرا رہا تھا لیکن مجھے اس کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ میں نے دعا مانگی مولا! مجھے یہ آیت سمجھا دے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ آیت ہمارے

ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں اتارا گیا اور وہ مکہ معظمہ کی طرف گئے۔ ملائکہ نے ذی طوی سے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے حضرت آدم سے کہا ”اے آدم! ہم دو ہزار سال سے یہاں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ روایت ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام مکہ معظمہ جاتے تو مقام ”ذی طوی“ سے اپنے نعلین مبارک اتار لیتے۔ ایک دوسرے مقام کا نام ”ذوطواء“ بھی ہے یہ مقام مکہ اور طائف کے مابین ہے، ”طوی“ جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے وہ شام کی مقدس وادی کا نام ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ طوی اس وادی کا نام نہیں بلکہ یہ تقدیس کی صفت ہے یعنی وہ وادی مقدس ہے۔

متعلق ہی نازل ہوئی ہے اور اس میں اس چیز کا بیان ہے جو ہم اپنے نفسوں کے متعلق کہا کرتے تھے۔ حضرت ہشام فرماتے ہیں، ”میں اپنے اونٹ کے پاس آیا اور اس پر بیٹھ کر مدینہ طیبہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔“

حضرت ولید بن ولید کا کارنامہ

ابن ہشام کہتے ہیں مجھے ایک قابل اعتماد شخص نے بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک دن سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ ”کون ہے جو حضرت عیاش بن ربیعہ اور حضرت ہشام بن عاصی رضی اللہ عنہما کو ہمارے پاس لائے۔“ حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ! یہ سعادت میں حاصل کروں گا۔“ پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوئے وہ پوشیدہ و پنہاں مکہ معظمہ پہنچے۔ ایک عورت سے ملے جو کھانا اٹھائے جا رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پوچھا ”اے اللہ کی بندی! کہاں کا ارادہ ہے۔“ اس نے کہا ”میں ان دونوں قیدیوں (حضرت عیاش اور حضرت ہشام) کے پاس جا رہی ہوں۔“ وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑے اور اس جگہ کو پہچان لیا جہاں وہ اسیر تھے وہ ایسے کمرہ میں پابند سلاسل تھے جس پر چھت نہ تھی۔ رات کے وقت وہ دیوار پھلانگ کر اندر گئے ایک پتھر (مروہ) لیا اور اسے ان کی زنجیروں کے نیچے رکھا اور اپنی تلوار سے انہیں کاٹ دیا۔ اسی وجہ سے ان کی تلوار کو ”ذو مروۃ“ کہا جاتا تھا پھر حضرت ولید نے انہیں اپنے اونٹ پر سوار کیا اور اونٹ ہانک کر چلنے لگے۔ راستہ میں ٹھوکر لگی جس سے ان کی انگلی زخمی ہو گئی۔ انہوں نے کہا۔

هَلْ أَنْتِ إِلَّا أَصْبَعٌ دَمِيتِ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتِ

تو صرف ایک انگلی ہے جو خون ریز ہے، راہِ خدا میں یہ تکلیف کچھ بھی نہیں جو تجھے پہنچی ہے۔

مدینہ طیبہ میں مہاجرین کی اقامت گاہیں

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ”حضرت عمر بن خطاب، ان کے بھائی حضرت زید بن خطاب، حضرت عمرو بن سراقہ، حضرت عبداللہ بن سراقہ، حضرت حمیس بن خذافہ سہمی (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے داماد تھے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان کی زوجیت میں تھیں ان کی وفات کے بعد حضرت حفصہ حضور ﷺ کے حوالہ عقد میں آ گئیں) حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، حضرت واقد بن عبداللہ اسمعی (حلیف) حضرت خولی بن ابی خولی، حضرت مالک بن ابی خولی

(حلیف ابن ہشام کہتے ہیں، ابو خولی کا تعلق بنو عجل بن لجم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل سے تھا) حضرت ایاس بن بکیر، حضرت عاقل بن بکیر، حضرت عامر بن بکیر، حضرت خالد بن بکیر، بنو سعد بن لیث میں سے ان کے حلیف رضی اللہ عنہم حضرت رفاعہ بن عبدالممنذ بن زبیر کے پاس مقام قباء میں ٹھہرے۔ حضرت عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی یہیں مقیم ہوئے۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لگا تار مدینہ طیبہ کا رخ کرنے لگے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان اور حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہما حضرت خبیب بن اساف کے پاس مقام ”سخ“ میں اقامت گزریں ہو گئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں انہیں یساف بھی کہا جاتا تھا ایک قول کے مطابق حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت اسعد بن زرارہ کے ہاں فروکش ہوئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں مجھے بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا ”اے صہیب! جب تم ہمارے پاس آئے تھے تم مفلس و کنگال تھے، تمہارے مال کی یہ فراوانی ہمارے پاس ہی ہوئی۔ یہ کمائی ہمارے ہاں ہی ہوئی ہے، پھر تم اپنے نفس اور مال سمیت یہاں سے جانا چاہتے ہو، قسم بخدا! یہ تو نہیں ہو سکتا۔“ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ”کیا جب میں تمہیں اپنا مال دے دوں تو تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟“ انہوں نے کہا ”ہاں“۔ انہوں نے کہا ”میں اپنا تمام مال تمہارے سپرد کرتا ہوں“ جب یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ رِبِّحْ صُهَيْبٌ رِبِّحْ صُهَيْبٌ۔ حضرت صہیب نفع میں رہے۔ حضرت صہیب نفع میں رہے۔

حضرت خبیب بن اساف

اَسَاف کو یَسَاف بھی کہا جاتا ہے یہ اساف بن عتبہ ہیں جب ان کے ہاں مسلمان بطور مہمان ٹھہرے اس وقت یہ مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ یہ بعد میں دامن اسلام سے وابستہ ہوئے (واقدی) جب حضور ﷺ غزوہ بدر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، خبیب کہتے ہیں ”میں نے اور میری قوم کے ایک شخص نے کہا“ یہ کتنی بری بات ہے کہ ہماری قوم تو جنگ کیلئے جائے اور ہم یہیں بیٹھے رہیں ہم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا ”کیا تم نے اسلام قبول کیا ہے؟“ ہم نے عرض کی ”نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”واپس چلے جاؤ، ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیں گے۔“ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ وہیں ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔ یہ وہی خوش نصیب خاتون ہیں جن کے متعلق وقت وصال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ ”ان کے بطن اقدس میں بچی ہے۔“ یہ خارجہ بن

حضرات حمزہ، زید، ابو مرثد، ابن مرثد، انسہ اور ابو کبشہ کی اقامت گاہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت زید بن حارثہ، حضرت ابو مرثد کناز بن حصن (ابن ہشام کہتے ہیں انہیں ابن حصین کہا جاتا تھا) ان کے نورِ نظر حضرت مرثد الغنویان (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف) حضرت انسہ، حضرت ابو کبشہ (حضور ﷺ کے خادم) رضی اللہ عنہم نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنا مسکن بنا۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور ان کا گھر قباء میں تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ تمام حضرت سعد بن خیشمہ کے ہاں ٹھہرے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کیا۔

حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب، حضرت سویط بن سعد بن حرملہ، حضرت طلیب بن عمیر اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور کچھ مہاجرین نے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنا مسکن بنایا ان کا تعلق بلحارث بن خزرج سے تھا۔

حضرت زبیر بن عوام اور حضرت ابوسبرۃ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ، حضرت منذر بن محمد بن عقبہ بن احیمہ بن جلاح کے گھر بطور مہمان ٹھہرے ان کا گھر عصبہ میں تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر

ابی زہیر کی نورِ نظر تھیں اور وہ بچی حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما تھیں، حضرت خبیب نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال فرمایا۔ یہ خبیب بن عبدالرحمن کے دادا تھے ان سے امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو کبشہ رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ کے غلام حضرت انسہ رضی اللہ عنہ کی والدہ لونڈی تھیں، ان کی کنیت ابوسروح تھی۔ کہا جاتا ہے ابو مشرح کنیت تھی۔ انہوں نے تمام غزوات میں شرکت کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وصال فرمایا۔ حضرت ابو کبشہ کا نام سلیم تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق ایران سے تھا۔ ایک روایت کے مطابق سرزمین دوس میں ان کی ولادت ہوئی انہوں نے بھی تمام غزوات میں شرکت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس دن وصال کیا جس دن حضرت عروہ بن زبیر کی ولادت ہوئی۔ وہ ابو کبشہ جس کا ذکر قریش مکہ کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ کو اس کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ قَالَ ابْنُ أَبِي كَبْشَةَ وَفَعَلَ ابْنُ أَبِي كَبْشَةَ۔ اس کے متعلق کئی اقوال ہیں۔

بن ہاشم جن کا تعلق بنو عبدالدار سے تھا، حضرت سعد بن معاذ بن نعام کے ہاں ٹھہرے۔ حضرت سعد کا تعلق بنو عبدالاشہل سے تھا اور ان کا قیام دار بنو عبدالاشہل میں تھا۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور آپ کے غلام حضرت سالم نے بھی یہیں قیام کیا۔ (ابن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت سالم، ثبیۃ بنت یعار بن زید بن عبید بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس کے آزاد کردہ غلام تھے، آزادی کے بعد یہ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے ان کو اپنا بیٹا بٹھلایا اور یہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ثبیۃ بنت یعار، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ کی زوجہ تھیں۔ انہوں نے حضرت سالم کو آزاد کر دیا پھر وہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ سے مشہور ہو گئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عتبہ

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آپ ﷺ کے نانا دھب بن عبد مناف کی کنیت تھی۔ بعض کہتے ہیں یہ آپ ﷺ کے رضاعی باپ حارث بن عبد العزیٰ کی کنیت تھی۔ بعض کے نزدیک حضرت عبدالمطلب کی بہن سلمیٰ کے باپ کی کنیت ابو کبشہ تھی لوگوں کے نزدیک مشہور ترین قول یہ ہے کہ قریش مکہ آپ ﷺ کو اس شخص سے تشبیہ دیتے تھے جو اکیلا شعری ستارہ کی پوجا کرتا تھا۔ وہ آپ ﷺ کو اس لئے یہ کہتے تھے کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا تھا۔ دارقطنی نے ابو کبشہ کا نام و جز بن غالب لکھا ہے یہ خزاعی تھے اور بنو عبشان سے تھے۔

قباء

بنو عمرو بن عوف کا مسکن قباء تھا۔ یہ بستی مدینہ طیبہ سے ایک فرسخ پر تھی یہ الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، یہ مؤنث و مذکر اور منصرف و غیر منصرف ہے۔ ابو حاتم نے اسے منصرف ثابت کرنے کے لئے یہ شعر پڑھا ہے۔

وَلَا بُعِثَنَّكُمْ قَبَاً وَ عَوَارِضًا وَ لَا قِبْلَنَ الْخَيْلِ لَا بَةَ ضَرْغَدَا
”میں تمہیں قبا اور عوارض میں ضرور طلب کروں گا اور ضَرْغَدَا کی سنگلاخ چٹان میں گھوڑے ضرور لاؤں گا“۔ قاسم بن ثابت نے ”دلائل“ میں ”قبا“ ہی لکھا ہے لیکن اہل عرب کے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ سیبویہ نے اسے ”قَنَا وَ عَوَارِضًا“ کہا ہے کیونکہ قنا، عوارض کے نزدیک ایک پہاڑ ہے اس کے نزدیک ایک اور پہاڑ ہے جس کا نام قنواں ہے۔ ان دونوں کے اور قباء کے مابین بہت بڑی مسافت اور کئی شہر ہیں اس طرح قباء کو عوارض اور قنواں سے ملانا درست نہیں۔ علامہ البکری نے ”معجم“ میں اسی طرح لکھا ہے پھر انہوں نے معقل بن ضرار کا یہ شعر لکھا ہے۔

بن غزوان بن جابر رضی اللہ عنہ حضرت عباد بن قش رضی اللہ عنہ کے گھر اقامت گزریں ہوئے۔ ان کا تعلق بھی بنو عبد الاشہل سے تھا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر مقیم ہوئے۔ حضرت اوس، حضرت حسان رضی اللہ عنہما کے بھائی تھے اسی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ جب حضرت عثمان

كَانَهَا لَنَا بَدَا عَوَارِضُ وَاللَّيْلُ بَيْنَ قَنَوَيْنِ رَابِضٌ
گویا کہ وہ جب عوارض ظاہر ہوا اور رات قنویں کے درمیان ٹھہری ہوئی تھی۔

قبا، القبو سے مشتق ہے اس کا معنی جمع کرنا اور ملانا ہے ابو حنیفہ فرماتے ہیں ”قوابی ان عورتوں کو کہا جاتا ہے جو زرد رنگ جمع کرتی ہیں۔“ اس کا واحد ”قابیہ“ ہے۔ اہل عرب ضمہ کو قبو کہتے ہیں، اہل عرب کے اس قول ”لَا وَالَّذِي أَخْرَجَ قُوبًا مِنْ قَابِيَةٍ“ کا معنی ہے ”اس ذات کی قسم جو انڈے سے چوزے نکالتی ہے۔“ بعض نے اس میں قابیہ کہا ہے یہ اسی ”قبو“ سے مشتق ہے جو پہلے گزر چکا ہے لیکن بعض نے اسے ”قوب“ مشتق مانا ہے کیونکہ اس سے انڈہ پھٹ جاتا ہے کیت عورتوں کی تعریف میں کہتا ہے۔

لَهُنَّ وَلِلْمَشِيبِ وَ مَنْ عَلَاهُ مِنَ الْأَمْثَالِ قَابِيَةٌ وَقُوبٌ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ فَكَانَتْ قَابِيَةً قُوبٌ عَامَهَا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قبا، ایک کنویں کا نام تھا۔ پھر یہ بستی اسی نام سے شہرت پا گئی۔

حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما

حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اس طرح بیٹا بنالیا تھا جس طرح حضور ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بنالیا تھا۔ حضرت سالم آزادہ کردہ غلام تھے یعنی آپ پر کسی کی کوئی ملکیت نہ تھی۔ آپ کو آزاد کرنے والی صحابیہ کا نام حضرت ثبیۃ بنت یعار تھا۔ ابو عمرو نے ان کا نام ”بشینہ“ لکھا ہے۔ امام زہری انہیں بنت تعار کہتے تھے ابن شیبہ نے ”معارف“ میں ان کا نام سلمیٰ لکھا ہے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ انہیں لیمہ کہا جاتا تھا۔ ان کا نام عمرہ بھی بتایا گیا ہے۔ بہت سے علماء نے عتق میں ”تسبیب“ کو باطل قرار دیا ہے، انہوں نے ایسے غلام کی وراثت ہر اس شخص کے ساتھ مختص کی ہے جس نے اسے آزاد کیا ہو۔ ان کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: لَا سَائِيَةَ فِي الْإِسْلَامِ اسلام میں سائیہ نہیں ہے۔ امام مالک کہتے ہیں، سائیہ کی میراث کو مسلمانوں کی ایک جماعت کو دی جائے گی۔ وہ آزاد کرنے والے کے ساتھ مختص نہیں کرتے ان کے نزدیک عتق اور تسبیب کا حکم جدا جدا ہے، یہ حضرت سالم وہی ہیں جن کے متعلق حضور ﷺ نے حضرت سہلہ بنت سہیل کو حکم

کو شہید کر دیا گیا تو انہوں نے بہت گریہ زاری کی کہا جاتا ہے کہ کنوارے مہاجرین، حضرت سعد بن خیشمہ رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے کیونکہ وہ بھی کنوارے تھے۔

فرمایا کہ وہ انہیں اپنا دودھ پلا دیں تا کہ وہ ان پر حرام ہو جائے۔ انہوں نے انہیں اپنا دودھ پلا دیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سالم کے لئے یہ کس طرح جائز تھا کہ وہ ان کے پستان کی طرف دیکھتے؟ اس کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے اپنا دودھ ایک ڈبیا میں ڈال دیا تھا اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے پی لیا تھا۔

دارندہ میں مشاورت اور ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ

تقریباً تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے لیکن حضور ﷺ مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے۔ آپ ﷺ ہجرت کے اذن کے منتظر تھے۔ مکہ معظمہ میں صرف وہی صحابہ موجود تھے جو یا تو محبوس تھے یا کسی فتنے میں مبتلا ہو گئے تھے، ان کے علاوہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ابھی تک وہیں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتنی ہی دفعہ نبی محترم ﷺ سے ہجرت کی اجازت مانگی۔ حضور نبی اکرم ﷺ انہیں ارشاد فرماتے۔ لَا تَعْجَلْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا۔ جلدی نہ کریں شاید اللہ تعالیٰ کسی کو تمہارا رفیق راہ بنادے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہستی جس کی رفاقت کی انہیں ابدی سعادت ملنے والی تھی وہ نبی اکرم ﷺ کی تھی۔

قریش کی مشاورت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب قریش نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی انتھک کوششوں سے ایک گروہ پیدا ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ صحابہ کرام وہ بھی تھے جو دیگر شہروں میں مقیم تھے۔ انہوں نے یہ بھی مشاہدہ کر لیا کہ صحابہ کرام مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنا چکے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اب انہیں امن و سلامتی کی جگہ مل چکی ہے اور انہیں وہاں مکمل تحفظ

شیخ نجدی۔ شَيْخُ جَلِيلٍ

جب عورت یا مرد بوڑھا ہو جائے تو کہا جاتا ہے جَلَّ الرَّجُلُ وَجَلَّتِ الْمَرْأَةُ۔ شاعر نے کہا ہے۔ "وَمَا حَظُّهَا إِنْ قِيلَ عَزَتْ وَجَلَّتْ" اسی سے کہا جاتا ہے جَلَّتْ يَارَجُلُ۔ اے شخص! تو بوڑھا ہو گیا ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جَلَّتْ کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے اسم فاعل "جليل" آتا ہے لیکن اہل عرب مضاعف میں ضمہ کو ثقیل ہونے کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں لیکن لَبِيتُ اس سے مستثنیٰ ہے حالانکہ اسم فاعل اس سے بھی لَبِيتُ آتا ہے۔

سیرت نگار رقم طراز ہیں کہ ابلیس نے کہا میرا تعلق اہل نجد سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قریش نے یہ طے کیا تھا کہ اس مشورت میں اہل تھامہ کا کوئی شخص شریک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ان کی ہمدردیاں حضور ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اسی لئے ابلیس نے ان کے لئے شیخ نجدی کا ڈھونگ رچایا۔ پہلے تعمیر کعبہ

حاصل ہے، انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں حضور ﷺ ہجرت فرما کر وہیں نہ چلے جائیں اور یہاں جمع کر کے ان پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ وہ ”دارندوہ“ میں جمع ہوئے یہ قصی بن کلاب کی حویلی تھی، قریش ہر مسئلہ کے لئے مشاورت وہیں کرتے تھے جب انہیں منصور سے خطرہ محسوس ہوا تو آپ ﷺ کے لئے مشورہ کرنے کے لئے وہیں جمع ہوئے۔

حضرت ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ ”قریش نے اس بات پر اتفاق کر لیا اور انہوں نے وعدہ کر لیا کہ وہ مشاورت کے لئے ”دارندوہ“ میں جمع ہوں گے۔ وہ دن بھی آ گیا جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس دن کو ”یوم الرحمة“ کہا جاتا ہے۔ فَأَعْتَرَ ضَهُم إِبْلِيسُ فِي هَيْئَةِ شَيْخٍ جَلِيلٍ۔ ابلیس ایک خوبصورت بزرگ کی شکل میں ان کے پاس آیا۔ وہ ”دار“ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اس نے ایک موٹی سی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جب قریش مکہ نے اسے دروازہ میں دیکھا تو پوچھا ”بوڑھے تو کہاں سے ہے؟“ اس نے کہا ”میں شیخ نجدی ہوں۔ میں نے تمہارے اس مشورہ کے بارے سنا تو یہاں آ گیا تاکہ تمہاری مشاورت سن سکوں۔ ممکن ہے کہ میری کسی رائے یا خلوص کو تم ٹھکرانہ سکوں۔“ قریش مکہ نے کہا ”بہت اچھا اندر آ جا۔“ ابلیس ان کے ساتھ بیٹھ گیا، وہاں قریش کے سردار جمع تھے۔ بنو عبد شمس میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب تھے۔ بنو نوفل بن عبد مناف میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم اور حارث بن عازم بن نوفل تھے۔ بنو عبد الدار بن قصی میں

کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے کہ ابلیس نے وہاں بھی شیخ نجدی کا روپ دھارا تھا۔ جب قریش مکہ نے حجر اسود کے متعلق حضور ﷺ کا فیصلہ قبول کیا تھا۔ اس وقت یہ ملعون چیخا ”اے گروہ قریش! کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمہارے بزرگوں اور سرداروں کو چھوڑ کر یہ جوان یہ سعادت حاصل کرے۔“ اب اس موقع پر اس موقع پر اس نے اور شکل اپنائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نجد سے قَرْنُ الشَّيْطَانِ ”شیطان کا سینگ“ طلوع ہوگا۔ جب حضور ﷺ سے عرض کی گئی۔ فَبِئْسَ مَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ۔ اے حضور ﷺ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔“ آپ ﷺ نے نجد کے لئے برکت کی دعا نہ کی جس طرح یمن اور شام وغیرہ کے لئے دعا کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مشرق کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ ”فتنہ یہاں ہے جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ باب عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے تھے مشرق کی

سے نصر بن حارث بن کلدہ تھا۔ بنو اسد بن عبد العزیٰ میں سے ابو البختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب اور حکیم بن حزام تھے۔ بنو مخزوم میں سے ابو جہل تھا۔ بنو سہم میں سے حجاج کے دو بیٹے نبیہ اور مندبہ تھے۔ بنو نجیح میں سے امیہ بن خلف تھا ان کے علاوہ کچھ وہ سردار بھی تھے جن کا شمار قریش میں نہیں ہوتا۔

انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اس شخص (حضور ﷺ) کے امر کا تم مشاہدہ کر ہی چکے ہو۔ بخدا اب ہمیں یہ خطرہ ہے کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو جائے گا اور ہمارے علاوہ دیگر لوگ اس کے معاون و مددگار ہوں گے۔ اس کے متعلق ایک رائے قائم کرلو۔ ان میں سے ایک شخص نے تجویز دی اس کو لو ہے کی زنجیروں میں قید کر لو پھر دروازہ بند کر دو اور اس کے انجام کا انتظار کرو۔ جس طرح کہ اس سے پہلے زہیر اور نابغہ کے ساتھ کیا گیا تھا، حتیٰ کہ موت اس کا خاتمہ کر دے۔ شیخ نجدی بولا، ”نہیں بخدا! یہ رائے درست نہیں ہے۔“

اگر تم نے اسے مجبوس کر دیا تو یہ خبر اس بند کمرے سے بھی اس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گی۔ وہ تم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور اسے تمہارے ہاتھوں سے چھین کر لے جائیں گے پھر ان کی تعداد زیادہ ہو جائے گی اور وہ تم پر غالب آ جائیں گے۔ یہ رائے صحیح نہیں ہے کوئی اور رائے قائم کرو“ پھر ایک شخص نے کہا ”ہم اسے جلا وطن کر دیتے ہیں۔ جب وہ ہمارا ملک چھوڑ دے گا تو ہمیں کوئی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ کہاں کا رخ کرتا ہے اور کہاں ڈیرہ لگاتا ہے۔ جب وہ ہم سے دور چلا جائے گا تو ہم اس سے فارغ ہو جائیں گے تو ہم اپنے معاملہ کی اصلاح کر لیں گے۔“ یہ رائے

طرف دیکھا اور یہ فرمایا۔ ”باب عائشہ رضی اللہ عنہا“ میں آپ کا قیام فرمانا اور مشرق کی طرف رخ انور کرنا ان فتنوں سے ڈرانے کے لئے تھا آپ نے مشرق کی جانب سے ان فتنوں کے خروج کے متعلق سوچا اور فتنہ کے ظہور کے وقت آپ کے اشارہ سے ہی وہ مقام متعین ہوگا اس قول پاک کو آپ کے اس فرمان کے ساتھ ملا لو۔ ”أَيَقْظُوا صَوَّاحِبَ الْحُبْرِ“۔

ابن اسحاق نے حضور ﷺ کے متعلق قریش کی باہمی مشاورت کا تذکرہ کیا ان میں سے ایک نے کہا کہ انہیں کسی کمرہ میں پابند سلاسل کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا انہیں جلا وطن کر دیا جائے لیکن کس کس نے کون کون سا قول کیا اس کے متعلق انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قید کرنے کا مشورہ ابو البختری ابن ہشام نے دیا تھا۔ جلا وطن کرنے کا مشورہ ابو الاسود ربیعہ بن عمرو نے دیا تھا، اس کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا۔

سن کر شیخ نجدی نے کہا ”نہیں یہ مشورہ بھی عمدہ نہیں ہے کیا تم اس کی گفتگو کی شیرینی، بات کی مٹھاس اور لوگوں کے دلوں پر اس کا غلبہ نہیں دیکھتے؟ بخدا! اگر تم نے ایسا کر دیا تو پھر تم اس سے محفوظ نہیں ہوں گے، وہ عرب کے کسی قبیلے کے پاس جائے گا اور وہ اپنی گفتگو اور اپنی بات چیت سے ان پر غلبہ پالے گا جب لوگ اس کی اتباع کرنے لگیں گے تو وہ ان کے ساتھ تمہارے شہروں پر حملہ کر کے تمہیں روندھ ڈالے گا پھر وہ زمام اقتدار تمہارے ہاتھوں سے چھین لے گا اور اپنی منشاء کے مطابق تم سے سلوک کرے گا اور کوئی رائے قائم کر لو۔“ ابو جہل نے کہا ”میرا بھی ایک مشورہ ہے بخدا! اس کے بعد تمہیں کسی اور مشورہ کی کوئی ضرورت نہ رہے گی“ تمام اہل محفل نے کہا ”ابو الحکم! وہ رائے کیا ہے؟“ اس نے کہا۔ ”أَرَى أَنْ نَأْخُذَ مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ فَتَى شَابًا جَلِيدًا نَسِيبًا وَسَيْطًا فِينَا۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک ایک نوعمر، مضبوط اور حسب و نسب والا جوان لیں گے۔ ہم ہر جوان کو شمشیر براں پکڑا دیں گے پھر وہ اس شخص کی طرف جائیں گے اور اس پر یکبار حملہ کر کے اسے قتل (شہید) کر دیں گے۔ اس طرح ہم اس سے نجات پالیں گے اس طرح اس کا خون بھی مختلف قبائل میں منقسم ہو جائے گا۔ بنو عبد مناف اپنی ساری قوم سے جنگ نہیں لڑ سکیں گے اور وہ ہم سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم آسانی سے اس کا خون بہا دے دیں گے۔“ یہ رائے سن کر شیخ نجدی نے کہا ”یہ بات بالکل درست ہے، اس کے علاوہ دوسری رائے اور کوئی نہیں ہے“ اسی پر اتفاق کر کے انہوں نے اپنی محفل کو برخاست کر دیا۔

شب ہجرت

حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ آج رات اس بستر پر نہ گزاریں جہاں پہلے آپ محو استراحت ہوتے ہیں۔“ جب تہائی رات گزر

نَسِيبًا وَسَيْطًا

وَسَيْطٌ، سَيْطَةٌ فِي الْعَشِيرِ سے مشتق ہے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریشی جوان کا شانہ اقدس کے دروازے میں جھانکنے لگے۔ انہوں نے وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ دیکھے جو حضور ﷺ کی چادر مبارک اوڑھے سو رہے تھے۔ انہوں نے گمان کیا کہ یہ حضور ﷺ ہیں۔ بعض اہل تفسیر نے وہ سبب ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے وہ نبی اکرم ﷺ کے گھر نہ گھسے حالانکہ دیواریں بھی چھوٹی چھوٹی تھیں۔ وہ حضور ﷺ کو شہید کرنے کے

گئی تو قریشی جوان کا شانہ اقدس کے دروازے پر جمع ہو گئے وہ منتظر تھے کہ حضور ﷺ کب آرام فرما ہوتے ہیں اور وہ مل کر آپ ﷺ پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ جب حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ دیکھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”اے علی! میرے بستر پر سو جاؤ میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اسی میں سو جاؤ، تمہیں کسی ناپسندیدہ بات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“ حضور ﷺ جب بھی استراحت فرما ہوتے تھے اسی چادر مبارک میں ہی سوتے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ جب قریشی جوانوں نے کا شانہ اقدس کا محاصرہ کر لیا تو ابو جہل جو وہاں موجود تھا نے کہا ”محمد (ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ جب تم ان کے امر کی اتباع کرو گے تو تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے اور جب مرنے کے بعد تمہیں اٹھایا جائے گا تو تمہیں اردن کے باغات کی طرح سرسبز و شاداب باغات ملیں گے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا اور تمہیں آتش جہنم کے حوالے کر دیا جائے گا۔“

حضور ﷺ کا شانہ اقدس سے باہر تشریف لے آئے۔ دست اقدس سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور فرمایا ”ہاں میں یہ کہتا ہوں۔ اے ابو جہل! تم ان بد بختوں میں سے ایک ہو۔“ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت کو چھین لیا وہ نبی محترم ﷺ کو نہ دیکھ سکے حضور ﷺ ان کے سروں پر خاک پھینکنے لگے اور آپ ﷺ ساتھ ساتھ ان آیات کی تلاوت بھی فرما رہے تھے۔

يَسْ ۙ وَ الْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۙ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۙ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۙ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۙ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۙ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۙ إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلًا فَبُهِتَ إِلَىٰ الْآدَاةِ فَهُمْ مُّكْمَحُونَ ۙ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۙ (یسین)

اے سید (عرب و عجم) قسم ہے قرآن حکیم کی۔ بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں (یقیناً)

لے آئے تھے اسبب یہ تھا کہ جب انہوں نے نبی اکرم ﷺ پر اس طرح حملہ آور ہونا چاہا تو گھر سے ایک خاتون چلائی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا ”واللہ سارا عرب ہمیں گالیاں دے گا کہ ہم نے پتہ چڑا دیا ہوں کے لئے دیواروں سے چھلانگیں لگائی ہیں اور ہم نے اپنی ردائے حرمت کو چاک چاک کیا ہے“ اسی چیز نے انہیں مجبور کیا کہ وہ صبح تک دروازے پر ہی انتظار کریں پھر ان کی بصارت چھین لی گئی حتیٰ کہ حضور ﷺ بخیر و عافیت تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے سورۃ یسین کی تلاوت

آپ راہِ راست پر ہیں نازل فرمایا ہے عزیز اور رحیم نے تاکہ آپ ڈرا سکیں اس قوم کو جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا، اس لئے وہ غافل ہیں بے شک یہ بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سراو پر کواٹھے ہوئے ہیں اور ہم نے بنادی ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔“

حضور ﷺ ان آیات کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو ان میں سے ہر ایک شخص کے سر پر خاک پڑ چکی تھی۔ پھر آپ ﷺ جہاں جانا چاہتے تھے تشریف لے گئے۔ نوجوانانِ قریش کے پاس ایک شخص آیا وہ ان میں سے نہ تھا اس نے پوچھا ”تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا ”محمد (فداہِ روحی و ابی و امی) ﷺ کا“۔ اس آدمی نے کہا ”اللہ تم سب کو رسوا کرے بخدا وہ تو یہاں سے تشریف لے جا چکے ہیں انہوں نے تم میں سے ہر ایک آدمی کے سر پر خاک پھینک دی ہے ذرا اپنے سر کو تو دیکھو“۔ ہر شخص نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر پھیرا وہاں مٹی ہی مٹی تھی۔ وہ جھانک کر دیکھنے لگے انہیں وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر آئے جو ردائے مصطفیٰ ﷺ اوڑھے بڑے سکون سے محوِ استراحت تھے انہوں نے کہا بخدا! محمد ﷺ تو یہ سوئے ہیں۔ ان پر ان کی چادر بھی ہے پھر وہ صبح تک اسی طرح دروازے پر کھڑے رہے، صبح کے وقت حضور ﷺ کے بستر مبارک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے پھر انہیں ہوش آئی کہ اس شخص نے تو سچ ہی کہا تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں اس دن قریش مکہ نے جو اتفاق کیا تھا اس کے متعلق قرآن پاک کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يُقَتِّلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۖ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرُ الْمَكُورِينَ ﴿١٠﴾ (انفال)

فرمائی۔ اسی لئے خوفزدہ انسان کو سورۃ یسین پڑھنے کا کہا جاتا ہے۔ حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ اگر خوفزدہ انسان اسے پڑھے گا وہ امن میں ہو جائے گا۔ اگر مفلس پڑھے گا تو وہ مالدار ہو جائے گا۔ جنگے کو یہ مبارک سورت پڑھنے سے لباس نصیب ہو گا اور پیاسے کو پانی ملے گا الغرض اس کے بہت سے فوائد ہیں۔

”اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تا کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔“

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ۖ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۝ (طور)

”کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں اور ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردشِ زمانہ کا فرمائیے انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔“

ابن ہشام کہتے ہیں۔ ”المنون“ کا معنی موت ہے، رَيْبُ الْمُنُونِ حوادثِ زمانہ کو کہتے ہیں، ابو ذؤب کہتا ہے۔

أَمِنَ الْمُنُونِ وَ رَيْبَهَا تَتَوَجَّعُ وَالْدَّهْرُ لَيْسَ بِمُعْتَبٍ مَنْ يَجْزَعُ
کیا تو موت اور اس کے ڈر سے خوفزدہ ہے زمانہ جزعِ جزع کرنے والوں سے اپنا عتاب دور نہیں کرتا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ ایک ثروت مند شخص تھے جب انہوں نے حضور ﷺ سے ہجرت کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ جلدی نہ کرو شاید اللہ تعالیٰ کوئی رفیقِ راہ بنادے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی اپنی ذات ہے۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے دواؤں، ٹنیاں خرید لیں تھیں اور انہیں اپنے گھر میں خود چارہ ڈالا کرتے تھے۔

رَيْبُ الْمُنُونِ

”المنون“ مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جس شخص نے اس سے موت یا حوادثِ دھر مراد لیے ہیں اس نے اسے مونث استعمال کیا ہے اور جس نے اس سے مراد دھر لیا ہے اس نے اسے مذکر استعمال کیا ہے۔ ”رَيْبُ الْمُنُونِ“ سے مراد حالات کی وہ تبدیلی ہے جو تجھے قلق میں ڈال دے۔ اشیاء کی قوتِ سلب کر لینے کی وجہ سے اسے ”منون“ کہا جاتا ہے ایک اور قول کے مطابق اسے منون اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ امیدوں کو منقطع کر دیتا ہے۔ یہ ”حَبْلُ مَيْمَنٍ“ سے مشتق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (تین۔ ۶) ”تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔“

ہجرت مدینہ

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ صبح کے وقت یا شام کے وقت ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضور ﷺ دوپہر کے وقت ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ ﷺ عموماً اس وقت ہمارے ہاں تشریف نہیں لاتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا ”اس وقت حضور ﷺ کا تشریف لانا اس بات کا غماز ہے کہ کوئی واقعہ رونما ہوا ہے“ جب حضور ﷺ گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چار پائی سے اٹھے، نبی اکرم ﷺ وہاں تشریف فرما ہو گئے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس صرف میں اور میری بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما ہی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جو شخص تمہارے

حضور ﷺ کو اذان، ہجرت

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر گھر میں کوئی اجنبی ہو تو اسے باہر نکال دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ صرف میری دو بیٹیاں ہی گھر میں ہیں۔“

جامع بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! وہ آپ ﷺ کے اہل خانہ ہی ہیں“ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے اپنی نورِ نظر کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ حضرت ام رومان بنت عامر بن عویر سے اسی طرح روایت ہے، ان کے والد کے نام میں دوسری روایت ”رومان“ بھی ہے۔ ابن اسحاق سے ایک اور روایت بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی معیت میں ہجرت کی سعادت حاصل کی تو آپ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو مکہ معظمہ میں ہی چھوڑ آئے تھے، مدینہ طیبہ میں جلوہ نما ہو کر حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو مکہ معظمہ بھیجا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن اریقظ کو بھیجا۔ انہوں نے ان کے ساتھ پانچ درہم بھی بھیجے، وہ مکہ معظمہ میں آئے اور حضرت سودہ بنت زمعہ،

پاس ہے اسے مجھ سے پرے لے جاؤ۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس میری دو بیٹیاں ہی ہیں میرے ماں باپ آپ ﷺ پر نثار! کیا ان

حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کو لے کر مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ”میری والدہ ماجدہ بھی ان کے اور طلحہ بن عبید اللہ کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئیں۔ جب ہم قدیر کے مقام پر پہنچے تو وہ اونٹ بھاگ گیا جس پر میں اور میری والدہ محترمہ سوار تھیں۔ ہم ایک پاکی پر سوار تھیں، میری امی جان یوں آواز دینے لگیں۔ وَابْنَتَاہُ۔ وَاعْرُوسَاہُ۔ ہائے میرے نورِ نظر! ہائے میری دلہن!

یونس نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”اسی اثناء میں میں نے ایک صدا دینے والے کو سنا وہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا، اس نے کہا اس اونٹ کی مہار نیچے پھینک دو۔ میں نے اپنے ہاتھ سے مہار پھینک دی۔ اونٹ کھڑا ہو گیا پھر وہ اسی جگہ چکر کھانے لگا گویا کہ وہ اپنے نیچے کی انسان کو دوبارہ باتھا۔ وہ اونٹ گھائی سے خیر و عافیت سے اتر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچا لیا، ہم بارگاہ رسالت ﷺ میں پہنچ گئے اس وقت آپ ﷺ مسجد نبوی اور حجرات تعمیر فرما رہے تھے۔ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اپنے کاشانہ میں چلی گئیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ عائشہ کو کاشانہ اقدس میں نہیں لے جائیں گے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا اگر حق مہرنہ بھی ہو؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں بارہ اوقیہ چاندی اور بیس درہم پیش کئے۔

مکمل ہجرت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹیاں خریدیں۔ ان میں سے ایک بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کر دی۔ وہ اونٹنی دوسری سے بہتر تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ”میں اس اونٹنی پر سوار نہیں ہوں گا جو میری نہیں۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! میں نے آپ کو بطور نذرانہ پیش کی ہے۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں قیمت ادا کروں گا۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! قیمت ہی ادا فرمادیں“ پھر حضور ﷺ اس اونٹنی پر سوار ہوئے۔ بعض اہل علم نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹنی کی قیمت ادا کر کے اسے قبول کیوں فرمایا حالانکہ اس سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت سا

کے یہاں رہنے میں کچھ حرج ہے“ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت اور خروج کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ الصُّحْبَةُ

مال خرچ کرتے تھے اور اسے قبول فرما لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”مال اور اہل کے اعتبار سے مجھ پر اتنا احسان کسی نے نہیں کیا جتنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا ہے، ابھی اوپر ذکر ہوا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق مہر کے لئے انہوں نے بارہ اوقیہ چاندی اور بیس درہم پیش کئے۔ آپ ﷺ نے اس کو بھی قبول کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ ﷺ کی ہجرت نفس اور مال دونوں کے ساتھ ہو اور ہجرت اور جہاد ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔ یہ جواب سب سے عمدہ ہے اسے علامہ حسن بن لوان نے ذکر کیا ہے۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ اونٹنی جسے حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا وہ ”جدعاء“ کے نام سے معروف ہوئی۔ یہ اس عضباء نامی اونٹنی کے علاوہ ہے جس کا ذکر آپ ﷺ نے اس وقت کیا جب حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر کیا۔ یہ وہ سعادت مند اونٹنی ہے جو قیامت کے روز آپ ﷺ کے ساتھ ہی اٹھے گی۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ اس روز ”عضباء“ پر سوار ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں میری لخت جگر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ”عضباء“ پر سوار ہوں گی۔ میں اس روز براق پر سوار ہوں گا اور یہ (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار ہوں گے۔“

مسند البزار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”حضور ﷺ نے ”عضباء“ پر تشریف فرما ہو کر ہمیں خطبہ دیا تھا۔ ”وہ ”جدعاء“ نہ تھی حضرت انس فرماتے ہیں کہ عضباء ایک اور اونٹنی تھی۔ صحیح قول بھی یہی ہے۔ یہ مالِ شیمت میں حاصل ہوئی تھی اس کے مالک عقیل نے اسے مدینہ طیبہ میں پکڑ لیا اور عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے کس کے عوض اسے حاصل کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے اسے تیرے حلیفوں کے وعدہ خلافی کے عوض حاصل کیا ہے۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شدتِ مسرت سے گریہ باری

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ وہ اس سے پہلے نہیں جانتی تھیں کہ شدتِ خوشی سے بھی رویا جاتا ہے انہوں نے یہ قول اس لئے کہا تھا کیونکہ ان کی عمر بہت کم تھی۔ اس سے پہلے وہ اس سے آگاہ نہ تھیں۔ حالانکہ شعراء نے اس منظر کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے طائی بادلوں کی تعریف میں کہتا ہے۔

اے رسول معظم ﷺ رفاقت کی سعادت مجھے نصیب ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”الصُّحْبَةُ هَا! رفاقت کی سعادت تمہاری ہی قسمت میں مرقوم ہے“۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

دُهُمَ إِذَا وَكَفْتُ فِي رَوْضِهِ طِفْقَتْ عَيُونُ أَزْهَارِهَا تَبْكِي مِنَ الْفَرْحِ
وہ سیاہ بادل جب اس کے باغ میں برساتو اس کے پھولوں کی آنکھوں نے شدتِ فرح سے گریہ زاری کی۔ ابو طیب کہتا ہے۔

لَا تُنْكِرَنَّ لَهَا صَرْعَةً فَمِنْ فَرْحِ النَّفْسِ مَا يَقْتُلُ
اس کی اس حالت کا انکار نہ کر کبھی کبھی نفسِ شدتِ مسرت سے بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔
ایک شاعر کہتا ہے۔

وَرَدَ الْكِتَابُ مِنَ الْحَبِيبِ بَأَنَّهُ سَيَزُودُنِي فَاسْتَعْبَرْتُ أَجْفَانِي
غَلَبَ الشَّرُّورُ عَلَيَّ حَتَّى إِنَّهُ مِنْ فَرْطِ مَا قَدْ سَرَّنِي أَبْكَانِي
يَا عَيْنُ صَارَ الذَّمُّ عِنْدَكَ عَادَةً تَبْكِينَ فِي فَرْحٍ وَ فِي أَحْزَانِ
میرے محبوب کی طرف سے مجھے نامہ ملا ہے کہ وہ عنقریب مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے آئے گا
یہ پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔ مجھ پر سرور کا غلبہ ہو گیا حتیٰ کہ اس فرطِ مسرت نے مجھے
رولا دیا۔ اے میری آنکھ! آنسو بہانا تیری عادت بن گئی ہے تو خوشی اور غم ہر دو حالت میں رونے لگتی ہے۔
مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ

جب تاجدارِ عرب و عجم ﷺ مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ حذو رہ کے مقام پر
کھڑے ہوئے گئے، آپ ﷺ نے بیت اللہ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ وَاللَّهِ إِنَّكَ لَأَحَبُّ أَرْضِ
اللَّهِ إِلَيَّ وَإِنَّكَ لَأَحَبُّ أَرْضِ اللَّهِ إِلَى اللَّهِ وَ لَوْ لَا أَنَّ أَهْلَكَ أَخْرَجُونِي مِنْكَ مَا خَرَجْتُ
اللہ کی قسم! تو مجھے اللہ تعالیٰ کی تمام زمین سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ کے نزدیک بھی تو تمام روئے زمین
سے پسندیدہ ہے اگر تیرے مکین مجھے نہ نکالتے تو میں خود کبھی نہ نکلتا۔ اس حدیث کو امام زہری نے
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مکہ مکرمہ کی مدینہ طیبہ پر فضیلت کی سب
سے بڑی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ إِنَّ صَلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ خَيْرٌ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِي سِوَاهُ۔ مسجد حرام میں ایک نماز، اس کے علاوہ دیگر مساجد
میں ادا کی گئی ایک لاکھ نمازوں سے بہتر ہے کیونکہ دیگر اعمالِ نماز کے تابع ہوتے ہیں اس لئے مسجد حرام
میں ہر نیکی دوسرے مقام کی ایک لاکھ نیکیوں سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت

فرماتی ہیں ”قسم بخدا! اس سے قبل مجھے معلوم نہ تھا کہ کوئی فرح و شادمانی سے بھی گریہ بارہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اس دن میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسرت و خوشی سے روتے ہوئے دیکھا۔“ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہ دو اونٹنیاں اسی مقصد کے لئے خریدی تھیں پھر میں نے انہیں عبد اللہ بن ارقط کو اجرت پر دی ہیں۔ عبد اللہ بن ارقط کا تعلق بنو الدیل بن بکر سے تھا وہ ایک ماہر راہ نما تھا۔ یہ آل عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا۔ اس کی ماں کا تعلق بنو سہم بن عمرو سے تھا یہ مشرک تھا اور حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو راہ بتاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹنیاں اسی کے حوالے کر دی تھیں تا کہ وہ مقررہ مدت تک ان کی حفاظت کرے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ ہجرت فرما ہوئے تو ہجرت کا علم حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابوبکر صدیق کے اہل و عیال کے علاوہ اور کسی کو نہ ہوا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خود حضور ﷺ نے بتایا تھا اور انہیں مکہ معظمہ میں ہی ٹھہرنے کا حکم دیا تا کہ وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں، مکہ معظمہ کے لوگ آپ ﷺ کی صداقت و امانت سے اتنے متاثر تھے کہ وہ آپ ﷺ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔

حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے پھر دونوں حضرات اس کھڑکی سے باہر نکل گئے جو

ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جو شخص پیدل چل کر حج کرتا ہے اس کے ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں عرض کی گئی حرم کی نیکیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس میں ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔“ حضرت عطا فرماتے ہیں میرے گمان میں یہاں برائی کرنا بھی اسی طرح ہے۔

غارِ ثور

یہ ایک غار کا نام ہے جو جبل ثور میں ہے۔ تحریم مدینہ والی حدیث میں اسی پہاڑ کا نام ہے۔ اُنْہَا حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَیْرِ اِلٰی ثَوْرٍ۔ مدینہ طیبہ غیر اور ثور کے درمیان حرم ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ ثور مکہ معظمہ کے پہاڑوں میں ہے۔ اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث اس طرح ہے۔ مَا بَيْنَ عَیْرِ اِلٰی

گہ کی کچھلی جانب تھی اور غارِ ثور کا قصد فرمایا۔ یہ غار مکہ معظمہ کے نشیبی علاقہ میں ہے۔ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ سنیں کہ لوگ دن
کے وقت ان سے متعلق کیا کہتے ہیں اور رات کے وقت وہ خبریں غار میں آ کر بتا دیں۔ انہوں
نے اپنے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ دن کے وقت بکریاں
چراتے رہیں اور وقتِ شام وہ بکریاں غار کے دھانے کے پاس لے جائیں۔ حضرت اسماء بنت

نَدَا۔ گویا کہ محدث مقام کا نام بھول گئے اور اس کی جگہ لفظ ”بکذا“ استعمال کیا۔

قاسم بن ثابت نے دلائل میں ذکر کیا ہے کہ جب حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ
عنہ غارِ ثور میں تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس غار کے دہانے پر ”راء“ کا پودا لگا دیا۔ یہ ایک
معروف درخت ہے اس نے غار کو کفار کی آنکھوں سے محجوب بنا دیا۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ”راء“ ایک
نخت درخت ہے اس کا قد قامت انسان جتنا ہوتا ہے اس پر کانٹے لگتے ہیں اس کے پھول سفید رنگ
کے ہوتے ہیں جن سے تکیے بھرے جاتے ہیں۔ یہ اپنی نرمی اور نزاکت میں پروں کی طرح ہوتے ہیں
گویا کہ وہ روئی ہے پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

تَرَىٰ وَدَكَ الشَّرِيفِ عَلَىٰ لَحَا هُمْ كَيْسِلِ الرَّاءِ لَبْدَةُ الصَّقِيعِ
کاش تو اونٹ کی چربی کو ان کے گالوں پر دیکھ لیتا وہ اس ”راء“ کی طرح تھے جسے بھڑنے جمع کر
رکھا ہو۔

الہزار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکڑی کو حکم دیا اس نے غار کے دہانے پر جالاتن دیا، دو جنگلی کبوتر بھی
آگئے انہوں نے غار کے دہانے پر انڈے دے دیے۔ یہ تمام وہ اشیاء تھیں جنہوں نے مشرکین کو
آپ ﷺ تک نہ جانے دیا۔ حرم شریف کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ روایت ہے کہ جب
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں حضور ﷺ سے پہلے گئے تاکہ اپنی ذاتِ قربان کر کے نبی
محترم ﷺ کا تحفظ کریں تو وہاں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک بل دیکھا آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں اپنی
ایڑی رکھ دی تاکہ وہاں سے کوئی موذی جانور نکل کر حضور ﷺ کو اذیت نہ دے۔ ”صحیح“ میں حضرت
انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب حضور ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں تھے تو
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ ”اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے
قدموں کی طرف دیکھتا تو وہ ہمیں دیکھ لیتا، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا۔ مَا ظَنُّكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ
فَالْتَهَا۔ ان دو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔

ابی بکر رضی اللہ عنہا شام کے وقت کھانا لے کر آتی تھیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم نے بتایا ہے کہ حضرت حسن بن ابی الحسن البصری نے فرمایا۔ ”حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات کے وقت غار تک پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے غار کے اندر گئے تاکہ دیکھیں کہ اس میں کوئی درندہ یا سانپ تو نہیں ہے گویا کہ انہوں نے اپنے نفس سے حضور ﷺ کا تحفظ کیا۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں تین دن

روایت ہے کہ جب قریش مکہ حضور ﷺ کے نقش پا کو نہ دیکھ سکے تو انہوں نے قیافہ شناسوں کو بلایا۔ وہ حضور ﷺ کے نقش قدم کی جستجو کرتے کرتے غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ اس سے قبل غار کے دہانے پر درخت اگ چکا تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیافہ شناس دیکھا تو حضور ﷺ کی وجہ سے انہیں شدید حزن ہوا۔ انہوں نے کہا ”اگر میں قتل ہو جاؤں تو میں صرف ایک شخص ہوں اور اگر آپ ﷺ شہید ہو گئے تو ایک امت ہلاک ہو جائے گی۔“ اس وقت حضور ﷺ نے ان سے فرمایا، لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ ”غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“ ذرا غور تو کرو کہ حضور ﷺ نے فرمایا لَا تَحْزَنَنَّ، لَا تَخَفَنَّ فرمایا کیونکہ حضور ﷺ کی ذات کے متعلق غم نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات کے غم کو بھلا دیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان تکالیف کا بھی مشاہدہ کیا جن کا سامنا حضور ﷺ کو کرنا پڑ رہا تھا۔ آپ ﷺ غار کی تنگی میں تھے۔ اپنے اہل خانہ سے جدا تھے اور سفر کا غم تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے لئے شفقت و نرمی کے جذبات سب سے زیادہ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے حزین ہو گئے۔ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”میں نے حضور ﷺ کے قدمین شریفین کی طرف دیکھا وہ خون ریز تھے میں رو پڑا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ بدسلوکی یا بد اخلاقی آپ ﷺ کی عادت نہیں ہے۔“ آپ رضی اللہ عنہ کا خوف تو نصرتِ الہی کے وعدہ کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا۔ ارشادِ ربانی ہے۔ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ۔ ”پھر نازل کی اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین ان پر۔“ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک ”ہ“ کی ضمیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے کیونکہ حضور ﷺ پر تو سکینہ پہنچے ہی موجود تھا۔ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ ”وہ اپنی ان کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہ دیکھا۔“ اس آیت میں ”ہ“ کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف راجع ہے۔ ”جُنُودُ“ سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو غارِ ثور میں حاضر خدمت ہوئے اور آپ ﷺ کو فتحِ یابی کی بشارت دی اسی بشارت سے آپ ﷺ کی

خلوت گزریں رہے۔ قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص حضور ﷺ کو پکڑ کر ان کے حوالے کرے گا اسے سوانٹ انعام دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما دن کے وقت قریش کے پاس رہتے جو وہ مشاورت کرتے وہ پوری توجہ سے سنتے۔ جو وہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے اسے دھیان سے سنتے اور شام کے وقت تمام باتیں غار ثور

تائید ہوتی ہے اور صبر و استقامت میں اضافہ ہوا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو غزوہ بدر اور غزوہ حنین وغیرہ میں نازل ہوئے۔ بعض علماء کے نزدیک ”ہ“ کی دونوں ضمائر حضور ﷺ کی طرف ہی راجع ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی تبع میں ہیں وہ سیکنہ کے حکم میں بالمعنی داخل ہیں، مصحف حصہ میں یہ آیت اس طرح مکتوب ہے۔ فَانْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِمَا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حزین ہونے کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ نے بعض کافروں کو غار کے پاس پیشاب کرتے دیکھا، انہیں خدشہ تھا کہ کہیں کفار نے انہیں دیکھ نہ لیا ہو، حضور ﷺ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ ”حزن نہ کرو“۔ اگر کفار ہمیں دیکھ لیتے تو اپنی شرمگاہیں ہماری طرف کر کے پیشاب نہ کرتے اور ہمیں پکڑنے میں دیر نہ کرتے۔

رافضہ کے بہتان کا رد

رافضہ کا گمان ہے کہ حضور ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمانا ”لَا تَحْزَنْ“ ان کی غفلت اور ندمت کے لئے تھا۔ اگر یہ ”اطاعت“ کے لئے ہوتا تو حضور ﷺ انہیں منع نہ کرتے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معصیت تھی۔ رافضہ کو دلیل دیتے ہوئے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے فرمایا۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ (یونس: ۶۵) ”پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب) ان کا قول“۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ (العمران: ۱۷۶) ”اور (اے جان عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو جو جلدی سے کفر میں داخل ہوئے ہیں“۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ (طہ: ۱۶) ”اسے پکڑ لو اور مت ڈرو“۔ ملائکہ نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا۔ لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ۔ (العنکبوت: ۳۳) ”نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر“۔

اگر تمہارا یہ گمان ہو کہ انبیاء علیہم السلام کو جب یہ کہا جا رہا تھا وہ حالت معصیت میں تھے تو یہ تمہارا کفر ہے اور تم نے اپنے ہی اصل عقیدہ سے روگردانی کر دی کہ امام معصوم ہوتا ہے۔ بلاشبہ بالا جماع انبیاء کرام معصوم آئمہ ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان لَا تَحْزَنْ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب مکرم ﷺ سے فرمانا لَا يَحْزُنْكَ اور دیگر انبیاء سے اسی طرح فرمانا ان کے دل کی تشفی، بشارت اور موانست تھی۔

میں جا کر انہیں عرض کر دیتے۔ حضرت عامر بن فہرہ رضی اللہ عنہ دن بھر اہل مکہ کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتے رات کے وقت وہ انہیں غار کے دہانے پر لے جاتے۔ ان کا دودھ دوہتے اور انہیں ذبح کر کے حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ کی طرف چلے جاتے تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ بھی ریوڑ لے کر ان کے پیچھے پیچھے چل پڑتے تاکہ ان کے قدموں کے نشانات مٹ جائیں۔ جب تین راتیں گزر گئیں اور لوگ کچھ پر سکون ہو گئے تو وہ شخص آگیا جنہیں راستہ دکھانے کے لئے اجرت پر لیا گیا تھا۔ وہ ادنیٰ بھی لے آیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا تو شہ دان لے آئیں۔ وہ تو شہ دان کو باندھنے کے لئے رسی لانا بھول گئیں۔ انہوں نے اپنا کمر بند کھولا اور اس سے تو شہ دان باندھ دیا اسی لئے ان کا نام ”ذات النطاق“ پڑ گیا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے تو شہ دان باندھنا چاہا تو اپنے کمر بند کو دو

یہ نبی اسی جہت سے تھی جس طرح سے انہیں گمان تھا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔
تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا (فصلت: ۳۰) ”اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو“۔ ملائکہ انہیں یہ قول معاینہ کے وقت کہیں گے اس وقت نہ تو کسی اطاعت کا حکم ہے اور نہ ہی کسی معصیت سے نفی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فعل سے نفی اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ انسان اس وقت منہی عنہ فعل میں مشغول ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم ﷺ کو بہت سی اشیاء سے منع فرمایا اسی طرح مومن بندوں کو بھی بہت سے کاموں سے روکا۔ یہ نفی اس امر کا تقاضا نہیں کرتی کہ حضور ﷺ اور وہ مومن لوگ نفی کی حالت میں ان اشیاء کا ارتکاب کر رہے تھے کیونکہ نفی، فعل مستقبل ہے اسی طرح حضور ﷺ کا فرمان ”لَا تَحْزَنُوا“ بھی نفی ہے۔ اس لئے ممکن ہے اس حزن کا تعلق بھی مستقبل سے ہو اور اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حزن نہ ہوں اس لئے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غفلت یا مذمت پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم ﷺ پر یہ حزن سراپا اطاعت تھا۔ حضور ﷺ نے ان پر نرمی کرتے ہوئے اور درخشاں مستقبل کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا، ”لَا تَحْزَنُوا“۔ یہ کسی عمل کی ناپسندگی کی وجہ سے نہ تھا۔

اگر مذکورہ بالا بحث پر ہوس اور تعصب کو چھوڑ کر نگاہ انصاف ڈالی جائے تو حقائق روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں اور شاہراہ ہدایت ضوفشانی کرنے لگتی ہے۔

حصوں میں منقسم کیا۔ ایک کے ساتھ توشہ دان باندھ دیا اور دوسرا حصہ کمر کے ساتھ باندھا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی سواری

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیاں قریب کییں ان میں سے عمدہ حضور ﷺ کو پیش کی اور عرض کی ”فَذَلِكَ أَبِي وَ أُمِّي إِرْكَبْ۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا! سوار ہو جائیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا، ”میں اس اونٹنی پر سوار نہیں ہوں گا جو میری نہیں۔“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ ﷺ ہی کی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں اس وقت تک نہیں جب تک تم وہ قیمت نہ بتاؤ جس میں تم نے اسے فروخت کرنا ہے۔“ انہوں نے عرض کی ”اتنی رقم“ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں نے اتنی قیمت میں یہ اونٹنی خرید لی ہے۔“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”آپ ﷺ کی ہوگی۔“ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے حضرت عامر بن فہیرہ کو بٹھالیا تا کہ راستہ میں وہ حضور ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کر سکیں۔

ابو جہل کی گھناؤنی حرکت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے بیان کیا گیا ہے وہ فرماتی ہیں ”جب حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سفر ہجرت پر روانہ ہو گئے تو ہمارے پاس قریش کے چند لوگ آئے ان میں ابو جہل بھی تھا وہ ہمارے دروازے میں کھڑے ہو گئے۔ میں باہر نکلی تو انہوں نے مجھے کہا اے بنت ابی بکر! رضی اللہ عنہما! تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا بخدا! میں نہیں جانتی کہ میرے والد محترم کہاں ہیں۔ ابو جہل بڑا فحش گوا اور خبیث انسان تھا اس نے ہاتھ اٹھا کر میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا جس سے میری بالی نیچے گر پڑی۔“

اللہ تعالیٰ کی معیت

اے عبد مامور! ذرا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں تو غور کرو۔ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ: ۴۰) ”جب کہا انہوں نے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔“ میں لفظاً اور معنی کس طرح اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ معنی کے اعتبار سے نصرت، معاونت،

جن کا ہدیہ عقیدت

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں تین راتیں گزر گئیں، ہمیں معلوم نہ تھا کہ حضور ﷺ کس سمت تشریف لے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک دن ایک جن مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں آیا اس نے کچھ اشعار اہل عرب کے لہجے میں گنگنائے لوگ اس کے پیچھے چل دیے، وہ اس کی آواز سن رہے تھے لیکن اسے دیکھ نہیں رہے تھے۔ وہ مکہ معظمہ کے بلند علاقے میں پہنچ گیا وہ یوں گنگنا رہا تھا۔

جَزَى اللَّهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهِ رَفِيقَيْنِ حَلَا خَمِيَّتِي أُمِّ مَعْبِدٍ
هَمَّا نَزَلَا بِالْبَرِّ ثُمَّ تَرَوَحَا فَافْلَحَ مَنْ أَمْسَى رَفِيقَ مُحَمَّدٍ
لِيَهْنِ بَنِي كَعْبٍ مَكَانُ فَتَاتِهِمْ وَ مَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِينَ بِرَّصِدٍ
”اللہ تعالیٰ جو لوگوں کا پروردگار ہے وہ ان دو ساتھیوں کو بہترین جزاء دے جنہوں نے ام
معبد کے خیمہ میں نزولِ اجلال فرمایا ہے انہوں نے وہاں ہدایت کے ساتھ قیام فرمایا ہے پھر وہ
روانہ ہو گئے جو بھی محمد ﷺ کا ساتھی بن گیا وہ کامیاب ہوگا۔ بنو کعب کو مبارک ہو کہ ان کی
خواتین کی نشست و برخاست کے مؤمنین پناہ گاہ ہیں۔“

حضرت ام معبد کا نسب

ابن ہشام کہتے ہیں ام معبد بنت کعب ہے، یہ بنو کعب سے تھیں جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ
ہے۔ ”خَلَا خَمِيَّتِي“ اور ”هَمَّا نَزَلَا بِالْبَرِّ ثُمَّ تَرَوَحَا“۔ ابن اسحاق سے روایت نہیں ہیں۔
ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب ہم نے اس جن کے
اشعار سنے تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہیں۔ یہ قافلہ چار
افراد پر مشتمل تھا۔ ۱۔ حضور ﷺ، ۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ۳۔ حضرت عامر بن

ہدایت اور ارشاد میں معیت ہے۔ لفظ کے اعتبار سے معیت یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کا ذکر کیا جائے
گا وہاں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہوگا جب آپ ﷺ سے التجاء کی جاتی ہے تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم
کہا جاتا ہے یا ”فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ“ کہا جاتا ہے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اسی طرح
پکارا جانے لگا: یا خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ۔ فَعَلَ خَلِيفَةُ رَسُولِ اللَّهِ۔ رسالت مصطفویہ اور خلافت
صدیقہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام مبارک بھی ذکر ہوتا ہے۔ اس بعد کے کسی خلیفہ کے لئے یہ الفاظ
استعمال نہ ہوئے۔

فہرہ رضی اللہ عنہ، ۴۔ عبد اللہ بن ارقط۔ ابن ہشام نے اسے عبد اللہ بن اریقط کہا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد آپ کے اہل خانہ

ابن اسحاق نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں جب حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال ساتھ لے گئے۔ ان کے پاس چھ یا سات ہزار درہم تھے۔ وہ تمام رقم اپنے ہمراہ لے گئے۔ میرے پاس میرے دادا حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ آئے وہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا ”اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ تمہارے باپ نے اپنی ذات کے ساتھ اپنا مال لے جا کر بھی تمہیں تکلیف دی ہے“۔ میں نے کہا ”نہیں دادا جان! ہرگز نہیں، انہوں نے ہمارے لئے بہت سا مال چھوڑا ہے“ میں نے چھوٹے چھوٹے سنگریزے لیے انہیں اس روشن دان میں رکھ دیا جہاں والد محترم اپنا مال رکھتے تھے پھر ان سنگریزوں پر کپڑا ڈال دیا۔ اپنے دادا جان کا ہاتھ پکڑ کر کہا ”دادا جان! ذرا اپنا ہاتھ تو اس مال و زر پر رکھیں“۔ انہوں نے وہاں اپنا ہاتھ رکھا اور کہا ”کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے تمہارے لئے یہ مال چھوڑ کر اچھا کیا ہے یہ رقم تمہارے لئے کافی ہے“۔ قسم بخدا! انہوں نے ہمارے لئے کوئی مال نہ چھوڑا تھا لیکن میں نے دادا جان کو اس طرح خاموش کرادیا۔

سراقہ بن مالک

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن مالک بن حارث بن جعشم اپنے چچا سراقہ بن مالک بن جعشم سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ ”جب حضور ﷺ ہجرت کے لئے مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف گئے تو قریش نے اعلان کیا کہ جو آپ ﷺ کو پکڑ کر لائے گا اسے ایک سو

حضرت سراقہ بن مالک الکنانی

یہ مد لگی تھی۔ ان کا تعلق بنو مدلج بن مرہ بن تمیم بن عبد مناة بن کنانہ سے تھا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے، قریش مکہ نے حضور ﷺ کو پکڑنے والے کے لئے ایک سوانٹ انعام مقرر کیا۔ سراقہ نے اپنے تیروں سے فال گیری کی بالآخر وہ حضور ﷺ کو پکڑنے میں ناکام رہے۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب سراقہ بے نیل مراد واپس آئے تو ابو جہل نے انہیں ملامت کی وہ بھی شاعر تھے انہوں نے کہا۔

اونٹنیاں انعام دیا جائے گا۔ اسی اثناء میں کہ میں اپنی قوم کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا اچانک ایک شخص آیا۔ وہ ہمارے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا ”قسم بخدا! میں نے تین افراد پر مشتمل ایک قافلہ دیکھا ہے وہ ابھی ابھی میرے پاس سے گزرا ہے میں نے غور سے دیکھا ہے وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تھے“ میں نے آنکھوں سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا ”نہیں! وہ تو بنو فلاں تھے جو اپنی گمشدہ اونٹنی کو تلاش کر رہے تھے“۔ انہوں نے کہا شاید پھر وہ خاموش ہو گیا۔ میں تھوڑی دیر وہیں بیٹھنے کے بعد اٹھا گھر گیا اور اپنا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا وہ گھوڑا وادی کے وسط میں پہنچا دیا گیا میں نے ہتھیار لانے کا حکم دیا ہتھیار گھر کے پچھلے سوراخ سے باہر پھینکے گئے۔ میں نے وہ تیر بھی لئے جن سے فال پکڑتا تھا اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے ذرہ پہن لی اور تیر نکال کر فال نکالی، وہ تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا اس پر ”لَا يَضُرُّ“ مکتوب تھا لیکن میری خواہش یہی تھی کہ میں حضور ﷺ کو پکڑ کر قریش کے حوالے کروں اور ایک اونٹ سوا انعام حاصل کروں۔ میں آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ دوران سفر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، میں نیچے گر پڑا میں نے کہا یہ کیا ہے؟ میں نے فال کے تیر نکال کر فال لی فال میں پھر وہی تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا اور جس پر ”لَا يَضُرُّ“ مرقوم تھا لیکن میں نے آپ ﷺ کے تعاقب کے متعلق ہی سوچا۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے کو شدید ٹھوکر لگی میں نیچے گر پڑا۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ میں نے تیر نکال کر فال گیری کی تو تیسری مرتبہ بھی وہی تیر نکلا لیکن میں نے واپس نہ آنا چاہا تعاقب میں آگے ہی بڑھتا رہا جب وہ مختصر سا قافلہ مجھے نظر آیا تو میرے گھوڑے کو

أَبَا الْحَكَمِ وَاللَّهِ لَوْ كُنْتُ شَاهِدًا لَا مَرَّ جَوَادِي إِذْ تَسُوخُ قَوَائِمُهُ
عَلِمْتُ وَلَمْ تَشْكُ بَانَ مُحَمَّدًا رَسُولَ بَرَّهَانٍ فَسَنَ ذَا يُقَاوِمُهُ
عَلَيْكَ بِكَفِّ الْقَوْمِ عَنْهُ فَإِنِّي أَرَى أَمْرًا يَوْمًا سَتَبْدُو مَعَالِمُهُ
بِأَمْرِ يَوَدُّ النَّاسُ فِيهِ بِأَسْرِهِمْ بَانَ جَمِيعَ النَّاسِ طَرًا يُسَالِمُهُ
اے ابو جہل! کاش تو اس حیرت افزا منظر کو دیکھ لیتا جب میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں
دھنس گئے تھے، تو تو جان لیتا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو واضح برہان
کے ساتھ تشریف لائے ہیں، آپ ﷺ کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ تجھ پر لازم ہے کہ تو اپنی قوم کو ان
سے روک لے میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب ایک دن آپ ﷺ کی علامات کا اظہار ہو جائے گا۔ اس
دن تمام لوگ یہ خواہش کریں گے کہ وہ آپ ﷺ سے صلح کر لیں۔

ٹھوکر لگی۔ اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے میں نیچے گر پڑا۔ گھوڑے نے پاؤں زمین سے باہر نکال لئے اس کے ساتھ ہی زمین سے بگولے کی طرح دھواں بھی نکلا۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ میں حضور ﷺ کو نہیں پکڑ سکتا۔ آپ ﷺ مجھ سے محفوظ ہیں، آپ ﷺ غالب ہیں میں نے اہل قافلہ کو بلند آواز دی۔ ”میں سراقہ بن مالک ہوں۔ مجھے مہلت دو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ قسم بخدا! میں تمہیں کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ میری طرف سے کسی ایسے رویے کا اظہار نہ ہوگا جسے تم ناپسند کرتے ہو۔“ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ”اس سے پوچھو کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی بات مجھ سے پوچھی۔ میں نے کہا ”مجھے ایک ایسی تحریر لکھ کر دیں جو میرے اور آپ کے درمیان نشانی ہو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ابوبکر! اسے تحریر لکھ دو۔“ انہوں نے کسی ہڈی یا کاغذ یا کسی ٹھیکری پر تحریر لکھی اور اسے میری طرف پھینک دیا، میں نے اسے اپنے ترکش میں رکھ لیا اور واپسی کی راہ لی۔ میرے ساتھ کیا کچھ ہوا میں نے کسی سے تذکرہ نہ کیا، جب مکہ معظمہ بھی فتح ہو گیا اور حضور ﷺ

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کے کنگن، تاج اور چادر پہنائی۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کے بازو طویل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تمام زیورات سراقہ کو پہنائے پھر فرمایا اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور یوں کہو۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَلَبَ هَذَا كِسْرَى الْمَلِكِ الَّذِي كَانَ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَبُّ النَّاسِ وَ كَسَاَهَا أَغْرَابِيًّا مِنْ بَنِي مُدَلِجٍ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اس کسریٰ سے یہ سب کچھ چھینا جو یہ گمان کرتا تھا کہ وہ لوگوں کا رب ہے اور اسے بنو مدلج کے ایک اعرابی کو پہنادیا۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات کہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کو اس لئے پہنایا تھا کیونکہ حضور ﷺ نے انہیں اس وقت بشارت دی تھی جب انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ”عنقریب ایران کے شہر فتح ہو جائیں گے اور کسریٰ کا ملک مسلمانوں کے زیر نگیں ہوگا۔“ لیکن حضرت سراقہ نے دل میں اسے ناممکن سمجھا اور کہا کیا وہ کسریٰ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے؟ حضور ﷺ نے اس وقت فرمایا ”عنقریب اس کے زیورات اسے پہنائے جائیں گے۔“ آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا تھا تا کہ آپ ﷺ کی خبر کی تحقیق ہو جائے۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ایک بدو تھے لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسلام کے ساتھ اعزاز بخشتا ہے اور حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت مرحومہ پر فضل و کرم کا ابر رحمت برساتا ہے۔

غزوہ حنین اور غزوہ طائف سے فارغ ہو گئے تو میں آپ ﷺ سے ملاقات کرنے کے لئے عازم سفر ہوا۔ میں جرآنہ کے مقام پر آپ ﷺ سے جا ملا۔ آپ ﷺ انصار کے لشکر میں تشریف فرما تھے۔ وہ مجھے اپنے نیزوں سے پیچھے ہٹانے لگے۔ انہوں نے پوچھا ”سراقہ! کس ارادے سے آئے ہو؟“ لیکن میں حضور ﷺ کے قریب تر ہوتا گیا آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ اللہ کی قسم! گویا کہ میں اب بھی آپ ﷺ کی مبارک پنڈلی کو دیکھ رہا ہوں وہ رکاب میں تھی اور درخت خرما کی گوند کی طرح سفید تھی۔ میں نے اپنا وہ ہاتھ بلند کر دیا جس میں تحریر تھی۔ میں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم، یہ آپ ﷺ کا تحریر نامہ ہے اور میں سراقہ بن جحشم ہوں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”آج وفا اور نیکی کا دن ہے میرے قریب ہو جاؤ۔“ میں حضور ﷺ کے قریب ہو گیا اور اسلام کی لازوال دولت سمیٹ لی۔ میں نے وہ سوال یاد کرنے کی کوشش کی جو میں حضور ﷺ سے عرض کرنا چاہتا تھا لیکن وہ سوال مجھے یاد نہ آیا۔ میں صرف یہی عرض کر سکا ”یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم لوگوں کے گمشدہ اونٹ میرے حوض پر آتے ہیں۔ میں نے وہ حوض اپنے اونٹوں کے لئے پانی سے بھرا ہوتا ہے اگر میں ان اونٹوں کو بھی پانی پلا دوں تو کیا مجھے اجر ملے گا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہر جگر والی چیز کو پانی پلانے سے اجر ملتا ہے۔ پھر میں اپنی قوم کے پاس گیا اور بارگاہ رسالت میں زکوٰۃ کے اونٹ بھیجے۔“

ابن ہشام کہتے ہیں، عبدالرحمن ابن حارث بن مالک بن جحشم تھے۔

سیرت کی کتب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار بھی مرقوم ہیں جو انہوں نے غار کی ایمان افروز داستان کے متعلق کہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعض اشعار یہ ہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ وَ لَمْ يَدَلْ يُوقِرْنِي وَ نَحْنُ فِي سَدَفٍ مِنْ ظُلْمَةِ الْغَارِ
حضور ﷺ نے مجھے فرمایا۔ جب تک ہم غار کے اندھیرے کی ظلمت میں رہے آپ ﷺ مسلسل محبت الہی میں اضافہ فرماتے رہے۔

لَا تَخْشَ شَيْئًا فَإِنَّ اللَّهَ قَالِنَا وَ قَدْ تَوَكَّلْ لِي مِنْهُ بِإِظْهَارِ
کسی چیز سے خوف نہ کرو ہمارے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے اس نے میرے ساتھ غلبہ کا وعدہ کیا ہے
وَ إِنَّمَا كَمَدُ مَنْ تَخْشَى بَوَادِرَ كَمَدُ الشَّيَاطِينِ كَادَتَهُ لِكُفَارِ
جس چال کے حالات سے تم خوفزدہ ہو وہ شیطانی چال ہے اور وہ کفار کے لئے ہی ہوگی۔

وَاللَّهُ مُهْلِكُهُمْ طَرًا بِمَا كَسَبُوا وَ جَاعِلُ الْمُنْتَهَى مِنْهُمْ إِلَى النَّارِ

اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دے گا اور ان کا ٹھکانہ جہنم بنا دے گا۔
وَ اَنْتَ مُرْتَجِلٌ عَنْهُمْ وَ تَارِكُهُمْ اِمَّا عُدُوْا وَاِمَّا مُدْلِجٌ سَارِی
تم عازم سفر ہو جاؤ گے اور انہیں چھوڑ دو گے۔ صبح یا شام کسی وقت بھی تم اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ گے۔

وَ هَاجِرٌ اَرْضَهُمْ حَتّٰی یَكُوْنَ لَنَا قَوْمٌ عَلَیْهِمْ ذُوُوْ عِزٍّ وَ اَنْصَارِ
تم ان کی زمین سے ہجرت کر جاؤ گے حتیٰ کہ ہمیں ایسی قوم ملے گی جو معزز اور ہماری مددگار ہوگی۔
حَتّٰی اِذَا اللَّیْلُ وَاَرْتَنَّا جَوَابِیْہٗ وَ سَدَّ مِنْ دُوْنِ مَنْ تَخْشٰی بِاَسْتَارِ
جب رات کی تاریکیوں نے ہمارا احاطہ کر لیا اور اس نے ہر اس چیز کو پردوں سے روک دیا جس سے تو ڈرتا ہے۔

سَارَ الْاَرِیْقُطُ یَهْدِیْنَا وَ اَیْنَقُہٗ یَنْعَبِنَ بِالْقَرْمِ نَعْبًا تَحْتَ اَكْوَادِ
اریقظ ہماری راہ نمائی کرنے لگا اور اس کی اونٹنیاں کجاوؤں کے نیچے تیزی سے چلنے لگیں۔
یَعْسِفْنَ عَرَضَ الثَّنَا یَا بَعْدَ اَطْوَلِہَا وَ کُلُّ سَهْبٍ رَقَاقِ التُّرَابِ مَوَّارِ
وہ اونٹنیاں گھاٹی کے طول و عرض میں چلیں اور ہر ہموار اور نرم زمین کو انہوں نے عبور کیا۔
حَتّٰی اِذَا قُلْتُ قَدْ اَنْجَدَنْ عَارِضَہَا مِنْ مُدْلِجِ فَارِسٍ فِی مَنْصَبٍ وَاِ
حتیٰ کہ جب میں نے کہا کہ یہ اونٹنیاں بلند ہو گئیں ہیں تو بنو مدج کے ایک تیز رفتار شہسوار نے
انہیں آلیا۔

یُوْدٰی بِہٖ مُشْرِفُ الْاَقْطَارِ مُعْتَرِمْ کَالسَّیْدِ ذِی الْبَلَدِیۃِ الْمُسْتَاسِیْدِ اَنْصَارِی
اسے تیز رفتار اور ہر جہت دوڑنے والا گھوڑا اڑائے جا رہا تھا۔ وہ سردار کی طرح، زیادہ بالوں والا،
شیر نما اور ضرر رساں تھا۔

فَقَالَ کُروا فَقُلْتُ اِنَّ کَرَّتَنَا مِنْ دُوْنِہَا نَصْرُ الْخَالِقِ الْبَارِی
اس سوار نے کہا لوٹو۔ میں نے کہا ہمارا لوٹنا ایک اور انداز کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ہے۔
اَنْ یَخْسِفَ الْاَرْضَ بِالْاُخْوٰی وَ فَارِیْسِہٖ فَانْظُرْ اِلٰی اَرْبَعِ فِی الْاَرْضِ غَوَّارِ
کہ وہ تیز رفتار گھوڑے اور اس کے شہسوار کو زمین دھنسا دے ذرا نشیبی موسم بہار والی زمین کو دیکھو
فِیْمَلْ لَمَّا رَاٰی اَرْسَاعَ مُقَرَّبِہٖ قَدْ سُخِّنَ فِی الْاَرْضِ لَمْ یُخْفَرْ بِیُخْفَارِ
جب اس نے اپنے گھوڑے کے سم دیکھے کہ وہ زمین میں دھنس چکے تھے اور زمین کو کسی آلے کے

ساتھ کھودا بھی نہیں گیا تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔

فَقَالَ هَلْ لَكُمْ أَنْ تُطْلِقُوا فَرَسِي وَ تَأْخُذُوا مَوْثِقِي فِي نَصْحِ اسْرَارِ
اس نے کہا کیا تم میرے گھوڑے کو آزاد کر سکتے ہو اور پر خلوص اسرار میں سے مجھے ایک عہد نامہ
دے سکتے ہو۔

وَأَصْرَفُ الْحَيِّ عَنْكُمْ إِنْ لَقِيتَهُمْ وَ أَنْ أَعَوِدَ مِنْهُمْ عَيْنَ عَوَارِ
اگر میں قبیلہ کے لوگوں سے ملا تو میں انہیں تم سے دور لے جاؤں گا اور ان بند آنکھوں کو بند ہی
رہنے دوں گا۔

فَادْعُوا الَّذِي هُوَ عَنْكُمْ كَفَّ عَوْرَتَنَا يُطْلِقُ جَوَادِي وَ أَنْتُمْ خَيْرُ آبَرَارِ
اس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو جس نے ہماری تکلیف کو تم سے روکا کہ وہ میرے گھوڑے کو چھوڑ دے تم
تمام انسانوں سے بہترین ہو۔

فَقَالَ قَوْلَا رَسُولُ اللَّهِ مُبْتَهَلًا يَا رَبِّ إِنْ كَانَ مِنْهُ غَيْرُ إِخْفَارِ
حضور ﷺ نے گڑ گڑا کر دعا کی مولا! اگرچہ اس کی یہ برکت امن و سلامتی کے منافی ہے۔
فَنَجَّهْ سَالِيًا مِنْ شَرِّ دَعْوَتِنَا وَ مُهْرَةَ مُطْلِقًا مِنْ كُلِّ آثَارِ
مولا! اسے ہماری بد دعا کے اثر سے نجات دے اور اس کے گھوڑے کو بھی زخموں کی تکلیف سے
خلاصی بخش۔

فَظَهَرَ اللَّهُ إِذْ يَدْعُو حَوَافِرَهُ وَ فَازَ فَرَسُهُ مِنْ هَوْلٍ أَخْطَارِ
جب آپ ﷺ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سموں کو آزاد کر دیا اور اس کا سوار ہلاکت
سے نجا پا گیا۔

ام معبد کی داستان

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں اس وقت تک معلوم نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ کس
سمت عازم سفر ہیں جب تک ایک جن نے یہ اشعار نہ کہے۔ (ان میں سے تین اشعار متن میں ذکر ہو
چکے ہیں باقی چار اشعار درج ذیل ہیں)۔

يَمْنَنُ بِنَبِيٍّ كَعْبٍ مَقَامُ فَتَاتِهِمْ وَ مَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِينَ بِرَّصَدِ
بنو کعب کو مبارک ہو کہ ان کی خواتین کی نشست و برخاست کے مؤمنین پناہ گاہ ہیں۔

سَلُّوْا اُخْتَكُم عَنْ شَاتِيْهَا وَ اِنَانِيْهَا فَاِنَّكُمْ اِنْ تَسْأَلُوْا الشَّاةَ تَشْهَدُ
اپنی بہن سے اس کے برتن اور بکری کے متعلق سوال کرو اگر اس کی بکری سے بھی سوال کرو گے تو وہ
بھی گواہی دے گی۔

دَعَاَهَا بِشَاةٍ حَانِلٍ فَتَحَلَّبَتْ لَهُ بِصَرِيْحٍ ضُرَّةٍ الشَّاةِ مُزْبِدٍ
آپ ﷺ نے اس کی بکری بلائی پھر آپ ﷺ کے لئے اس کی کھیری سے مکھن آمیز دودھ
نکالا گیا۔

فَعَادَرَهَا رَهْنًا لَدَيْهَا بِحَالِبٍ يُرَوِّدُهَا فِي مَصْدَرٍ ثُمَّ مَوَدَّ
آپ ﷺ نے اس بکری کو اس مالک کے لئے باقی رکھا وہ شخص بکریوں کو کبھی چراگاہ پر اور کبھی
گھر سے لے کر جاتا تھا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قصیدہ

روایت کیا جاتا ہے کہ جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جن کے یہ اشعار معلوم ہوئے تو
انہوں نے اس کے جواب میں یہ قصیدہ لکھا۔

لَقَدْ عَابَ قَوْمٌ عَنْهُمْ نَبِيَّهُمْ وَ قَدْ سَرَّ مَنْ يَسْرِي إِلَيْهِمْ وَ يَغْتَدِي
تَرَحَّلَ عَنْ قَوْمٍ فَضَلَّتْ عَقُولُهُمْ وَ حَلَّ عَلَى قَوْمٍ بِنُورٍ مُجَدِّو
هَذَاهُمْ بِهِ بَعْدَ الضَّلَالَةِ رَبَّهُمْ وَ أَرَشَدَهُمْ مَنْ يَتَّبِعُ الْحَقَّ يَرْشِدُ
وَ هَلْ يَسْتَوِي ضَلَالٌ قَوْمٍ تَسْفَهُوْا عَمَّا يَتَّبِعُهُمْ هَادٍ بِهَا كُلُّ مُهْتَدٍ
وہ قوم خسارے میں ہو گئی جس کے شہر سے نبی مکرم ﷺ تشریف لے گئے اور جس قوم کی طرف
آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے وہ تمام سعادتوں کی امین بن گئی۔ آپ ﷺ ایسی قوم سے سفر فرما
ہوئے جن کی عقلیں گمراہ ہو چکی تھیں اور ایک تاباں نور کے ساتھ دوسری قوم میں جلوہ نما ہو گئے۔
آپ ﷺ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے انہیں راہِ رشد و ہدایت دکھائی جو حق کی اتباع کرتا ہے وہ کامران ہو
جاتا ہے۔ کیا اس قوم کے گمراہ برابر ہو سکتے ہیں جو جان بوجھ کر بے وقوف بنے رہے اور اپنے ہادی
الحق ﷺ پر ہر قسم کی تہمت لگاتے رہے۔

لَقَدْ نَزَلَتْ مِنْهُ إِلَى أَهْلِ يَثْرِبَ رُكْبٌ هَدَى حَلَّتْ عَلَيْهِمْ بِاسْعِدِ
نَبِيٌّ يَرَى مَا لَا يَرَى النَّاسُ حَوْلَهُ وَ يَتْلُو كِتَابَ اللَّهِ فِي كُلِّ مَشْهَدِ

وَ اِنْ قَالَ فِی یَوْمٍ مَقَالَۃً غَائِبٍ فَتَصْدِیْقُهُ فِی الْیَوْمِ اَوْ فِی ضَحٰی الْغَدِ لَیْسَ اَبَا بَكْرٍ سَعَادَةٌ جَدِّہٖ بِصُحْبَتِہٖ مَنْ یُسْعِدُ اللّٰهُ یُسْعِدِ اَبِیْہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ کے طفیل اہل یثرب کو ہدایت نصیب ہوئی اور تمام سعادتیں ان کا مقدر ہو گئیں۔ وہ ایسے نبی محترم ﷺ ہیں جو ان چیزوں کا مشاہدہ فرماتے جنہیں لوگ نہیں دیکھ سکتے وہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اگر آج وہ کوئی غیب کی بات کہہ دیتے ہیں تو وہ یا تو آج ہی یا کل وقت چاشت ضرور رونما ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی رفاقت کی سعادت مبارک ہو۔ درحقیقت جسے اللہ تعالیٰ سعادت مند کرتا ہے وہی سعید ہوتا ہے۔

علامہ یونس نے اضافہ کیا ہے کہ جب قریش نے جن کی آواز سنی تو انہوں نے ام معبد کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ اپنی خیمہ میں ہی تھیں کہ قریش کے قاصدوں نے پوچھا ”کیا تمہارے پاس سے محمد (ﷺ) گزرے ہیں۔ یہ ان کا حلیہ ہے؟“ ام معبد نے کہا ”میں نہیں جانتی کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میرے مہمان تو وہ عظیم شخصیت تھی جس نے میری اس بکری کا دودھ بھی دودھ دیا جو حاملہ نہ ہوئی تھی۔“ وہ مختصر قافلہ چار افراد پر مشتمل تھا۔ ۱۔ حضور ﷺ، ۲۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، ۳۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، ۴۔ عبد اللہ بن ارقط یہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، صحیح سند سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا تھا۔ یہ ایک ماہر راہ نما تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں اجرت دے کر یہ خدمت حاصل کی تھی۔ ”حِجْرَیْتُ“ اس راہبر کو کہتے ہیں جو سوئی کے سوراخ کی طرح صحیح راہ نمائی کرتا ہے۔ اسے خوتع بھی کہا جاتا ہے۔ زاجر کہتا ہے یَضِلُّ فِیْہَا الْخَوْتُعُ الْمَشْہُرُ۔

ام معبد اور ان کے خاوند کا نسب

ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ ان کا تعلق بنو خزاعہ کی شاخ بنو کعب سے تھا۔ یہ حضرت حمیش بن خالد کی ہمشیرہ تھیں، انہیں صحابی ہونے کا اور روایت کرنے کا شرف نصیب ہوا ہے۔ ان کا کچھ تذکرہ بعد میں آئے گا انہیں خالد الاشعر بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نسب یہ ہے خالد بن حنیف بن منقذ بن ربیعہ بن اصرم بن فہس بن حرام بن حبشیہ بن کعب بن عمرو، یہ بنو خزاعہ تھا۔ ام معبد کے خاوند ابو معبد تھے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بھی حضور ﷺ سے روایت کی ہے انہوں نے حضور کی حیاتِ مطہرہ میں وصال کیا۔ ان کا نام کیا تھا معلوم نہیں ہو سکا۔ ام معبد کا خیمہ مقام قدید میں تھا۔ ان کی داستان مختلف الفاظ سے روایت ہے لیکن وہ تقریباً قریب المعنی ہی ہیں۔ ابن قتیبہ نے اسے غریب الحدیث میں بیان کیا ہے

اور مشکل الفاظ کی شرح لکھی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ام معبد سے کہا (ام معبد کی قوم کا سامانِ نوش و خورد ختم ہو چکا تھا، قحط سالی کا شکار تھی۔ حضور ﷺ اور دیگر اہل کارواں نے ان سے دودھ یا گوشت کے متعلق پوچھا تا کہ خرید لیں لیکن وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ حضور ﷺ نے خیمہ کے ایک کونے میں ایک بکری دیکھی کمزوری کی وجہ سے وہ ریوڑ کے ساتھ باہر بھی نہ جاسکتی تھی) کیا یہ بکری دودھ دیتی ہے؟ انہوں نے عرض کی ”یہ ضعیف و زار ہے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ”تم مجھے اسے دہنے کی اجازت دیتی ہو؟“۔ انہوں نے عرض کی ”میرے والدین آپ ﷺ پر فدا! اگر آپ ﷺ اس میں کچھ دودھ دیکھتے ہیں تو اس سے بھد مسرت نکال لیجئے“۔ آپ ﷺ نے بکری کو پاس بلوایا، اسے باندھا، اس کی کھیری کومس کیا تو اس نے اپنی ٹانگوں کو کشادہ کر لیا۔ کھیری دودھ سے بھر گئی اور دودھ تھنوں سے رواں ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ایک برتن لیا اور بھر کر اہل قافلہ کو پلانے لگے جب وہ سب خوب سیراب ہو گئے تو سب سے آخر میں خود دودھ نوش فرمایا پھر اور دودھ نکال کر تمام برتن بھر دیئے۔ بکری کو ام معبد کے پاس چھوڑ کر اہل کارواں آگے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ابو معبد گھر آئے جب انہوں نے ہر طرف دودھ دیکھا تو پوچھنے لگے۔ ”اے ام معبد! یہ کیا ہے یہ بکری تو کمزوری کی وجہ سے چراگاہ تک بھی نہ جاسکتی تھی اور پھر اسے حمل بھی نہ ہوا تھا۔ گھر میں اور کوئی دودھ دینے والی بکری بھی نہ تھی“۔ ام معبد نے کہا ”نہیں! اللہ کی قسم! ہمارے پاس سے ایک مبارک آدمی گزرے ہیں“۔ ابو معبد نے کہا ”ذرا ان کا حلیہ تو بیان کر دو“، پھر ام معبد نے آپ ﷺ کا وہ حلیہ بیان کیا جسے امام قسمی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ امام قسمی نے ذکر کیا ہے فَشَرِبُوا حَتَّى اَرَا ضُوا۔ اَرَا ض کو انہوں نے استراض الوادی سے کہا ہے اس کا معنی ہے۔ ”وادی کا کشادہ ہونا“ الروضہ سے بھی مشتق ہے۔ الروضیہ حوض میں بقیہ پانی کو کہتے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ”وَرَوْضَةٌ سَقِيَتْ فِيْهِ نَضْوٰی“۔ وہ حوض کا بقیہ پانی تھا جس سے میں نے اپنے دبے جانور کو پانی پلایا۔

علامہ ہروی نے اسے ”اَرَا ضُوا“ لکھا ہے یہ آمنوا کے وزن پر ہے یعنی وہ زیادہ دودھ پینے کی وجہ سے زمین پر لگنے لگی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آل ابی معبد اس دن (جب حضور ﷺ نے وہاں قدم رنجہ فرمایا تھا) کو ایک تاریخی دن شمار کرتے تھے۔ وہ اسے ”يَوْمَ الرَّجُلِ الْبَارِكِ“ کہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں نے یہ کام مبارک شخص کے یہاں تشریف لانے کے دن سے پہلے یا اس کے بعد کیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ام معبد مدینہ طیبہ آئیں ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔ وہ بچہ دوڑ بھاگ سکتا تھا، وہ مسجد نبوی کے پاس سے گزرا اس وقت حضور ﷺ منبر پر جلوہ نما ہو کر لوگوں سے محو گفتگو تھے۔ بچے

ہجرت کا راستہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، جب عبد اللہ بن ارقط، حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر عازم سفر ہوا۔ پہلے وہ مکہ معظمہ کے نشیبی علاقے میں چلا پھر وہ ساحل سمندر کی طرف گیا، حتیٰ کہ بنو عسفان کے نشیبی علاقے میں راہ لی پھر انج کے نشیبی علاقہ میں راستہ لیا۔ اسی راستہ پر سے ہوتا ہوا قدید پہنچا پھر خرار کے علاقہ میں پہنچا پھر انہیں لے کر ”ثنیۃ المرۃ“ کے علاقہ میں پہنچا پھر ”لقف“ میں سے گزرا۔ ابن ہشام نے اسے ”لفت“ کہا ہے معقل بن خویلد الہذلی کہتا ہے۔

نَزِيعًا مُحَلِبًا مِنْ اَهْلِ لَقْفٍ لِحَيِّ بَيْنَ اثَلَّةٍ وَالنَّجَامِ

وہ وطن کا مشتاق ہے اور اجنبی مددگار ہے جس کا تعلق اہل لفت سے ہے وہ قبیلہ جواثلہ اور

نے آپ ﷺ کی زیارت کی اور دوڑتا دوڑتا اپنی والدہ کے پاس گیا اور کہنے لگا ”امی! امی! میں نے آج اسی مبارک شخص کی زیارت کی ہے“۔ حضرت ام معبد نے کہا بیٹا ”وہی رسول اللہ ﷺ ہیں“۔

کیا حضرت ام معبد کی بکری میں یہ برکت ہمیشہ رہی یا پھر وہ اپنی حالت پر دوبارہ آگئی؟ حضرت ہشام بن حبیش الکعبی فرماتے ہیں، میں نے وہ بابرکت بکری دیکھی ہے اس کا دودھ ام معبد اور اس کے پورے خاندان کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ غریب حدیث میں ہے۔ قَالَ مَا كَانَ فِيهَا بُصْرَةٌ۔ ”اس بکری کے دودھ میں موٹائی نہ تھی“۔

راہ ہجرت۔ عسفان

حضرت امام سہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ عسفان اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں سے سیلاب ہٹ کر گزرتا ہے۔ مقام ”ابواء“ جہاں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ کی مرقہ انور ہے کے متعلق پوچھا گیا اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے انہوں نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ سیلاب وہاں بکثرت آتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ”جذماء“ کوڑھوں کا مسکن تھا۔ ایک مسند میں، میں نے پڑھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ مقام عسفان سے گزرے، آپ ﷺ نے وہاں کوڑھے دیکھے آپ ﷺ وہاں سے جلدی سے گزر گئے اور ان کی طرف نہ دیکھا اور فرمایا ”اگر کوئی مرض متعدی ہوتا ہے تو وہ یہی ہے“۔

یہ حدیث مبارک میری روایت کردہ ہے کیونکہ یہ سند حارث بن ابی اسامہ میں ہے۔ اس کی سند متصل ہے میں نے اسے ”وکیع بن جراح“ کی مسند میں دیکھا ہے لیکن وہاں اس کی سند نہ تھی۔ ”المرۃ“ یہ راہ کی تخفیف کے ساتھ ہے گویا کہ یہ اصل میں مرآۃ تھا اس کے ہمزہ میں تسہیل کی گئی ہے۔ ”لقف“ ابن

نجام کے درمیان ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر عبد اللہ انہیں لے کر مدینہ لقف سے پھر مدینہ مجاج سے گزر ہوا۔ اسے مجاج بھی کہا جاتا ہے۔ (ابن ہشام) پھر وہ مرجع مجاج پھر مرجع ذوالعضوین سے گزرا۔ ابن ہشام نے اسے ”غضوین“ کہا ہے پھر وہ ذو کشر کی وادی سے گزرتا ہوا ”جداجد“ کے مقام سے گزرا پھر وہاں سے اجرذ اور ذوسلم کے علاقہ سے گزرا، پھر عبد اللہ ”اعداء“ کی وادی میں سے ہوتا ہوا مقام مدینہ تعین سے گزرا پھر اس کا گزر عبا بید سے ہوا، اسے ”عبا بید“ بھی کہا جاتا ہے۔ اسے ”عیثانیہ“ بھی کہا جاتا ہے۔

اسحاق نے اسے لقف اور ابن ہشام نے اسے لفت کہا ہے، انہوں نے بطور دلیل معقل کا شعر بھی لکھا ہے۔ شیخ کے نسخہ میں میں نے اسے لفت پڑھا ہے۔ میں نے ہذیل کے اشعار میں معقل کا یہ شعر پڑھا ہے۔ میرے پاس ایک انتہائی صحیح نسخہ ہے اس میں بھی یہ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح ابو علی قالی کے اس نسخہ میں بھی ہے جسے زیادہ پر پڑھا گیا پھر اسے احوال اور ابن درید کے سامنے پڑھا گیا لیکن قاضی سے یہ لام کے فتح سے پڑھا ہے۔ ابو عبید الہکری نے اسے لفت پڑھا ہے ابو بحر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ ابو بحر نے اس سے پہلے یہ شعر پڑھا ہے۔

لَعْرُكَ مَا خَشِيتُ وَ قَدْ بَلَّغْنَا جِبَالَ الْجَوْزِ مِنْ بَلَدٍ تِهَامِ
تیری زندگی کی قسم! میں ڈر نہیں، اور ہم سرزمین تہامہ کے جوز کے پہاڑوں پر پہنچ چکے ہیں۔

مجاج

ابن ہشام نے اسے مجاج پڑھا ہے لیکن محمد بن عروہ بن زبیر کے ان اشعار سے ابن اسحاق کی تائید ہوتی ہے۔

لَعَنَّ اللَّهَ بَطْنَ لَقْفٍ مَسِيلاً وَ جَابِحاً وَ مَا أَحَبُّ مَجَاجِحاً
لَقِيَتْ نَاقِيَتِي بِهِ وَ بِلَقْفٍ بَلَدًا مُجْدِبًا وَ أَرْضًا شَحَاحًا
اللہ تعالیٰ لقف کی وادی پر لعنت برسائے، وہاں ایک تکلیف دہ گزرگاہ ہے اور میں ”مجاج“ کو بھی ناپسند کرتا ہوں۔ میری اونٹنی نے وہاں اور لقف کے پاس ایک قحط زدہ شہر اور بنجر زمین دیکھی۔

زبیر ابن ابی بکر نے اسی طرح لکھا ہے۔ علامہ بکری فرماتے ہیں لقف اور لفت دو علیحدہ علیحدہ جگہ کے نام ہیں۔ مَذْلِجَةُ تَعْنِيْنَ۔ تَعْنِيْنَ میں تاء اصل یہ ہے اور یہ فَعْلِلُ کے وزن پر ہے۔ اگر ”تاء“ کے زائد ہونے پر کوئی دلیل مل جائے تو یہ زائد تصور ہوگی۔ بعض علماء نے ”تَعْنِيْنَ“ پڑھا ہے۔ اس

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر وہ ”الفاجہ“ کے مقام سے گزرا۔ ابن ہشام نے اسے ”القاحہ“ کہا ہے۔ ابن ہشام نے کہا ہے پھر عبد اللہ مقام العرج سے گزرا۔ وہاں ایک سواری سست ہو گئی۔ بنو اسلم کے ایک شخص نے آپ ﷺ کو سواری پیش کی اس شخص کا نام اوس بن حجر تھا۔ اسے ابن الرداء بھی کہا جاتا تھا، اس نے خدمت کے لئے ایک لڑکا بھی ساتھ بھیجا جس کا نام مسعود بن ہنیدہ تھا، پھر راہبر حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لے کر عرج سے نکلا اور ثنیۃ العائر سے گزرا۔ اس کے دائیں طرف رکوبۃ ہے اسے ثنیۃ الغائر بھی کہتے ہیں پھر وہ وادی رَم میں پہنچا پھر قباء میں بنو عمرو بن عوف کے ہاں پہنچا۔ وہ بابرکت دن پیر تھا جب حضور ﷺ نے قبا میں نزول اجلال فرمایا۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی دھوپ کی گرمی شدید ہو چکی تھی۔ سورج آسمان کے وسط میں پہنچنے کے قریب تھا۔

قباء میں تشریف آوری

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عویمیر بن ساعدۃ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری قوم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا ہے وہ فرماتے ہیں ”جب ہم نے سنا کہ

صورت میں تاء زائدہ ہوگی۔ یَعْنُ کے مقام پر ایک چٹان ہے جو ”ام عقی“ کے نام سے مشہور ہے۔ ام عقی ایک عورت تھی جو وہاں مقیم تھی۔ حضور ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا، آپ ﷺ نے اس سے پانی طلب فرمایا لیکن اس عورت نے پانی نہ پلایا۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے بددعا کی وہ فوراً چٹان میں مسخ ہو گئی۔

عبابید

یہ عباد کی جمع ہے۔ ابن ہشام نے اسے ”عبابیب“ کہا ہے۔ یہ عباب کی ہے کہا عِبَّیْتُ الْمَاءَ عَبًا۔ اس کا مصدر عَبَّأَ یُعْبَبُ آتا ہے۔

اوس بن حجر کا قصہ

ان کا نام اوس بن عبد اللہ بن حجر اسلمی تھا۔ بعض علماء نے انہیں ابن حجر کہا ہے۔ (دارقطنی) لیکن ابن حجر معروف ہے۔ پہلی جلد میں گزر چکا ہے کہ قریش کے انساب میں سے کون کون سے اشخاص کا نام حجر، کون سے حجر اور کون سے حجر تھے۔ اوس بن حجر میں اختلاف نہیں کہ اس میں دونوں فتح ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اوس بن حجر نے حضور ﷺ کو سواری کے لئے اونٹ پیش کیا۔ انہیں ابن رداء کہا

حضور ﷺ مکہ معظمہ سے عازم سفر ہو چکے ہیں تو ہم آپ ﷺ کی تشریف آوری کے منتظر رہنے لگے۔ ہم صبح کی نماز پڑھتے اور ٹیلوں پر حضور ﷺ کا انتظار کرنے کے لئے چلے جاتے۔ اللہ کی قسم! ہم وہیں ٹھہرے منتظر رہتے، حتیٰ کہ ٹیلوں پر دھوپ آ جاتی اور ہم کو کہیں سایہ نہ ملتا وہ شدید گرمی کے دن تھے جب وہ دن آیا جس دن حضور ﷺ نے خاکِ مدینہ کو قابلِ رشک بنانا تھا تو ہم حسبِ معمول ان ٹیلوں پر بیٹھ گئے جب وہاں سایہ نہ رہا تو ہم گھر واپس آ گئے۔ جب ہم گھر پہنچ گئے تو ادھر سے حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ سب سے قبل ایک یہودی نے آپ ﷺ کی زیارت کی وہ ہمارے اس معمول سے بھی آگاہ تھا کہ ہم کس قدر مشتاق نگاہوں سے حضور ﷺ کی آمد کا انتظار کرتے تھے، وہ بلند آواز سے چلایا اے بنو قبیلہ! وہ عظیم و برتر ہستی تشریف لے آئی ہے جس کے تم منتظر تھے۔ ہم حضور ﷺ کی جانب دوڑ کر گئے۔ آپ ﷺ کھجور کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کے پاس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی

جاتا تھا۔ یونس بن بکیر کی روایت کے مطابق انہیں الرِّدَّاح کہا جاتا تھا۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے غلام مسعود بن ہنیدہ سے کہا۔ اُسَلِّكْ بِيْهِمُ الْمَخَارِقَ۔ ”انہیں پوشیدہ رستوں سے لے کر جاؤ۔“ بعض علماء نے ”مخارم“ کہا ہے یعنی پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے لے کر جاؤ۔ السنویٰ میں ہے کہ یہی مسعود کہتے ہیں۔ کُنْتُ آخِذُ بِيْهِمُ اخْفَاءَ الطَّرِيقِ۔ ”میں انہیں پوشیدہ راہوں پر لے کر چلا۔“ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قریش سے خطرہ تھا اسی لئے مسعود انہیں ”مَخَارِقُ“ پوشیدہ رستوں پر لے کر چلے۔ علامہ السنویٰ انہی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”ابو تمیم کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ مجھے سواری کے لئے اونٹ اور زاد راہ دے۔“ اس فرمان میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی کنیت ابو تمیم تھی۔ اس مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے۔ ایک حدیث مبارک نماز کے متعلق اور دوسری ایک اور دو شخصوں کے ہوتے ہوئے امامت کے متعلق ہے۔ علامہ السنویٰ نے انہیں فروۃِ اسلمی کا غلام بتایا ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ اس کا نام تمیم اور کنیت ابو اس تھی۔ روایت ہے کہ جب حضرت مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو مدینہ طیبہ چھوڑ کر واپس جانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اپنے مالک سے کہنا کہ وہ اپنے اونٹوں کی گردنوں پر گھوڑوں کی طرح نشان لگالے۔“ پھر یہ نشانات اس کے اونٹوں پر برقرار رہے، ہم نے پہلے ایسے نشانات کا تذکرہ کر دیا ہے مثلاً عراض، خباط اور ہلال وغیرہ۔ وہاں ہم نے قید الفرس کا بھی ذکر کیا تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ یہ نشان گھوڑوں کی گردنوں پر ہوتا ہے، زاجر کہتا ہے۔

تھے۔ وہ آپ ﷺ کے ہم عمر ہی تھے۔ ہم میں سے اکثر نے اس سے پہلے حضور ﷺ کی زیارت نہ کی تھی۔ آپ ﷺ کے پاس لوگوں کا اثر دھام ہو گیا اکثر لوگ آپ ﷺ کو پہچانتے نہ تھے جب کھجور کا سایہ آپ ﷺ کے سراقہ پر نہ رہا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھ کر اپنی چادر سے حضور ﷺ پر سایہ کرنے لگے، پھر لوگوں نے آپ کو پہچان لیا۔“

قباء میں حضور ﷺ کا مسکن

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر قدم رنجہ فرمایا۔ ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف کی شاخ بنو عبید سے تھا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت سعد بن خیشمہ رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ جن علماء کا نقطہ نظریہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بخشا تھا وہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے باہر تشریف لاتے تو حضرت سعد بن خیشمہ کے گھر تشریف رکھتے تھے وہ کنوارے تھے اور کنوارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسکن ان کا ہی گھر

كُومٌ عَلَىٰ اَعْنَاقِهَا قَيْدُ الْفَرَسِ تَنْجُوْا اِذَا اللَّيْلُ تَدَانِي وَالتَّبَسُّ
وہ اونٹوں کا ایسا گلہ ہے جن کی گردنوں پر گھوڑوں کی طرح داغ ہیں۔ جب رات قریب اور ملتبس ہوتی ہے تو وہ نجات پا جاتے ہیں۔

حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کی تاریخ

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے۔ عجمی مہینہ ستمبر تھا۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ۸ ربیع الاول کو مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ ابن الکلبی کہتے ہیں آپ ﷺ یکم ربیع الاول بروز سوموار غار ثور سے باہر تشریف لائے اور ۱۸ ربیع الاول بروز جمعہ المبارک مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ بیعت عقبہ ایام تشریق کے وسط میں ہوئی۔

حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ

ان کی کنیت ابو قیس تھی۔ یہ کلثوم بن الہدم بن امری القیس بن حارث بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس تھے۔ یہ بہت عمر رسیدہ تھے۔ یہ حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے جلوہ نما ہونے کے بعد سب سے

تھا۔ اسی لئے بعض علماء کو یہ گمان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن خيثمہ کے گھر قیام فرمایا ان کے گھر کو ”بیت العزاب“ کہا جاتا تھا۔ ہم نے دونوں روایات سنیں ہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان میں سے کون سی روایت درست ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت خبيب بن اساف رضی اللہ عنہ کے گھر بطور مہمان ٹھہرے، ان کا تعلق بنو حارث بن خزرج سے تھا۔ بعض علماء کے نزدیک ان کا مسکن حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ کے ہاں تھا، ان کا تعلق بھی بنو حارث بن خزرج سے تھا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تین روز مکہ مکرمہ میں ٹھہرے۔ لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کیں اور فراغت کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے اس وقت آپ ﷺ حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر جلوہ افروز تھے۔

حضرت سہیل بن حنیف اور مسلمان خاتون

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قباء میں ایک یا دو راتیں قیام کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”قباء میں ایک مسلمان خاتون تھی۔ میں نے دیکھا کہ نصف شب کے بعد ایک انسان اس کے پاس آتا اس کے دروازے پر دستک دیتا، وہ باہر آتی، یہ اسے کوئی چیز دیتا وہ لے لیتی۔ مجھے یہ معاملہ بڑا عجیب لگا میں نے اس سے کہا ”اے اللہ کی بندی! یہ شخص کون ہے جو ہر رات تیرا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو تو اس کی طرف جاتی ہے تو وہ تجھے کوئی شے پکڑا دیتا ہے تو ایک مسلمان خاتون ہے اور تیرا خاوند کہاں ہے؟“ اس خاتون نے کہا ”یہ حضرت سہل بن حنیف بن واہب رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ میں ایک بے سہارا عورت ہوں جب رات ہوتی ہے تو وہ قوم کے بتوں کے پاس جاتے ہیں انہیں توڑ کر لکڑیاں میرے پاس لے آتے ہیں جنہیں میں بطور ایندھن استعمال کرتی ہوں“ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں بڑا مقام رکھتے تھے انہوں نے عراق میں وصال فرمایا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے یہ واقعہ حضرت ہند بن سہل بن حنیف نے سنایا ہے۔

پہلے انتقال کیا پھر چند دنوں بعد حضرت اسعد بن زرارہ انتقال کر گئے پھر حضرت سعد بن خيثمہ کا وصال ہوا۔ ان کے گھر کو ”بیت العزاب“ کہا جاتا تھا۔ عَزَاب ہی روایت کیا گیا ہے مگر درست ”اَعَزَبُ“ ہے کیونکہ یہ عَزَب کی جمع ہے کہا جاتا ہے رَجُلٌ عَزَبٌ وَامْرَأَةٌ عَزَبٌ، امْرَأَةٌ عَزَبَةٌ بھی کہا جاتا ہے۔

مسجد قباء کی تعمیر

ابن اسحاق کہتے ہیں حضور ﷺ نے سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات چار ایام بنو عمرو بن عوف میں قیام کیا اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ پھر جمعۃ المبارک کے روز آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے مگر بنو عمرو بن عوف کا گمان ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے زیادہ مدت وہاں قیام کرنے کا شرف بخشا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی روایت درست ہے۔ حضور ﷺ کو جمعہ کا وقت بنو سالم بن عوف کے محلہ میں ہوا۔ آپ ﷺ نے نماز جمعہ اس مسجد میں ادا کی جو بطن وادی ”رانونا“ میں ہے۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ادا فرمایا۔

مسجد قبا کی تاسیس

ابن ابی خثیمہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے بنیاد رکھی تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے قبلہ کی سمت ایک پتھر رکھا پھر ایک پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور اس کے بعد ایک پتھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رکھا پھر تمام لوگ اس کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔

خطابی میں حضرت شمس بنت نعمان رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی محترم ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ یٰٰبَنی بَنِیْجَحْرِ قَدْ صَهَرَاْ اِلٰی بَطِیْہ۔ آپ ﷺ کے پاس ایک پتھر تھا جسے آپ ﷺ نے اپنے بطن اطہر کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن وہ اس پتھر کو نہ اٹھا سکا۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑنے کا حکم دیا اور کسی اور کو حکم دیا کہ وہ اس پتھر کو اٹھائے۔ صَهَرَاْ اور اَصْهَرَاْ کا معنی کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا ہے اس سے صَهَرٌ مشتق ہے۔ مسجد قبا، وہ پہلی مسجد ہے جو سب سے پہلے تعمیر کی گئی۔ یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

فَیْبَدِیْ جَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا (توبہ: ۱۰۸)

”اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ صاف ستھرا رہنے کو۔“

اسی مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اگرچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ وہ مسجد کون سی ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔“ دوسری روایت میں ہے دوسری مسجد میں بھی بہت بھلائی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بنو عوف بن عمرو سے پوچھا گیا۔ ”وہ کون سی پائیز گی ہے جس کی وجہ سے تمہاری تعریف کی گئی؟“ انہوں نے کہا ”ہم پتھر سے استنہ کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔“ سوال

کرنے والے نے کہا ”تمہیں یہ سعادت میسر آگئی ہے اب اسے لازم پکڑے رکھو“۔ ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے دونوں مساجد کی بنیاد تقویٰ پر ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان **مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ** کا تقاضا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہو کیونکہ اس کی بنیاد ان ابتدائی ایام میں رکھی گئی جب سرورِ کائنات ﷺ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہوئے۔

تاریخ عربی

”**أَنَّ الْيَوْمَ**“ سے مراد تمام ایام سے پہلا دن نہیں ہے۔ اسی لئے ”یوم“ کو کسی لفظ ظاہر کی طرف مضمربھی نہیں کیا گیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تاریخ کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی تو انہوں نے بھی اتفاق کیا کہ تاریخ کا آغاز ہجرت کے سال سے کیا جائے کیونکہ اسی وقت اسلام کو عزت نصیب ہوئی۔ اسی میں حضور ﷺ ایک حکمران کی حیثیت سے عیاں ہوئے۔ اسی وقت مساجد کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی وقت آپ نے امن و امان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ تمام صحابہ کرام کی رائے قرآن پاک کی اس آیت سے متفق ہو گئی۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ”**أَوَّلَ يَوْمٍ**“ سے مراد وہی دن ہے جو اس تاریخ کا پہلا دن ہے جس سے آج ہم سن ہجری کا آغاز کرتے ہیں۔ ممکن ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی آیت سے ہی دلیل لی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی تاویل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ وہ قرآن پاک کے اشارات اور فصاحت و بلاغت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اگر صحابہ کرام کا یہ اتفاق رائے اور اجتہاد کی وجہ سے تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کو تو اس کا پہلے ہی علم تھا اور ان سے پہلے ہی اس کی طرف اشارہ کر دیا کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ **فَعَلَّتْهُ أَوَّلَ يَوْمٍ** تو اس کی بات پوری سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک وہ یوم کو کسی مشہور سال یا کسی مشہور مہینہ یا کسی مشہور تاریخ سے نہ ملائے مگر ”اول یوم“ میں کوئی اضافت نہیں اس لئے اس سے مراد یہی تاریخ ہوگی کیونکہ حال یا لفظ کا کوئی ایسا قرینہ نہیں جو اس کے علاوہ کسی اور تاریخ پر دلالت کرتا ہو۔ اس میں اہل علم کے لئے عبرت ہے۔

من اور ظرف زمان پر اس کا دخول

”**مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ**“ میں اول سے پہلے کسی کو مضمرب ماننے کی کوئی احتیاج نہیں جس طرح بعض علمائے نحو نے اس سے پہلے ”تاسیس“ مضمرب مانا ہے کیونکہ وہ ظرف زمان پر من کے دخول کو درست نہیں سمجھتے۔ اگر ”تاسیس“ کو مضمرب مانا جائے تو پھر اس کا معنی ”**مِنْ تَاسِيسٍ أَوَّلِ يَوْمٍ**“ ہوتا مگر اس اضمار کا کوئی

مختلف قبائل ابدی سعادت کے حصول کے لئے کوشاں

بنو سالم بن عوف میں سے حضرت عتبہ بن مالک اور حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہما بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ ہمارے پاس لوگوں کی بہتات، اسلحہ کی کثرت اور تحفظ ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اوٹنی کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم دے دیا گیا ہے۔“ وہ اوٹنی آگے رواں رہی جب وہ بنو بیاضہ کے محلہ میں پہنچی تو حضرت زیاد بن لبید اور حضرت فروہ بن عمر نے بنو فروہ کے چند افراد کے ساتھ حضور ﷺ سے ملاقات کی اور عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ہاں تشریف رکھیں،

فائدہ نہیں کیونکہ ”من“ ظرف زمان پر داخل ہو سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے، مَنْ قَبْلُ وَ مَنْ بَعْدُ۔ قبل اور بعد ظرفِ زمان ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا وَ هِيَ مُصِیخَةٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِینَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ۔ اس حدیث شریف میں بھی ”من“ ظرفِ زمان پر داخل ہوا ہے حالانکہ وہ ظرفِ زمان ہے۔

نابغہ کہتا ہے۔

تَوَرَّثَنَ مِنْ أَزْمَانٍ یَوْمِ حَلِیْبَةِ إِلَى الْیَوْمِ قَدْ جُرِبْنَ کُلَّ التَّجَارِبِ
تَقْدُّ السَّلَوقِیُّ الضَّاعِفَ نَسْجَهُ وَ یُوقِذْنَ بِالصُّفَاحِ نَارَ الْجُبَابِ

ان تلواروں نے حلیمہ کے دن کے اوقات سے لے کر آج تک ہم کو وارث بنادیا ہے۔ ان پر ہر طرح کے تجربات کئے گئے ہیں۔ یہ موٹی سلوقی ذرہوں کو چیر دیتی ہے اور پتھروں پر آگ بھڑکا دیتی ہیں، ان اشعار سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ ”من“ زمان پر داخل ہو سکتا ہے۔

تَحَلَّحَتْ وَ رَزَمَتْ

ابن قتیبہ نے اسے تَلَحَّحَ کے معنی میں کیا ہے یعنی اپنی جگہ کو لازم پکڑ لینا اور وہاں سے حرکت نہ کرنا۔ انہوں نے بطور دلیل یہ شعر لکھا ہے۔

أَنَاسٌ إِذَا قِيلَ انْفِرُوا قَدْ أُوتِيتُمْ أَقَامُوا عَلَى أَثْقَالِهِمْ وَ تَلَحَّحُوا
وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے متفرق ہو جاؤ تمہارا حق تمہیں مل چکا ہے وہ اپنے سامان کے پاس ہی ٹھہر جاتے ہیں اور پھر اسی جگہ کو لازم پکڑ لیتے ہیں۔

تَحَلَّحَ کا معنی اپنی جگہ سے حرکت کرنا ہے۔ تَلَحَّحَ کا معنی آنکھ کا کیچڑ وغیرہ سے چپک جانا

ہمارے ہاں افراد کی کثرت، اسلحہ کی فراوانی اور تحفظ کا تمام سامان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اس کا راستہ خالی کر دو یہ مامورہ ہے۔ بنو یاسف نے اونٹنی کا راستہ خالی کر دیا۔“ وہ آگے بڑھنے لگی۔ جب وہ بنو ساعدہ کے محلہ میں پہنچی تو حضرت سہار بن جبار، حضرت منذر بن عمرو اور بنو ساعدہ کے کچھ افراد بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائیں ہمارے پاس زیادہ لوگ، اسلحہ کی کثرت اور حفاظت کا سامان ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ انہوں نے اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب وہ بنو حارث بن خزرج کے علاقے سے گزری تو حضرت سعد بن ربیع، حضرت خارجہ بن زید اور حضرت عبداللہ بن رواحہ اپنے قبیلے کے افراد کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے وہ عرض کناں ہوئے ”یا رسول اللہ! ﷺ ہمارے پاس افراد کی کثرت، اسلحہ کی فراوانی اور حفاظت کے تمام سامان موجود ہیں، ہمارے پاس تشریف لے آئیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اس کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم دیا جا چکا ہے۔ انہوں نے بھی اونٹنی کا راستہ خالی کر دیا ہے۔“ جب وہ بنو عدی بن نجار کے علاقے سے گزرنے لگی تو حضرت سلیط بن قیس، ابوسلیط اسیرہ بن ابی خارجہ اپنے قبیلے کے افراد کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ اپنے ماموروں کے ہاں تشریف لائیں۔ یہاں افراد کی کثرت، اسلحہ کی بہتات اور تحفظ کے سامان ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا راستہ چھوڑ دو اسے حکم دے دیا گیا ہے۔

ہے اور کہا جاتا ہے ھُوَ ابْنُ عَتَبَى لَحَا۔ وہ میرا قریبی چچا زاد بھائی ہے جبکہ تَحْلَحَلُ یہ الحَلُّ یا الْإِنْجِلَالُ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے جدا ہونا ہے مگر سیرت ابن ہشام میں یہ تَحْلَحَلَتْ ہے یہ خلاف معنی ہے ممکن ہے یہ تَلَحَّلَتْ سے مقلوب ہو اور اس کا معنی اپنی جگہ کو لازم پکڑنا ہے اور یہ اس معنی میں ہوگا جس کا ذکر ابن قتیبہ نے کیا ہے۔ ”رَزَمَتْ“ کہا جاتا ہے، رَزَمَتِ النَّاقَةُ۔ اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی۔ نَوْقٌ رَزَمَى اسی سے ہے۔ اَرَزَمَتْ کا معنی بہت زیادہ چیخنا ہے۔ اَرَزَمَ الرَّعْدُ اسی سے مشتق ہے اور اَرَزَمَتِ الرِّيحُ بھی اسی سے ہے۔ سیرت کی دوسری کتابوں میں ہے کہ جب حضور ﷺ کی اونٹنی نے بنو نجار کے محلہ میں گردن رکھ دی تو بنو سلمہ کے ایک شخص (جبار بن صحر) نے اسے لکڑی چھو کر اٹھانے کی کوشش کی تا کہ وہ بنو سلمہ کے محلہ میں بیٹھے مگر اونٹنی نے وہاں سے حرکت نہ کی۔

بنو مالک بن نجار کی سعادت

جب اونٹنی بنو مالک بن نجار کے محلہ میں پہنچی تو اس جگہ بیٹھ گئی جہاں مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ یہ جگہ بنو نجار کے دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ وہ بچے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ ان بچوں کے نام سہل اور سہیل تھے ان کے والد کا نام عمرو تھا۔ اونٹنی اسی جگہ بیٹھ گئی۔ حضور ﷺ اس پر ہی تشریف فرما رہے، نیچے تشریف نہ لائے، اونٹنی اٹھی، تھوڑی سی آگے بڑھی۔ آپ ﷺ نے اس کی مہار کو چھوڑ رکھا تھا کچھ دور جا کر اونٹنی واپس مڑی اور اسی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ ثُمَّ تَحَلَّحَلْتُ وَ رَزَمْتُ۔ پھر وہ اسی جگہ پر بیٹھ گئی اور اسے لازم پکڑ لیا اور اپنی گردن زمین پر رکھ لی۔ حضور ﷺ نیچے تشریف لائے حضرت ابو ایوب خاوری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر میں رکھ لیا اور حضور ﷺ بھی وہیں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے مرید (کھجوریں خشک کرنے کی جگہ) کے متعلق پوچھا۔ حضرت معاذ بن عفراء نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ سہل اور سہیل کی زمین ہے وہ دونوں یتیم ہیں جو میری کفالت میں ہیں۔ یہ عمرو کے بیٹے ہیں میں انہیں راضی کر لوں گا۔ آپ ﷺ یہاں مسجد بنا لیں۔

مرید اور اس کے مالک

مرید، جرین، مسطح، مشطاح، جوخار، بیدر اور اندر کا معنی ایک ہے ان سے مراد وہ جگہ ہے جہاں کھیتی اور کھجور کو خشک کیا جاتا ہے۔ ابو حنیفہ نے مسطح کے متعلق یہ شعر پڑھا ہے۔

تَرَى الْأَمْعَرَ الْمَحْزُورَ فِيهِ كَأَنَّهُ مِنْ الْحَرِّ فِي نَحْرِ الظَّهِيْرَةِ مِسْطَحٍ

دوپہر کے آغاز میں تو اس بلند و بالا کنکر والی زمین کو دیکھے گا وہ مسطح کی مانند نظر آئے گی۔

”مسطح“ فارسی کا لفظ ہے۔ عربی میں مسطح خیمہ کی لکڑی کو کہتے ہیں۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ وہ جگہ حضرت سہیل اور حضرت سہل کی ملکیت میں تھی وہ دونوں عمرو کے نورِ نظر اور یتیم تھے اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی زیر کفالت تھے۔ ان کے متعلق اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں یہ دونوں یتیم تھے اور حضرت اسعد بن زرارہ کی نگہداشت میں تھے۔ یہ رافع بن عمرو بن ابی عمرو بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار کے لختِ جگر تھے، حضرت سہیل نے غزوہ بدر اور دیگر تمام جنگوں میں شرکت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال کیا۔ حضرت سہل نے بھی غزوہ بدر میں شرکت کی اور اپنے بھائی حضرت سہیل سے پہلے وصال فرمایا۔

مسجد اور مسکن

حضور ﷺ نے اسی جگہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور خود حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا حتیٰ کہ مسجد نبوی اور حجرات مقدسہ کی تعمیر کا مرحلہ مکمل ہو گیا ان کی تعمیر میں حضور ﷺ نے بنفس نفیس کام کیا تا کہ مسلمانوں میں عمل کرنے کی رغبت پیدا ہو۔ مہاجرین و انصار نے دل لگا کر کام کیا اور خوب محنت کی صحابہ کرام میں سے ایک صحابی نے یہ شعر پڑھا۔

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ لَذَاكَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضِلُّ
اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی محترم ﷺ کام میں مصروف رہیں تو یہ ہمارا ایک ناشائستہ فعل ہو گا، مسلمان مسجد نبوی تعمیر کرتے ہوئے یہ رجز سے گنگنا تے رہے۔

لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ
زندگی کوئی نہیں مگر آخرت کی زندگی ہے مولا! انصار اور مہاجرین کو معاف فرما دے۔
ابن ہشام کہتے ہیں یہ کلام ہے رجز نہیں ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضور ﷺ اس طرح

تعمیر مسجد

صحیح روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے بنو نجار! مجھ سے اپنے اس احاطہ کی رقم لے لو۔ انہوں نے عرض کی نہیں ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے اس کی قیمت طلب نہیں کریں گے پھر حضور ﷺ نے ان دونوں یتیم بچوں کو بلایا اور مرید کے متعلق سودا کرنا چاہتا کہ وہاں مسجد تعمیر ہو سکے انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کرتے ہیں“ پھر آپ ﷺ نے وہاں مسجد تعمیر فرمائی۔

امام بخاری نے اس روایت سے ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے وہ یہ کہ بیچنے والے کو اس رقم کا مطالبہ کرنا چاہئے جس میں وہ اپنی چیز فروخت کرنا چاہتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسجد نبوی کی جگہ میں کھجوریں، کھنڈرات اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ قبروں کو اکھیڑ دیا گیا۔ کھنڈرات کو برابر کر دیا گیا اور کھجوروں کو کاٹ دیا گیا۔ حضرت شفاء بنت عبد الرحمن انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو کعبہ کی سمت اشارہ کیا آپ ﷺ نے اسی سمت قبلہ کی بنیاد رکھی۔

فرماتے تھے۔ لَا عَمِشَ إِلَّا عَمِشُ الْآخِرَةِ، اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ۔
حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور باغی گروہ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ مسجد کی جگہ میں داخل ہوئے صحابہ کرام نے ان پر بہت زیادہ اینٹیں رکھی تھیں، انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ انہوں نے مجھے ہلاک کر دیا ہے اور مجھ پر اتنا بوجھ ڈالا ہے جسے میں اٹھا نہیں سکتا۔“ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ اپنی زلف معنبر کو دست اقدس سے صاف فرما رہے تھے، آپ ﷺ کے بال گھنٹھریا لے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا ”اے سمیہ کے نورِ نظر! یہ لوگ

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ

حضرت سمیہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ہم نے وہاں ابن قتیبہ کے تسامخ کو بھی بیان کیا ہے انہوں نے ام زیاد کو سمیہ کہا ہے لیکن ام زیاد حارث بن کلدۃ کی لونڈی تھی جبکہ ام عمار بنی مخزوم کی خادمہ تھیں۔ یہ سمیہ بنت خباط تھیں۔ حارث کو سمیہ یمن کے ایک بادشاہ نے بطور تحفہ دیا تھا۔ اس بادشاہ کا نام ابو جبر تھا۔ حارث نے اس کی ایک مرض کا علاج کیا جس سے وہ شفا یاب ہو گیا پھر اس نے سمیہ کو حارث کے سپرد کر دیا۔ ابو جبر سے پہلے یہ ایران کے ایک بادشاہ کے پاس تھی، ابو جبر اس بادشاہ کے پاس گیا اس نے تحفہ سمیہ اس کو دے دی۔ جامع معمر بن راشد میں ہے کہ تعمیر مسجد نبوی کے وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیک وقت دو دوائیٹیں اٹھا کر لارہے تھے۔ ایک اینٹ اپنی طرف سے اور دوسری اینٹ حضور ﷺ کی طرف سے جبکہ باقی لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا کر لارہے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ”لوگوں کے لئے ایک گنا جبکہ تمہارے لئے دو گنا اجر ہے اور دنیا سے تمہاری آخری خوراک دودھ ہوگا اور تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔“ جب جنگ صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت عمرو، حضرت معاویہ کے پاس آئے وہ گھبرائے ہوئے تھے انہوں نے کہا ”حضرت عمار شہید ہو گئے۔“ حضرت معاویہ نے کہا پھر کیا ہوا؟ حضرت عمرو نے کہا ”میں نے حضور ﷺ کو سنا آپ ﷺ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے۔“ تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔“ حضرت معاویہ نے کہا، وَحَصَّتْ فِی بَوْلَکَ۔ تم اپنے ہی پیشاب میں پھسلنے لگے ہو کیا انہیں ہم نے قتل کیا ہے انہیں تو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو انہیں نکال کر لے آئے تھے۔“

ابن اسحاق نے اس شخص کا نام نہیں لکھا جس نے حضرت عمار کے اشعار کو اپنے اوپر طنز سمجھا تھا۔

تمہیں قتل نہیں کریں گے تمہیں تو ایک باغی گروہ شہید کرے گا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رجز

اس مبارک دن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

لَا يَسْتَوِي مَنْ يَعْمُرُ الْمَسَاجِدَ يَدَابُ فِيهِ قَائِمًا وَ قَاعِدًا
وَ مَنْ يُرَى عَنِ الْغُبَارِ حَائِدًا

وہ شخص جو مساجد کو آباد کرتا ہے اس میں قیام و قعود کرتا ہے اور وہ شخص جو گرد و غبار سے بچتا ہوا نظر آتا ہے وہ کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں میں نے بہت سے اہل علم سے ان اشعار کے متعلق پوچھا ہے انہوں نے یہی کہا ہے کہ ہمیں بھی معلوم ہوا ہے کہ اس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے رہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ اشعار آپ ہی کے لئے ہیں یا کسی اور کے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ یہی شعر پڑھنے لگے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کثرت سے گنگنا نے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے سمجھا کہ شاید وہ یہ اشعار بطور طنز پڑھ رہے ہیں۔ زیاد بن عبد اللہ البرکائی نے ابن اسحاق سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن اسحاق نے اس شخص کا نام بھی لیا تھا۔

ابن ہشام نے کہا ہے کہ حضرت ابن اسحاق نے اس شخص کا نام بتایا تھا لیکن ابن ہشام نے بھی اس کا نام ذکر نہیں کیا تا کہ صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کا نام ناپسندیدہ مقام پر نہ لیا جائے اور کسی انسان کو بھی نازیبا مقام پر کسی صحابی کا نام نہیں لینا چاہئے۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد تعمیر کی حالانکہ مسجد کی تعمیر کی نسبت حضرت عمار کی طرف کیسے ہو سکتی ہے دیگر لوگ بھی اس سعادت میں شریک تھے۔ اس مسجد سے مراد مسجد قباء ہے کیونکہ اس مسجد کی تعمیر کا مشورہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ہی دیا تھا اور اس کے لئے پتھر بھی انہوں نے ہی جمع کئے تھے جب حضور ﷺ نے اس کی بنیاد رکھ دی تو پھر اس کی تکمیل بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ہی کی تھی۔

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کی وصیت

ابن اسحاق کہتے ہیں اس شخص نے کہا ”اے ابن مسلمان! میں نے کہا آج صبح سے کہہ رہا ہوں، میں غنیمت سمجھتا ہوں کہ تمہارے ناک کی خبر لوں گا۔ اور شخص کے ہاتھ میں لاش تھی۔“ یہ سن کر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”عمار اور ان کا معاملہ کتنا عجیب ہے۔“ عمار انہیں جنت کی طرف اور وہ اسے آگ کی طرف بلارہے ہیں، بلاشبہ عمار میری دونوں آنکھوں اور ناک کے درمیان کی جلد ہیں۔“ جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت

مسجد نبوی کی تعمیر کتنی بار ہوئی؟

یونس بن بکیر نے حضرت ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ پہلے مسجد نبوی کا چھت کھجور کی شاخوں کا تھا اور اس کا محراب اینٹوں کا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق محراب میں پتھر لگائے گئے تھے جنہیں ایک دوسرے سے گارے سے جوڑا گیا تھا اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں یہ بوسیدہ ہو گئے تو انہیں نکال لیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں مسجد نبوی کو ایسے پتھروں سے تعمیر کیا جن پر چونے سے نقش و نگار ہوا تھا اور اس کی چھت ساج (ساکھ) کی تھی۔ محراب بھی پتھروں سے بنایا گیا تھا پھر ۱۹۶ میں محمد بن ابی جعفر مہدی نے اس کو تعمیر کیا، اس کو وسیع کیا پھر مامون الرشید نے ۲۰۲ میں اس کو وسیع کیا اس کی بنیادوں کو پختہ کیا اور اس میں نقش و نگار کیا۔ عبداللہ المامون کو تعمیر مسجد کا حکم دیا گیا پھر کسی نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

حجرات النبی ﷺ

حجرات مقدسہ کی تعداد تو تھی۔ بعض کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے تھے جن پر مٹی سے لپ کیا گیا تھا اور ان کی چھت بھی کھجور کی تھی، کچھ حجرات پتھروں سے بنائے گئے تھے جن کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ حضرت حسن بن ابی الحسن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ”میں بلوغت کے قریب تھا میں حجرات مقدسہ میں داخل ہوتا تو اپنے ہاتھوں سے ان کی چھتوں کو چھوسکتا تھا۔“

تاریخ بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ کا دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹایا جاتا تھا (یعنی دروازہ کا حلقہ نہ تھا) جب ازواج مطہرات کا وصال ہو گیا تو حجرات مقدسہ کی زمین کو مسجد نبوی میں ملا دیا گیا یہ دور عبد الملک کا تھا جب اہل مدینہ کو عبد الملک کا حکم نامہ ملا تو وہ آہ و فغاں کرنے لگے اور لوگ اتنا ہی روئے جتنا وہ حضور کے وصال کے دن روئے تھے۔ آپ ﷺ کی چار پائی کھجور کے درخت کی چھال سے بنائی

عمار سے سبقت نہیں لی جاسکتی تو وہ خود ہی کنارہ کشی کرنے لگے۔

ابن ہشام کہتے ہیں حضرت سفیان بن عیینہ نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے مسجد نبوی کی بنیاد حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے رکھی۔

گئی تھی۔ بنو امیہ کے دور میں اسے فروخت کر دیا گیا ایک شخص نے چار ہزار درہم کے عوض اسے خرید لیا۔ اس میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب حجرات مقدسہ کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو یہ ملکیت کی اضافت ہوتی ہے مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ۔ ”تم نہ داخل ہوا کرو نبی کریم ﷺ کے گھروں میں“۔ مگر جب حجرات مقدسہ کی نسبت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف ہو تو یہ اضافت ملکیت کی اضافت نہ ہوگی مثلاً ارشاد ربانی ہے۔ وَقَوْنَ فِيْ بُيُوتِكُنَّ۔ ”اور ٹھہری رہو گھروں میں“۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو آپ ﷺ کی ملکیت تھی اس میں وراثت نہ تھی۔

اِنْكَسَرَ حُبُّ لَنَا

ہمارا گھڑا ٹوٹ گیا۔ الحُبُّ بہت بڑے گھڑے کو کہتے ہیں اس کی جمع ”حَبَبٌ“ آتی ہے مثلاً جُحْرٌ اور جَحْرَةٌ گویا کہ یہ حَبَابُ الْمَاءِ سے مشتق ہے یا کہ حَبَبٌ سے ہے شاعر کہتا ہے۔

كَانَ صَلَاةً جَهِيْزَةً حِيْنَ تَمَشِي حَبَابُ الْمَاءِ يَتَّبِعُ الْحَبَابَا

جہیزہ جب چلتی ہے تو اس کی پشت پانی کے بلبلہ کی مانند ہوتی ہے جس کے پیچھے پانی کے کئی بلبلے ہوں، الحَبَبُ ان چھوٹے چھوٹے سفید بلبلوں کو کہا جاتا ہے جو شراب کی سطح پر ہوتے ہیں۔

الثوم

جب لہسن کی وجہ سے کھانا واپس کر دیا گیا تو حضور ﷺ نے ام ایوب رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ اَنَا رَجُلٌ اَنَاجِي۔ میں وہ شخص ہوں جس سے سرگوشی کی جاتی ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَّادِيْ بِمَا يَتَّادِيْ بِهٖ الْاِنْسُ۔ ملائکہ کو بھی ان اشیاء سے اذیت ہوتی ہے جن سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

حضرت حصیف بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں تاجدار عرب و عجم ﷺ کی زیارت کی میں نے عرض کی ”اے رسولِ مکرم ﷺ! کیا وہ حدیث (اِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَّادِيْ بِمَا يَتَّادِيْ بِهٖ الْاِنْسُ) جسے ام ایوب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے روایت کیا ہے درست ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا گھرانہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مسجد نبوی اور حجرات مقدسہ کی تکمیل تک حضور ﷺ حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر ہی تشریف فرما رہے۔ جب حجرات کی تعمیر مکمل ہو گئی تو آپ ﷺ ان میں منتقل ہو گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں ”جب حضور ﷺ نے میرے غریب خانہ میں قیام فرمایا تو آپ ﷺ نے گھر کی پہلی منزل میں اقامت گزریں ہونا پسند فرمایا میں اور ام ایوب رضی اللہ عنہا گھر کی دوسری منزل میں تھے، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ میرے والدین آپ ﷺ پر نثار! میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں آپ ﷺ کے اوپر ہوں اور آپ ﷺ میرے نیچے تشریف فرما ہوں۔ آپ ﷺ اوپر والی منزل میں تشریف رکھیں اور ہم آپ ﷺ کے نیچے رہیں گے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ایوب! میرے لئے اور مجھ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے والوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ ہم پختی منزل میں رہیں۔“

”حضور ﷺ پختی منزل میں تشریف فرما تھے، ہمارا مسکن اوپر تھا۔ ایک دفعہ ہمارا گھڑا ٹوٹ گیا میں اور میری بیوی نے لحاف اٹھایا ہمارا صرف ایک ہی لحاف تھا اور اس سے پانی جذب کرنے لگے۔ ہمیں خوف تھا کہ پانی کہیں حضور ﷺ پر گر نہ جائے اور اس طرح آپ ﷺ کو اذیت ہو۔ ہم حضور ﷺ کے لئے کھانا تیار کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے، ہم آپ ﷺ کی بارگاہ میں کھانا پیش کرتے، کھانا بچ جاتا ہم اس جگہ کو تلاش کرتے جہاں سرور

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کا مقدس گھر

وہ مقدس گھر جس میں حضور ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا گیا تھا، حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے غلام حضرت ارج رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ جب یہ گھر خراب ہو گیا اور اس کی دیواروں میں رخنے پڑ گئے تو ایک حیلہ سے مغیرہ بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام نے ان سے ایک ہزار دینار کا خرید لیا۔ پھر انہوں نے اسے درست کرایا اور مدینہ طیبہ کے غریبوں میں اسے صدقہ کر دیا، اس کے بعد ابن ارج رضی اللہ عنہ نے مغیرہ سے کہا تم نے مجھے دھوکا دیا ہے انہوں نے کہا نادم ہونے والا کامیاب نہیں ہوتا۔

کائنات ﷺ کا دست شفا بخش لگا ہوتا تھا ہم اسی جگہ سے کھاتے جہاں پیارے مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ مبارک کے نشانات ہوتے تھے تاکہ ہم کو برکت حاصل ہو۔ ایک دفعہ ہم نے کھانا بھیجا ہم نے اس میں پیاز یا لہسن ڈالا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے واپس لوٹا دیا، ہم نے حضور ﷺ کے دست اقدس کے نشانات نہ دیکھے میں گھبرا کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ میرے والدین آپ ﷺ پر فدا! آج آپ ﷺ نے کھانا واپس بھیجا تو اس پر آپ ﷺ کے دست اقدس کے نشانات نہ تھے۔ جب آپ ﷺ کا باقی کھانا ہمارے پاس جاتا ہے تو میں اور ام ایوب اس جگہ کو تلاش کرتے ہیں جہاں آپ ﷺ کے دست اقدس کے نشانات ہوتے ہیں ہم حصول برکت کے لئے وہاں سے ہی کھاتے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے اس میں اس درخت کی بو پائی ہے مجھ سے سرگوشی کی جاتی ہے تم اسے کھا لو۔ ہم نے وہ کھانا کھالیا اور اس کے بعد کھانے میں پیاز یا لہسن نہ ڈالا۔“

مہاجرین مکہ

ابن اسحاق کہتے ہیں تمام مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حضور ﷺ کے ساتھ آئے، مکہ معظمہ میں وہی تھے جو یا محبوس تھے یا مفتون۔ جن خوش نصیبوں نے اپنے اموال اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم ﷺ کے لئے ہجرت کی وہ درج ذیل تھے۔ ۱۔ بنو مظعون بن جمح، ۲۔ بنو جحش بن رناب، ۳۔ بنو بکیر (بنو سعد بن لیث میں سے تھے اور بنو عدی کے حلیف تھے) مکہ مکرمہ میں ان کے گھر بالکل بند تھے ان میں کوئی بھی ساکن نہ تھا۔

ابوسفیان اور بنو جحش

جب بنو جحش بن رناب اپنے گھر سے ہجرت کر گئے تو ابوسفیان نے ان کے گھر پر قبضہ کر لیا اور اسے عمرو بن علقمہ (اس کا تعلق بنو عامر بن لوی سے تھا) کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب بنو جحش

حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ

حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ کا نام ”عبد“ تھا ثمامہ بھی نام بتایا گیا ہے لیکن پہلا قول درست ہے فارعہ بنت ابوسفیان ان کی زوجیت میں تھیں اسی لئے ابوسفیان نے ان کے گھر کو فروخت کرنے کی راہ تلاش کر لی کیونکہ ان کی نور نظر ان کے گھر میں تھیں۔ حضرت ابو احمد رضی اللہ عنہ نے اپنی محترمہ بہن حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔

کو ابوسفیان کی اس کارستانی کا علم ہوا تو حضرت عبداللہ بن جحش نے یہ بات بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اے عبداللہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس گھر کے بدلے جنت میں اس سے بہتر گھر عطا فرمائے۔“ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ راضی ہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اس کے بدلے تجھے جنت میں گھر ملے گا۔“ جب حضور ﷺ نے مکہ معظمہ کو فتح کیا تو ابواحمد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اس گھر کے متعلق پوچھا حضور ﷺ نے جواب ارشاد فرمانے میں تاخیر کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابواحمد رضی اللہ عنہ سے کہا ”اے ابواحمد! حضور ﷺ ناپسند فرما رہے ہیں کہ تم ان اشیاء کو واپس لو جنہیں تم اللہ کی رضا کے لئے چھوڑ چکے ہو“ یہ سن کر حضرت ابواحمد سے حضور ﷺ نے مزید بات نہ کی اور ابوسفیان سے کہا۔

أَبْلَغُ	أَبَا	سُفْيَانَ	عَنْ	أَمْرِ	عَوَاقِبُهُ	نَدَامَهُ
دَارَ	ابْنِ	عَمِكَ	بِعَتَّهَا	تَقْضِي	بِهَا	الْغَرَامَةَ
وَحَلِيفَتُكُمْ	بِاللَّهِ	رَبِّ	النَّاسِ	مُجْتَهِدُ	الْقَسَامَةَ	
إِذْهَبْ	بِهَا	إِذْهَبْ	بِهَا	طَوَّقَتَهَا	طَوَّقَ	الْحَمَامَةَ

ابوسفیان کو اس معاملہ کے متعلق پیغام پہنچا دو جس کا انجام ندامت ہے۔ اس سے کہو تو نے اپنے چچا زاد کا گھر بیچ دیا ہے اور اس سے اپنا قرضہ اتار لیا ہے اور تمہارا حلیف لوگوں کے پروردگار اللہ تعالیٰ کی قسم صلح کی کوشش کرتا ہے تو اسے لے جا تو اسے لے جا۔ اسے تیرے گلے میں کبوتر

طَوَّقَتَهَا طَوَّقَ الْحَمَامَةَ

یہ مصرعہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے اخذ کردہ ہے۔ مَنْ غَضِبَ شَيْئًا مِنْ أَرْضِ طَوَّقَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ الْأَرْضَيْنِ۔ جس شخص نے کسی کی ایک بالشت زمین پر قبضہ کیا روزِ حشر اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ ابواحمد رضی اللہ عنہ نے ”طوق الحمامہ“ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ کیونکہ وہ طوق اس کی گردن سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے اتار کر پھینک سکتی ہے، جس طرح کہ انسان طوق اتار کر پھینک سکتا ہے۔ اس مصرعہ میں انتہائی سمانت، اشارہ کی حلاوت اور استعارہ کی ملاحظت ہے۔ ”طوق الحمامہ“ میں اس شخص کا بھی رد ہے جو یہ کہتا ہے کہ ”طَوَّقَ مِنْ سَبْعِ الْأَرْضَيْنِ۔ میں ”طوق“ ”الطاقة“ سے مشتق ہے۔ ”طوق“ سے مشتق نہیں ہے، یہ علامہ خطابی کا ایک قول ہے۔ اس روایت کو امام بخاری نے نقل کیا ہے ایک دوسری روایت ہے۔

کے حلقہ گردن کی طرح طوق بنایا جائے گا۔

مدینہ طیبہ میں اشاعت اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضور ﷺ ربیع الاول سے لے کر ماہ صفر تک حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر ہی تشریف فرما رہے حتیٰ کہ مسجد نبوی اور حجرات مقدسہ تعمیر ہو گئے۔ تمام انصار نے اسلام قبول کر لیا انصار کے تمام گھروں میں اسلام کا اجالا پھیل گیا مگر بنو حطمہ، بنو واقف، بنو وائل، بنو امیہ اپنے شرک پر ہی رہے انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔

ہادی حق ﷺ کا پہلا خطبہ

مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے بیان کیا ہے۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کریں جو آپ ﷺ نے نہ کہی ہو) کہ حضور ﷺ صحابہ کرام میں کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان فرمائی پھر فرمایا۔

أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ فَقَدْ مَوَّأَ لِنَفْسِكُمْ تَعْلُنَ وَاللَّهِ لِيُصْعَقَنَّ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَدَعَنَّ غَنَمَهُ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ ثُمَّ لِيَقُولَنَّ لَهُ رَبُّهُ وَ لَيْسَ لَهُ تَرْجُمَانٌ وَ لَا حَاجِبٌ يَحْيِيهِ دُونَهُ: أَلَمْ يَأْتِكَ رَسُولِي فَبَلَغَكَ وَآتَيْتَكَ مَالًا وَ أَفْضَلُ عَلَيْكَ؟ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ فَلْيَنْظُرَنَّ يَمِينًا وَ شِمَالًا فَلَا يَرَى شَيْئًا ثُمَّ لِيَنْظُرَنَّ قَدَامَهُ فَلَا يَرَى غَيْرَ جَهَنَّمَ فَمَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَقِيَ وَجْهَهُ مِنَ النَّارِ وَ لَوْ بِشِقٍّ مِنْ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ وَ مَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ فَإِنَّ بِهَا تُجْزَى الْحَسَنَةُ عَشْرَ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ ضَعْفٍ وَ السَّلَامُ

خُسْفَ بِهٖ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ۔ ساتویں زمین تک اسے اس کے ساتھ دھنسا دیا جائے گا۔ مسند ابن ابی شیبہ میں ہے۔ مَنْ غَضِبَ شَبْرًا مِنْ اَرْضٍ جَاءَ بِهٖ اِشْطَامًا فِیْ عُنُقِهٖ۔ جس نے کسی کی بالشت بھر زمین پر قبضہ کیا وہ روزِ حشر اس طرح آئے گا کہ وہ اس کی گردن کا حلقہ بنی ہوگی۔

داعی حق ﷺ کا پہلا خطبہ

ابن اسحاق نے حضور ﷺ کا پہلا خطبہ لکھا ہے، بعض کتب میں یہ اضافہ ہے۔ أَلَمْ أُوتِكَ مَالًا وَ جَعَلْتُكَ تَرْبَعًا وَ تَدَسُّعًا۔ ابن الانباری اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ”یہ ضرب المثل ہے اس کی اصل یہ ہے کہ جب کوئی عربی سردار جنگ لڑتا تو وہ مالِ غنیمت کا چوتھا حصہ لیتا تھا پھر وہ جسے چاہتا عطا کرتا تھا اسی سے اہل عرب کا قول ہے۔ فَلَانٌ صَخْمُ الذِّسِیْعَةِ۔ فلاں عظیم عطا والا ہے۔

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

اے لوگو! اپنے آپ کے لئے عمدہ افعال سرانجام دے لو۔ تم سب کو خوب جان لینا چاہئے کہ قسم بخدا! تم میں سے ہر ایک نے ”صاعقہ“ کا سامنا کرنا ہے پھر وہ اپنی بھیڑوں کو اس حالت میں چھوڑے گا کہ ان کو چروانے والا کوئی نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے ضرور پوچھے گا اس وقت نہ تو کوئی اس کا ترجمان ہوگا اور نہ ہی کوئی پردہ ان کے درمیان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا ”(اے بندے!) کیا تیرے پاس میرے رسول مکرم ﷺ تشریف نہیں لائے اور تجھے تبلیغ نہیں کی۔ کیا میں نے تجھے مال عطا نہیں فرمایا، تجھ پر اپنا فضل و کرم نہیں کیا تو نے اپنے نفس کے لئے آگے کیا بھیجا ہے؟“ وہ شخص دائیں بائیں دیکھے گا لیکن وہ کوئی چیز نہیں دیکھے گا پھر وہ سامنے دیکھے گا تو اسے جہنم کے علاوہ اور کوئی چیز نظر نہیں آئے گی جو طاقت رکھتا ہے کہ اپنے آپ کو آگ سے بچائے، اگرچہ کھجور کے ایک حصہ کے ساتھ ہی تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے اور جو کھجور کا ٹکڑا نہ پائے اسے عمدہ گفتگو سے ہی جہنم سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے۔ بلاشبہ عمدہ گفتگو کا بھی اجر دیا جائے گا نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“

دوسرا خطبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، پھر حضور ﷺ نے دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔
 إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا
 مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى قَدْ أَفْلَحَ مَنْ
 زَيَّنَهُ اللَّهُ فِي قَلْبِهِ وَ أَدْخَلَهُ فِي الْإِسْلَامِ بَعْدَ الْكُفْرِ وَ اخْتَارَهُ عَلَى مَا سِوَاهُ مِنْ
 أَحَادِيثِ النَّاسِ إِنَّهُ أَحْسَنُ الْحَدِيثِ وَ أَبْلَغُهُ، أَحِبُّوا مَا أَحَبَّ اللَّهُ أَحِبُّوا اللَّهَ مِنْ كُلِّ
 قُلُوبِكُمْ وَ لَا تَمَلُّوا كَلَامَ اللَّهِ وَ ذِكْرَهُ وَ لَا تَقْسُ عَنْهُ قُلُوبُكُمْ فَإِنَّهُ مِنْ كُلِّ مَا يَخْلُقُ اللَّهُ
 وَ يَخْتَارُ وَ يَصْطَفِي قَدْ سَمَّاهُ اللَّهُ خَيْرَتَهُ مِنَ الْأَعْمَالِ وَ مُصْطَفَاهُ مِنَ الْعِبَادِ الصَّالِحِ
 أَحِبُّوا اللَّهَ مِنْ كُلِّ قُلُوبِكُمْ

یعنی دل کے تمام اجزاء محبت الہیہ میں مستغرق ہوں دل سے نکلنے والا ہر عمل اور ذکر اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہو۔ بندہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی طرف محبت کی اضافت مجاز حسن ہے کیونکہ محبت کی حقیقت وہ ارادہ ہے جس کے ساتھ محبوب کے لئے استدعا متصل ہو۔ خواہ یہ بالطبع ہو یا بالشرع۔ ہم نے اس کی

الْحَدِيثَ وَمِنْ كُلِّ مَا أُوتِيَ النَّاسُ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَاتَّقُوا حَقَّ تَقَاتِهِ وَاصْدُقُوا اللَّهَ صَادِحًا مَا تَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللَّهِ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ يَغْضِبُ أَنْ يُنْكَثَ عَهْدُهُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں میں اس کی ستائش کرتا ہوں اسی سے مدد طلب کرتا ہوں ہم اپنے نفسوں کی برائیوں سے اسی سے پناہ مانگتے ہیں اپنے اعمال کی برائیوں سے صرف اسی کی پناہ حاصل کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب بہترین کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے دل کو اس سے مزین کر دیا وہ کامیاب ہو گیا۔ جسے کفر کے بعد اسلام میں داخل کر دیا وہ کامیاب ہو گیا۔ وہ شخص جس نے اس کتاب حکیم کو دوسروں کی باتوں پر ترجیح دی وہ کامران ہو گیا۔ یہ کتاب تمام کلام سے عمدہ اور بلیغ ہے۔ جس سے اللہ پیار کرتا ہے تم بھی اس سے پیار کرو۔ اللہ تعالیٰ سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے ذکر سے اکتانہ جاؤ۔ تمہارے دل اس

تفصیل إِنَّ اللَّهَ جَبِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ۔ ”کی تشریح میں لکھ دی ہے۔ ہم نے وہاں ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفصیر پر بھی گرفت کی جو انہوں نے محبت کی شرح میں کی ہے۔

لَا تَمْلُوا كَلَامَ اللَّهِ وَذِكْرَهُ فَإِنَّهُ مِنْ كُلِّ مَا يَخْلُقُ اللَّهُ يَخْتَارُ وَيَصْطَفِي

”فَائَهُ“۔ میں ہضمیر کلام الہی کی طرف راجع نہیں بلکہ یہ ضمیر امر اور حدیث کی طرف راجع ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ إِنَّ الْحَدِيثَ مِنْ كُلِّ مَا..... تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے جسے چاہتا ہے پسند کرتا ہے۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ۔ (قصص: ۶۸) ”اور آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) خَيْرَتَهُ مِنَ الْأَعْمَالِ سے مراد ذکر اور قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ مُصْطَفَى مِنْ عِبَادِهِ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ اللَّهُ يُصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (حج: ۷۵) ”اللہ تعالیٰ جن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بعض کو رسول“۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ عمل ہو جس کو لوگوں کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں ”من“ تبعض کے لئے نہیں ہوگا، یہ ابتدائے غایت کے لئے ہوگا کیونکہ وہ ایسا عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انہیں توفیق دے کر ان سے سرانجام کرایا ہے۔

سے بیزاری کا اظہار نہ کریں کیونکہ یہ کلام ان اشیاء میں سے ہے انہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور انہیں برگزیدہ اور منتخب کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اعمال میں سے بہترین، بندوں میں سے مصطفیٰ اور گفتگو میں سے صالح کا نام دیا ہے۔ جو کچھ لوگوں کو عطا کیا گیا ہے ان میں سے کچھ حلال اور کچھ حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق سچ کہو، یہ بہترین بات ہے جو تم کہتے ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے باہمی محبت کرو، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ اس سے کیا ہوا وعدہ توڑا جائے۔

إِنَّ الْحَمْدُ لِلَّهِ أَحَدُهُ

الحمد للہ کا اعراب اسی طرح (دال کے رفع) کے ساتھ ہی میں نے دیکھا ہے یہ اعراب حکایہ نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے ”الامر“ مضمحل ہوگا۔ اصل عبارت یوں ہوگی۔ إِنَّ الْأَمْرَ الَّذِي أَذْكُرُهُ۔ ”ہ“ کی ضمیر جو ”امر“ کی طرف راجع تھی اسے حذف کر دیا تاکہ اسماء میں سے کوئی اسم ’الحمد للہ‘ سے متقدم نہ ہو۔ ”إِنَّ“ کا مقدم ہونا یہ تقدیم اسماء میں سے نہیں ہے یہ حرف ہے جو اپنے مابعد کو مؤکد کرتا ہے۔ قرآن پاک کا آغاز بھی ”الحمد للہ“ سے ہی ہوتا ہے، حضور ﷺ نے حصول برکت کے لئے اپنے خطبہ کا آغاز بھی اسی سے کیا۔

حضور ﷺ نے یہ خطبہ کھجور کے تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا۔ جب طرفاء (جھاؤ، درخت کا نام) کا آپ ﷺ کے لئے منبر بنادیا گیا تو یہ تنہا اس اونٹنی کی طرح بلکنے لگا جس کا بچہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔ آپ ﷺ کے لئے یہ منبر ایک انصاریہ خاتون کے غلام ”باقوم“ نے بنایا تھا۔ حضور ﷺ اپنے منبر سے نیچے تشریف لائے اور تنے کو اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں اسے سینے سے نہ لگاتا تو یہ قیامت تک اسی طرح گریہ بار رہتا۔ پھر آپ ﷺ نے اس تنے کو دفن فرمایا دیا، آپ ﷺ نے اسے اس لئے دفن فرمایا تھا تاکہ حضور ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کے لئے رونے کی وجہ سے اس کا حکم بھی مومن کے حکم کی طرح ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ كَسْبُ جَرَّةٍ طَيِّبَةٍ۔ ”ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے“۔ حضور ﷺ نے کھجور کے متعلق فرمایا۔ ”اس کی مثال مومن کی طرح ہے“۔ کھجور کے اس تنے کا بلکنا تو اتر سے ثابت ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا گریہ سنا اور پھر روایت فرمایا اور جنہوں نے روایت سنی انہوں نے بھی انکار نہ کیا۔

یہودیوں کے ساتھ تاریخی معاہدہ

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک معاہدہ تحریر فرمایا، آپ ﷺ نے اس معاہدہ میں یہودیوں کو بھی شامل فرمایا اور ان سے بھی معاہدہ کیا اور ان کے دین اور ان کے اموال کے تحفظ کا انہیں یقین دلایا ان پر کچھ شرائط عائد کیں اور کچھ حقوق دیئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یہ عہد نامہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہے، یہ قریش میں سے مسلمانوں اور یثرب کے مؤمنین، ان کی اتباع کرنے والوں، ان کے ساتھ ملحق ہونے والوں اور ان کے ہمراہ جہاد کرنے والوں کے مابین ہے۔ وہ لوگوں کے علاوہ ایک امت ہیں۔ قریش مکہ کے مہاجر اسی دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے جس طرح وہ اسلام سے قبل ادا کرتے تھے۔ وہ اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کریں گے تاکہ مؤمنین کے مابین عدل و انصاف اور نیکی اور احسان برقرار رہے۔ بنوعوف بھی اپنے سابقہ دستور کے مطابق ہی خون بہا ادا کریں گے۔ ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے گا تاکہ مؤمنین کے مابین عدل و انصاف قائم

حضور ﷺ کا یہودیوں سے معاہدہ

انصار کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے یہودی ہی یہاں مقیم تھے۔ جب عرم کا سیلاب آیا اور اہل سباء منتشر ہوئے تو اوس اور خزرج نے ایک کاہنہ کے حکم سے اس بستی کو اپنا مسکن بنالیا۔ عمران بن عامر بھی کاہن تھا اس نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا۔ اس کاہنہ نے ہر قبیلہ کو ایک علاقہ کی طرف جانے کا حکم دیا تھا اس نے بنو حارثہ بن ثعلبہ (اوس اور خزرج) کو کھجوروں والی سرزمین یثرب کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اوس اور خزرج یثرب آگئے یہودی یہاں پہلے ہی مقیم تھے انہوں نے ان کے ساتھ معاہدے کر لئے اور مل جل کر رہنے لگے۔

یہودی یثرب میں کب آئے؟

یہودیوں کا مسکن سرزمین کنعان تھا اور مدینہ طیبہ عرب کے وسط میں ہے پھر وہ یہاں کیسے مقیم ہوئے؟ سرزمین حجاز کے عمالقہ بنو اسرائیل پر غارت گری کرتے رہتے تھے۔ عمالقہ کا مسکن یثرب اور حنفہ تھا۔ بنو اسرائیل نے ان حملوں کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی انہوں نے عمالقہ کی طرف ایک لشکر بھیجا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر

رہے۔ بنو ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے ان میں سے ہر گروہ اپنے اسیروں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے گا تاکہ مؤمنین کے مابین عدل و انصاف قائم ہو۔ بنو حارث اپنے سابقہ دستور کے مطابق ہی خون بہا ادا کریں گے ان کا ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے گا۔ بنو جشم اپنے سابقہ دستور کے مطابق ہی خون بہا ادا کریں گے اور ان کا ہر قبیلہ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو آزاد کرائے گا تاکہ مؤمنین کے مابین عدل و انصاف قائم رہے۔ بنو عمرو

پوری طرح عمل کیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دیا، صرف بادشاہ کے ایک بچے کو بچایا وہ بڑا حسین و جمیل تھا۔ انہوں نے اس پر ترس کھایا اور اسے موت کے گھاٹ نہ اتارا ان کے بادشاہ کا نام ارقم بن ابی ارقم تھا۔ اس قتل عام کے بعد یہودی شام کی طرف چلے گئے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام وصال فرما چکے تھے۔ بنو اسرائیل نے ان سے کہا ”تم نے مخالفت اور نافرمانی کی ہے ہم تمہیں پناہ نہیں دیں گے۔“ یہودیوں نے کہا ”ہم انہی شہروں کی طرف لوٹ جاتے ہیں جنہیں ہم نے مغلوب کیا ہے ہم وہیں مقیم ہو جائیں گے۔“ پھر وہ یثرب لوٹ آئے۔ انہوں نے اسی جگہ کو اپنا وطن بنالیا اور وہیں ان کی نسل بڑھی پھر سیل عرم کے بعد اوس اور خزرج بھی وہیں آ گئے۔ اس تفصیل کو ابو الفرج الاصبہانی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”کتاب الاغانی“ میں لکھا ہے۔ علامہ زبیر نے اسے اخبار مدینہ میں لکھا ہے مگر میرے نزدیک یہ درست نہیں کیونکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تشریف لائے مدت مدید گزر چکی تھی۔

امام الطبری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ جب بخت نصر نے اسرائیل کے شہروں کو مغلوب کیا اور ان کے شہروں میں غارت مچائی تو بنو اسرائیل کا ایک گروہ سرزمین حجاز میں آ گیا۔ ان میں سے کچھ قبائل مثلاً قریظہ اور نضیر، خیبر مدینہ طیبہ میں آ گئے۔

یثرب کا نام

عمالقہ میں سے جو شخص سب سے پہلے یہاں مقیم ہوا اس کا نام یثرب تھا پھر یہ بستی اسی نام سے معروف ہو گئی۔ وہ یثرب بن قاین بن عبیل بن مہلیل بن عوص بن عملاق بن لاوذ بن ارم تھا۔ ان نسب کے بعض اسماء میں اختلاف بھی ہے۔ بنو عبیل نے ”جحفہ“ کو اپنا مسکن بنالیا۔ وہاں انہیں سیلابوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی سے اس مقام کا نام ”جحفہ“ پڑا۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس کے نام ”یثرب“ کو ناپسند فرمایا کیونکہ اس میں ”ثریب“ کے معنی پائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کا نام طیبہ اور مدینہ رکھا۔

بن عوف اپنے سابقہ دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ان کا ہر گروہ اپنے اسیروں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے تاکہ مؤمنین کے مابین عدل و انصاف قائم رہے۔ بنو اوس بھی اپنے سابقہ دستور کے مطابق خون بہا دیں گے۔ ان کا ہر گروہ اپنے اسیروں کا فدیہ دے کر آزاد کرائے گا تاکہ مؤمنین کے مابین عدل و انصاف قائم ہو سکے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ ﷺ نے ”یثرب“ نام کیوں ناپسند فرمایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ قرآن پاک کی اتباع کرتے تھے۔ چاہیے تھا کہ آپ ﷺ اس نام کو تبدیل نہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام منافقین کی طرف سے حکایت بیان کیا ہے جب منافقین کے ایک گروہ نے کہا۔ یَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ (احزاب: ۱۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ منافقین نے کس طرح اس نام سے روگردانی کی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے رکھا تھا۔ انہوں نے اس مبارک شہر کو اسی نام سے پکارنا چاہا جس نام سے زمانہ جاہلیت میں پکارا جاتا تھا۔ دوسری آیت جس میں کسی کا قول نقل نہیں کیا میں فرمایا۔ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ (توبہ: ۱۲۰) ”نہیں مناسب تھا مدینہ والوں کے لئے اور جو ان کے ارد گرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھے رہتے اللہ کے رسول پاک ﷺ سے۔“

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے توراۃ میں پڑھا ہے اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ سے فرمایا۔ یَا طَابَةُ، یَا طَبِيَّةُ، یَا مَسْكِيَّةُ، خزانوں کو ہرگز قبول نہ کرنا۔ میں تیرے اجر کو تمام شہروں کے اجر سے زیادہ کروں گا۔ روایت ہے کہ تورات میں اس کے گیارہ نام تھے۔ المدینۃ، طابۃ، طیبۃ، المسکینۃ، الجابرة، المحبة، القاصمة، المجبورة، العذراء، المرحومة۔

روایت ہے کہ اللہ کے اس فرمان۔ وَقُلْ رَبِّ اَدْخُلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل) ”اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔“

میں مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مدینہ طیبہ اور مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد مکہ معظمہ اور سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا سے مراد انصار ہیں۔

وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَتْرُكُونَ مَفْرَحًا بَيْنَهُمْ أَنْ يَعْطُوهُ بِالْمَعْرُوفِ فِي فِدَاءٍ أَوْ عَقْلِ۔ اور مؤمنین کسی مؤمن کو مقروض یا زیر بار دیکھ کر ویسے ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ وہ اس کے لئے خون بہا یا فدیہ کی ادائیگی کے لئے اس کی مدد کریں گے۔ ابن ہشام کہتے ہیں ”المَفْرَحُ“ اس شخص کو کہتے ہیں جو مقروض اور کثیر العیال ہو۔ شاعر کہتا ہے۔

إِذَا أَنْتَ لَمْ تَبْرَحْ تُؤَدِّيْ أَمَانَةً وَ تَحْمِلُ أُخْرَى أَفْرَحَتْكَ الْوَدَائِعُ
”جب تو امانیں ادا کرتا رہے گا اور دوسروں کا بوجھ برداشت کرتا رہے گا تو یہ امانتیں تجھے زیر بار کر دیں گی“ اور کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے حلیف سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کرے گا۔ مسلمانوں میں سے جس نے بغاوت کی یا ظلم، گناہ، مسلمانوں کے مابین فساد یا عداوت کا مرتکب ہوا تو تمام مسلمان اس کے خلاف متحد ہو جائیں گے اور تمام مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ خواہ وہ باغی یا سرکش ان میں سے کسی کافر زندہ ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے کسی مسلمان کو قتل نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ مؤمن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے

رِبْعَاتِهِمْ

ابو عبید نے ابن بکیر سے وہ عقیل بن خالد سے اور انہوں نے امام زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ عبد اللہ بن صالح سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے یعنی ”رِبْعَاتِهِمْ“ باء کے بعد الف ہے ابو عبید کہتے ہیں، کہا جاتا ہے فُلَانٌ عَلَى رِبَاعَةٍ قَوْمِهِ۔ فلاں اپنی قوم کا راہ نما اور نقیب ہے۔ امام سہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، قیاس کا تقاضا ہے کہ ”رِبْعَاتِهِمْ“ کی راء کے نیچے کسرہ ہی ہو کیونکہ یہ ”وَلَايَتٌ“ کے معنی میں ہے اگر ”رِبَاعَةٌ“ کو مصدر بنایا جائے تو ”راء“ پر فتح کا تقاضا ہوتا ہے یعنی ان سرداروں پر لازم ہے کہ وہ سابقہ دستور کے مطابق خون بہالیں۔ مَعَايِلَ مُعَقَّلَةٍ کی جمع ہے یہ عَقْل سے ہے اس کا معنی دیت ہے۔

أَلَا يَتْرُكُ مَفْرَحٌ

ابن ہشام نے اس کی وہی شرح کی ہے جو ابو عبید نے کی ہے وہ شخص جس کو قرض نے زیر بار کر دیا ہو۔ ابو عبید نے بھی اسی شعر سے دلیل لی ہے جس سے ابن ہشام نے لی ہے، ممکن ہے اس شعر میں أَفْرَحَتْكَ، أَثْقَلَتْكَ کے معنی میں افعال سلب سے ہو یعنی سَلَبْتُكَ الْفَرَحَ کہا جاتا ہے۔ أَقْسَطَ الرَّجُلُ یعنی اس نے عدل و انصاف نہ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ فاء، باء سے تبدیل شدہ ہو اور یہ الْبَرَحُ سے

گا۔ اللہ تعالیٰ کا ذمہ ایک ہے مسلمانوں کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے خلاف مسلمان باہم معاون و مددگار ہیں، یہودیوں میں سے جس نے ہماری اتباع کی اس کے لئے بھی نصرت و مساوات ہوگی نہ ان پر ظلم ہوگا نہ ہی ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔ مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔ مسلمان راہِ خدا میں جہاد میں کسی مؤمن کو چھوڑ کر کسی دوسرے شخص سے صلح نہیں کرے گا۔ مگر جب کہ تمام مسلمان اس صلح میں شریک ہوں وہ گروہ جو ہمارے ساتھ مل کر نبرد آزما ہوں گے وہ ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے۔ مسلمان اس اذیت میں برابر ہوں گے جو راہِ خدا میں ان کے خون کو پہنچے گی۔ متقی مؤمن شاہراہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ کوئی مشرک قریش کے مال اور جان کو پناہ نہ دے گا اور مؤمن کے لئے اس کو قتل کرنے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے گا اور اس کے قتل کے گواہ بھی مل جائیں گے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، الا یہ کہ مقتول کا ولی خون بہا پر رضا مند ہو جائے۔ تمام مسلمان مل کر اس کے خلاف ہوں گے اور اس کے خلاف اٹھنے کے علاوہ مسلمانوں کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں۔ جن مسلمانوں نے اس صحیفہ میں مکتوب دستور کا اقرار کر لیا، اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لے آیا اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی فتنہ باز کی مدد کرے اور نہ ہی اسے پناہ دے جس نے کسی فتنہ گر کو پناہ دی یا اس کی مدد کی تو روزِ حشر اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب ہوگا۔ اس سے کوئی عوض یا فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو گیا تو رجوع اللہ تعالیٰ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف ہوگا، یہودی جب تک مسلمانوں کے ساتھ مل کر معرکہ آزما ہوں گے وہ خرچہ بھی کریں گے۔ بنو عوف کے یہودی مسلمانوں کے خلاف ایک سیاسی وحدت ہوں گے۔ یہودی اپنے دین پر اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے۔ ان کے حلیف اور ان کی جانیں محفوظ ہوں گی۔ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَ آتَمَ فَإِنَّهُ لَا يُؤْتَعَرُ إِلَّا نَفْسَهُ وَ أَهْلَ بَيْتِهِ۔ مگر جس نے ظلم کیا اور گناہ کا مرتکب ہوا تو وہ اپنے نفس اور اپنے اہل خانہ کو ہی ہلاکت میں ڈالے گا۔ بنو نجار کے

مشتق ہو، برح کا معنی شدت ہے مثلاً کہا جاتا ہے، لَقِيتُ مِنْ فُلَانٍ بَرَحًا۔ فلاں سے مجھے شدت کا سامنا کرنا پڑا۔ ابو عبید نے ایک روایت بھی لکھی ہے کہ یہ مُفْرَجٌ ہو۔ اس کے کئی معنی ہیں۔ ۱۔ وہ شخص جس کا دیوانہ نہ ہو۔ ۲۔ وہ شخص جو دوشہروں کے مابین قتل ہو اور یہ فیصلہ نہ ہو سکے کہ اس کا قاتل کون ہے ۳۔ یہ مُفْرَحٌ کے معنی میں ہے یعنی وہ شخص جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور قرض نے اس کی کمر توڑ دی ہو پھر بیت المال سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔

یہودیوں کو وہی حقوق ملیں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے۔ بنو ساعدہ کے یہودیوں کو وہی حقوق ملیں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے۔ بنو جشم کے یہودی بھی وہی حقوق حاصل کریں گے جو حقوق بنی عوف کے یہودی ملیں گے۔ بنو ادس کے یہودی بھی وہی حقوق ملیں گے جو بنی عوف کے یہودی ملیں گے۔ بنو ثعلبہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے مگر جو ظلم کرے گا یا ارتکابِ گناہ کرے گا اس کا وبال اس کی ذات پر اور اس کے اہل خانہ پر ہی ہوگا۔ بنو ثعلبہ کی شاخ جفنہ کو وہی حقوق ملیں گے جو بنو ثعلبہ کو حاصل ہوں گے۔ بنو شطبہ کو بھی وہی حقوق ملیں گے جو بنو عوف کے یہودیوں کو حاصل ہوں گے بشرطیکہ گناہ کا ارتکاب نہ ہو عمدہ اعمال سرانجام ہوں۔ ثعلبہ کے حلیفوں کو بھی بنو ثعلبہ جیسے حقوق ملیں گے اور تمام یہود کی شاخوں کو بھی یہودیوں جیسے ہی حقوق حاصل ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر ان میں سے کوئی بھی جنگ کے لئے نہیں نکلے گا۔ زخم کا بدلہ لینے سے نہیں روکا جائے گا۔ جس نے خونریزی کی اس کی جوابدہی اس پر اور اس کے اہل خانہ پر ہوگی مگر جس پر ظلم کیا گیا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔ یہودیوں کے ذمہ ان کا نفقہ اور مسلمانوں کے ذمہ ان کا نفقہ ہے، جو یہ معاہدہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے گا تو اس معاہدہ کو قبول کرنے والے ایک دوسرے کی مدد کریں گے ان کے مابین خلوص اور خیر خواہی کے جذبات ہوں گے، حسن سلوک ہوگا برادر یہ نہ ہوگا۔ کسی شخص کو اس کے حلیف کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کی دادرسی کی جائے گی۔ یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس وقت تک خرچہ برداشت کریں گے جب تک وہ ان کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ یہ معاہدہ کرنے والوں کے لئے مدینہ طیبہ کا میدان قابل احترام ہوگا۔ پناہ دینے والا پناہ لینے والے کی مانند ہوگا نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ہی وہ گناہ کرے گا۔ کسی عورت کو اس کے گھر والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی، اس معاہدہ کو قبول کرنے والوں کے مابین اگر

وَلَا يُوْتِعُ إِلَّا نَفْسَهُ

وہ اپنے ہی نفس کو ہلاک کرے گا۔ کہا جاتا ہے۔ وَتَغَرَّ الرَّجُلُ وَ أَوْتَعَهُ غَيْرُهُ۔ انسان ہلاک ہو گیا اور دوسرے نے اسے ہلاک کر دیا۔ یُبَيِّنُ بَوَاءَ سَمْتٍ ہے اس کا معنی مساوات ہے جب حارث بن عباد کا بیٹا قتل ہوا تو مہلہل نے کہا یُوْ بِشَسْتَعِ نَعْلِ كَلْبِیْبٍ۔ اِنَّ الْبِرَّ دُوْنَ الْاِثْمِ۔ یعنی نیکی اور وفاء کو چاہئے کہ وہ گناہ کے لئے رکاوٹ بنیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی اَتَقٰی مَا فِیْ هٰذِهِ

کوئی جھگڑا یا فتنہ رونما ہو جس سے فساد بھڑکنے کا اندیشہ ہو تو رجوع اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی طرف ہوگا۔ اللہ رب العزت کو اس معاہدہ سے زیادہ احتیاط اور وفاء پسند ہے۔ نہ تو قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ ہی ان کے معاون و مددگار کو۔ جو شخص مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوگا تمام اہل معاہدہ اس کا دفاع کریں گے۔ جب انہیں صلح کرنے اور مصاحبت کرنے کی دعوت دی جائے تو وہ صلح اور مصاحبت اختیار کریں گے۔ مسلمانوں کے لئے بھی ایسی دعوت کو قبول کرنا لازم ہوگا مگر اگر جنگ دین کے متعلق ہو تو پھر ان پر یہ شرط لازم نہ ہوگی۔ ہر فریق کے ذمہ اسی حصہ کا دفاع ہوگا جو اس کے سامنے ہوگا۔ اوس اور خزرج کے یہودیوں کو اور ان کے حلیفوں کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس معاہدہ کو کرنے والوں کو حاصل ہوں گے مگر خلوص اور وفاداری شرط ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں نیکی اور وفا گناہ کرنے سے آڑ ہوگی۔ گناہ کرنے والے کا وبال اس کے نفس پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی سچائی اور وفاداری پر گواہ ہے جو کچھ اس صحیفہ میں مرقوم ہے۔ یہ تحریر نامہ کسی ظالم یا گناہ گار کے لئے کوئی پناہ پیدا نہیں کرتا۔ جو شخص باہر نکلے گا وہ بھی امن میں اور جو مدینہ طیبہ میں بیٹھے گا وہ بھی امن میں ہوگا، مگر ظالم اور گناہ گار اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ جو شخص وفا کرتا ہے تقویٰ شعار بنتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا حامی ہے، محمد عربی ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔“

مہاجرین و انصار کے مابین مواخات

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت قائم فرمایا، آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”اللہ کی محبت میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ

الصَّحِيفَةُ وَآبَرَةُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کا مؤمن گروہ اس معاہدہ پر راضی ہیں۔ ابو عبیدہ کتاب الاموال میں رقم طراز ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ عہد نامہ جزیہ کے فرض ہونے سے قبل تحریر فرمایا تھا اس وقت اسلام کمزور تھا اس وقت اگر یہودی مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑتے تو انہیں مال غنیمت میں سے حصہ ملتا جس طرح اس معاہدہ میں طے پایا گیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مابین مواخات

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو حضور ﷺ نے ان کے مابین رشتہ اخوت قائم فرمایا تا کہ ان کا خوف اجنبیت ختم ہو جائے۔ اہل و عیال اور قبیلہ

آپ ﷺ کی طرف سے وہ بات کہیں جو آپ ﷺ نے نہ کی ہو، آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول معظم، سید المرسلین، امام المتقین رسول رب العالمین ﷺ جن کی عالمین میں کوئی نظریا مثال نہیں، حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بھائی بن گئے۔ شیر خدا، اسد رسول اللہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور غلام مصطفیٰ ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ غزوہ احد کے دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ہی وصیت کی تھی۔ حضرت جعفر طیار، ذوالجناحین رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (بنو سلمہ سے) بھائی بھائی بن گئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں ان ایام میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سرزمین حبشہ میں تشریف فرما تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما اور حضرت خارجہ بن زہیر رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنو بلحارث بن الخزرج سے تھا) رشتہ اخوت میں پروئے گئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبہ بن مالک رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنو سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج سے تھا) بھائی بھائی تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ بن جراح (عامر بن عبد اللہ) حضرت سعد بن معاذ بن نعمان رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنو عبد الاشہل سے تھا) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ربیع (ان کا تعلق بنو بلحارث بن خزرج سے تھا) رضی اللہ عنہ اخوت کی لڑی میں پروئے گئے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت سلامہ بن سلامہ بن قش رضی اللہ عنہ (بنو عبد الاشہل سے تھے) بھائی بھائی بن گئے۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

سے جدائی کا زخم مندمل ہو سکے اور وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ثابت ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت و توقیر سے نوازا۔ متفرق امور ایک جگہ جمع ہو گئے اور پردیس کی وحشت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ **وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ** (انفال: ۷۵) ”اور قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں کتاب اللہ کی رو سے۔“

یہ آیت میراث کے بارے میں نازل ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو بھائی بھائی بنا دیا، ارشاد فرمایا: **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ** (الحجرات: ۱۰) ”بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔“ ابن اسحاق نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، اور حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کے مابین مواخات کا ذکر کیا ہے مگر امام واقدی نے اس کا انکار کیا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود (بنو زہرہ کے حلیف) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بنے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت اوس بن ثابت بن منذر (ان کا تعلق بنو نجار سے تھا) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنو سلمہ سے تھا) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (بنو نجار سے تھے) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ (بنو نجار سے تھے) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن بشر بن وقش بن (بنو عبد الاشہل سے تھے) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما (بنو مخزوم کے حلیف) اور حضرت حذیفہ بن یمان (بنو عبد عبس سے تعلق تھا) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے خطیب) اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت ابو ذر بریر بن جنادہ غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت منذر بن عمرو (بنو ساعدہ بن کعب خزرج سے تعلق تھا) بھائی بھائی بن گئے۔

ابن ہشام کہتے ہیں میں نے کئی علماء سے سنا ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا نام جنذب بن جنادہ تھا۔ حضرت خاطب بن ابی بلجعه رضی اللہ عنہ (بنو اسد بن عبد العزیٰ کے حلیف) اور حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ (ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا) بھائی بھائی بن گئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء عویم بن ثعلبہ (ان کا تعلق بنو بلحارث سے تھا) بھائی بھائی بن گئے۔ ابن ہشام نے انہیں عویم بن عامر اور انہیں عویم بن زید بھی کہا ہے۔ مؤذن رسول (ﷺ) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ریحہ عبد اللہ بن عبد الرحمن خثعمی

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا نسب

حضرت ابو درداء کا نام عویم بن عامر تھا۔ دوسرے قول کے مطابق وہ عویم بن زید بن ثعلبہ تھے۔ عویم بن مالک بن ثعلبہ بن عمرو بن قیس بن امیہ بھی نام بتایا جاتا ہے۔ ان کا تعلق بنو بلحارث سے تھا۔ ان کی والدہ کا نام تحبہ بنت وقد بن عمرو بن اطنابہ تھا۔ ان کی زوجہ محترمہ کا نام خیرہ بنت ابی حدر تھا۔ ایک ام درداء صغریٰ بھی تھیں ان کا نام ”جمانہ“ تھا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ میں وفات پائی۔ دوسرے قول کے مطابق وفات ۳۴ھ میں ہوئی۔

(ان کا تعلق فزع سے تھا) رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بن گئے۔ ہمیں انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام معلوم ہوئے ہیں جن کے درمیان حضور ﷺ نے رشتہ اخوت قائم فرمایا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وظائف مقرر کئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ شام کی طرف تشریف لے جا چکے تھے اور وہاں جہاد میں مصروف تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا ”آپ کا وظیفہ کس کے ساتھ ملایا جائے؟“ انہوں نے جواب دیا ”حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ وہ اخوت جو نبی محترم ﷺ نے ہمارے مابین فرمائی تھی اس کی پاسداری کرتے ہوئے میں ان سے کبھی بھی جدا نہ ہوں گا۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملا دیا۔ اہل حبشہ کا وظیفہ بنو خثعم کے ساتھ ملایا گیا کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مکان وہیں تھا اور وہ آج تک سرزمین شام میں بنو خثعم میں ہی ہے۔

حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ کا وصال

جب مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی تو حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا وہ ذبیحہ (خناق) یا شھقہ (کالی کھانسی) میں مبتلا تھے۔ ابن اسحاق نے یحییٰ بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا (حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کا وصال یہودیوں اور منافقین کے لئے بہت برا تھا انہوں نے کہا ”اگر یہ نبی ہوتے تو ان کا یہ صحابی انتقال نہ کرتا۔“ حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف اپنی ذات کے

فزع کا نسب

ابن اسحاق نے حضرت ابورویحہ عبد اللہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کو بنو فزع سے بتایا ہے اور فزع کا نسب بیان نہیں کیا۔ اہل نسب کے نزدیک فزع سے ابن شہران بن عفرس بن حلف بن افسل مراد ہے۔ افسل ہی خثعم ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اس کا نام خثعم کیوں پڑا۔ یہ انمار کا بیٹا تھا۔ انمار کے بعد ان کے نسب میں جو اختلاف ہے وہ گزر چکا ہے۔ یہ فزع، زاء کے فتح سے ہے، فزع ”زاء“ کے سکون کے ساتھ فزع بن عبد اللہ بن ربیعہ بن جندل ہے اسی طرح بنو خزاعہ میں بھی فزع تھا اسی طرح بنو کلب میں بھی ایک فزع تھا، (ابن حبیب) دارقطنی کہتے ہیں۔ الفزع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے راویوں کے آخر میں لکھا ہے کہ یہ زاء کے فتح کے ساتھ ہے

لئے اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے کوئی قدرت نہیں رکھتا۔

بنو نجار کا شرف

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت اسعد بن زرارہ کا وصال ہو گیا تو بنو نجار بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ان کے نقیب تھے انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ آپ ﷺ جانتے ہیں کہ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ ہم میں بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ آپ ﷺ ہم میں سے ایک ایسے شخص کا تقرر فرمادیں جو ان کی طرح امور کو سرانجام دیا کرے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تم میرے ماموں ہو، میں تمہارے امور کی نگرانی کروں گا اور میں ہی تمہارا نقیب ہوں گا۔“ حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا کہ وہ کسی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو مخصوص فرمائیں یہ وہ شرف تھا جسے بنو نجار اپنی قوم کے سامنے فخر سے بیان کرتے تھے کہ حضور ﷺ ان کے نقیب تھے۔

انہوں نے وہ حدیث روایت کی ہے جس میں حضور ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی سزا کا ذکر ہے۔ روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال حضور ﷺ نے حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا باندھ کر دیا اور حکم دیا کہ وہ اعلان کریں جو شخص حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے آجائے گا وہ محفوظ ہوگا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ

ابن اسحاق نے حضرت حاطب اور حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہما کی مواخات کا ذکر کیا ہے انہوں نے حضرت حاطب کو بنو اسد کا حلیف کہا ہے۔ ایک اور سیرت نگار لکھتے ہیں کہ وہ عبید اللہ بن حمید بن زہیر بن اسد بن عبد العزیٰ کے غلام تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق بنو مذحج سے تھا مگر مشہور یہ ہے کہ ان کا تعلق بنو نخم بن عدی سے تھا۔ ابو بلتعہ کا نام عمرو بن اشد بن معاذ تھا۔ بلتعہ اہل عرب کے اس قول سے مشتق ہے۔ تَبَلَّتْ الرَّجُلُ (آدمی نے مذاق کیا)۔

اذان کا آغاز

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں مطمئن ہو گئے آپ ﷺ کے مہاجر بھائی بھی وہاں جمع ہو گئے، انصار بھی شیرازہ بند ہو گئے۔ اسلام کی بنیادیں بھی مستحکم ہو گئیں تو نماز کی ادائیگی پر سکون انداز سے ہونے لگی۔ زکوٰۃ اور روزے فرض ہوئے۔ حدود قائم ہوئیں حرام و حلال کے احکامات نازل ہوئے۔ اسلام کا اجالا پھیلنے لگا۔ انصار کے شہر کو دارِ ہجرت بننے کا شرف مل گیا اور ایمان ان کے دلوں میں جا گزیں ہو گیا۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلائے بغیر ہی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاتے۔ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ نماز کے وقت اس طرح بگل بجایا جائے جس طرح یہود نماز کے وقت کے لئے بگل بجاتے ہیں، پھر

اذان کی ابتداء

ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے مگر اکثر اہل نسب نے زید بن عبد ربہ کہا ہے، ثعلبہ زید کا بھائی تھا۔ جب حضور نبی محترم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو بعض نے کہا ”نصاری کی طرح ناقوس بجایا جائے“ بعض نے کہا ”یہودیوں کی طرح بگل بجایا جائے“۔ دیگر سیرت نگاروں نے ”شبور“ کا ذکر بھی کیا ہے، اصمعی نے مفضل سے ایک شعر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ لَوْ نَضَحْتَ فِي الشُّبُورِ مَا نَفَعَكَ تَكَلُّمٌ كَلَامَ النَّبْلِ وَ أَصْبِ۔ بعض نے ”قنّ“ کا ذکر بھی کیا ہے بعض نے اسے ”قبع“ کہا ہے مگر ”قنّ“ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ اقنّ صوت سے مشتق ہے یعنی اس نے آواز بلند کی۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ”ہم آگ جلا کر بلند کریں گے جب لوگ اسے دیکھیں گے تو وہ نماز کے لئے آجائیں گے“۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم ایک شخص کو بھیجیں گے جو نماز کا اعلان کرے گا۔ ابھی مشاورت جاری تھی کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے وہ خواب دیکھا جس کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے جب انہوں نے حضور ﷺ کو یہ خواب بتایا اور آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ یہ کلمات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھا دو تو انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! میں نے یہ کلمات خواب میں سنے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ میں ہی اذان کہوں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”حضرت بلال اذان دیں گے اور تم اقامت کہو گے“۔

آپ ﷺ نے یہ ناپسند فرمایا اور ناقوس کا حکم دیا تا کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے بلایا جائے۔
ناقوس تیار کرنے کا اہتمام ہونے لگا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابھی مشاورت ہی کر رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ (بلجارت بن خزرج سے) نے خواب میں اذان سنی۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ آج رات خواب میں ایک شخص میرے پاس سے گزرا اس نے دو سبز کپڑے زیب تن کر رکھے تھے اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا

اس حدیث مبارک میں ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص اذان دے تو دوسرا اقامت کہہ سکتا ہے۔ یہ حدیث حضرت زیاد بن عبداللہ صدیقی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہے جس میں حضور ﷺ نے ان سے فرمایا۔ مَنْ أَذَّنَ فَهُوَ أَحَقُّ أَنْ يُقِيمَ جو اذان دے وہ ہی اقامت کہنے کا زیادہ مستحق ہے۔ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن زیاد بن النعمان فریقہ ہے یہ ضعیف ہے۔ پہلا نقطہ نظر درست ہے۔

انصار کا خیال ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا تو وہ بیمار تھے۔ اگر وہ مریض نہ ہوتے تو حضور ﷺ ضرور انہیں اذان کا حکم دیتے۔ اذان مسلمانوں میں سے ایک شخص کو نیند میں کیوں سکھائی گئی؟۔ دیگر عبادات اور احکام شرعیہ کی طرح اس کی وحی نبی اکرم ﷺ پر کیوں نہ ہوئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا ”إِنَّهَا لَرَوْا يَا حَقَّ“۔ یہ سچا خواب ہے۔ پھر اذان کی بنیاد اسی خواب پر رکھی گئی۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی تھی یا نہیں؟ اس حدیث میں تو کوئی نہیں دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان وحی کی وجہ سے تھا۔ حضور ﷺ نے اذان کیوں نہ دی۔ کیا ساری زندگی میں ایک مرتبہ بھی آپ ﷺ نے اذان دی یا نہیں؟

علماء نے اس میں بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں، اذان کو ایک مؤمن کے خواب کے ساتھ مختص کرنے میں وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے شب معراج ساتوں آسمانوں کے اوپر اذان سنی تھی، یہ وحی سے قوی تر ہے۔ جب مدینہ طیبہ آمد تک اذان کی فرضیت متاخر ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو نماز کے اوقات کے متعلق بتانے کا ارادہ کیا تو وحی میں توقف رہا حتیٰ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھ لیا۔ وہ خواب اس اذان سے بالکل موافقت رکھتا تھا جسے حضور ﷺ نے آسمانوں کے اوپر سنا تھا اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا، ان شاء اللہ یہ سچا خواب ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کو

میں نے اس سے کہا ”اے اللہ کے بندے! کیا تو یہ ناقوس بچے گا؟“ اس نے پوچھا ”تم یہ لے کر کیا کرو گے“ میں نے کہا۔ ہم اس سے نماز کے لئے بلایا کریں گے، اس نے کہا تمہاری راہ

اللہ تعالیٰ کی منشاء معلوم ہوئی کہ اس نے آسمانوں کے اوپر اذان کیوں سنائی تھی تاکہ وہ زمین میں سنت ہو جائے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خواب میں اذان سن لی جس سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے خواب کو تقویت ملی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق جاری تھا۔

حکمت الہیہ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اذان حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور مؤمن کی زبان سے جاری ہو کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے عبد کامل کی تعظیم تھی اور اس کے ذکر کی رفعت تھی اور عظمت و رفعت کا اعلان اگر دوسرے لوگ کریں تو اس سے شان کا اظہار زیادہ ہوتا ہے ارشاد ربانی ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (انشراح) ”اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو“۔ یہ بھی رفعت ذکر کی ایک عظیم صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے کی زبان پر آپ ﷺ کی تعریف جاری کی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث مبارک کو کس نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اذان کا مشاہدہ ساتویں آسمان کے اوپر کرایا گیا ہم اسے جواب دیں گے کہ یہ حدیث مسند ابی بکر احمد بن عمرو بن عبدالحق المزہار میں ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرّم ﷺ کو اذان کی تعلیم دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ براق تھا جب حضور ﷺ اس براق پر سوار ہونے لگے تو وہ چلنے لگا۔ حضرت جبرائیل نے اس سے کہا پرسکون ہو جا اللہ کی قسم! آج تک تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو بارگاہ ربوبیت میں محمد عربی ﷺ سے زیادہ معزز و محترم ہو۔ حضور ﷺ براق پر سوار ہو گئے وہ حضور ﷺ کو لے کر وہاں پہنچا جہاں صرف ایک حجاب تھا۔ حضور ﷺ وہاں تشریف فرما تھے کہ حجاب سے ایک فرشتہ نکلا حضور ﷺ نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ قرب خداوندی مجھے حاصل ہے میں نے آج پہلی مرتبہ اس فرشتے کو دیکھا ہے اس فرشتے نے کہا، اَیُّلَہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، پردے کے پیچھے سے اے جواب دیا گیا ”میرے بندے نے سچ کہا ہے میں ہی سب سے بڑا ہوں میں ہی سب سے بڑا ہوں“ پھر فرشتے نے کہا۔ اَشْہَدُ اَنَّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی ”میرے بندے نے سچ کہا ہے میں ہی معبود ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں“۔ فرشتے نے کہا اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ پردے کے پیچھے سے کہا گیا ”میرے بندے نے سچ کہا ہے میں نے ہی محمد عربی ﷺ کو مبعوث کیا ہے“ فرشتے نے کہا

نمائی اس سے بہتر چیز کی طرف نہ کروں میں نے کہا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا ”کہو اللہ اکبر، اللہ اکبر، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَتّٰی عَلٰی الصَّلٰوۃِ، حَتّٰی عَلٰی الصَّلٰوۃِ۔“

حَتّٰی عَلٰی الصَّلٰوۃِ، حَتّٰی عَلٰی الْفَلَاحِ۔ پھر اس نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر۔ پردے کے پیچھے سے آواز آئی ”اَنَا اَكْبَرُ، اَنَا اَكْبَرُ“ میں ہی بڑا ہوں، میں ہی بڑا ہوں“ پھر فرشتے نے کہا ”لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ“ پردے کے پیچھے سے کہا گیا ”میرے بندے نے سچ کہا ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر فرشتے نے حضور ﷺ کے دست اقدس کو پکڑا اور آپ ﷺ کو مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیا، آپ ﷺ نے تمام اہل آسمان کو امامت کرائی ان میں حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما بھی موجود تھے۔ ابو جعفر محمد بن علی کہتے ہیں ”اس روز اللہ تعالیٰ نے تمام اہل آسمان اور اہل زمین پر حضور ﷺ کی فضیلت کو مکمل کر دیا۔“

حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث مبارک صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ شب معراج کی دیگر احادیث اس کی تائید بھی کرتی ہیں اور اس کے ساتھ مشابہت بھی رکھتی ہیں اور اسراء کی حدیث نماز کے تمام اسرار نہاں کو عیاں کرتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو جو بندے کی رب کے ساتھ مناجات ہے زمین پر فرض نہ کیا بلکہ حضرۃ الہیہ میں اسے فرض کیا گیا۔ بیت المعمور کے پاس یہ فرض ہوئی ہم نے اس کی کچھ ضاحت پہلے کر دی ہے۔ اگر اس کے ساتھ وہ حدیث بھی ملا لی جائے جسے امام بزار نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور جس کا تذکرہ ابھی ہوا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ روایت ہے کہ شب معراج حضور ﷺ ایسے ملائکہ کے پاس سے گزرے جو قیام میں تھے۔ کچھ ملائکہ کے پاس سے گزرے وہ رکوع میں تھے اور بعض سجدہ اور بعض قعدہ میں تھے، تمام اللہ تعالیٰ کیلئے نماز ادا کر رہے تھے۔ حضور ﷺ پر فرض کردہ نماز میں تمام احوال کو جمع کر دیا گیا، جب آپ ﷺ مقام ”دَنَا فَتَدَلّٰی“ پر پہنچے تو الہام ہوا کہ یوں عرض کریں۔ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ۔ ملائکہ نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔ ملائکہ نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ تشہد میں یہ تمام کلمات جمع کر دیئے گئے۔ ذرا غور و فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حضور ﷺ اور امت محمدیہ پر مشروع فرمایا کہ وہ شب و روز میں نو مرتبہ پانچوں نماز میں نو قعدوں میں ”التحیات“ کے بعد یہ کہیں۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔ وہ بارگاہ ربوبیت سے خود بھی مبارک اور پاکیزہ سلام لیتے ہیں اور دوسرے لوگوں پر بھی سلام بھیجتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔

عَلَى الْفَلَاحِ، حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ- اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ-

جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو یہ خواب سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”ان شاء اللہ! یہ ایک سچا خواب ہے بلال کو اذان کے کلمات سکھا دو وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں“ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسے سن لیا وہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے لئے تیزی سے گھر سے

فَسَلُّوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ ”تو سلامتی کی دعا دو اپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔“ اسی لئے شاید حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے۔ ”الطَّيِّبَاتُ الْبَّارَكَاتُ“۔ ذرا غور کرو کہ کس طرح نو مرتبہ سلام کیا اور لیا جاتا ہے۔ ساتوں آسمانوں کے ملائکہ کو یہ سلام کرتے ہیں وہ بھی سلام کا جواب دیتے ہیں، اسی طرح کرسی اور عرش کے ملائکہ بھی انہیں سلام کا جواب دیتے ہیں یہ بھی تعداد نو ہو گئی اس طرح تشہد کو نماز میں اتنی ہی مرتبہ رکھا گیا جتنی مرتبہ ایک بندہ سلام کرتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیا جاتا ہے، یہ تمام بارگاہ ربوبیت کی طرف سے مبارک ”تحیات“ ہیں، ہم نے یہ تمام نکات سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ کی شرح میں رقم کر دیئے ہیں، جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اگر انہیں دوسرے نکات سے ملایا جائے تو نماز کے اسرار پنہاں اور فوائد جلیلہ عیاں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شب معراج کی احادیث میں بہت سے اسرار ہیں۔ اسی طرح اذان میں بھی بہت سے لطیف معانی اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ تکبیر سے اذان کا آغاز اور اسی سے اس کا اختتام کرنے میں حکمت اور اس کے تکرار میں بھی حکمت ہے۔ اذان کے آغاز میں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اختتام میں صرف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ذکر کرنے میں حکمت ہے۔ ان تمام میں اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو سینوں کو ہیبت اور دلوں کو نورِ محبت سے بھر دیتی ہیں، اسی طرح نماز کے شفع اور وتر میں اس کے ارکان میں تکبیر، آغاز میں رفع یدین، بیت اللہ کی طرف منہ کرنے اور اس کے لئے وضوء کرنے میں ایسی حکمتیں اور لطیف معانی ہیں جو سینے کی ٹھنڈک میں اضافہ کرتے ہیں، وہ چشم بصیرت کو ضیاء اور نور کا سرمہ لگاتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اس میں فلسفیوں کی طرح یا بدعتیوں کی طرح کوئی رائے قائم کریں۔ یا ایسی رائے قائم کریں جو دلیل شرعی کے بغیر ہو بلکہ یہ تو ایسے اسرار ہیں جن کے متعلق کتاب و سنت اور شریعت میں اشارات ملتے ہیں وہ ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۱۰ (النساء) ”اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی

نکلے ان کی چادر نیچے گھسٹی جا رہی تھی۔ وہ عرض کناں تھے، ”یا رسول اللہ! ﷺ مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میں نے بھی اسی قسم کا خواب دیکھا ہے حضور ﷺ نے فرمایا، ”لِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ“۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابن جریج نے کہا ہے کہ مجھے حضرت عطاء نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں ”میں نے حضرت عبید بن عمیر سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز کے لئے جمع ہونے کے لئے ”ناقوس“ کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناقوس کے لئے لکڑیاں خریدنا ہی چاہتے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کسی کہنے والے نے ان سے کہا۔ ”ناقوس بجانے کا مشورہ نہ کرو بلکہ نماز کے لئے اذان دیا کرو“۔ حضور ﷺ کو اپنا خواب بیان کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے لیکن اس وقت اذان کے متعلق وحی نازل ہو چکی تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے رہے تھے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اپنا خواب عرض کیا تو آپ ﷺ نے

طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر“۔ لیکن ہم نے ایسے اسرار کو بیان کرنے سے خود ہی اعراض کیا ہے کیونکہ ہمارا ایک اور مقصود ہے جسے ہم نے کتاب کے آغاز میں ذکر کر دیا ہے، ہم نے وہاں قاری سے وعدہ کیا تھا کہ ہم مشکل الفاظ کی شرح، نسبوں کی تفصیل اور آداب کے متعلق لکھیں گے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ (یوسف: ۱۸) ”اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا“۔

ابن اسحاق کی روایت سے حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب اور اس کی کیفیت معلوم ہو گئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کس طرح اذان سنی اس کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔ صرف اسی قدر تذکرہ ملتا ہے کہ میں نے بھی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی طرح خواب دیکھا لیکن مسند حارث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ حارث بن ابی اسامہ نے اپنی سند میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”سب سے پہلے آسمان دنیا پر حضرت جبرائیل نے اذان دی، حضرت عمر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اسے سنا“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پہلے بارگاہ رسالت میں پہنچ گئے اور اس کے متعلق عرض کی حضور ﷺ نے حضرت بلال سے کہا ”تم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سبقت لے گئے ہیں“۔

اس حدیث مبارک کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اذان عالم بیداری میں سنی اس طرح حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی غیند اور بیداری کے مابین تھے وہ کہتے تھے اگر میں چاہوں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں بیداری کے عالم میں تھا۔

ان سے فرمایا اس مسئلہ میں وحی تم سے سبقت لے گئی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حضرت عروہ بن زبیر سے اور وہ بنو نجار کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں، وہ خاتون کہتی ہیں ”میرا گھر ان تمام گھروں سے بلند تھا جو مسجد نبوی کے گرد و نواح میں تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہر صبح اذان اسی کی چھت پر کھڑے ہو کر دیتے تھے۔ وہ سحری کے وقت آتے چھت پر بیٹھ کر فجر کا انتظار کرتے۔ جب فجر کو پھلتے ہوئے دیکھتے تو کہتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُكَ وَاسْتَغْنِیْكَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَنْ یَّقِیْمُوْا عَلٰی دِیْنِكَ۔ مولا! میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں قریش کے خلاف تجھ سے مدد کا طلب گار ہوں مگر یہ کہ وہ تیرے دین پر کھڑے ہو جائیں۔“ وہ خاتون فرماتی ہیں، ”مجھے یاد نہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگنا ایک رات بھی ترک کیا ہو۔“

حضرت ابو قیس بن ابی انس رضی اللہ عنہ

جب نبی محترم ﷺ کو مدینہ طیبہ میں قدرے اطمینان و سکون ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں اپنے دین متین کو غلبہ عطا فرمایا۔ مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم) کو وہاں جمع فرما کر حضور ﷺ کو قلبی سکون عطا فرمایا تو ابو قیس صرمہ بن ابی انس (ان کا تعلق بنو عدی بن نجار سے تھا) نے کہا۔

کیا حضور اکرم ﷺ نے کبھی خود اذان دی۔ امام ترمذی نے عمر بن رماح کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سفر میں اذان دی اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو امامت کرائی وہ اپنی اپنی سواریوں پر ہی رہے آسمان ان کے اوپر اور زمین ان کے نیچے تھی۔ بعض لوگوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے خود اذان دی، دارقطنی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے مگر انہوں نے عمر بن رماح کا ذکر نہیں کیا، باقی سند اور متن میں موافقت کی ہے، انہوں نے لکھا ہے، فَقَامَ الْمُؤَذِّنُ فَآذَنَ۔ مؤذن اٹھا اور اذان دی انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ مؤذن حضور ﷺ تھے۔ متصل حدیث مجمل اور محتمل کے خلاف فیصلہ دے رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو قیس صرمہ بن ابی انس رضی اللہ عنہ

ابو انس کا نام قیس بن صرمہ بن مالک بن عدی بن عمرو بن غنم بن عدی بن نجار تھا ان کے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی یہ آیت نازل ہوئی۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةُ الْقِیَامِ وَالرَّکْعَتِ اِلٰی نَسَائِکُمْ اَنْ یَّسَیَّرَ لَیْسَ لَکُمْ وَاَنْتُمْ لَیْسَ لَکُمْ عَلَیْمَ اللّٰهِ اَلَمْ یَعْلَمِ اللّٰهُ اَنْتُمْ تَخْتَالُوْنَ اَلْفَسْکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَ

ابن ہشام کہتے ہیں، ابوقیس کا نسب یہ ہے صرمہ بن ابی انس بن صرمہ بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے موٹے کپڑے پہن لئے اور بتوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ جنابت سے غسل کرنے لگے اور حیض والی عورتوں سے دور رہنے لگے۔ پہلے نصرانی ہو جانے کا سوچا لیکن پھر یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اپنے ایک کمرہ میں داخل ہو گئے اسے ہی اپنی مسجد بنا لیا، حائضہ اور جنبی کو وہاں جانے کی کوئی اجازت نہ تھی، وہ کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کرتا ہوں۔ انہوں نے بت پرستی کو چھوڑ دیا اور اس سے سخت نفرت کرنے لگے۔ جب تاجدار

عَفَا عَنْكُمْ ۖ قَالَتْ بَايَسُ رُوْهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۖ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا (بقرہ: ۱۸۷)

آیت کا پہلا حصہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرا حصہ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آغاز اسلام میں رمضان المبارک میں سونے کے بعد عورتوں سے جماع کرنا حرام تھا۔ اسی طرح سونے کے بعد کھانا، پینا بھی حرام تھا۔ ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے وظیفہ زوجیت ادا کرنا چاہا، انہوں نے کہا میں سو چکی ہوں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ”تو جھوٹ بول رہی ہے“، پھر وظیفہ زوجیت ادا کر دیا۔ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے، روزہ رکھا ہوا تھا، تھکاوٹ نے نڈھال کر دیا۔ افطاری سے پہلے ہی سو گئے۔ آپ کی زوجہ کھانا لے کر آئیں تو دیکھا کہ حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ سو چکے تھے ان کی بیوی نے کہا اب آپ کیلئے کھانا پینا حرام ہو چکا ہے۔ انہوں نے اسی طرح رات گزار دی اور صبح پھر اپنے باغ میں کام کرنے چلے گئے۔ وہاں سے حضور ﷺ کا گزر ہوا۔ حضرت ابوقیس پر لاغری اور ناتوانی کے اثرات نمایاں تھے۔ بھوک، پیاس اور تھکاوٹ نے نڈھال کر دیا تھا۔ حضور ﷺ کے استفسار پر انہوں نے ساری داستان بیان کر دی جسے سن کر نبی رحمت ﷺ کی پشیمان مقدس سے آنسو رواں ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رات کو کھانے پینے اور جماع کی رخصت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی وجہ سے آیت کا آغاز ان کی حکایت سے ہوا اور فرمایا قَالَتْ بَايَسُ رُوْهُنَّ (آیت: ۱۸۷) پھر حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ کی داستان کے متعلق فرمایا وَكُلُوا وَاشْرَبُوا۔ صوفیاء کے بعض سرخیل فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خطاء ہوئی اور اس کے سبب تمام امت پر رحم ہو گیا۔

مدینہ ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو اسلام قبول کر لیا اور اپنے اسلام کو عمدہ کیا۔ ابو قیس بہت عمر رسیدہ تھے، وہ زمانہ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ کے بارے اشعار کہتے تھے۔ وہ اپنے اشعار میں کہتے ہیں:-

يَقُولُ أَبُو قَيْسٍ وَأَصْبَحَ غَادِيَا أَلَا مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ وَصَاتِي فافْعَلُوا
فَأَوْصِيكُمْ بِاللَّهِ وَالْبِرِّ وَالتَّقَى وَأَعْرَاضَكُمْ وَالْبِرِّ بِاللَّهِ أَوَّلُ
وَإِنْ قَوْمَكُمْ سَادُوا فَلَا تَحْسُدُوهُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ أَهْلَ الرِّيَاسَةِ فاعْدِلُوا
صبح کے وقت ابو قیس نے کہا ”ارے! تم میں جتنی قدرت ہے اتنا ہی میری نصیحتوں پر عمل کر لو۔ میں تمہیں اللہ کے احکام پر عمل پیرا ہونے، نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں نیز اپنی عزتوں کی پاسداری کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نیکی کرنا سب سے مقدم ہے۔ تمہاری قوم کے کچھ لوگ سردار بن گئے ہیں ان سے حسد نہ کرو اور اگر تمہیں اقتدار مل جائے تو عدل کرو۔“

وَأَنْ نَزَلَتْ إِحْدَى الدَّوَاهِي بِقَوْمِكُمْ فَأَنْفُسَكُمْ دُونَ الْعَشِيرَةِ فاجْعَلُوا
وَإِنْ تَابَ غَرَمٌ فَادْخُ فَارْفَقُوهُمْ وَمَا حَمَلُوكُمْ فِي اللَّيْلَاتِ فَاحْمِلُوا
وَإِنْ أَنْتُمْ أَمَعَرْتُمْ فَتَعَفَّفُوا وَإِنْ كَانَ فَضْلُ الْخَيْرِ فِيكُمْ فَافْضِلُوا
اگر تمہاری قوم پر ناگہانی آفت آجائے تو اپنی جانوں کو اپنے قبیلہ پر نثار کر دو۔ اگر بہت

وَالْبِرُّ بِاللَّهِ أَوَّلُ

الْبِرُّ مبتداء ہے اور اَوَّلُ اس کی خبر ہے، ظاہر احتمال تو یہ ہے کہ اول ظرف ہو اور اَلْبِرُّ کی خبر ہو مگر وہ ظروف جو مبنی بر ضمہ ہوں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مبتداء کی خبر ہوں تو اس طرح نہیں کہہ سکتا، اَلْصَّلَاةُ قَبْلُ۔ مگر اَلْصَّلَاةُ قَبْلُ گدا کہنا درست ہے، اسی طرح وَالْخُرُوجُ بَعْدُ کہنا بھی درست نہیں مگر اَلْخُرُوجُ بَعْدُ گدا کہنا درست ہے۔ اس میں ایک دقیق راز ہے۔ ابن جنی نے جس کا سرسری تذکرہ کیا ہے تفصیل نہیں لکھی۔ جو بات ان ظروف کو اس طرح استعمال کرنے سے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ غایات ہیں ان کے عامل افعال وہی ہوتے ہیں جو ان سے پہلے ذکر ہوتے ہیں کیونکہ یہ پہلے افعال کے لئے غایات ہوتے ہیں اگر ان کے ساتھ ایسا فعل نہ ہو جو ان میں عمل کر رہا ہو تو یہ ذکر کردہ شئی کے لئے غایت نہ ہوگا اس میں عامل معنوی ہوگا اور وہ عامل ”استقرار“ ہے یہ معنوی طور پر کسی دوسری چیز کی طرف مضاف ہے اس کا مضاف الیہ معنوی ہے لفظی نہیں ہے ایک معنوی عامل دوسرے معنوی عامل پر دلالت نہیں کرتا۔ اس پر ظاہری لفظی عامل ہی دلالت کرتا ہے۔ اَوَّلُ پر ضمہ اعراب کی

بھاری تاوان آپڑے پھر بھی، ان سے نرمی کرو اور آفات میں وہ جو بھی بوجھ تم پر ڈالیں اسے اٹھا لو۔ اگر تم مفلس ہو جاؤ تو ان سے سوال نہ کرو اور اگر تمہارے پاس مال و دولت ضرورت سے زیادہ ہو تو اسے اپنی قوم پر خرچ کرو۔

ابن ہشام کہتے ہیں، ایک روایت کے مطابق وَإِنْ نَدَبَ أَمْرٌ فَاوْخَ فَاَرِفْدُوهُمْ ہے۔

حضرت ابو قیس کا دوسرا قصیدہ

سَبِّحُوا اللَّهَ شَرْقَ كُلِّ صَبَاحٍ طَلَعَتْ شَمْسُهُ وَ كُلِّ هَلَالٍ
عَالِمُ السِّرِّ وَالْبَيَانِ لَدَيْنَا لَيْسَ مَا قَالَ رَبَّنَا بِضَلَالٍ
وَلَهُ الطَّمَرُ تَسْتَرِيدُ وَ تَأْوِي فِي وَكُودٍ مِنْ آمِنَاتِ الْجِبَالِ
ہر روز فجر کے ظہور کے وقت، طلوع آفتاب کے وقت اور چاند کے نکلنے کے وقت اس کی تسبیح بیان کرو، ہمارے نزدیک وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے، ہمارے رب کا فرمان کبھی گمراہی و ضلالت نہیں ہو سکتا، پرندے اسی کے لئے جھکتے ہیں اور وہ پر امن پہاڑوں میں اپنے گھونسلوں میں رہتے ہیں۔

وَلَهُ الْوَحْشُ بِالْفَلَاحِ تَرَاهَا فِي حِقَافٍ وَ فِي ظِلَالِ الرِّمَالِ

حرکت ہے، بناء کی حرکت نہیں اگر کہا جاتا اِبْدَاً بِذِيٍّ اَوَّلُ اول پر ضمہ مبنی ہونے کی وجہ سے ہوتا مگر جس نے اس طرح روایت کیا ہے وَالْبِيْرُ بِاللَّهِ اَوَّلُ (بر کی راہ پر کسرہ ہے) تو اس صورت میں اول مبنی بر ضمہ ظرف ہے جس میں اَوْصِيَكُمْ عَمَلٍ کر رہا ہے۔ اَمَعَرْتُمْ کا معنی ہے جب تمہیں فقر و فاقہ کا سامنا کرنا پڑے

سَبِّحُوا اللَّهَ شَرْقَ كُلِّ صَبَاحٍ

الشرق سے مراد طلوع آفتاب ہے سورج کا ایک نام شرق بھی ہے۔ اسے شَرْق بھی پڑھا گیا ہے۔ كُلِّ هَلَالٍ ظرف کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وَقْتُ كُلِّ هَلَالٍ۔ لیکن كُلِّ قَمَرٍ میں اس طرح جائز نہیں کیونکہ اہل عرب "الْهَلَالُ" کو کبھی کبھی مصدر کی جگہ پر بھی استعمال کر لیتے ہیں مثلاً "الْلَهْلَةُ الْهَلَالُ" اس لئے اس کا ظرف بننا صحیح ہے کیونکہ مصادر کبھی کبھی ظرف بھی بنتے ہیں۔ اس میں کئی راز ہیں جن کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اگر صباح پر عطف کر کے "كُلِّ هَلَالٍ" پڑھا جاتا تو یہ درست نہ ہوتا کیونکہ "الْمَشْرِقُ" جس طرح الصَّبَاح کی طرف مضاف ہوتا ہے اس طرح "الْهَلَالُ" کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا۔

وَلَهُ هَوْدَتُ يَهُودٌ وَدَانَتْ كُلُّ دِينٍ إِذَا ذَكَرْتَ عُضَالٍ
وَلَهُ شَمْسُ النَّصَارَى وَ قَامُوا كُلُّ عِيْدٍ لِرَبِّهِمْ وَ اخْتِفَالٍ
وہ جانور جنہیں تو جنگلات، ریت کے تودوں اور ٹیلوں کے سایوں میں دیکھتا ہے وہ سب اسی کی
ملکیت ہیں۔ یہودیوں نے اسی کی طرف ہی رجوع کیا ہے اور پوری طرح اس کی اطاعت کی
ہے اس کے علاوہ تو جس دین کا بھی ذکر کرے گا وہ مرض لا علاج ہوگا۔ اسی ذات کے لئے
عیسائیوں نے دھوپ تاپی اور عید اور ہر محفل میں اپنے رب کے حضور ایستادہ رہے۔

وَلَهُ الرَّاهِبُ الْحَبِيسُ تَرَاهُ دَهْنٌ بُوْسٍ وَ كَانَ نَاعِمَ بَالٍ
يَا بِنَى الْأَرْحَامِ لَا تَقْطَعُوْهَا وَصِلُوْهَا قَصِيْرَةً مِنْ طَوَالٍ
وَ اتَّقُوا اللَّهَ فِي ضِعَافِ الْيَتَامَى رَبَّنَا يُسْتَحَلُّ غَيْرُ الْحَلَالِ
اسی کے لئے تو تارک الدنیا راہب کو دیکھے گا کہ وہ بھوک اور محتاجی میں مبتلا ہے حالانکہ وہ
آرام و سکون سے تھا۔ اے میرے بچو! قطع تعلق نہ کرو، صلہ رحمی کرو تمہارے لوگ عظیم خاندان

شَمْسُ النَّصَارَى

اس سے شماسہ کا دین مراد ہے یہ وہ راہب تھے جو اپنے آپ کو دھوپ میں کھڑا رکھتے تھے وہ اپنے گمان
کے مطابق اس طرح اپنے نفوس کو عذاب دیتے تھے۔

الْأَرْحَامُ کو منصوب پڑھنا بہتر ہے کیونکہ یہ نبی کا مقام ہے۔ ہم نے اپنی دوسری تصنیف میں لکھا
ہے کہ رحم الارحام کا مادہ اشتقاق کیا ہے اور رحم مادر کو رحم اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ماں اپنے بچے پر
انتہائی شفیق ہوتی ہے۔ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کی تخلیق کے وقت سے ہی ”ماں“ میں رحم و
شفقت کے جذبات رکھے گئے ہیں۔ ہم نے وہاں لکھا ہے کہ حسن سلوک میں تو والدہ کا حصہ زیادہ ہے
لیکن میراث میں والد کا حصہ زیادہ ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اس میں کئی اسرار بدیعہ اور لطیف معانی پوشیدہ
ہیں، ہم نے ”کتاب الفرائض“ میں ان کا تذکرہ کر دیا ہے۔

قَصِيْرَةً مِنْ طَوَالٍ

اس مختصر عبارت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو ان سے حسن سلوک
کرو اگرچہ وہ اس سے قاصر بھی ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات
سے کہا۔ ”تم میں سے سب سے پہلے مجھے وہ ملے گی جس کے ہاتھ لے لوں گے۔“ ازواج مطہرات

سے ہیں۔ کمزور یتیموں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ بعض اوقات اس چیز کو حلال سمجھ لیا جاتا ہے جو حلال نہیں ہوتی۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ لِلْيَتِيمِ وَلِيًّا عَالِمًا يَهْتَدِي بِغَيْرِ السَّنَوَالِ
ثُمَّ مَالِ الْيَتِيمِ لَا تَأْكُلُوهُ إِنَّ مَالِ الْيَتِيمِ يُرْعَاهُ وَالِيُّ
يَا بَنِي التَّخُومِ لَا تَخْزَلُوهَا إِنَّ خَزَلَ التَّخُومِ ذُو عُقَالٍ
خوب جان لو کہ یتیم کا بھی ایک ولی ہے۔ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے اور بغیر پوچھے ہر چیز سے آشنا ہوتا ہے۔ یتیم کا مال ہر گز نہ کھاؤ کیونکہ اس کے مال کی نگرانی ایک حاکم کرتا ہے۔ اے

رضی اللہ عنہن ایک جگہ جمع ہو کر اپنے ہاتھوں کی پیمائش کرنے لگیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ طویل تھے مگر ان میں سے سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وصال فرمایا۔ حضور ﷺ نے ہاتھ کی طوالت سے صدقہ اور نیکی میں زیادتی مراد لی تھی اور یہ خوبی حضرت زینب بنت جحش میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ ۲۔ شاعر نے یہ مصرعہ اپنی قوم کی مدح میں کہا ہو کہ وہ قوم اتنی مشہور ہے کہ تھوڑا سا نسب بیان کرنے سے ان کا تعارف ہو جاتا ہے۔ جس طرح کسی شاعر نے کہا ہے۔

أَحَبُّ مِنَ النِّسْوَانِ كُلِّ طَوِيلَةٍ لَهَا نَسَبٌ فِي الصَّالِحِينَ قَصِيرٌ
میں طویل عورتوں میں سے اس عورت کو پسند کرتا ہوں جس کا نسب پاکیزہ لوگوں میں بہت مختصر ہے۔ الطائی کہتا ہے۔

أَنْتُمْ بَنُو النَّسَبِ الْقَصِيرِ وَطَوْلُكُمْ بَادٍ عَلَى الْكِبَرَاءِ وَالْأَشْرَافِ
تم بہت مختصر نسب والے ہو حالانکہ تمہاری طوالت عظیم اور بڑے سرداروں پر عیاں ہے۔
نسب قصیر سے مراد یہ ہے کہ انسان کہے "أَنَا ابْنُ فُلَانٍ" اس کی فوراً پہچان ہو جائے۔ یہ سرداروں کی صفت ہوتی ہے جو سردار نہیں ہوتا اس کی پہچان اس طرح نہیں ہوتی۔ اس کے نسب کی فہرست طویل ہوتی ہے حتیٰ کہ اس شخص تک پہنچ کر اس کی پہچان ہوتی ہے جس کے نام پر قبیلے کا نام رکھا جاتا ہے، رُوْبَہ کہتا ہے مجھ سے اہل نسب نے پوچھا تو کون ہے اپنا نسب بیان کر میں نے کہا رُوْبَہ بن عجاج انہوں نے کہا قَصُرَتْ وَعُوفَتْ۔ تو نے انتہائی مختصر نسب بیان کیا مگر تیری پہچان ہو گئی۔

التَّخُومُ

یہ تَخُومۃ کی جمع ہے بعض نے واحد تَخْم اور جمع تَخُوم بتائی ہے۔ اس سے مراد حدود ہیں۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں، التَّخُومُ کا معنی شہروں اور بستیوں کی حدود ہیں۔ یہ کھیتیوں کی حدود کے لئے استعمال

میرے بچو! زمین کی حدود میں خیانت نہ کرو کیونکہ حدود میں خیانت خائن کو پیچھے لے جاتی ہے۔
 يَا بَنِيَّ الْآيَّامَ لَا تَأْمَنُوهَا وَأَحْذَرُوا مَكْرَهَا وَمَرَّ اللَّيَالِي
 وَأَعْلَمُوا أَنَّ مَرَّهَا لِنَفَادِ الْخَلْقِ مَا كَانَ مِنْ جَدِيدٍ وَبَالِي
 وَاجْتَمَعُوا أَمْرَكُمْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَتَرَكِ الْخَنَا وَاخْذِ الْحَلَالَ
 اے میرے فرزندو! زمانہ سے امن میں نہ ہو جاؤ۔ شب و روز کے مکر سے بچو۔ جان لو کہ
 زمانہ کی رو مخلوق کو ختم کر دیتی ہے خواہ وہ پرانی ہو یا نئی۔ نیکی، تقویٰ، فحش گوئی نہ کرنے اور حلال
 روزی کمانے پر اتفاق کرلو۔

اللہ نے اسلام کی وجہ سے ان پر جو بے حد نوازشات کیں اور حضور ﷺ کے وجودِ مسعود
 سے انہیں جو برکات ملیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ابو قیس کہتے ہیں۔

ثَوِي فِي قُرَيْشٍ بَضْعَ عَشْرَةَ حِجَّةً يُذَكِّرُ لَوْ يَلْقَىٰ صَدِيقًا مَوَاتِيًا
 وَ يَعْزِضُ فِي أَهْلِ الْوَأَسِمِ نَفْسَهُ فَلَمْ يَرَ مِنْ يُوَوِي وَ لَمْ يَرَ دَاعِيًا
 فَلَمَّا آتَانَا أَظْهَرَ اللَّهُ دِينَهُ فَاصْبَحَ مَسْرُورًا بِطِيبَةِ رَاضِيًا
 حضور ﷺ تقریباً دس سال قریش میں وعظ و نصیحت فرماتے رہے اس امید پر کہ شاید انہیں
 کوئی مخلص دوست مل جائے۔ آپ ﷺ ایامِ حج میں اپنی ذاتِ مطہرہ لوگوں پر پیش کرتے
 نہیں ہوتا۔ الْعُقَالُ۔ ہر وہ چیز جو انسان کو چلنے سے روک دے عقال کہلاتی ہے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے
 کہ ظلم، انسان کو آگے ترقی کرنے سے روک دیتا ہے اور دوڑ میں پیچھے کر دیتا ہے اور استحقاق کے میدان
 اس پر تنگ کر دیتا ہے۔

افنون تغلبی

اس کا نام صریم بن معشر بن زہل بن تیم بن عمرو بن عمرو بن مالک بن حبیب بن عمرو بن غنم بن
 تغلب تھا۔ امام سیہلی فرماتے ہیں کہ ابن درید کے اس مصرعے کی وجہ سے اس کا نام افنون پڑا۔ مَنِيَّتَنَا
 الْوَدْيَا أَفْنُونُ مَظْنُونُ۔ افنون نرم شاخ کو کہا جاتا ہے، بڑھیا کو بھی افنون کہتے ہیں۔ یہی افنون کہتا ہے۔

لَوْ أَنِّي كُنْتُ مِنْ عَادٍ وَ مِنْ إِرَمٍ غَدِيٌّ بِهِمْ وَ لُقْمَانُ وَ ذِي حَدَنٍ
 لَمَّا وَقُوا بِأَحْبِهِمْ مِنْ مَهْوَلِهِ أَعَا السُّكُونُ وَ لَا جَارُوا عَنْ السُّنَنِ
 آئِي حَزُوا عَامِرًا سِوَىٰ بِفِعْلِهِمْ أَمْ كَيْفَ يَجْزَوْنِي السُّوَىٰ مِنَ الْحَسَنِ
 أَمْ كَيْفَ يَنْفَعُ مَا تُعْطَى الْعُلُوقُ بِهِ رِثْمَانُ أَفْوَ إِذَا مَاضٍ بِاللَّبَنِ

رہے لیکن آپ ﷺ نے کسی کو نہ دیکھا جو آپ ﷺ کو پناہ دیتا یا ایسا شخص نہ دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا ہوتا۔ جب آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو غالب کر دیا۔ آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں سرور اور خوش ہو گئے۔

وَأَلْفَىٰ صَدِيقًا أَطْمَأَنَّتْ بِهِ النَّوَىٰ وَ كَانَ لَهُ عَوْنًا مِنَ اللَّهِ بِأَوَّيَا
يَقْصُ لَنَا مَا قَالَ نُوحٌ لِقَوْمِهِ وَ مَا قَالَ مُوسَىٰ إِذْ أَحَابَ الْمُنَادِيَا
فَأَصْبَحَ لَا يَخْشَىٰ مِنَ النَّاسِ وَاحِدًا قَرِيبًا وَ لَا يَخْشَىٰ مِنَ النَّاسِ نَاقِبًا
آپ نے دوست قبیلہ پالیا جس سے آپ ﷺ کی غریب الوطنی مطمئن ہو گئی۔ آپ ﷺ ہمارے لئے ایک عیاں معاون ثابت ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہمیں وہی کچھ فرمایا جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منادی کو جواب دیا وہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ اب آپ ﷺ لوگوں میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ڈرتے خواہ وہ قریب ہو یا دور۔

بَدَلْنَا لَهُ الْأَمْوَالَ مِنْ حَلٍّ مَالِنَا وَ أَنْفُسَنَا عِنْدَ الْوَعَىٰ وَ التَّاسِيَا
وَ نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ لَا شَيْءَ غَيْرُهُ وَ نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ أَفْضَلُ هَادِيَا
نُعَادِي الَّذِي عَادَىٰ مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ جَمِيعًا وَ إِنْ كَانَ الْحَبِيبُ الْمُصَافِيَا
ہم نے جنگ اور ہمدردی کے وقت آپ ﷺ پر اپنے حلال مال اور جانیں نثار کیں ہم نے جان لیا کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے اور ہم نے یہ بھی جان لیا کہ اللہ تعالیٰ سب سے

اگر میرے بنو عاد یا بنو ارم، بنو بھم و لقمان اور ذی جدن میں سے ہوتا تو وہ اپنے بھائی کے عوض سکون والے کو خوفناک چیز سے نہ بچاتے اور نہ ہی وہ رستوں پر رواں ہوتے۔ انہوں نے بنو عامر کو ان کے برے فعل کی جزا کیسے دی یا انہوں نے میرے حسن سلوک کی جزا برائی سے کیسے دی وہ شخص جس کے ساتھ موت آگئی ہو اس کو ناک کا پانی کیسے فائدہ دے سکتا ہے جبکہ دودھ دینے پر لوگ کنجوسی کا اظہار کریں۔

ابن ہشام کا یہ قول کہ مذکورہ دونوں اشعار افنون تغلشی کے ہیں مؤرخین نے بھی ذکر کیا ہے انہوں نے ان کے پس منظر ایک واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ افنون قافلہ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوا کارواں ایک ٹیلے کے پاس سے گزرا جس کا نام ”الہیہ“ تھا۔ اس سے قبل ایک کاہن نے افنوں کو بتایا تھا کہ وہ اسی جگہ مرے گا جب وہ قافلہ ٹیلے کے پاس پہنچا اور افنون کو اس کے متعلق علم ہوا تو اس نے وہاں سے گزرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اہل کارواں وہاں سے گزرنے پر ہی مصر تھے۔ انہوں نے افنوں سے کہا۔ تم یہاں اپنی سواری سے نہ اترنا ہم یہاں سے بھاگ کر گزریں گے۔ جب افنون اس ٹیلے کے قریب

افضل راہ نما ہے تمام لوگوں میں سے جس سے حضور ﷺ نے دشمنی کی ہم بھی اس کے دشمن ہیں، اگرچہ وہ دشمن جگری دوست ہی کیوں نہ ہوں۔

أَقُولُ إِذَا أَدْعُوكَ فِي كُلِّ بَيْعَةٍ تَبَارَكْتَ قَدْ أَكْثَرْتَ لِاسْمِكَ دَاعِيًا
أَقُولُ إِذَا جَاوَزْتَ أَرْضًا مُخَوِّفَةً حَنَائِنِكَ لَا تُظْهِرُ عَلَى الْآعَادِيَا
فَطًا مُعْرِضًا إِنَّ الْخُتُوفَ كَثِيرَةً وَ إِنَّكَ لَا تُبْقِي لِنَفْسِكَ بَاقِيًا

مولا! جب بھی میں مسجد میں جا کر دست سوال دراز کرتا ہوں تو میں کہتا ہوں تیری ذات کتنی بابرکت ہے اور میں نے تیرا نام کتنا پکارا ہے، جب میں کسی خوفناک جگہ سے گزرتا ہوں تو میں کہتا ہوں مولا! میں تجھ سے رحم کی التجاء کرتا ہوں مجھ پر کسی دشمن کو غالب نہ کرنا، روگرداں ہو کر یہاں سے چلا جا بلاشبہ موت کے بہت سے اسباب ہیں اور تو اپنے نفس کو ہمیشہ کیلئے باقی نہیں رکھ سکتا۔

فَوَاللَّهِ مَا يَذَرِي الْفَتَى كَيْفَ يَتَّقِي إِذَا هُوَ لَمْ يَجْعَلْ لَهُ اللَّهُ وَاقِيًا
وَلَا تَحْفِلُ النَّخْلُ الْبُقِيَّةُ رَبَّهَا إِذَا أَصْحَبَتْ رِيًا وَ أَصْبَحَ ثَاوِيًا

اللہ کی قسم! کوئی جوان نہیں جانتا کہ وہ کیسے بچاؤ کرے؟ جب اللہ تعالیٰ اس کے لئے بچنے کا سبب نہ فرمائے ایک ایسا دہ کھجور اپنے مالک کو کیسے سیراب کر سکتی ہے جب کہ وہ خود تشنہ ہو اور اس کا مالک بھی ہلاک ہو رہا ہو۔

ابن ہشام کہتے ہیں دو اشعار (۱) فَطًا مُعْرِضًا..... (۲) فَوَاللَّهِ مَا يَذَرِي..... اَفُون تغلبی کے ہیں۔ اس کا نام صریم بن معشر تھا۔ یہ اشعار اس کے قصیدہ میں موجود ہیں۔

ہوا تو اس کی اونٹنی ایک سانپ پر بیٹھ گئی۔ اپنی اونٹنی کو اٹھانے کے لئے افون نیچے اترتا تو سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہیں مر گیا۔ اس کی قبر بھی وہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ رات کے وقت وہاں سے گزرا۔ اسے اس ٹیلے کے متعلق معلوم نہ ہو سکا۔ اس پر اس کا اونٹ بیٹھ گیا جب اسے معلوم ہوا اس ٹیلے کا نام ”الہة“ ہے تو وہ گھبرا گیا۔ اس سے کہا گیا کہ کوئی حرج نہیں اس نے کہا۔ فَلِمَ رَبَضَ الْبَعِيرُ، پھر اونٹ کیوں بیٹھ گیا ہے۔ اسی سے ہی یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی۔ جب اسے موت کا یقین ہو گیا تو اس نے مذکورہ بالا شعر کہے۔ ان کے بعد یہ شعر ہے۔

كَلْفِي حَزَنًا أَنْ يَوْحَلَ الرُّكْبُ غُدْوَةً وَ أَتْرَكَ فِي جَنْبِ الْإِلَهِةِ ثَاوِيًا

عملکین ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ صبح کارواں تو عازم سفر ہو جائے گا لیکن میں ”الہة“ کے پہلو میں مردہ پڑا ہوں گا۔

یہودیوں کا بغض و عناد

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسالت و نبوت کا تاج سجانے کے لئے نبی اکرم ﷺ کو منتخب فرمایا تو یہودی نے آپ ﷺ سے حسد، کینہ، عدوت اور بغاوت کا اظہار کیا۔ ان کے ساتھ اوس اور خزرج کے وہ آدمی بھی مل گئے جو شرک اور تکذیب میں اپنے آباء کے دین پر ہی کاربند تھے۔ جب ان کے سامنے اسلام کا مہر عالمتاب درخشاں ہو گیا ان کی قوم نے بھی اس دعوت پر لبیک کہا تو انہوں نے نفاق کا اظہار کرتے ہوئے اسلام کا اظہار کیا، اسلام کو اپنے لئے ایک ڈھال بنا لیا تا کہ قتل ہونے سے بچ سکیں۔ چونکہ یہودی حضور ﷺ کی تکذیب میں اور اسلام کے انکار میں پیش پیش تھے اس لئے منافقین کی تمام ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ علمائے یہود حضور ﷺ سے مختلف سوالات پوچھتے رہتے۔ سرور کائنات ﷺ کو تکالیف دیتے، مختلف شبہات کا اظہار کرتے۔ حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی کوشش کرتے۔ حلال اور حرام کے متعلق جو وہ سوالات کرتے ان کے متعلق قرآن پاک بھی نازل ہوتا رہتا۔ کچھ آیات ان مسائل کے متعلق بھی ہیں جن کے متعلق مسلمانوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا۔

بنو نضیر کے یہودی

بنو نضیر کے یہودیوں میں سے بغض و عناد کا اظہار کرنے والے افراد یہ تھے۔ ۱۔ حی بن اخطب، ۲۔ ابویاسر بن اخطب، ۳۔ جدی بن اخطب، یہ دونوں حی بن اخطب کے بھائی تھے۔ ۴۔ سلام بن مشکم، ۵۔ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، ۶۔ سلام بن ابی الحقیق، ۷۔ ابورافع الاعور (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے مقام خیبر میں واصل جہنم کیا تھا) ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق، ۸۔ عمرو بن جحاش، ۹۔ کعب بن اشرف (اس کا تعلق قبیلہ طیس کی شاخ بنو نبھان سے تھا۔ اس کی ماں بنو نضیر سے تھی) ۱۰۔ حجاج بن عمرو (یہ کعب بن اشرف کا حلیف تھا) ۱۱۔ کردم بن قیس (یہ بھی کعب بن اشرف کا حلیف تھا)

ابن اسحاق نے جدی بن اخطب کا ذکر کیا ہے یہ حی بن اخطب کا بھائی تھا۔ یہاں تک حدی کا تعلق ہے تو اس کا ذکر دارقطنی نے عتیبہ بن حارث بن شہاب بن حدی کے نسب میں کیا ہے جو عرب کا سوار تھا۔

بنو ثعلبہ کے یہودی

بنو ثعلبہ بن فطیون میں سے عبد اللہ بن صوریہ یا الاغور بھی حضور ﷺ سے مختلف سوالات کرتا تھا۔ یہ حجاز کا سب سے بڑا تورات کا عالم تھا۔ ابن صلو یا بھی حضور ﷺ کو تنگ کرتا تھا۔ مخیر لیق بھی یہود کا ایک بلند پایہ عالم تھا اسے دولت اسلام نصیب ہوئی۔

بنو قینقاع کے یہودی

بنو قینقاع کے سرکش یہودیوں میں سے زید بن اللصیت (ابن ہشام نے اسے ابن لصیت کہا ہے)، سعد بن حنیف، محمود بن سحان، عزیز بن ابی عزیر، عبد اللہ بن صیف (ابن ہشام نے اسے ابن ضیف کہا ہے)، سوید بن حارث، رفاعہ بن قیس، فحاص اشیع، نعمان بن اضا، بحری بن عمرو، شاس بن عدی، شاس بن قیس، زید بن حارث، نعمان بن عمرو، سکین بن ابی سکین، عدی بن زید، نعمان بن ابی اونی، ابوانس، محمود بن دحیہ، مالک بن صیف، (ابن ہشام نے اسے ابن ضیف کہا ہے) کعب بن راشد، عازر، رافع بن ابی رافع، خالد، آزار بن ابی آزار (ابن ہشام نے اسے آزار بن آزار کہا ہے) رافع بن حریمہ، رافع بن خارجہ، مالک بن عوف، رفاعہ بن زید بن تابوت اور عبد اللہ بن سلام تھے، حضرت عبد اللہ بن سلام یہود کے ایک زریک اور دانا عالم تھے، ان کا نام حصین تھا جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ نے ان کا نام ”عبد اللہ“ رکھا۔

بنو قریظہ کے یہودی

بنو قریظہ میں سے زبیر بن باطا بن وہب، عزال بن شمویل، کعب بن اسد (اسی نے ہی بنو قریظہ کی جانب سے معاہدہ کیا تھا جسے غزوہ احزاب میں توڑ دیا گیا) شمویل بن زید، جبل بن عمرو بن سکینہ، نحام بن زید، قردم بن کعب، وہب بن زید، نافع بن ابی نافع، عدی بن زید، حارث بن عوف، کردم بن زید، اسامہ بن حبیب، رافع بن رمیلہ، جبل بن ابی قشیر اور وہب بن یھو ذانی محترم ﷺ کو اذیت دینے کی کوشش کرتے تھے۔

الفِطْیُون۔ یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے۔ مہر شخص جو یہودی کی مملکت کا والی بنتا اسے ”الفِطْیُون“ کہتے تھے جس طرح حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی اور ترک کے بادشاہ کو خاقان کہتے تھے۔

عبد اللہ بن صوریہ

علامہ نقاش نے لکھا ہے جب اسے یقین ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات وہی ہے جس کا تذکرہ اور صفات تورات میں موجود ہیں تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

بنوزریق کے یہودی

بنوزریق کے سرکش یہودیوں میں سے لبید بن اعصم تھا۔ اسی نے ہی حضور ﷺ پر جادو

بنوزریق اور بنوحارثہ کے یہودی

ابن اسحاق نے انصار کے قبائل میں سے یہودیوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ یہودی تو بنو اسرائیل تھے۔ بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع مدینہ طیبہ اور خیبر میں مقیم تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوس اور خزرج کے کچھ افراد نے بھی یہودیت اختیار کر لی تھی۔ ان کی بعض عورتیں یہ نذر مانتی تھیں کہ اگر ان کا بیٹا خیر و عافیت سے نشوونما پا گیا تو وہ اسے یہودی بنادیں گی کیونکہ ان کے نزدیک یہودی اہل علم و کتاب تھے۔ یہ آیات ایسے ہی افراد کے متعلق اس وقت نازل ہوئیں جب ان کے آباء نے انہیں مجبوراً مسلمان کرنا چاہا۔ لَّا اِكْرَاهًا فِي الدِّيْنِ (بقرہ: ۲۵۶) ”کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں“۔

لبید بن اعصم کا جادو

لبید بن اعصم نے نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا تھا تا کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے حقوق زوجیت نہ ادا کر سکیں۔ روایت ہے کہ قاسم بن محمد ابن حنیفہ پر بھی جادو کیا گیا تھا، انہیں مسجد نبوی میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ وہ مسجد نبوی میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ لبید نے یہ جادو کنگھی، بالوں اور زکھجور کے گابھا سے کیا تھا۔ اس نے یہ تمام اشیاء ذواروان (کنویں) میں دفن کی تھیں۔ اکثر محدثین نے ”ذروان“ لکھا ہے اور اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑا ہو کر پانی نکالنے والا پانی نکالتا ہے۔ یہ حدیث مشہور ہے اور محدثین کے نزدیک ثابت ہے مگر میں نے کسی مشہور کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ حضور ﷺ کتنا عرصہ تک اس جادو کے زیر اثر رہے پھر شفاء یاب ہو گئے۔ معمر بن راشد نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ جادو کا اثر ایک سال تک رہا، آپ ﷺ کو یوں گمان ہوتا کہ آپ نے فلاں کام سرانجام دے دیا ہے۔ حالانکہ وہ کام ابھی تک آپ ﷺ نے سرانجام نہیں دیا ہوتا تھا۔ معتزلہ اور اہل بدع نے اس حدیث پر طعن کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر جادو نہیں ہو سکتا، اگر ان کے لئے یہ جائز ہو جائے کہ ان پر جادو ہو سکتا ہے تو پھر ان کا مجنون ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے۔ وَاللّٰهُ يَخْصُمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۷) ”اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے“۔ مذکورہ بالا حدیث شریف ثابت ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہے اور اس میں عقل و نقل کے اعتبار سے کوئی طعن نہیں ہے

کیا تھا تا کہ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے وظیفہ زوجیت ادا نہ کر سکیں۔ بنو حارثہ میں سے کنانہ بن صوریہ، بنو عمرو میں سے قردم بن عمرو اور بنو نجار میں سے سلسلہ بن برہام کیونکہ عصمت انبیاء علیہم السلام کا تعلق ان کے عقول اور ادیان سے ہوتا ہے، وہ اجسام کی آزمائش میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور انہیں زخم، ضرب، زہر اور قتل جیسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضور ﷺ پر ہونے والا جادو بھی اسی طرح تھا۔ اس کا اثر آپ ﷺ کے بعض اعضاء مبارکہ میں تھا اور بعض میں نہ تھا۔ جہاں تک مذکورہ بالا آیت کا تعلق ہے تو اس کے متعلق روایت ہے کہ پہلے حضور ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے محافظین کو چلے جانے کا حکم دے دیا اور فرمایا مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے لوگوں سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔

فقہی مسئلہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ نے تعویذ استعمال نہیں فرمایا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفاء دی ہے اور مجھے یہ بھی ناپسند ہے کہ میں لوگوں میں شر پھیلاؤں۔“ اس حدیث شریف کے ظاہر میں اشکال ہے اس میں مشکل راویوں کی طرف سے ہے، انہوں نے دو مختلف سوالوں کے جوابات کو کلام واحد بنا دیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض گزار ہوئیں ”یا رسول اللہ ﷺ ھَلَّا اسْتَخَرَجْتَهُ۔ کیا آپ ﷺ نے کھجور گاہے اور کنگھی میں سے جادو کو نہیں نکالا تا کہ اسے دیکھ لیا جاتا“ آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا۔ ”میں ناپسند کرتا ہوں کہ یہ شر لوگوں میں پھیلے۔ ابن بطال اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے وہ اشیاء وہاں سے نکالنا ناپسند فرمایاں تا کہ دیگر لوگ بھی اسی طرح جادو سیکھ کر لوگوں میں فساد کا سبب نہ بنیں اور اسی فساد کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔

امام سیبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ممکن ہے کہ شر سے مراد کچھ اور ہو جادو گر کا تعلق بنو زریق سے تھا۔ اگر لوگوں کے لئے ان کے جادو کو عیاں کیا جاتا اور انہیں دکھایا جاتا تو ممکن تھا کہ مسلمان اسے قتل کر دیتے اور دیگر لوگ اس کے قبیلے سے ہی متنفر ہو جاتے اور اس طرح فساد کی آگ پھیلتی چلی جاتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ گزارش ھَلَّا اسْتَخَرَجْتَهُ۔ دونوں احادیث میں موجود ہے اور ان کو امام بخاری نے روایت کیا ہے مگر ھَلَّا تَنْتَرَتْ کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اَمَّا اَنَا فَقَدْ شَفَانِي اللّٰهُ۔ اور ھَلَّا اسْتَخَرَجْتَهُ کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ اُكْرِهَ اَنْ اُثِيرَ عَلٰی النَّاسِ شَرًّا فرمایا۔ مشکل اس وقت بنی جب راوی نے دونوں جوابات کو ایک ہی حدیث میں جمع فرما

بھی حضور اکرم ﷺ کو اذیت دینے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وہ علمائے یہود تھے جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عداوت و بغض میں پیش پیش تھے۔ یہی حضور ﷺ سے مختلف سوالات کرتے رہتے تھے ان کا نصب العین یہی تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح چراغِ اسلام گل کر دیں مگر حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت مخیرق رضی اللہ عنہما اس سے مستثنیٰ ہیں۔

دیا۔ جب احادیث کو متفرق دیکھا جائے تو یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے، ابن بطلال نے اس کی شرح میں یہی لکھا ہے۔“

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعویذ کا استعمال جائز ہے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عرض کی ”هَلَّا تَنْتَرَتْ آپ ﷺ نے تعویذ استعمال نہیں فرمایا“ تو آپ ﷺ نے ان کی بات کار نہیں فرمایا۔

امام بخاری نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے عرض کی گئی کہ کیا وہ شخص جسے جادو سے حقوق زوجین ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو کیا وہ تعویذ استعمال کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”کوئی حرج نہیں“۔ آپ ﷺ نے ایسے تعویذات سے منع نہیں فرمایا جن میں اصلاح ہو، آپ ﷺ نے ایسے تعویذات سے منع فرمایا ہے جن میں فساد ہو۔ جو کوئی اپنے بھائی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہو اسے ضرور پہنچانا چاہئے۔ کچھ لوگوں نے تعویذ کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، انہوں نے اپنا استدلال اس حدیث سے کیا ہے جسے ابو داؤد نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اَنَّ النُّشْرَةَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ تعویذ شیطانی اعمال میں سے ہیں۔ ان سے مراد وہ تعویذات ہیں جن میں جادو اور منتر ہو اور جن میں ایسے عجبی اسماء ہوں جنہیں سمجھنا نہ جاسکے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو مسئلہ پر کھل کر بحث کی جاتی یہی مقدار کافی ہے۔ واللہ المستعان۔

لبید بن اعصم کے جادو کی گرہیں گیارہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے المعوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کو نازل فرمایا، ان کی آیات کی تعداد بھی گیارہ ہے ایک آیت سے ایک گرہ کھلتی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ (الفلق)

جادو کرنے والا مرد تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤنث کا صیغہ ذکر فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ایک یہودیہ عورت زہنب نے اس جادو میں لبید کی مدد کی تھی اور پھر جادو اکثر عورتوں کے فریب اور ان کے عمل سے ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ ان کے گھر کے ایک فرد نے مجھے اس طرح بیان کیا ہے۔ ”حضرت عبداللہ بن سلام یہودیت کے ایک جید عالم تھے، وہ فرماتے ہیں ”جب میں نے سرورِ عالم ﷺ کے متعلق سنا تو میں نے آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ، نامِ مبارک اور اس مبارک زمانہ کو پہچان لیا جس کے ہم منتظر تھے۔ میں نے اس راز کو پوشیدہ رکھا۔ خاموشی اختیار کی، حتیٰ کہ حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہو گئے، جب آپ ﷺ نے قباء میں نزولِ اجلال فرمایا تو ہمارے پاس ایک شخص آیا اس نے ہمیں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے متعلق بتایا میں کھجور کے درخت پر کام کر رہا تھا۔ میری پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی میرے نیچے تھیں، جب مجھے حضور ﷺ کے جلوہ نما ہونے کی خبر ملی تو میں

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام

سَلَام ”لام“ کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ مسلمانوں میں یہ نام (سَلَام) نہیں رکھا جاتا کیونکہ ”السَّلَام“ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے مگر سَلَام (تشدید کے ساتھ) نام رکھا جاتا ہے سَلَام یہودیوں میں عام نام رکھا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ کے والد کا نام بھی سَلَام تھا۔

اِنَّهُ يَبْعَثُ مَعَ نَفْسِ السَّاعَةِ

اسی طرح حضور ﷺ کا ایک اور فرمان بھی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ اِنِّیْ لَا جِدُّ نَفْسِ السَّاعَةِ بَیْنَ کَتَفَیْ میں قیامت کی سانس اپنے کندھوں کے مابین محسوس کرتا ہوں۔ ارشادِ ربانی ہے۔ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۝ (سبا: ۴۶)

”اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے سامنے کھڑا ہو تو اس کا سانس اس کے کندھے پر ہی ہوتا ہے۔ نفس سے مراد وہ فتنے ہیں جو قیامت کے قائم ہونے سے پہلے سراٹھائیں گے۔ حضور ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی ان فتنوں کا آغاز ہو گیا۔ دوسری حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے فرمایا اَنَا اَمَانٌ لِأُمَّتِیْ۔ فَاِذَا ذَهَبَتْ اٰتٰی اُمَّتِیْ مَا یُوْعَدُوْنَ۔ ”میں امت کیلئے ایک پناہ گاہ ہوں جب میں وصال کر جاؤں گا تو میری امت کو ان فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔“ آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی امت کو آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، پھر تا قائم قیامت یہ فتنے رونما ہوتے رہیں گے۔ حضور ﷺ نے اپنے اس فرمان سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یَبْعَثُ اَنَا وَالسَّاعَةُ کَھَاتِیْنِ۔

نے تکبیر کہی، میری پھوپھی نے میری تکبیر سنی تو انہوں نے کہا ”اللہ تجھے خائب و خاسر کرے اگر تجھے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو اس سے بلند تکبیر نہ کہتا۔“ میں نے کہا ”اے محترمہ پھوپھی! وہ بھی موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ وہ ان کے ہی دین پر ہیں اور اس حیاتِ آفریں پیغام کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر تشریف لائے تھے۔“ میری پھوپھی نے کہا ”اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے متعلق ہم سنا کرتے تھے کہ اِنَّهُ يُبْعَثُ مَعَ نَفْسِ السَّاعَةِ کہ وہ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے۔“ میں نے کہا ”ہاں“ پھوپھی جان نے کہا ”پھر تو وہ وہی نبی ﷺ ہیں۔“ میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور اسلام کی لازوال نعمت سے سعادت اندوز ہوا پھر میں اپنے اہل خانہ کے پاس گیا اور انہیں اسلام لانے کا حکم دیا، انہوں نے بھی اسلام کی دولت کو سمیٹ لیا۔“

میں نے یہودیوں سے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ یہودی ایک دروغ گو قوم ہے، میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ مجھے کسی کمرہ میں بند فرما دیں، پھر آپ ﷺ ان سے میرے متعلق پوچھیں وہ آپ ﷺ کو

میں اور قیامت اس طرح ہیں، آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور وسطی سے اشارہ فرمایا۔ اس حدیث کو حضرت انس، حضرت ابن بربیدہ، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا سَبَقْتُهَا بِمَا سَبَقْتُ هَذِهِ هَذِهِ۔ میں قیامت سے اسی طرح سبقت لے گیا ہوں جس طرح وسطی، انگشت شہادت سے سبقت لے گئی ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ ممکن ہے کہ قیامت مجھ سے سبقت لے جائے۔ حضرت ابو جہیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول محترم ﷺ نے فرمایا۔ جَنَّتْ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَمَا تَيْنِ سَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقْتُ هَذِهِ هَذِهِ فِي نَفْسٍ مِنَ السَّاعَةِ اَوْ فِي نَفْسِ السَّاعَةِ ”میں اور قیامت اس طرح ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں مگر یہ انگلی دوسری سے کچھ سبقت لے گئی ہے۔ اسی طرح میں قیامت سے کچھ دیر پہلے مبعوث ہوا ہوں“ ان روایات کو امام الطبری نے تمام اسناد سمیت روایت کیا ہے، ان میں سے کچھ روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں اور بعض میں کچھ اضافہ بھی ہے۔ ابن اسحاق نے حضرت خالدہ بنت حارث کا ذکر کیا ہے، ابو عمر نے اپنی تصنیف ”کتاب الصحابة“ میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ ہم نے ان کی کتاب کے ضمیمہ میں دوسرے صحابہ کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

بتائیں گے کہ ان میں میری حیثیت کیا ہے؟ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ انہیں میرے اسلام لانے کا علم نہ ہو۔ اگر انہیں میرا مسلمان ہونا معلوم ہو گیا تو پھر میرے عیوب نکالیں گے اور مجھ پر بہتان لگائیں گے۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”حضور اکرم ﷺ نے مجھے ایک کمرہ میں بند کر دیا۔ یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے گفتگو کی اور مختلف سوالات کئے۔ آپ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا کہ حصین بن سلام تم میں کس حیثیت کا مالک ہے، انہوں نے کہا ”وہ ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا نور نظر ہے۔ ہمارا جید عالم اور راہ نما ہے۔“ جب وہ یہودی اپنی بات سے فارغ ہوئے تو میں کمرہ سے باہر نکل کر ان کے پاس آیا میں نے ان سے کہا ”اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو اور وہ پیغام قبول کر لو جو نبی محترم ﷺ لے کر تمہارے پاس آئے ہیں، اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تمہارے پاس تورات میں ان کا اسم مبارک اور خصائل حمیدہ مکتوب ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کی معرفت حاصل کر لی ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے۔“ یہ سن کر معشرِ یہود نے کہا ”اے ابنِ سلام! تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ وہ مجھ پر جھپٹ پڑے، میں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ کیا میں نے آپ ﷺ سے عرض نہیں کی تھی کہ یہودی ایک دروغ گو قوم ہے۔ فریب، سرکشی اور فسق و فجور اس کی سرشت میں ہے۔“ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”میں نے اپنے اور اپنے اہل خانہ کے اسلام کا اظہار کر دیا، میری پھوپھی حضرت خالدہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بھی اسلام قبول کر لیا اور سختی سے احکامِ اسلامیہ پر کاربند رہیں۔“

حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت مخیریق بھی ایک جید عالم، غنی، ثروت مند اور مالدار یہودی تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو آپ کے اوصافِ حمیدہ سے پہچان لیا کہ آپ ﷺ رسولِ برحق

حضرت مخیریق کا اسلام لانا

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مَخِيرِيقُ خَيْرٌ يَهُودَ۔ مخیریق یہودیوں میں سے بہترین تھے۔ حالانکہ حضرت مخیریق نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ کسی مسلمان کو هُوَ خَيْرُ النَّصَارَى یا هُوَ خَيْرُ الْيَهُودِ

ہیں مگر ان پر دین کی محبت کا غلبہ رہا۔ جب غزوہ احد رونما ہوا تو اس روز ہفتہ تھا۔ انہوں نے یہودیوں سے کہا ”اے گروہ یہود! قسم بخدا! تم خوب آگاہ ہو کہ محمد عربی ﷺ کی مدد کرنا تم پر لازم ہے“ انہوں نے کہا ”آج تو ہفتہ ہے“۔ حضرت مخیریق نے کہا ”اب تمہارے لئے ہفتہ کی حیثیت وہ نہیں رہی جو پہلے تھی“۔ پھر انہوں نے اپنے ہتھیار سجائے اور میدان احد میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے اپنی قوم کو بحیثیت کی کہ اگر آج میں شہید ہو جاؤں تو میرا تمام مال محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق تصرف فرمائیں۔ جب میدان احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معرکہ آزما ہوئے تو حضرت مخیریق رضی اللہ عنہ نے بھی جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ حتیٰ کہ وہ شہادت کی رنگین قبازیب تن کر گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مخیریق خَيْرُ يَهُودٍ مَخْرِيْقٍ یہودیوں میں سے بہترین تھے۔ حضور

کہنا درست نہیں کیونکہ جب فعل (اسم تفضیل کے صیغہ) کو کسی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو جس کی طرف اسے منسوب کیا جاتا ہے اس میں سے کچھ اس میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ پھر حضور ﷺ نے حضرت مخیریق کے متعلق ایسے کیوں فرمایا تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے خَيْرُ يَهُودٍ فرمایا ہے۔ خَيْرُ الْيَهُودِ نہیں فرمایا، یہود، شہود کی طرح اسم علم ہے کہا جاتا ہے کہ یہودی یہود بن یعقوب کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ پھر اس کی ذال کو دال میں تبدیل کر دیا گیا۔ اگر اسے الیہود کہا جائے تو اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ نسب، ۲۔ دین (یہودیت) نسب کے اعتبار سے یہ اسی طرح ہے جس طرح بنو تیم کے کسی فرد کو تیم کہا جائے اور دین کے اعتبار سے یہ انصاری اور الحجو س کی مانند ہے یعنی یہ صفت ہے نسب نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ایک تیسرا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس سے صرف ایک معنی ہی مراد لیا جاسکتا ہے، یعنی اس سے نسب نہیں دین مراد ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ كُونُوا هُودًا اَوْ نَصْرًا (البقرة {۱۳۵}) ”(یہودی کہتے ہیں) یہودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں) عیسائی بن جاؤ“۔ یاء کو حذف کر دیا گیا ہے اور كُونُوا يَهُودًا نہیں فرمایا کیونکہ اس سے مراد ان کے دین یہودیت کو اختیار کرنا ہے اگر اس طرح فرمان ہوتا كُونُوا يَهُودًا تو پھر بھی درست ہوتا۔ اس کی بنیاد ان دونوں وجوہات میں سے ایک ہے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اگر اہل عرب سے کہا جاتا كُونُوا يَهُودًا۔ تو یہ محال ہوتا کیونکہ نسب کی تبدیلی حقیقہ محال ہے۔ ہود کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ہاند کی جمع ہے اسی سے ہودا، یہود اور یہود کے مابین فرق واضح ہوتا ہے۔ یہ ایک عمدہ اور بہتر فرق ہے۔

اکرم ﷺ نے ان کے تمام مال پر قبضہ فرمالیا، مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کے عام صدقات اسی مال سے ہوتے تھے۔

حضرت صفیہ بنت حنی رضی اللہ عنہا کی شہادت

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے حضرت صفیہ بنت حنی رضی اللہ عنہا سے بیان کیا گیا ہے وہ فرماتی ہیں ”میں اپنے باپ اور اپنے چچا ابویاسر کو تمام اولاد سے پیاری تھی۔ میں جب بھی ان کی دوسری اولاد کے ساتھ ان کے پاس جاتی تو وہ دوسری اولاد کو چھوڑ کر مجھے اٹھا لیتے۔ جب سرورِ کائنات ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور بنو عمرو بن عوف کے ہاں قباء میں قیام فرمایا تو میرا والد اور چچا صبح سویرے ہی آپ ﷺ کے پاس چلے گئے اور غروبِ آفتاب کے وقت واپس آئے۔ وہ اس وقت انتہائی تھکے ماندے اور ست تھے۔ وہ گرتے گرتے چل رہے تھے۔ میں حسب معمول دوڑ کر ان کے پاس گئی مگر اللہ کی قسم ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی میری طرف توجہ نہ کی وہ انتہائی مغموم اور حزين تھے۔ میں نے اپنے چچا ابویاسر کو سنا وہ میرے باپ سے کہہ رہا تھا کہ وہ وہی ہے۔ میرے والد نے کہا ہاں وہی ہے، چچا نے سوال کیا۔ کیا تو نے اسے اچھی طرح پہچان لیا ہے؟ والد نے کہا ہاں میں نے خوب تحقیق کر لی ہے، چچا نے پوچھا اب تیرے دل میں اس کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ باپ نے کہا جب تک میں زندہ رہوں گا اس سے

حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں صرف ان دو علمائے یہود کو ہی ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے۔ لَوْ اتَّبَعْنِي عَشْرَةٌ مِنَ الْيَهُودِ لَمْ يَبْقَ فِي الْأَرْضِ يَهُودِيٌّ إِلَّا اتَّبَعْنِي اگر یہودیوں کے دس افراد بھی میری اتباع کر لیتے تو روئے زمین کا ہر یہودی میرے پیروکار ہوتا۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ نے بیان کی ہے جب حضرت کعب الاحبار نے انہیں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا حدیث شریف میں اِثْنَا عَشَرَ مِنَ الْيَهُودِ (یہودیوں کے بارہ افراد اسلام قبول کر لیتے) کے الفاظ ہیں اور قرآن پاک کی یہ آیت اسی کی شاہد ہے۔

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا۔ ”اور ہم نے مقرر کئے ان میں سے بارہ سردار۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ ابن سیرین فرماتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے زیادہ صادق تھے۔ حضرت یحییٰ بن سلام کہتے تھے کہ دونوں نے سچ ہی کہا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا کہ اگر مذکورہ بالا علماء یہود کے علاوہ دس اور یہودی میری اتباع کر لیں تو روئے زمین کا ہر یہودی میری اتباع کرے گا۔

عداوت ہی رکھوں گا۔“

وہ منافقین جو یہودیوں کے ساتھ تھے

بنو عمرو کے منافقین

ابن اسحاق کہتے ہیں، وہ منافقین جنہوں نے یہود سے میل ملاپ رکھا تھا اور ان کا تعلق بنو اوس اور خزرج سے تھا ان میں سے بنو اوس (اس کی شاخ) بنو عمرو بن عوف بن مالک بن اوس (بنو لوزان بن عمرو بن عوف) میں سے زوی بن حارث تھا۔

بنو حبیب کے منافقین

بنو حبیب بن عمرو بن عوف میں سے جلاس بن سوید بن صامت اور اس کا بھائی حارث بن سوید تھے۔

جلاس کی منافقت

جلاس ان افراد میں سے تھا جو غزوہ تبوک میں حضور ﷺ کے ہمراہ نہ گئے تھے۔ اس نے اس موقع پر کہا تھا۔ ”اگر یہ شخص سچا ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہیں۔“ حضرت عمیر

منافقین کا ذکر

مجذر کا نام عبد اللہ تھا اور مجذر کا معنی تخلیق کے اعتبار سے مضبوط ہونا ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حارث بن سوید کے متعلق یہ آیت نازل کی۔ کَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ... کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اپنے سبب پر محدود ہے اور اس شخص کے لئے مخصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کفر کی وجہ سے نہ تو اسے ہدایت دے گا اور نہ ہی اس کے ظلم کی وجہ سے اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور نہ توبہ کرنا ضروری ہے۔ کئی افراد نے اپنے ارتداد کے بعد توبہ کی اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں توبہ کی قبولیت کی نفی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ یہ نہیں فرمایا لَا يَهْدِي اللَّهُ۔ اس آیت میں آخر میں فرمایا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ اس کا اطلاق مخصوص افراد پر ہو گا یا اس کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ روزِ حشر ایسے شخص کو ہل صراط کے پاس موجود ظلمت میں نورِ نام سے راہ نمائی نہیں فرمائے گا۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے کفر یا ظلم سے توبہ کئے بغیر مر گیا۔ واللہ اعلم

بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات بارگاہ رسالت میں عرض کی۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ یہ جلاس کی آغوش کے پروردہ تھے۔ ان کے والد کی وفات کے بعد جلاس نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ انہوں نے کہا ”اے جلاس! اللہ کی قسم! تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ پیارے ہو۔ مجھ پر تمہارے احسانات سب سے زیادہ ہیں مجھ پر یہ بات انتہائی گراں ہے کہ ایسے شخص پر کوئی ایسی مصیبت آئے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو نے ایسی بات کی ہے کہ اگر میں اسے بارگاہ رسالت میں عرض کرتا ہوں تو تیری حد درجہ رسوائی ہوگی۔ اور اگر میں اس پر خاموش رہتا ہوں تو میرا دین تباہ ہو جائے گا۔ ان میں سے پہلی بات دوسری سے آسان تر ہے۔“

پھر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور جلاس کی نازیبا گفتگو عرض کی مگر جلاس نے قسم کھالی کہ حضرت عمیر نے غلط بات اس کی طرف منسوب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اسی موقع پر نازل کیں۔

يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةً الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بِعَدِ اسْلَامِهِمْ وَهُمْ اِيَّاهُمْ يَنْتَالُوا وَمَا تَقْمُوا اِلَّا اَنْ اَغْنِيَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مِنْ فَضْلِهِ ؕ فَاِنْ يَتُوبُوْا يَكُ خَيْرًا لّٰهُمْ ؕ وَاِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمْ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ؕ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (التوبہ: ۷۴)

”قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پاسکے اور ان پر شمناک ہوئے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لئے اور اگر وہ روگردانی کریں تو عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ عذاب الیم۔ دنیا اور آخرت میں اور انہیں ہوگا ان کا روئے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔“

ابن ہشام کہتے ہیں، الیم کا معنی موجد دردناک ہے۔ ذوالرمہ اونٹ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

و تَرْفَعُ مِنْ صُدُوْرٍ شَرَّ دَلَاتٍ يَصُكُّ وَجُوْهَهَا وَهَجَّ اَلِيْمٍ
وہ مضبوط اونٹنیاں اپنے سینوں سے آواز بلند کرتی ہیں اور ان کے چہروں پر دردناک بھڑک آگتی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جلاس تائب ہو گیا تھا ساری زندگی اپنی توبہ پر ہی رہا

اور وہ اسلام اور خیر و برکت میں مصروف ہو گیا۔

حارث بن سوید کا ارتداد اور فریب

جلاس کے بھائی حارث بن سوید نے غزوہ احد کے دن حضرت مجذر بن زیاد البلوئی اور حضرت قیس بن زید (ان کا تعلق بنو ضبیعہ سے تھا) کو قتل کر دیا پھر وہ قریش کے ساتھ جا ملا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت مجذر بن زیاد نے کسی جنگ میں سوید بن صامت کو ہلاک کر دیا تھا یہ معرکہ اوس اور خزرج کے مابین ہوا تھا، غزوہ احد کے روز حارث بن سوید نے مجذر بن زیاد کو تلاش کرنا شروع کیا تا کہ انہیں اپنے باپ کے بدلے قتل کر دے، بالآخر اس نے انہیں تلاش کر لیا اور صرف انہیں ہی شہید کیا۔ میں نے کئی اہل علم سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ حارث نے حضرت قیس بن زید کو شہید نہیں کیا تھا اور حضرت ابن اسحاق نے شہدائے احد میں ان کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ معاذ بن عفراء نے جنگ بعاث سے پہلے ایک تیر پھینک کر دھوکے سے سوید بن صامت کو قتل کر دیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اگر وہ حارث کو گرفتار کر لیں تو اسے قتل کر دیں مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کو گرفتار نہ کر سکے۔ حارث مکہ معظمہ میں چلا گیا پھر اس نے اپنے بھائی کو پیغام بھیجا کہ وہ توبہ کرنے کا خواہاں ہے تا کہ وہ اپنی قوم کے پاس واپس آ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨١﴾ (آل عمران)

”کیسے ہو سکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنہوں نے کفر اختیار کر لیا۔ ایمان لے آنے کے بعد اور وہ پہلے خود گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور آچکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو“۔

بنو ضبیعہ کے منافق

بنو ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف سے بجاہ بن عثمان بن عامر منافقانہ روش پر تھا۔

بنو لوزان کے منافق

بنو لوزان بن عمرو بن عوف میں سے نبیل بن حارث منافق تھا اسی کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا تھا جو شیطان کی صورت دیکھنا چاہتا ہے وہ نبیل بن حارث کو دیکھ لے۔ كَانَ رَجُلًا جَسِيمًا اَدْلَمَ ثَاوِرَ شَعْرِ الرَّاسِ اَحْمَرَ الْعَيْنَيْنِ، اَسْفَعَ الْخَدَّيْنِ۔ نبیل ایک طویل القامت، سیاہ شکل، پراگندہ بالوں والا، سرخ آنکھوں والا اور پیچکے گالوں والا شخص تھا۔ یہ تیرہ بخت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا، آپ ﷺ کی گفتگو سنتا پھر اسے منافقین تک پہنچا دیتا۔ اسی نے ہی کہا تھا ”محمد عربی ﷺ کانوں کے کچے ہیں، وہ جو سنتے ہیں اس کی تصدیق کر دیتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ اُذُنٌ ۚ قُلْ اُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ يَوْمُنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِمُؤْمِنِينَ وَ رَحْمَةً لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (توبہ)

”اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی کریم کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمائیے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا، یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لئے جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بعض افراد نے انہیں بیان کیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”آپ ﷺ کے پاس ایک سیاہ، پراگندہ بال، پیچکے گالوں والا اور سرخ آنکھوں والا شخص آتا ہے۔ اس کی آنکھیں پیتل کی دو ہنڈیوں کی طرح ہیں اس کا جگر گدھے کے جگر سے بھی خبیث ہے۔“ وہ آپ ﷺ کی باتیں منافقوں تک پہنچاتا ہے آپ ﷺ اس سے احتیاط فرمائیں۔ یہ تمام اوصاف نبیل بن حارث ہی کے تھے۔

بنو ضبیہ کے منافق

بنو ضبیہ کے منافقین میں سے ابو جیبہ بن الازعر (یہ ان افراد میں سے تھا جنہوں نے مسجد ضرار بنائی تھی) ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر تھے۔ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اس نئے ہمیں اپنے فضل و کرم سے نواز دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور پاک باز لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ معتب نے غزوہ احد کے دن کہا تھا۔ ”اگر ہمارا اس کام میں سے

کچھ حصہ ہوتا تو ہم کو اس طرح قتل نہ کیا جاتا۔ اسی کے متعلق ہی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا يَفْقَهُ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هَهُنَا (آل عمران: ۱۵۴)

”کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلا وجہ عہد جاہلیت کی بدگمانی کہتے کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے، آپ فرمائیے اختیار تو سارا اللہ کا ہے چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے وردی سے)۔“

اسی نے ہی غزوہ احزاب کے روز کہا تھا کہ محمد ﷺ ہمیں تو یہ مژدہ سناتے ہیں کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے کھائیں گے لیکن ہماری کیفیت تو یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی پرسکون انداز میں قضائے حاجت بھی نہیں کر سکتا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَأْسُوْهُ إِلَّا غُرُورًا (احزاب) ”اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح) کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے۔“

منافق، حارث بن حاطب کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

مگر ابن ہشام کہتے ہیں کہ مجھے قابل اعتماد اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حاطب کے فرزند ثعلبہ اور حارث کا شمار بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے وہ منافق نہ تھے۔ ابن اسحاق نے بھی بدری صحابہ کرام میں انہیں شمار کیا ہے، ان کا تعلق بنو امیہ بن زید سے تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں عباد بن حنیف (یہ حضرت سہل بن حنیف کا بھائی تھا اور مسجد ضرار کے بانیوں میں شامل تھا) عمرو بن خدام اور عبد اللہ بن نبتل کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

بنو ثعلبہ کے منافقین

بنو ثعلبہ بن عمرو بن عوف میں سے جاریہ بن عامر بن عطف، اس کے دونوں بیٹوں زید اور مجمع کا شمار بھی منافقین میں ہوتا تھا۔ مجمع میں ایک نوخیز لڑکا تھا اسے قرآن کا اکثر حصہ یاد تھا اور مسجد ضرار میں منافقین کا امام تھا۔ جب مسجد کو گرا دیا گیا اور بنو عمرو بن عوف اپنی مسجد میں نماز

پڑھنے لگے تو انہوں نے چاہا کہ مجمع انہیں امامت کرائے۔ اس وقت حضرت مہر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے، آپ نے فرمایا ”کیا وہ مسجد ضرار میں منافقین کا امام نہیں تھا؟“ مجمع نے عرض کی۔ ”اے امیر المومنین! مجھے اس ذات کی قسم! جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مجھے منافقین کے کسی معاملہ کا کوئی علم نہیں تھا۔ میں ایک نوخیز قاری قرآن تھا، منافقین کو قرآن نہیں آتا تھا اس لئے وہ مجھے مصلیٰ امامت پر کھڑا کر دیتے تھے، میں ان کے ذکر کردہ تمام معاملات کو عمدہ ہی سمجھتا تھا“۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع کو چھوڑ دیا اور بنو عمرو بن عوف کو وہی امامت کروایا کرتا تھا۔

بنو امیہ کے منافق

بنو امیہ بن زید بن مالک میں سے ودیعہ بن ثابت کا شمار منافقین میں سے ہوتا تھا۔ یہ بھی مسجد ضرار کے بانیوں میں سے تھا۔ اسی نے ہی کہا تھا کہ ہم تو صرف کھیل و کود اور تماشا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَیِّنْ سَأَلْتَهُمْ لَیْقُوْنَنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِہٖ وَ رَسُوْلِہٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۵﴾ (مائدہ: ۶۵)

”اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے پس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ فرمائیے (گستاخو) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے۔“

بنو عبید کے منافق

خدام بن خالد کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔ مسجد ضرار اسی کے گھر میں بنائی گئی۔ بشر اور رافع جو زید کے لڑکے تھے ان کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

بنو نبیت کے منافق

ابن ہشام کہتے ہیں، نبیت سے مراد عمرو بن مالک بن اوس ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو نبیت کی شاخ بنو حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس میں مربع بن قینطی منافق تھا۔ جب حضور ﷺ میدان احد کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے اس کے باغ سے گزرنا چاہا، اس سیاہ بخت نے کہا ”اے محمد (مصطفیٰ ﷺ) اگر آپ (ﷺ) نبی ہیں تو میں آپ کو اس باغ میں سے گزرنے کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا“۔ اس نے اپنی مٹھی مٹی

سے بھری اور کہا ”اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ مٹی آپ کے علاوہ دوسروں پر بھی پڑے گی تو میں اسے آپ پر ضرور پھینک دیتا۔“ صحابہ کرام سرعت سے اس کی طرف بڑھے تاکہ اسے واصل جہنم کریں مگر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہ قلب کا بھی اندھا ہے اور بصیرت کا بھی۔ حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے اسے کمان سے زخمی کر دیا۔ اس کا بھائی اوس بن قنیطی بھی منافق تھا۔ اس نے ہی غزوہ خندق کے دن حضور ﷺ سے کہا تھا ”اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں ہمیں اذن دیں تاکہ ہم واپس چلے جائیں“ اس کے متعلق اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝ (احزاب)

”ایک گروہ نبی کریم سے یہ کہہ کر (حضور) ہمارے گھر بالکل محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ) سے فرار تھا۔“

ابن ہشام کہتے ہیں ”عورة“ سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو دشمن کے لئے غیر محفوظ اور تباہ ہونے والی ہو، اس کی جمع عورات آتی ہے، نابغہ ذبیانی کہتا ہے۔

مَتَى تَلْقَهُمْ لَا تَلْقَ لِلْبَيْتِ عَوْرَةً وَلَا الْجَارِ مَحْرُومًا وَلَا الْأَمْرِ ضَائِعًا
جب تو ان سے برسرِ پیکار ہو تو اس حالت میں نہ ہو کہ گھر غیر محفوظ، پڑوسی محروم اور معاملہ ہلاکت کے قریب ہو۔

انسان کی بیوی کو بھی عورة کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کی حرمت ہوتی ہے اور شرم گاہ کو بھی عورت کہا جاتا ہے۔

بنو ظفر کے منافقین

ابن اسحاق کہتے ہیں بنو ظفر کے منافقین میں سے حاطب بن امیہ بن رافع تھا۔ یہ بھاری بھرکم بوڑھا تھا، ساری زندگی جاہلیت میں بسر کر دی۔ اس کا ایک نورِ نظر تھا جو بہترین مسلمانوں میں سے تھا۔ اس کا نام یزید بن احطب تھا۔ غزوہ احد میں شدید زخمی ہو گیا جب زخموں کے مندل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اسے اٹھا کر بنو ظفر کے گھر پہنچا دیا گیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب یہ عالم بالا کو سدھارنے والا تھا تو مسلمان مرد اور عورتیں اس کے پاس جمع ہوئے، انہوں نے کہا ”اے ابن حاطب! تمہیں جنت کی بشارت ہو“۔ اسی روز حاطب کا نفاق آشکارا ہوا۔ اس نے کہا ”ہاں اسے جنت کی بشارت ہو مگر وہ جنت (باغ) حرم کی ہی ہوگی۔ قسم بخدا! تم نے اس

مسکین کو دھوکا دیا ہے۔“

منافق، بشیر بن ابیرق کا تعلق بھی بنو ظفر سے ہی تھا یہ وہی ابو طعمہ تھا جس نے زرہیں چرائی تھیں اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝ (النساء)
”اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے بے شک
اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بد دیانت (اور) بدکار ہے۔“

قرمان کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ یہ اہل آتش سے ہے۔ غزوہ احد کے دن اس نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ مشرکین کے کئی افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ خود بھی شدید زخمی ہو گیا اسے اٹھا کر بنو ظفر کی حویلی میں لے جایا گیا ایک صحابی نے اس سے کہا ”اے قرمان! تجھے بشارت ہو، تو نے آج خوب بہادری دکھائی ہے اور تو دیکھ رہا ہے کہ تجھے راہِ خدا میں کیسی اذیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔“ اس نے کہا ”مجھے کس چیز کی خوشخبری ہو،

زرہوں کی چوری

زرہوں کی چوری کا قصہ یہ ہے کہ ابیرق کے تین بیٹوں بشیر، مبشر اور بشر نے پانی پلانے والے کمرہ میں نقب لگائی۔ یا صرف بشر نے ہی اس کمرہ میں نقب لگائی جس طرح کہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ وہ کمرہ حضرت رفاعہ بن زید کی ملکیت تھا۔ انہوں نے وہاں سے زرہیں اور کچھ کھانا چرا لیا۔ کچھ دیر بعد راز افشا ہو گیا، حضرت رفاعہ کے چچا زاد حضرت قتادہ بن نعمان نے بارگاہ رسالت میں ان کی شکایت کر دی۔ اسید بن عروہ بن ابیرق حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ یہ لوگ انتہائی دیندار اور مصلح ہیں یہ اپنے گھر آ رہے تھے کہ ان لوگوں نے ان پر چوری کی تہمت لگادی اور ان کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں۔“ اسید نے ابیرق کے بیٹوں کی طرف سے اتنے دلائل دیئے کہ حضور ﷺ حضرت قتادہ اور حضرت رفاعہ پر ناراض ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ۝ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ هَآأَنْتُمْ هَآؤَآءُ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ

میں نے تو یہ دادِ شجاعت اپنی قوم کی حمیت میں آ کر دی ہے۔ جب اس کے زخموں نے شدت اختیار کر لی اور ان کی اذیت ناقابلِ برداشت ہو گئی تو اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اس سے اپنی ہتھیلی کی رگوں کو کاٹ لیا اور خود کشی کر لی۔

بنو عبد الاشہل کے منافق

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنو عبد الاشہل میں ضحاک بن ثابت کے علاوہ کوئی مرد یا عورت منافق نہ تھا۔ اس پر نفاق اور یہودیت سے محبت کی تہمت لگائی جاتی تھی اس کا تعلق بنو کعب سے تھا جو حضرت سعد بن زید کا قبیلہ تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَنْ مَّبْلَغُ الضَّحَاكِ أَنْ عُرُوْقَهُ أَعْيَتْ عَلَى الْإِسْلَامِ أَنْ تَتَجَدَّأَ
أَتُحِبُّ يَهْدَانَ الْحِجَازِ وَ دِينَهُمْ كِبَدَ الْحِمَارِ لَا تُحِبُّ مُحَمَّدًا
دِينًا لَعَرِي لَا يَوَافِقُ دِينَنَا مَا اسْتَنَّ آلُ فِي الْفَضَاءِ وَ حَوْدًا

کون ہے جو ضحاک تک میرا یہ سندیہ پہنچا دے کہ اس کی رگیں اسلام کی مخالفت کر کے عزت حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔ اے گدھے کے جگر والے تو یہودیوں اور ان کے دین سے محبت کرتا ہے اور حضور اکرم ﷺ سے محبت نہیں رکھتا۔ مجھے اپنی حیاتی کی قسم! یہودیوں کا دین ہمارے دین سے کوئی موافقت نہیں رکھتا۔ جب تک سراب فضا میں منڈلاتا اور حرکت کرتا رہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت (توبہ سے قبل)، معتب بن قشیر، رافع بن

عَفُورًا أَرَاهِيْمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ
يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا (نساء)

”اور مت جھگڑا کریں آپ ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بددیانت اور بدکاری ہے وہ چھپا سکتے ہیں اپنے ارادے لوگوں سے لیکن نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہوئے ہے سنتے ہو تم وہ لوگ ہو کہ جھگڑا کرتے ہو ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پس کون جھگڑا کرے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہو گا اس روز ان کا وکیل اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اسے اپنے لئے اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اور جو شخص کمائے

زید اور بشر اسلام کا دعویٰ کرتے تھے، مسلمانوں کے ساتھ ان کا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ مسلمانوں نے کہا ”ہم فیصلہ حضور ﷺ سے کرواتے ہیں“ ان منافقین نے کہا نہیں ہم فیصلہ کاہنوں سے کرواتیں گے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیہ مبارکہ نازل کی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ (نساء)

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس (کتاب) کے ساتھ جو اتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کیلئے (اپنے مقدمات) طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انہیں بہت دور تک۔“

بنو حشم کے منافقین

بنو حشم بن خزرج (بنو سلمہ) میں سے الجد بن قیس بھی منافق تھا اسی نے ہی حضور ﷺ سے کہا تھا ”اے محمد (عربی ﷺ)! مجھے اجازت دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیں“ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۖ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۚ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ (توبہ)

”اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دیجئے مجھے کہ (گھر ٹھہرا ہوں) اور مجھے فتنے میں نہ ڈالے خبردار فتنے میں تو وہ گر چکے اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔“

کوئی خطایا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے اٹھالیا (بوجھ) اور کھلے گناہ کا۔“

اس آیت میں بری سے مراد حضرت لبید بن سہل ہیں، بنو ابیرق کہتے تھے یہ چوری ہم نے نہیں کی بلکہ لبید بن سہل نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس الزام سے بری فرمادیا۔ اس آیت کے نزول کے بعد ابن ابیرق مکہ معظمہ کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں سلافہ بنت سعد بن شہید کے ہاں ٹھہرا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شعر لکھا جس میں اس عورت کے متعلق تعریض کیا۔ سلافہ نے ابن ابیرق سے کہا تو نے مجھے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ تحفہ دیا ہے۔ اس نے اس کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا اور کہا اگر آج رات تو نے میرے گھر میں بسر کی تو تجھے چیر پھاڑ کر رکھ دوں گی۔ پھر وہ خیبر کی طرف بھاگ گیا۔ ایک رات وہاں کسی گھر میں نقب لگا رہا تھا کہ دیوار اس پر آگری اور مر گیا۔ اس قصہ کو امام

بنو عوف کے منافقین

عبداللہ بن ابی بن سلول کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا، یہ منافقین کا سردار تھا۔ منافقین اسی کے پاس ہی جمع ہوتے تھے۔ غزوہ بنی مصطلق کے وقت اسی نے ہی کہا تھا۔ ”ہم اگر مدینہ واپس چلے گئے تو ہم میں سے معزز، ذلیل کو باہر نکال دے گا۔ اس کا یہ قول سورۃ المنافقین میں اسی طرح نازل ہوا۔ یہ آیت عبداللہ بن ابی، ودیعہ (بنو عوف کا ایک شخص) مالک بن ابی قوفل، سوید اور داعس کے متعلق نازل ہوئی۔ ان کا تعلق عبداللہ بن ابی کے قبیلہ سے ہی تھا۔ یہی وہ بد بخت تھے کہ جب حضور ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ فرمایا تو انہوں نے انہیں یہ پیغام بھیجا۔ ”ثابت قدم رہو، بخدا اگر تمہیں جلا وطن کیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ ہم تمہارے متعلق کسی کی بات نہیں مانیں گے اور اگر تم نے جنگ کی تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔“ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۖ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَصَرُوا هُمْ لَيُؤْتُوا الْأَذْيَارَ ۚ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ۚ لَا أَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قَوْمٍ مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْصِيهِمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۚ كَسَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قُرَيْبًا ذَاكُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ كَسَلِ الشَّيْطَانُ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي

ترمذی، کشی اور الطبری نے لکھا ہے اس کے مرنے کے واقعہ کو یحییٰ بن سلام نے لکھا ہے اکثر تفاسیر میں اس کا نام طمعہ بن ابیرق لکھا ہے۔ حدیث کی کتاب میں اس کا نام بشیر بن ابیرق لکھا ہے۔ ابن اسحاق نے اسے بشیر ابو طمعہ لکھا ہے۔ اس صورت میں طمعہ اس کا نام نہیں ہوگا اور یہ ابو طمعہ ہوگا۔ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ وہ دیوار جو اس پر گری تھی وہ طائف میں تھی خیبر میں نہ تھی۔ ابن سلام کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ اس وقت اہل طائف نے کہا۔ ”وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں بھلائی ہے وہ محمد عربی ﷺ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔“ سلافہ کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کے

بِرَبِّیْ عَزَمْتُكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (حشر)

”کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں (سن لو) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی (اے فرزند ان اسلام) ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے یہ اس لئے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں (یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے کہ انکار کر دے اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔“

علمائے یہود کی منافقت

ابن اسحاق فرماتے ہیں جس شخص نے اسلام کو آڑ بنایا مسلمانوں کے ساتھ اسلام میں داخل

متعلق کہا۔

وَمَا سَارِقُ الدَّرْعَيْنِ اِذْ كُنْتَ ذَاكِرًا بِذِي كَرَمٍ مِنَ الرِّجَالِ اَوَادِعُهُ
وَقَدْ اَنْزَلْتَهُ بِنْتُ سَعْدٍ فَاصْبَحَتْ تَنَازِعُهَا جَارَاسَتِهَا وَ تَنَازِعُهُ
ظَنَنْتُمْ بَانَ يَخْفَى الَّذِي صَنَعْتُمْ وَ فَيَكُم نَبِيٌّ عِنْدَهُ الْوَحْيُ وَاَضْحَهُ
ذرہوں کو چرانے والا اتنا بھی معزز نہیں کہ تو اس کا تذکرہ کرتا جائے۔ میں اسے درخور اعتنا نہیں سمجھتا۔ بنت سعد نے اسے اپنا مہمان بنالیا پھر وہ اس سے جھگڑنے لگا اور وہ اس سے جھگڑنے لگی۔ کیا

ہوا اور اسلام کا اظہار کیا وہ منافق ہے۔ اسی طرح علمائے یہود نے بھی نفاق کا اظہار کیا۔ بنو قینقاع میں سے سعد بن حنیف، زید بن لصیت، نعمان بن اونی بن عمرو اور عثمان بن اونی منافق تھے۔ زید بن لصیت ہی وہ شخص تھا جس نے بنو قینقاع کے بازار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔ جب حضور ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی تو اسی شخص نے کہا تھا۔ ”محمد (عربی ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ آسمان سے ان پر وحی آتی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟“ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس اونٹنی کے متعلق بتا دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

”إِنَّ قَائِلًا قَالَ يَزْعُمُ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ يَأْتِيهِ خُبْرُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْرِي آيْنَ نَاقَتُهُ وَاللَّهِ مَا أَعْلَمُ إِلَّا مَا عَلَّمَنِي اللَّهُ وَقَدْ وَلَّيْنَا اللَّهَ عَلَيْهَا فَهِيَ فِي هَذَا الشَّعْبِ قَدْ حَبَسَتْهَا شَجَرَةٌ بِزَمَامِهَا“۔

ایک کہنے والا کہتا ہے کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ آسمان سے ان کے پاس وحی آتی ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے قسم بخدا! میں وہی علم جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھاتا ہے۔ اب اس نے مجھے اس اونٹنی کے متعلق بتا دیا ہے وہ اس گھاٹی میں ہے اس کی نیل ایک درخت کے ساتھ الجھی ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس گھاٹی میں گئے انہوں نے وہاں ہی اونٹنی کو پایا جہاں حضور ﷺ نے فرمایا اور بالکل اسی حالت میں پایا جس طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔ رافع بن حریملہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اسی کی موت کے وقت حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ ”منافقین کے سرداروں میں سے ایک سردار آج مر گیا ہے“۔ رفاعہ بن زید بن تابوت کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ جب حضور ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس تشریف لارہے تھے تو راستہ میں شدید آندھی کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان اسے دیکھ کر گھبرا گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں یہ آندھی کفار کے عظیم سرداروں میں سے ایک سردار کی موت کے لئے آئی ہے“۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو گئے تو معلوم ہوا کہ رفاعہ بن زید اسی دن مرا تھا جب شدید آندھی آئی تھی۔ سلسلہ بن برہام اور کنانہ بن صوریہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

تمہارا گمان ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ مخفی رہے گا۔ حالانکہ تمہارے پاس وہ نبی محترم ﷺ ہیں جن پر وحی آتی ہے اور وہ آپ ﷺ کے لئے ہر چیز کو عیاں کر دیتی ہے۔

سیبویہ کی کتاب میں یہ اشعار موجود ہیں۔

منافقین کا مسجد نبوی سے اخراج

یہ تمام منافقین مسجد نبوی میں آتے مسلمانوں کی باتیں سنتے اور ان کا تمسخر اڑاتے، ان کے دین کا مذاق اڑاتے۔ ایک دن ان کے کچھ افراد مسجد نبوی میں جمع ہوئے حضور ﷺ نے انہیں ملاحظہ فرمایا۔ وہ باہم سرگوشی کر رہے تھے، وہ مل کر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے فرمان پر انہیں سختی سے باہر نکال دیا گیا۔ حضرت ابو ایوب خالد بن زید کلبی رضی اللہ عنہ عمرو بن قیس کے پاس گئے۔ یہ زمانہ جاہلیت میں مشترکہ معبودان کی عبادت کرتے تھے۔ انہوں نے اس کی ٹانگ پکڑی اور گھسیٹتے ہوئے اسے مسجد سے باہر لے آئے، وہ چلا رہا تھا ”ابو ایوب! تم مجھے بنو ثعلبہ کی کھجوریں خشک کرنے کی جگہ سے باہر نکال رہے ہو“ پھر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ رافع بن ودیعہ (بنو نجار سے تعلق تھا) کے پاس آئے۔ اسے چادر سے پکڑ لیا اور سختی سے کھینچا اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور یہ کہتے ہوئے اسے مسجد نبوی سے باہر نکال دیا۔ ”اے خبیث منافق تجھ پر افسوس ہے۔ اَدْرَا جَكَ يَا مُنَافِقُ مِنْ مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔“ اے منافق جس راستہ سے آیا تھا اسی راستہ سے مسجد رسول اللہ ﷺ سے نکل جا۔“ شاعر کہتا ہے۔

فَوَلَّى وَ اَدْبَرَ اَدْرَا جَهُ وَ قَدْ بَاءَ بِالظُّلْمِ مَنْ كَانَ ثَمَّ
وہ روگرداں ہوا اور اس راستہ سے چلا گیا جس راہ سے آیا تھا جو کبھی وہاں موجود تھا اس نے ظلم کا اقرار کر لیا۔

حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ زید بن عمرو کے پاس گئے۔ زید کی داڑھی بہت لمبی تھی انہوں نے اسے داڑھی سے پکڑ لیا اور شدت سے کھینچ کر مسجد سے باہر نکال دیا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اسے ایسا تھپڑ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ زید نے کہا ”اے عمارہ تو نے میری اچھی درگت بنائی ہے۔ حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اے منافق! اللہ تعالیٰ کا تیرے لئے تیار کردہ عذاب اس سے کہیں شدید ہے۔ آج کے بعد مسجد نبوی کے قریب مت آنا۔“ ابن ہشام کہتے ہیں ہتھیلی سے مارنے کو لَذَم کہتے ہیں، تمیم بن ابی بن مقبل کہتا ہے۔

وَلِلْفُؤَادِ وَجِيبٌ تَحْتَ أَبْهَرٍ لَذَمُ الْوَلِيدِ وَدَاءُ الْغَيْبِ بِالْحَجْرِ
دل کے دھڑکنے کی آواز اس کی رگ کے نیچے سے اس طرح آرہی ہے جس طرح حجر میں نشیبی زمین کے پیچھے ولید تھپڑ مار رہا تھا۔

الغیب۔ نشیبی زمین کو اور ابھر دل کی رگ کو کہتے ہیں۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت ابو محمد مسعود بن اوس بن زید بن اصرم بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار (ان کا تعلق بنو نجار سے تھا اور بدری صحابہ میں شمار ہوتے تھے) قیس بن عمرو بن سہل کی طرف گئے۔ قیس جوان تھا، منافقین میں اس کے علاوہ اور کوئی جوان شامل نہ تھا۔ انہوں نے اسے گدی سے پکڑا اور دھکے دے کر مسجد نبوی سے باہر نکال دیا۔

جب حضور ﷺ نے منافقین کو مسجد سے باہر نکالنے کا حکم دیا تو بنو بلحدرہ بن خزرج (حضرت ابوسعید خدری کا یہی قبیلہ تھا) کا ایک شخص اٹھا ان کا نام حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ تھا اور حارث بن عمرو کی طرف گئے۔ حارث کے بال لمبے تھے انہوں نے اسے بالوں سے پکڑا اور سختی سے باہر نکال دیا۔ منافق چلا رہا تھا ”اے ابن حارث! تم نے بہت سختی سے کام لیا ہے“ انہوں نے فرمایا ”اللہ کے دشمن! تو اسی قابل تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق حکم نازل کر دیا ہے، آج کے بعد مسجد رسول ﷺ کے قریب بھی نہیں آنا تو ناپاک ہے۔“ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص زوی بن حارث کے پاس گیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے مسجد نبوی سے باہر لے گئے اور اس سے بے زاری کا اظہار کیا اور کہا۔ ”تجھ پر شیطان اور اس کا حکم غالب آچکا ہے۔“ اس روز مسجد نبوی میں یہی منافق تھے جنہیں حضور ﷺ نے باہر نکال دینے کا حکم دیا۔

سورۃ بقرہ کی آیات جو منافقین کے بارے نازل ہوئیں

اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلَمْ يَذْكُرْ اَنْ اَكْتُبُ لَكَ فِيْهِ۔ ”الف، لام، میم۔ یہ ذیشان کتاب ذرا شک نہیں اس میں۔“
اس کتاب حکیم میں کوئی شک نہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں ساعدۃ بن جویہ الہذلی کا شعر ہے۔
فَقَالُوا عٰهَدْنَا الْقَوْمَ قَدْ حَصَرُوْا بِہٖ فَلَا رٰیِبَ اَنْ کَانَ ثُمَّ لَحِیْمٌ

ابو محمد رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق نے ابو محمد رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا تعلق بنو نجار سے تھا۔ اس سے زیادہ انہوں نے کچھ نہیں لکھا۔ یہ ابو محمد مسعود بن اوس بن زید بن اصرم بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھے۔ ان کا شمار شامیین میں ہوتا ہے ان کا موقف تھا کہ وتر واجب ہیں حضرت عبادۃ فرماتے تھے کہ یہ ان کی لغزش تھی۔ امام واقدی اور مؤرخین کے ایک گروہ کے نزدیک یہ بدری صحابہ میں سے تھے مگر ابن اسحاق نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

انہوں نے کہا ہم نے اس قوم سے معاہدہ کیا جس کا انہوں نے محاصرہ کر رکھا تھا اس میں شک نہیں کہ وہاں ایک مقتول بھی تھا۔ الرَّيْبُ اور الرَّيْبَةُ کا معنی ایک ہی ہے۔ خالد بن زہیر الہذلی کہتا ہے۔ ”كَانَهُ أَرَيْبُهُ بَرَيْبُ“ ابن ہشام کہتے ہیں بعض لوگوں نے یہ مصرعہ اس طرح روایت کیا ہے۔ ”كَانَنِي أَرَبْتُه بَرَيْبُ“۔ یہ خالد ابو ذؤیب کا بھتیجا تھا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

یعنی وہ لوگ جو اس چیز کو ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جس میں ہدایت ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیام حق کی تصدیق کر کے اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱﴾ (بقرہ)

”وہ جو ایمان لائے ہیں غیب پر اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں۔“

منافقین کے متعلق نازل کردہ آیات

ابن ہشام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رَيْبٌ اور رَيْبَةُ کا معنی ایک ہے۔ اس کے لئے انہوں نے خالد بن زہیر، ابی ذؤیب کے بھتیجے کے شعر سے استدلال کیا ہے۔ ابو ذؤیب کا نام خویلد بن خالد تھا اور یہ مصرعہ اس کے اس قصیدہ سے ہے۔

يَا قَوْمِ مَالِي وَ آبَا ذُوَيْبٍ كُنْتُ إِذَا أَتَيْتُهُ مِنْ غَيْبٍ
يَشْمُ عَطْفِي وَ يَسُّ نَوْبِي كَانَنِي أَرَبْتُه بَرَيْبُ

اے میری قوم! میرا اور ابو ذؤیب کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے میں جب بھی باہر سے اس کے پاس آتا ہوں تو وہ میرے پہلو سونگھتا ہے، میرے کپڑوں کو چھوتا ہے گویا کہ میں نے اسے کسی شک میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ابو ذؤیب خالد کو کسی عورت سے متہم کرتا تھا اسی لئے خالد نے یہ اشعار کہے۔

ایمان بالغیب

ایمان بالغیب کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ۱۔ اس سے مراد موت کے بعد امور آخرت پر ایمان لانا ہے، ۲۔ غیب سے مراد تقدیر ہے، ۳۔ غیب سے مراد دل ہے یعنی وہ دل سے ایمان لاتے ہیں، ۴۔ غیب سے مراد ذات خداوندی ہے، ۵۔ مگر بہترین قول حضرت ربیع بن انس کا ہے، وہ کہتے

وہ لوگ فرض نماز ادا کرتے ہیں اور اپنے نفس کا احتساب کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں
وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ

”اور وہ جو ایمان لائے ہیں اس پر (اے حبیب) جو اتارا گیا ہے آپ پر اور جو اتارا گیا ہے
آپ سے پہلے۔“

جو حیاتِ آفرین اور روح پرور پیامِ آخرین آپ ﷺ بارگاہِ صمدیت سے لے کر آئے
ہیں یہ اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں اور وہ پیام جو سابقہ انبیاء علیہم السلام بارگاہِ لم یزل سے لے
کر آئے ہیں وہ اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ انبیاء کرام میں تفریق نہیں کرتے اور جو کچھ وہ
اپنے رب کی بارگاہ سے لے کر آئے ہیں وہ اس کا بھی انکار نہیں کرتے۔

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

”اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔“

وہ موت کے بعد زندگی، قیامت، جنت، آگ، حساب اور میزان پر یقین رکھتے ہیں، یعنی یہ
لوگ آپ ﷺ پر اترنے والے صحیفہ رشد و ہدایت اور سابقہ الہامی کتب پر ایمان رکھتے ہیں۔
أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ۔

”وہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے۔“

بارگاہِ ربوبیت سے ایک خاص نور کی عطا کی وجہ سے وہ راہِ ہدایت و استقامت پر گامزن

ہیں۔ یُؤْمِنُونَ بِظَهْرِ الْغَيْبِ۔ وہ پوشیدہ امور کے ظہور کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ وہ منافقین کی
طرح نہیں ہیں جن کا و طیرہ یہ ہے کہ وہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور
جب ان سے علیحدہ ہوتے ہیں تو کفر کرتے ہیں۔ سیاق کلام بھی اسی تاویل کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ (الملک: ۱۲) بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور اس میں صرف
ایک ہی تاویل ہو سکتی ہے اور اسی سے اختلاف میں فیصلہ ہو سکتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے، لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ حالانکہ بہت سے لوگوں نے اس کتابِ حکیم میں شک کیا ہے۔
اس اعتراض کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ مومنین کے ساتھ خاص ہے یعنی کسی
بھی مومن کے نزدیک اس میں شک نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام سہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول
ضعیف ہے کیونکہ اس آیت میں عموم پایا جاتا ہے۔ اس اعتراض کا صحیح جواب یہ ہے کہ اگرچہ کلام کا انداز
خبریہ ہے مگر یہ نہی کے معنی میں ہے یعنی لَا تَرْتَابُوا۔ اس میں شک نہ کرو، یہ نہی عام ہے اس میں کوئی

ہیں۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

”اور وہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں۔“

وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہر اس چیز کا ادراک کر لیا جس کی انہیں جستجو تھی اور جس سے وہ راہِ فرار اختیار کرتے تھے اس کے شر سے وہ نجات پا گئے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا۔

”بے شک جنہوں نے کفر اختیار کر لیا ہے۔“

جنہوں نے اس دلنشین پیغام کا انکار کیا جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا اگرچہ وہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء پر نازل کردہ کتب اور صحائف پر ایمان بھی رکھتے ہوں۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔

”یکساں ہے ان کے لئے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

انہوں نے آپ ﷺ کے اس ذکرِ خیر کا انکار کر دیا جو ان کے پاس مرقوم تھا اور آپ ﷺ کے لئے جو ان سے عہد و میثاق لیا گیا تھا اس سے بھی وہ انکار کر گئے گویا کہ انہوں نے آپ ﷺ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کے پیغام کا انکار کر دیا۔ اب آپ ﷺ کی طرف

اختصاص نہیں ہے اور اس سے بھی درست قول یہ ہے کہ یہ خبر قرآنِ پاک کی طرف سے ہو یعنی اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو شک کا باعث ہو کیونکہ جب کسی سے کوئی ناپسندیدہ امر دیکھا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ رَأَيْتُ مِنْكَ كَذًّا وَ كَذًّا۔ قرآن میں کوئی ایسی شے نہیں جس کا عقل انکار کرے۔ رَيْبٌ اگر مصدر ہو تو اس سے اس چیز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو شک میں ڈالتی ہو۔ جس طرح ضیف کو ضائف سے اور طیف کو طائف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اللہ رب العزت کا یہ ارشاد بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ لَيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ کیونکہ یہ خبر ہے اور نہی صفت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ لَا رَيْبَ فِيهِ یوم کی صفت کے قائم مقام ہے۔ موت کے بعد حیات میں کوئی ایسا امر نہیں جو تجھے شک میں مبتلا کر دے کیونکہ جو ذات بے ہمتا آغاز سے تخلیق کر سکتی ہے وہ اس چیز کو دوبارہ تخلیق کرنے پر زیادہ قادر ہے۔ ریب مطلق شک کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ تم یہ تو کہہ سکتے ہو۔ رَأَيْتُ مِنْكَ رَائِبٌ مگر تم شکینی نہیں کہہ سکتے مگر اِذْ تَبْتَ اسی طرح کہا جاسکتا ہے جس طرح شککتُ کہا جاسکتا ہے کیونکہ اِذْ تَبَابٌ شک کے معنی کے قریب تر ہے۔

سے ڈر یا خوف کی باتیں وہ کیسے سن سکتے ہیں اور آپ ﷺ کے متعلق ان کے ہاں جو تذکرے تھے انہوں نے اس کا بھی انکار کر دیا۔

حَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔

”مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔“

حق تک رسائی کے لئے ان کے سامنے حجابات ہیں وہ رشد و ہدایت کو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اس حق کی تکذیب کی ہے جسے لے کر آپ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ جب تک وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ وہ سابقہ تمام کتب پر ایمان لے بھی آئیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ تمام آیات علماء یہود کے متعلق نازل ہوئیں کیونکہ انہوں نے حق کے عرفان کے بعد اس کی تکذیب کی۔

اوس اور خزرج کے منافقین کے متعلق آیات

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝

”اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر حالانکہ وہ مؤمن نہیں۔“

اس آیت میں اوس و خزرج کے منافقین کا ذکر ہے اور ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان کی روش پر تھے۔

يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ۚ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ هَٰذَا كَلَامُ الَّذِينَ يُكْذِبُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝

”فریب دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو اور (حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو (اور اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

مرض کا اصل ضعف اور اعضاء کا فتور ہے، یہاں اس سے ضعف یقین اور دل کا فتور مراد ہے۔ اس

ان کی بیماری اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے اور جب کہا جائے انہیں کہ مت فساد پھیلاؤ زمین میں تو کہتے ہیں کہ ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں۔“
یعنی ہم مومنین اور اہل کتاب کے مابین اصلاح چاہتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے۔

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمْ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا الْقَوَالِيُّنَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّمَا مَعَكُمْ إِنَّمَا حَنُّ مُسْتَهْزِئُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

”ہوشیارو ہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور جب کہا جائے انہیں ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بے وقوف و خبردار وہ احمق ہیں مگر وہ جانتے نہیں اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف (ان کا) مذاق اڑا رہے تھے اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی اور ڈھیل دیتا ہے انہیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔“

”شیاطین“ سے مراد یہودی ہیں جو بنو اوس اور بنو خزرج کے منافقین کو حق کی تکذیب کا حکم دیتے تھے اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے خلاف کام کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ وہ کہتے تھے ہم بھی اسی عقیدہ پر ہیں جس پر تم ہو ہم تو اس قوم سے مذاق کرتے ہیں۔

يَعْمَهُونَ

ابن ہشام کہتے ہیں اس کا معنی ہے کہ وہ حیران و سرگرداں ہیں اہل عرب کہتے ہیں۔ رَجُلٌ عَمَهُ وَ عَامَهُ۔ حیران مرد۔ روبہ بن عجاج شہر کی تعریف میں کہتا ہے۔
أَعْمَى الْهُدَى بِالْجَاهِلِينَ الْعُمَةُ۔ الْعُمَةُ، عامہ کی جمع ہے عِمَہ کی جمع عِمَهُون آتی ہے، عورت کے لئے عِمَہ اور عِمَہاء استعمال ہوتا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی فَمَا رَبَحَتۡ ثٰجَارَهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ۝
”(یہ) وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے میں مگر نفع بخش نہ ہوئی ان کی (یہ) تجارت اور وہ صحیح راہ نہ جانتے تھے۔“

کا عطف فَرَّادَهُمُ اللہ پر ہے حالانکہ فعل کا اسم پر عطف نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس جیسے جملہ پر اس کا

یعنی انہوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ضرب المثل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

كَشَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَلَّتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٠﴾

”ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی پھر جب جگمگا اٹھا اس کا آس پاس تو لے گیا اللہ ان کا نور اور چھوڑ دیا انہیں گھپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔“

یعنی وہ حق کو دیکھ ہی نہیں سکتے اور وہ اس کے متعلق گفتگو کرتے ہیں جب وہ کفر کی ظلمت سے نکلے تو انہوں نے نور ایمان کو اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے بجھا دیا، اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں کفر کی ظلمات میں چھوڑ دیا وہ نہ تو ہدایت کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی حق پر استقامت اختیار کر سکتے ہیں۔

صُمُّ بَكْمٌ عُمَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

”یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ نہیں پھریں گے۔“

وہ ہدایت کی طرف نہیں لوٹ سکتے وہ بھلائی سے بہرے، گونگے اور اندھے ہیں وہ نہ تو خیر و برکت کی طرف پلٹ سکتے ہیں نہ ہی اپنے کافرانہ رویہ کی وجہ سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

اَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ اَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ وَاللَّهُ مُخِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١١﴾

”یا پھر ایسے زور کا مینہ برس رہا ہو، بادل سے جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے باعث، موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔“

ابن ہشام کہتے ہیں، الصَّيْبُ بارش کو کہتے ہیں، یہ صَائِبٌ يَصُوبُ سے مشتق ہے جس طرح السَّيْدُ سَادَ يَسُودُ سے مشتق ہے اور مَيِّتٌ مَاتَ يَمُوتُ سے مشتق ہے۔ اس کی جمع صيَابٌ آتی ہے۔ علقمہ بن عبد جس کا تعلق بنو ربیعہ بن مالک بن زید مناة بن تمیم سے تھا کا شعر ہے۔

كَانَهُمْ صَابَتْ عَلَيْهِمْ سَحَابَةٌ صَوَاعِقُهَا لِطَيْرٍ هِنَّ دَبِيبٌ
گویا کہ ان پر بادل سایہ فلک ہو چکا ہے جس کی بجلیاں ان کے پرندے کے لئے ہیں۔

عطف ہو سکتا ہے مثلاً یہ کہنا، فِي الدَّارِ زَيْدٌ فَأَعْطَيْتُهُ وَرَهْمًا درست نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

فَلَا تَعْدِلِي بَيْنِي وَ بَيْنَ مُعْتَرٍ سَقَتِكَ رَوَايَا الْمَزْنِ حَيْثُ تَصُوبُ
میرے اور مغم کے مابین موازنہ نہ کر۔ تجھے بادل کا پانی سیراب کرے وہ جہاں بھی چلے۔
ابن اسحاق کہتے ہیں وہ منافقین کفر اور قتل ہو جانے کے خوف کی وجہ سے ظلمت میں ہیں
کیونکہ ان پر (اے مومنین) تمہارا خوف سوار ہے یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح کوئی شخص بارش
کی تاریکی میں ہو وہ بجلیوں کی وجہ سے موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس
لے۔ ان پر یہ عذاب اللہ تعالیٰ نے ہی اتارا ہے اور وہ کافروں کا احاطہ کرنے والا ہے۔

يَكَاذُ الْبَرُّ يُخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ

”قریب ہے کہ بجلی اچک لے جائے ان کی بینائی۔“

یعنی حق کی ضیاء کی شدت کی وجہ سے۔

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَافِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا

”جب چمکتی ہے ان کے لئے تو چلنے لگتے ہیں اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیر چھا جاتا
ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔“

یعنی وہ حق کو پہچان لیتے ہیں اور اسی کے متعلق بات چیت کرتے ہیں مگر جب وہ لوٹ کر
دوبارہ کفر میں جاتے ہیں تو وہ حیران و سرگرداں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

”اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے ان کے سننے کی قوت اور ان کی بینائی بے شک اللہ تعالیٰ ہر
چیز پر قادر ہے۔“

انہوں نے ۶۷ کے عرفان کے بعد اسے ترک کر دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ

”اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی۔“

اب کفار اور منافقین دونوں فریقوں سے خطاب ہے۔ اپنے رب کو یکتا تسلیم کر لو۔

الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بَنَاقًا ۖ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا ۚ
أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

فِي قُلُوبِهِمْ، ”مَرَضَتْ قُلُوبُهُمْ“ کے معنی میں ہے اس لئے فعل پر فعل کا عطف کرنا درست ہے۔

”جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ وہ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لئے پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے لئے مد مقابل اور تم جانتے ہو۔“

ابن ہشام کہتے ہیں اَنَدَاد کا معنی امثال ہے، اس کا واحد ”نَد“ ہے۔ عبید بن ربیعہ کا شعر ہے۔
 اَحْمَدُ اللّٰهَ وَ لَا نِذْلَهُ بِيَدَيْهِ الْخَيْرُ مَا شَاءَ فَعَلْ
 میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں، اس کے دست قدرت میں بھلائی ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، یعنی ان معبودان باطلہ میں سے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ جو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ تم خود جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں جو تمہارا روزی رساں ہو تم یہ بھی جانتے ہو کہ رسول محترم ﷺ اللہ کی وحدانیت کی طرف جو تمہیں بلا رہے ہیں وہ حق ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهٖ ۚ وَ اذْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (بقرہ: ۲۳)

”اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلا لاؤ اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا۔“

یعنی جو سراپا حق پیغام تمہارے پاس پہنچا ہے اگر تمہیں اس میں شک ہو تو پھر ان معاونین و مددگاروں کو بلا لو جنہیں بلانے کی تم استطاعت رکھتے ہو۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا
 ”اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے۔“
 تمہارے لئے حق آشکار ہو چکا ہے۔

فَاتَّقُوا النَّاسَ الَّتِيْ وَقُوْذُهَا النَّاسُ وَالْجَعَارَةُ ۖ اُعدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ۝ (بقرہ: ۲۴)

”تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے۔“
 جہنم ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اس کافرانہ روش پر ہوں جس پر تم ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ترغیب دلائی اور اس میثاق کو توڑنے سے ڈرایا جو ان سے نبی محترم ﷺ کے لئے کیا گیا تھا کہ جب آپ ﷺ ان میں جلوہ نما ہوں تو انہیں کیسا حسن

سلوک کرنا چاہئے۔ انہیں ان کی تخلیق کے آغاز کے متعلق بتایا نیز بتایا کہ ان کی آفرینش کیسے ہوئی؟ حضرت آدم علیہ السلام کی شان عیاں کی۔ ان کے معاملہ کو بیان کیا، جب شیطان نے ان سے لغزش کرائی تو ان کے ساتھ کیسا رویہ اپنایا گیا؟ پھر فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرٰٓءٰٓءِیْل اِذْ کَرُوْا نِعْمَتِیْ اَلَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ (بقرہ: ۴۰)

”اے اولاد یعقوب یاد کرو میرا وہ احسان جو کیا میں نے تم پر“۔

اب روئے خطاب علماء یہود کی طرف ہے، یعنی اس وقت کو یاد کرو جب میں نے تمہیں اور تمہارے آباء کو آزمائش میں ڈالا پھر تمہیں فرعون اور اس کی قوم سے نجات دی۔

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ۔ ”اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو“۔

اس عہد کو پورا کرو جو میں نے تم سے احمد مجتبیٰ ﷺ کے متعلق لیا تھا۔

اَوْفِ بِعَهْدِکُمْ۔ ”میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو“۔

جب تم میرے مصطفیٰ ﷺ کی تصدیق اور اتباع کرو گے تو میں اپنا وعدہ پورا کروں گا تم پر جو بارگراں تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہے اسے اٹھالوں گا۔

وَ اٰتٰی اٰی فَاٰرَہٗوْن۔ ”اور صرف مجھی سے ڈرا کرو“۔

یعنی میں تم پر بھی ایسا عذاب نازل کروں جو میں نے پہلے تمہارے آباء پر نازل کیا تھا، وہ ایسا عذاب ہے جسے تم خوب جانتے ہو۔

وَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ کٰفِرِیْہِ

”اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمہارے پاس ہے اور نہ بن جاؤ تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس کے“۔

تمہارے پاس وہ علمی خزانہ ہے جو دوسروں کے نصیب میں کہاں۔

وَ اٰتٰی اٰی فَاٰتَقُوْنَ ۝ وَ لَا تَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَکُوْنُوْا الْحَقُّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ)

”اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور مت ملایا کرو حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو

بنو اسرائیل

بنو اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کو اسرائیل کہا جاتا تھا۔ اس کا معنی سَریٹُ اللہ ہے مگر قرآن پاک میں یہودیوں کو بنو اسرائیل سے ہی خطاب کیا گیا ہے، انہیں بنو یعقوب سے خطاب نہیں کیا گیا جب حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور

حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا عرفان اور معرفت جو تمہارے پاس ہے اسے نہ چھپاؤ، تم اپنے صحف میں آپ ﷺ کے مبارک ذکر کو بھی پاتے ہو۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥٥﴾ (بقرہ)
 ”کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔“

تم نبوت کے فیضان اور تورات کی وجہ سے لوگوں کو تو کفر سے منع کرتے ہو مگر خود اسی مرض میں مبتلا ہو تم اس عہد کو فراموش کر رہے ہو جو میرے رسولِ محترم ﷺ کی تصدیق کے لئے تم سے لیا گیا تھا تم اس عہد کو توڑتے ہو اور میری کتاب میں سے جو کچھ تم جانتے ہو اس کا انکار کرتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعات کا تذکرہ کیا یہ بیان کیا کہ انہوں نے پچھڑے کے ساتھ کیا کیا، اپنی ناراضگی اور ان کی توبہ کا ذکر کرنے کے بعد ان کا قول ذکر کیا۔
 نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً (بقرہ: ۵۵) ”ہم نے دیکھ لیا اللہ کو ظاہر۔“

ابن ہشام کہتے ہیں ”جَهْرَةً“ ایسا ظاہر کر کے کہ کوئی اسے ہم سے مستور نہ کر سکے۔ ابوالخضر قتیبہ الحمائی کہتا ہے۔ يَجْهَرُ أَجْوَافَ الْبَيْتِ السَّدْمِ۔ پانی تادیر ٹھہرنے کی وجہ سے اس قدر صاف ہو گیا ہے کہ اس کے پیندے سے ریت وغیرہ ظاہر ہو گئی ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر ان کی گستاخی کی وجہ سے انہیں صاعقہ کا سامنا کرنا پڑا پھر اللہ رب العزت نے انہیں حیاتِ نو عطا کی بادل سایہ کناں ہوا اور من و سلویٰ کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ (بقرہ: ۵۸)

”اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکائے ہوئے اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں)۔“

جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ میں تمہارے گناہوں کو مٹا دوں گا مگر انہوں نے فرمانِ الہی کا پاس نہ کیا اس کا مذاق اڑایا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا آغاز ہوا۔
 ابن ہشام کہتے ہیں۔ ”النَّ“ وہ چیز تھی جو وقتِ سحران کے درختوں پر گرتی تھی وہ اسے جمع

حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر خیر ہوتا ہے تو پھر اسرائیل کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس میں ایک حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خطاب کیا جاتا ہے تو ان کو ان

کر لیتے تھے وہ شہد کی طرح شیریں تھی وہ اسے پیتے بھی تھے اور کھاتے بھی تھے۔ اُشی بن قیس بن ثعلبہ کہتا ہے۔

لَوْ أَطْعَمُوا النَّنَّ وَالسَّلْوَى مَكَانَهُمْ مَا أَبْصَرَ النَّاسُ طُعْمًا فِيهِمْ نَجْعًا
اگر لوگوں کو اس کی جگہ من و سلوی بھی کھلایا جاتا تو لوگ اسے فائدہ مند کھانا نہ سمجھتے۔
سلوی ایک پرندہ تھا اس کا واحد سلوۃ ہے بعض اسے سمانی (بئیر کی طرح کا ایک پرندہ) کہتے ہیں شہد کو بھی سلوی کہتے ہیں خالد بن زہیر الہذلی کہتا ہے۔

وَقَاسَمَهَا بِاللَّهِ حَقًّا لَّأَنْتُمْ أَلَدُّ مِنَ السَّلْوَى إِذَا مَا نَشُورُهَا
اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہا حقیقت یہ ہے کہ تم شہد سے زیادہ میٹھے ہو جب ہم اسے چھتے سے نکالتے ہیں۔

حِطَّةٌ کا معنی ہے کہ مولا! ہمارے گناہوں پر قلم عفو فرما۔
ابن اسحاق کہتے ہیں بنو اسرائیل نے جس فرمانِ خداوندی کو تبدیل کیا تھا اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”جس دروازے سے انہیں سجدہ کرتے ہوئے گزرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ وہاں سے پشت گھسیٹ کر گزرے اور ان کے لبوں پر تھا۔“ جو میں گندم“ ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں بارانِ رحمت کی التجاء کی انہیں حکم ملا کہ وہ اپنا مبارک عصا پتھر پر ماریں جس سے ان کے لئے بارہ چشمے رواں ہو گئے۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک چشمہ مخصوص تھا جس سے وہ پانی پیتے تھے پھر انہوں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کہا۔

لَنْ نُصْبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ فَاذْعُمْنَا رَبِّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّاءِهَا وَفُومِهَا
”ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دعا کیجئے ہمارے لئے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لئے وہ جن کو زمین اگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور لکڑی اور گیہوں“
ابن ہشام کہتے ہیں فوم کا معنی گندم ہے۔ امیہ بن الصلت الشقفی کہتا ہے۔

فَوْقَ شِيزَى مِثْلَ الْجَوَابِي عَلَيْهَا قِطْعٌ كَالْوَذِينِ فِي نَقِي فُومٍ
آبنوس کی لکڑی کے اوپر میرے جواب کی مثال اس طرح ہے کہ گویا صاف گندم میں صیقل

کے اسلاف کے دین کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ ان کے لئے نصیحت پذیری کا ساماں پیدا ہو جائے اور انہیں غفلت پر تنبیہ ہو جائے۔ انہیں اس نام سے پکارا گیا جس میں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر تھا اسرائیل

شدہ چاندی کا ٹکڑا ہے۔

وَذِيلِ چاندی کے ٹکڑے کو اور فُوم گندم کو کہتے ہیں اس کا واحد فُومۃ ہے۔

وَعَدَسَهَا وَبَصِلَهَا ۚ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اِهْبِطُوا مِصْرًا ۚ اِنَّ لَكُمْ مَقَالَتُمْ ۚ

”اور مسور اور پیاز، موسیٰ نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلے میں جو

عمدہ ہے (اچھا) جار ہو کسی شہر میں تو مل جائے گا جو تم نے مانگا۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں وہ احکام خداوندی پر عمل پیرا نہ ہوئے کوہ طور کو ان کے سروں پر کھڑا کر

دیا گیا تا کہ وہ اس چیز کو پکڑ لیں جو انہیں عطا کی گئی، پھر ان میں مسخ بھی ہوا۔ ان میں سے کچھ

افراد کو ان کی لغزشوں کی وجہ سے بندر بنا دیا گیا۔ اللہ رب العزت نے اس گائے کا تذکرہ فرمایا

جسے ان کے لئے بطور عبرت ظاہر کیا گیا اسے اس قتل کے لئے ظاہر کیا گیا جس میں ان کا

اختلاف ہو گیا تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملہ کو عیاں فرما دیا۔ انہوں نے گائے کے متعلق

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت سے سوالات کئے پھر ان کے دل پتھر کی طرح یا اس سے بھی

سخت ہو گئے، ارشاد ربانی ہے۔

وَ اِنَّ مِنْهَا لَنَآیَہِیْطُ مِنْ خَشِیۃِ اللّٰہِ ۚ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵﴾ (بقرہ)

”(کیونکہ) کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے

ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوفِ الہی سے اور اللہ بے خبر

نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔“

تمہارے دل تو پتھروں سے زیادہ سخت ہیں، انہیں اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے مگر ان پر کچھ اثر

ہی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دیتے

ہوئے فرمایا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلِمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہُ مِنْۢ بَعْدِ

مَا عَقَلُوْا وَہُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ (بقرہ)

”(اے مسلمانو!) کیا تم یہ امید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے تمہارے کہنے سے

حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سنتا تھا کلامِ الہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے خوب سمجھ لینے کے

میں اسم اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف مضاف ہے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایک قوم کو توحید کی دعوت

دی وہ بنو عبد اللہ تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا اے بنو عبد اللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کا نام کتنا

بعد جان بوجھ کر۔

تمام یہودی تو رات کو نہیں سنتے تھے بلکہ ان میں سے ایک مخصوص گروہ تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم سے معلوم ہوا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ”اے کلیم اللہ! ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے مابین حجابات حائل ہیں۔ جب وہ آپ سے محو گفتگو ہو تو ہمیں اس کا کلام ہی سنا دیں۔“ حضرت موسیٰ نے ان کی یہ التجاء بارگاہِ صمدیت میں پیش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”انہیں حکم دیں کہ وہ پاک صاف ہو جائیں۔ پاکیزہ لباس پہن لیں اور روزے رکھیں۔“ جب بنو اسرائیل ان احکام پر عمل پیرا ہو چکے تو حضرت موسیٰ انہیں لے کر وہ طور پر آ گئے۔ ان پر بادل سایہ فلگن ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا وہ تمام سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی بخشا۔ بنو اسرائیل نے بھی کلامِ الہی کو سنا اللہ تعالیٰ نے انہیں بعض امور کا حکم دیا اور بعض سے منع فرمایا۔ تمام احکامات کو سمجھ کر وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں تحریف کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ یہ احکام دیئے ہیں تو انہوں نے کہا نہیں! اللہ تعالیٰ نے تو یہ حکم دیا ہے۔ انہوں نے ان احکامات کے الٹ کہا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی گروہ کے متعلق ہی نبی محترم ﷺ کو آگاہ کیا ہے۔

وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَقَالُوا آمَنًا

”اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں، ہم نبی مکرم ﷺ پر ایمان لائے ہیں مگر وہ تمہاری طرف ہی مبعوث ہوئے ہیں۔“

وَإِذَا خَلَا بِعَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا

”اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں۔“

اہل عرب سے اس طرح کی گفتگو نہ کرنا تم تو حضور ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ان کے خلاف مدد مانگا کرتے تھے۔

قَالُوا اتَّخَذُوا نَهْمُ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠﴾ (بقرہ)

حسین رکھا ہے؟ آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا تھا تا کہ ان کے باپ کے نام کو ذکر کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف ترغیب دلائی جاسکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ”یا بنی اسرائیل“ کا مقصد

”(ارے) کیا بیان کرتے ہو ان سے جو کھولا ہے اللہ نے تم پر یوں تو وہ دلیل قائم کریں گے تم پر ان باتوں سے تمہارے رب کے سامنے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔“

تم اقرار کرتے ہو کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ ہیں تم خوب جانتے ہو کہ تم سے ان کے متعلق عہد لیا گیا تھا کہ تم آپ ﷺ کی اتباع کرو گے۔ نبی محترم ﷺ بتائیں گے کہ وہ وہی نبی مکرم ﷺ ہیں جن کے ہم منتظر تھے اور جن کا ذکر خیر ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ اب اس کا انکار کر دو اور اقرار نہ کرو۔ ارشاد ربانی ہے۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿١٠﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ (بقرہ)

”کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے۔“

ابن ہشام ابو عبیدہ سے روایت کرتے ہیں۔ ”امانی“ کا معنی ہے وہ صرف پڑھتے ہیں کیونکہ اُمی وہ شخص ہوتا ہے جو پڑھ لیتا ہے مگر لکھ نہیں سکتا یعنی وہ کتاب کو جانتے نہیں صرف پڑھتے ہیں۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابو عبیدہ اور یونس اہل عرب کے اس فرمان کی تاویل کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ”تمنی“، ”قرء“ کے معنی میں ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ﴿١١﴾ (الحج)

”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوہ)۔“

ابو عبیدہ نخوی نے مجھے یہ شعر پڑھ کر سنایا۔

تَمَنَّى كِتَابَ اللَّهِ أَوَّلَ لَيْلِهِ وَآخِرَهُ وَافَى حِمَامَ الْمَقَادِرِ

اپنی رات کے آغاز میں اس نے کتاب الہی کی تلاوت کی اور رات کے آخری حصہ میں تقادیر کی موت نے حق پورا پورا کر دیا۔

تَمَنَّى كِتَابَ اللَّهِ فِي اللَّيْلِ خَالِيًا تَمَنَّى دَاوُدَ الزُّبُورَ عَلَى رِسْلِ

اس نے رات کی تنہائی میں کتاب الہی کی یوں تلاوت کی جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام

بھی انہیں ان کے اسلاف کے دین کی یاد دہانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تحریص ہے اور یہ لفظ بنی یعقوب کے لفظ کے استعمال سے زیادہ بہتر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

زبور کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے تھے۔

اَمَانِي کا واحد ”اُمْنِيَّة“ ہے، انسان کی مال وغیرہ کی خواہشات کو الامانی کہا جاتا ہے۔

وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿١٠﴾ ”اور وہ تو محض وہم و گمان ہی کرتے رہتے ہیں۔“

وہ نہ تو کتاب کو جانتے ہیں اور نہ ہی ادراک رکھتے ہیں کہ اس میں کیا ہے وہ وہم و گمان کی بنا پر آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۖ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَالًا تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾ (بقرہ)

”اور انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں (دوزخ کی) آگ بجز گنتی کے چند دن آپ فرمائیے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی یا (یوں ہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں۔“

یہودیوں کا بے بنیاد دعویٰ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو یہودیوں نے کہا ”دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ہزار سال کے بدلے لوگوں کو آخرت میں ایک دن عذاب دے گا۔ اس طرح لوگ سات دن عذاب میں مبتلا رہیں گے پھر عذاب منقطع ہو جائے گا۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۖ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَالًا تَعْلَمُونَ

بَلْ مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَاطِئَتُهُ

”ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان بوجھ کر برائی کی اور گھیر لیا اس کو اس کی خطا نے۔“

یعنی جس نے تمہاری طرح برے اعمال سرانجام دیئے اور تمہاری طرح کفر کیا اس کا کفر اسے گھیر لے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے۔

فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٢﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کا مژدہ جانفزا سنایا تو وہاں ”یعقوب“ کا لفظ استعمال فرمایا کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے عطاۓ خداوندی اور بشارت کے بعد

الْجَنَّةُ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥٠﴾

”تو وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی جنتی ہیں وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“

جو اس پر ایمان لایا جس سے تم نے انکار کیا اور ان احکام پر عمل کیا جنہیں تم نے ترک کر دیا ان کے لئے جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ خیر اور شر کی سزا اور جزا ان کے اہل پر ہمیشہ رہے گی۔ اس میں کوئی انقطاع نہ ہوگا۔

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۚ وَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٥١﴾ وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ

”اور یاد کرو جب لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے (اس بات کا) نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔ نیز رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے بھی (مہربانی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی باتیں اور صحیح ادا کرنا نماز اور دیتے رہنا زکوٰۃ اور پھر منہ پھیر لیا مگر چند آدمی تم سے (ثابت قدم رہے) اور تم روگردانی کرنے والے ہو اور یاد کرو جب لیا تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے۔“

اب ہشام کہتے ہیں تَسْفِكُونَ کا معنی تَصُبُّونَ (بہانا) ہے، اہل عرب کہتے ہیں سَفَكَ دَمَهُ، اس نے اس کا خون بہایا وَ سَفَكَ الزَّقُّ، اس نے مشک کا پانی بہایا، شاعر کہتا ہے۔

وَ كُنَّا إِذَا مَا الضَّيْفُ حَلَّ بَادِضِنَا سَفَكْنَا دِمَاءَ الْبُذْنِ فِي تَرْبَةِ الْحَالِ
ہماری کیفیت یہ ہے کہ جب کوئی مہمان ہماری سرزمین پر آتا ہے تو ہم اپنے اونٹوں کے خون نرم زمین میں بہا دیتے ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ”الْحَال“ سے مراد وہ زمین ہے جس میں ریت ملی ہوئی ہو۔ اہل عرب اسے ”السَّهْلَةُ“ بھی کہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ہے کہ جب فرعون نے کہا۔ ”آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَآئِيلَ“۔ میں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے

بشارت تھی۔ اگرچہ نام یعقوب عبرانی زبان کا ہے مگر عربی میں یہ عقب اور تعقیب کے موافق ہے۔ ان دونوں اسماء کا دو مقامات کے اعتبار سے استعمال کتنا عمدہ ہے۔ قرآن پاک کا یہی اعجاز ہے اور اس کے الفاظ کی یہی بلاغت ہے اور الفاظ کا بر محل استعمال اس سے عمدہ نہیں ہو سکتا۔

اس ذات کے جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے۔ اَخَذَ جِبْرِيلُ مِنْ حَالِ الْبَحْرِ وَ ضَرَبَ بِهِ وَجْهَ فِرْعَوْنَ۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سمندری کیچڑ لیا اور اسے فرعون کے منہ پر پھینک دیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (بقرہ)

”پھر تم وہی ہونا (جنہوں نے یہ وعدے کئے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اور نکال باہر کرتے ہو اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے۔“

یعنی وہ مشرکین کی مدد کرتے ہیں وہ ان کے ساتھ مل کر ان کی خونریزی کرتے ہیں اور انہیں اپنے شہروں سے جلا وطن کرتے ہیں۔

وَ اِنْ يَأْتُوْكُمْ اُسْرٰى تَفْدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۚ اَفْتُوْا مِنْوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۚ وَ مَا لِلّٰهِ بِعَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوْا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ ﴿٥١﴾ (بقرہ)

”اور اگر آپس تمہارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بن کر) ان کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا تو کیا تم ایمان لائے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے ایسے نابکار کی تم سے سوائے اس کے رسوا رہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن تو انہیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں (کر تو توں) سے جو تم کرتے ہو یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے مول لے لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض تو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔“

اللہ رب العزت نے انہیں ان کے فعل کے متعلق بتا دیا۔ تو رات میں ان پر ان کی خونریزی حرام تھی وہاں ان کے قیدیوں سے فدیہ لینا فرض تھا۔

اس وقت اوس، خزرج اور یہودی دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک طرف بنو قینقاع، ان کی جماعت اور ان کے حلیف بنو خزرج تھے۔ دوسری طرف بنو نضیر، بنو قریظہ، ان کی جماعت اور ان

کے حلیف بنواؤں تھے۔ جب بھی بنواؤں اور بنو خزرج کے مابین معرکہ ہوتا تو بنو قینقاع خزرج کے ساتھ ہوتے، بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کے ساتھ ہوتے، ان قبائل میں سے ہر قبیلہ اپنے بھائیوں کے خلاف اپنے حلیفوں کی مدد کرتا۔ اپنے ہاتھوں سے ان کا لہو بہاتے حالانکہ ان کے ہاتھوں میں تورات ہوتی تھی جس میں ان کے حقوق و فرائض مرقوم تھے۔ اوس اور خزرج مشرک تھے، وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، وہ جنت و دوزخ، قیامت اور مر کر جی اٹھنے سے آگاہ نہ تھے، وہ کتاب، حلال اور حرام سے بھی نا آشنا تھے۔ جب جنگ اختتام پذیر ہوتی تو وہ اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کرتے اس طرح تورات کی تصدیق کرتے۔ بنو قینقاع ان قیدیوں کا فدیہ ادا کرتے جو اوس کے ہاں پابند سلاسل ہوتے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ ان اسیروں کا فدیہ ادا کرتے جو بنو خزرج کے ہاں مقید ہوتے وہ اپنے مقتولوں کا خون بہا معاف کر دیتے اس طرح وہ مشرکین کی معاونت کرتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ”اَفْتَوْمُنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ“ یعنی تو تورات کے حکم کے مطابق فدیہ بھی دیتا ہے اور اسے قتل بھی کرتا ہے حالانکہ تورات میں تجھے ایسا نہ کرنے کا حکم ہے تو اسے قتل بھی کرتا ہے اور اسے اپنے شہر سے جلا وطن بھی کرتا ہے اور ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو شرک کرتے ہیں اور بتوں کے پجاری ہیں اور اس قبیح فعل سے تیرا مقصد دنیا کمانا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ ۚ وَاتَيْنَا عِيسٰی ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ (بقرہ)
 ”اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور ہم نے پے در پے ان کے پیچھے پیغمبر بھیجے، اور دیں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں۔“

آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست اقدس سے ظہور پذیر ہوتے تھے۔ آپ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، وہ مٹی سے پرندے کی شکل بناتے پھر اس پر پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا، مریض کو شفا یاب فرما دیتے، وہ لوگ جو کچھ اپنے گمروں میں ذخیرہ کرتے تھے آپ اس کے متعلق انہیں بتا دیتے بہت سے علوم غیبیہ کا اظہار فرماتے۔ انجیل کے ساتھ تورات بھی انہیں لوٹائی پھر ان کی کفرانِ نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَاسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْمُوْا اَنْفُسَكُمْ اَسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيقًا تَقْتُلُوْنَ ۝۱۰
 وَقَالُوْا اَقْلُوْا بِنَا عَلٰفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلٰی الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوْا

كَفَرُوا بِهِ ۖ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (بقرہ)

”تو کیا جب کبھی لے آیا ایسا حکم جسے تمہارے نفس پسند نہ کرتے تو تم اکڑ گئے، بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرنے لگے اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں نہیں بلکہ پھٹکار دیا ہے انہیں اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے ہیں اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا ان کے ماننے سے سو پھٹکار ہوا اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے اپنی قوم کے بزرگوں سے روایت کیا ہے وہ کہا کرتے تھے ”بخدا! یہ قصہ ہمارے متعلق ہی نازل ہوا ہے، زمانہ جاہلیت میں ہم کبھی یہودیوں پر غالب آ جاتے تھے۔ ہم مشرک تھے وہ اہل کتاب تھے، وہ ہم سے کہتے تھے عنقریب ایک نبی محترم ﷺ مبعوث ہوں گے ہم ان کی پیروی کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے۔ جب اللہ رب العزت نے قریش میں سے اپنے رسول مکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ ﷺ کا انکار کیا اور ہم نے آپ ﷺ کی پیروی کی“ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۖ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِهِمَا ۖ أَنْزَلَ اللَّهُ بَعْثًا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (بقرہ)

”بہت بری چیز ہے جس کے بدلے سودا چکایا انہوں نے اپنی جانوں کا وہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی حسد کے مارے کہ نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے سو حق دار ہو گے مسلسل ناراضگی کے اور کافروں کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔“

ابن ہشام کہتے ہیں۔ ”باء وَا“ کا معنی ہے انہوں نے غضب کا اقرار کیا اور اس کو برداشت کیا ائشی بن قیس کہتا ہے۔

أَصَالِحُكُمْ حَتَّى تَبُوءُوا بِبَيْلِهَا كَصَرْخَةِ حُبْلَى يَسْرَتَهَا قَبِيلُهَا

میں تم سے صلح کرتا ہوں حتیٰ کہ تم بھی اس جیسی صلح کا اقرار کرلو جس طرح کہ وہ حاملہ چیختی ہے جسے اس کے قبیلے نے بچے کی ولادت کے لئے بٹھا رکھا ہو۔

ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ”غَضَبٌ عَلَى غَضَبٍ“ اس امر کی غمازی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر شدید ناراض ہے کیونکہ انہوں نے تورات جیسی عظیم الہامی کتاب کو بھی ضائع کر دیا اور نبی اکرم ﷺ کا بھی انکار کیا۔

پھر اللہ رب العزت نے ان کے سروں پر کوہِ طور بلند کیا پھر بیان فرمایا کہ انہوں نے کس طرح اپنے حقیقی پروردگار کو چھوڑ کر پچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا۔ ارشادِ باری ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۰﴾ (بقرہ)

”آپ فرمائیے اگر تمہارے لئے ہی دارِ آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو۔“

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ بارگاہِ ربوبیت میں فریقین میں سے جھوٹا کون ہے تم ذرا موت کی تمنا تو کرو، مگر انہوں نے یہ خواہش کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ سے فرمایا۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ (بقرہ۔ ۹۵)

”اور وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے اپنی کارستانیوں کے خوف سے۔“

کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نبی حق ہیں مگر انہوں نے کفر کیا کہا جاتا ہے اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو پھر اس دن ایک یہودی بھی روئے زمین پر زندہ نہ رہتا پھر اللہ رب العزت نے اس کی دنیاوی زندگی میں رغبت اور درازی عمر کی خواہش بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيٰوَةٍ ۖ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يُوْدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرَ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحِّجَهُ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ (بقرہ: ۹۶)

”اور آپ یقیناً پائیں گے انہیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس رکھنے والے زندگی کی حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی (زیادہ جینے پر حریص ہیں) چاہتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ زندہ رہنے دیا جائے ہزار سال اور انہیں بچا سکتا اس کو عذاب سے (اتنی مدت) جیتے رہنا۔“

یہ عمر کی طوالت انہیں عذاب سے نہیں بچائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرک مرنے کے بعد

جی اٹھنے پر یقین نہیں رکھتا اسی لئے وہ عمر کی طوالت کا خواہاں ہوتا ہے۔ یہودی کو بھی اس رسوائی و ذلت کا یقین ہوتا ہے جو آخرت میں اس کے نصیب میں آئے گی پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِئِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ

”آپ فرمائیے جو دشمن ہو جبرائیل کا (اسے معلوم ہونا چاہئے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے قلب انور پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔“

یہودیوں کے بارگاہ رسالت میں سوالات

ابن اسحاق نے شہر بن حوشب الاشعری سے روایت کیا ہے کہ علمائے یہود میں سے چند افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ! ہمیں چار سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں، اگر آپ ﷺ نے ان کے جوابات ارشاد فرمادیئے تو ہم آپ ﷺ کی اتباع بھی کریں گے اور تصدیق بھی۔ آپ ﷺ کی ذات پر ایمان بھی لے آئیں گے۔“ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اللہ تعالیٰ سے تمہارا یہ عہد و میثاق ہے کہ اگر میں نے تمہیں ان سوالات کے جوابات دے دیئے تو تم میری تصدیق کرو گے۔“ انہوں نے کہا ”بالکل۔“ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ”پھر سوالات کا آغاز کرو۔“

انہوں نے پہلا سوال کرتے ہوئے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ ہمیں آگاہ فرمائیں کہ بچہ اپنی والدہ کے مشابہ کیسے ہوتا ہے؟ حالانکہ نطفہ باپ کا ہوتا ہے۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر کیں تم جانتے ہو کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سفید ہوتا ہے جبکہ عورت کا پانی رقیق اور زرد ہوتا ہے جس کا پانی دوسرے کے پانی پر غالب آجاتا ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے“ انہوں نے عرض کی ”قسم بخدا! آپ کا جواب بالکل درست ہے۔“

دوسرا سوال کرتے ہوئے انہوں نے عرض کی ”ہمیں اپنی نیند کی کیفیت کے متعلق آگاہ کریں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں تمہیں اللہ رب العزت کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کی یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر فرمائیں کیا تم اس شخص کی نیند کی کیفیت سے آشنا ہو جس کے متعلق تمہارا گمان ہے کہ میں وہ نہیں ہوں کہ اس کی آنکھیں محو استراحت ہوتی ہیں مگر قلب انور بدستور بیدار رہتا ہے۔“ انہوں نے کہا ”اللہ کی قسم! ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میری نیند کی کیفیت بھی یہی ہے، میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر دل مبارک بیدار رہتا ہے۔“

تیسرا سوال کرتے ہوئے انہوں نے عرض کی ”ہمیں اس چیز کے متعلق بتائیں جسے اسرائیل نے اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں تمہیں اللہ رب العزت کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر کیں کیا تم جانتے ہو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اونٹوں کا دودھ اور ان کا گوشت تمام اشیاء سے پسندیدہ تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی مرض میں مبتلا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا یاب فرمایا تو انہوں نے اس ذات کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے اوپر مرغوب ترین کھانے کو حرام فرمادیا، اس طرح انہوں نے اونٹوں کے دودھ اور ان کے گوشت کو اپنی ذات پر حرام قرار دے دیا۔“ علمائے یہود نے عرض کی آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔

انہوں نے چوتھا سوال عرض کیا ”ہمیں روح کے متعلق بتائیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”میں تمہیں اللہ رب العزت کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر کی تھیں۔ کیا تم جبرائیل علیہ السلام کو جانتے ہو، وہی میرے پاس حق کا پیامبر بن کر آتا ہے۔ انہوں نے عرض کی ”ہاں! ہم انہیں جانتے ہیں لیکن وہ ہمارے دشمن ہیں، وہ شدت و سختی اور خوریزی لے کر آتے تھے اگر وہ نہ ہوتے تو ہم ضرور آپ ﷺ کی اتباع کرتے۔“ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِئِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِئِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ۝ أَوْ كَلَّمَآ عَاهِدًا وَآعَاهِدًا نَّبَذَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لِكِتَابِ اللَّهِ وَرَأَاهُمْ ظُهُورِهمْ كَاذِبِينَ ۝ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرُ سُلَيْمٍ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ كَفَرٌ ۖ وَيُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (بقرہ)

”آپ فرمائیے جو دشمن ہو جبرائیل کا (اسے معلوم ہونا چاہیے) کہ اس نے اتارا قرآن آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے اتریں اور سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لئے جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل و میکائیل کا تو اللہ بھی دشمن ہے ان کافروں کا اور یقیناً ہم نے اتارے ہیں آپ پر روشن نشان اور کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ان کا بجز نافرمانوں کے کیا (یوں)

نہیں) کہ جب کبھی انہوں نے وعدہ کیا تو پھر توڑ پھینکا اسے انہی میں سے ایک گروہ نے بلکہ ان کی اکثریت تو (سرے سے) ایمان ہی نہیں لائی اور جب آیا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وہ کچھ جانتے ہی نہیں اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان سلیمان کے عہد حکومت میں حالانکہ سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے لوگوں کو جادو۔

یہود کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت سے انکار

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا مرسلین میں تذکرہ کیا تو ان کے ایک عالم نے کہا ”کیا تم محمد عربی ﷺ پر تعجب نہیں کرتے، یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نبی تھے، حالانکہ وہ تو صرف ایک جادوگر تھے۔“ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنٌ وَلٰكِنَّ الشَّيْطٰنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ بِبَابِلَ هٰرُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ (بقرہ)

”اور سلیمان نے کوئی کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا۔ نیز وہ بھی جو اتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہاروت اور ماروت تھے (اور کچھ) نہ سکھاتے تھے وہ دونوں کسی کو۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جگر کے دونوں ٹکڑے، گردے اور چربی کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا مگر پشت کی چربی حرام قرار نہ دی تھی کیونکہ قربانی کی یہ چیز باقی رکھی جاتی تھی اور آگ اسے جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔

خیبر کے یہودیوں کی طرف حضور ﷺ کا گرامی نامہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کی طرف یہ مکتوب مبارک ارسال فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ- مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

صَاحِبِ مُوسَى وَ أَخِيهِ، وَالْمُصَدِّقِ لِمَا جَاءَ بِهِ مُوسَى: أَلَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ قَالَ لَكُمْ يَا مَعْشَرَ أَهْلِ التَّوْرَةِ، وَإِنَّكُمْ لَتَجِدُونَ ذَلِكَ فِي كِتَابِكُمْ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيَاهَهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا۔

وَإِنِّي أَنشِدُكُمْ بِاللَّهِ، وَأَنشِدُكُمْ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ، وَأَنشِدُكُمْ بِالَّذِي أَطْعَمَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ أَسْبَاطِكُمْ النَّسْ وَالسَّلْوَى، وَأَنشِدُكُمْ بِالَّذِي آيَسَ الْبَحْرَ لِأَبَائِكُمْ حَتَّى أَنْجَاهُمْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمِلِهِ إِلَّا أَخْبَرَ تَمُونِي: هَلْ تَجِدُونَ فِيهَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَوَمَّنُوا بِمُحَمَّدٍ؟ فَإِنْ كُنْتُمْ لَا تَجِدُونَ ذَلِكَ فِي كِتَابِكُمْ فَلَا كُرَّةَ عَلَيْكُمْ۔ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ فَادْعُوْكُمْ إِلَى اللَّهِ وَإِلَى نَبِيِّهِ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اور ان کے بھائی ہیں اور اس پیغام کی تصدیق کرنے والے ہیں جسے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اے جاہلین تورات! اللہ رب العزت نے تم سے فرمایا ہے اور تم اپنی کتاب میں بھی پاؤ گے۔

(جانِ عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادتمند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقت ور ہیں۔ آپس میں بڑے رحمدل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے اور کبھی سجدہ کرتے ہوئے۔ طلبگار ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے ان (کے ایمان و عبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے، یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں۔ یہ (صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اپنے تنے پر (اس کا جو بن) خوش کر رہا ہے بونے والے کو تا کہ (آتش) غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا۔

میں تمہیں اللہ رب العزت کی قسم دے کر کہتا ہوں۔ اس کا واسطہ دیتا ہوں جو اس نے تم پر اتارا اور اس ذات والا کی قسم دیتا ہوں جس نے تمہارے آباء کے لئے سمندر کو چیر دیا تھا اور انہیں فرعون اور اس کے قبیح عمل سے نجات دی تھی کہ ذرا مجھے بتاؤ کیا تم اس کتاب میں یہ حکم پاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل کی کہ تم محمد ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اگر تم اپنی کتاب میں یہ حکم نہیں پاتے تو پھر تمہیں کوئی مجبوری نہیں۔ ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محترم ﷺ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔“

ابن ہشام کہتے ہیں، ”شَطْوَةُ“ کا معنی وہ چھوٹی چھوٹی کونپلیں ہوتی ہیں جو کسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں اَشْطَا الزَّرْعُ۔ کھیتی کی کونپلیں نکل آئیں۔ آذَرَةُ کا معنی معاونت کرنا ہے گویا کہ پہلے موجود درخت ان کے لئے ماں کی مانند ہو جاتا ہے۔ امرء القیس بن حجر الکندی کہتا ہے۔

بِمَحْنِيَةٍ قَدْ آذَرَ الضَّالَّ تَبَتُّهَا مَجَرَّ جُيُوشِ غَانِيَيْنِ وَ خُيَّبَ
وادی کے اس موڑ میں جہاں اس کا سبزہ گمراہ کی مدد شکروں کی گذرگاہ کی طرف کرتا ہے خواہ وہ لشکر مال غنیمت لے کر آئے ہوں یا خائب و خاسر لوٹے ہوں۔

حمید بن مالک الارقط کہتا ہے۔ ”زَرْعًا وَ قَضْبًا مُؤْذَرِ النَّبَاتِ“ سوق ”ساق“ کی جمع ہے اور درخت کے تنے کو ساق کہتے ہیں۔

ابویاسر اور اس کے بھائی کی خباثت

ابن اسحاق کہتے ہیں علمائے یہود اور ان کے کافروں کے متعلق قرآن پاک نازل ہوتا رہا وہ حضور ﷺ سے مختلف سوالات کرتے رہتے اور آپ ﷺ کو ستاتے تاکہ حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کر دیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے

ابویاسر کا واقعہ

ابن اسحاق نے ابویاسر اور اس کے بھائی جی بن اخطب کا قصہ رقم کیا ہے۔ انہوں نے حروف مقطعات سے مختلف تاویلیں کر کے بتایا تھا کہ شاید محمد عربی ﷺ اور ان کی امت کا خورشید اقدار اتنی مدت ہی ضوفاں رہے گا۔ حضرت امام سہیلی فرماتے ہیں کہ یہ علمائے یہود کی تاویلیں ہیں۔ انہوں نے جو ان حروف کے معانی کی تاویلیں کی ہیں، احتمال ہے کہ درست ہوں اور حروف مقطعات اب بھی ان پر

کہ ایک دفعہ ابویاسر بن اخطب حضور اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا اس وقت آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

الْمَ عَ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِیْهِ
”یہ ذیشان کتاب ذرا شک نہیں اس میں۔“

ابویاسر اپنے بھائی حی بن اخطب کے پاس گیا وہ اس وقت یہودیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ابویاسر نے کہا، ”قسم بخدا! آگاہ رہو میں نے ابھی محمد عربی ﷺ کو سنا۔ وہ اَلْمَ عَ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِیْهِ کی تلاوت فرما رہے تھے۔“ انہوں نے ابویاسر سے پوچھا ”کیا تو نے واقعی یہ آیت سنی ہے؟ اس نے کہا ”ہاں!“ حی بن اخطب یہودیوں کے اس گروہ کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کی ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ! ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی آیت تلاوت کی ہے جس میں اَلْمَ ہے۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”ہاں۔“ انہوں نے پوچھا کیا یہ کلام جبرائیل دربارِ خداوندی سے لے کر آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں۔“ انہوں نے کہا ”اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کسی نے یہ بتایا ہو کہ اس کی سلطنت کی مدت کیا ہے اور اس کی امت کا دنیاوی حصہ کتنا ہے؟ یہ صرف آپ ﷺ نے ہی بتایا ہے۔“ حی بن اخطب نے روئے خطاب اپنے ساتھیوں کی طرف کیا اور ان سے کہا الف ”ایک“ لام ”تیس“ اور میم ”چالیس“۔ یہ کل اکہتر سال بنتے ہیں۔ تم اس امت میں داخل ہو رہے ہو جس کے اقتدار اور سلطنت کی مدت اکہتر سال ہے“ پھر اس نے حضور اکرم ﷺ کی طرف توجہ کی اور کہا ”کیا آپ ﷺ پر اس کے علاوہ اور حروف مقطعات

دلالت کرتے ہوں۔ حضور ﷺ نے نہ تو ان کی باتوں کی تکذیب کی اور نہ ہی تصدیق کی۔ آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا۔ اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کیا کرو اور نہ ہی تکذیب بلکہ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِرِ سُوْلِهِ کہا کرو۔ جب ان میں صحت کا احتمال پایا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ ہم شریعت میں جستجو کریں کہ کیا کتاب و سنت ان کی صحت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے، وَاِنْ یَّوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔“ اور بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔“ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت زل خزاعی رضی اللہ عنہ نے حضور سے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ ﷺ ایک منبر پر جلوہ افروز ہیں، اس کے سات درجات ہیں، اس کے پہلو میں ایک لاغر اونٹنی ہے جو اس منبر کو اٹھا رہی

کا بھی نزول ہوا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ”المص“ کا نزول ہوا ہے۔ اس نے کہا بخدا! یہ مدت پہلی مدت سے زیادہ اور طویل ہے الف ”ایک“ لام ”تیس“ اور میم ”چالیس“ اور صاد ”نوے“ یہ عمر ایک سو اکٹھ سال بنتی ہے۔ کیا آپ ﷺ پر اس کے علاوہ اور حروفِ مقطعات نازل ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ”الر“ کا نزول ہوا ہے، اس نے کہا یہ مدت پہلی دونوں مدتوں سے طویل اور دراز ہے۔ الف ”ایک“ لام ”تیس“ اور را ”دو سو“ یہ مدت دو سو اکتیس سال بنتی ہے۔ پھر اس نے کہا کیا اور حروفِ مقطعات کا نزول ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ”المز“ کا نزول ہوا ہے اس نے کہا قسم بخدا! یہ مدت پہلی تمام مدتوں سے طویل ترین ہے۔ الف ”ایک“ لام ”تیس“ میم ”چالیس“ اور راء ”دو سو“ ہے یہ مدت دو سو اکہتر سال بنتی ہے، پھر اس نے کہا ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ! آپ ﷺ کا معاملہ ہم پر ملتبس ہو گیا ہے ہمیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کو قلیل یا کثیر مدت عطا کی گئی ہے“ پھر وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے ابو یاسر نے اپنے بھائی حی اور دیگر یہودی علماء سے کہا شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے لئے یہ تمام مدتیں جمع کر دی گئی ہوں۔ یہ مدتیں اکہتر سال، ایک سو اکٹھ سال، دو سو اکتیس سال اور دو سو اکہتر سال بنتی ہیں۔ یہ تمام مدت سات سو چونتیس سال بنتی ہے پھر انہوں نے کہا ان کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہو چکا ہے۔ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ آیت انہی کے متعلق نازل ہوئی۔

ہے۔ حضور ﷺ نے اس اونٹنی کی تعبیر قیام قیامت سے فرمائی اور فرمایا منبر کے درجات سے مراد دنیا کی عمر ہے، اس کی عمر سات ہزار سال ہے میں اس کے آخری ہزار میں گلزارِ ہست و بود میں آیا ہوں۔ یہ حدیث مبارک اگرچہ ضعیف الاسناد ہے مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی روایت ہے اور صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”دنیا کی عمر سات دن ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہے“۔ حضور ﷺ آخری یوم میں اس کائنات میں جلوہ گر ہوئے ہیں اس کے بھی کئی سال یا کئی صدیاں گزر چکی ہیں۔ ابو جعفر الطبری نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور آثار بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔ یہ اس سے سبقت لے گئی ہے“ آپ ﷺ نے درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا یہ حدیث مبارک بھی کئی اسناد سے مروی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”کوئی اللہ تعالیٰ کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ اس امت کی عمر میں آدھے دن کا اضافہ فرمادے“ آدھے دن سے مراد پانچ سو سال ہیں ابو داؤد نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ امام الطبری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سابقہ حدیث کی تائید کرتی ہے۔ انگشت

مِنْهُ اَيُّتٌ مُّحْكَمَتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ (آل عمران: ۷)

”اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں میں نے بعض ان اہل علم سے سنا ہے جنہیں میں جھوٹا نہیں کہہ سکتا کہ یہ آیت اہل نجران کے متعلق نازل ہوئی ہے جب وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے بارے مختلف سوالات کئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن ابی امامہ بن سہل بن حنیف نے بیان کیا ہے کہ یہ آیات یہودیوں کے ایک وفد کے متعلق اتریں مگر انہوں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کا شان نزول کیا ہے؟

حضور ﷺ کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کے بعد یہود کا کفر

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود اوس اور خزرج کے خلاف آپ ﷺ کے وسیلہ سے فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ جب اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ ﷺ کا انکار کر دیا۔ ان سے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما نے کہا ”اے

وسطی، شہادت کی انگلی سے انگلی کے ساتویں حصہ کا نصف زائد ہے جس طرح کہ ایک دن کا نصف سات دنوں کے نصف کا ساتواں حصہ ہے۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اب تاجدارِ حرم ﷺ کے وصال مبارک کو پانچ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ نصف یوم والی حدیث میں نصف سے زیادہ کی کوئی نفی نہیں اور نہ ہی ”بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ“ میں نفی ہے جو اس تاویل کی صحت کو رد کر دے۔ آپ ﷺ اور قیامت کے درمیان نہ تو کوئی نبی ہے اور نہ ہی تو کوئی شریعت ہے کیونکہ قیامت کا دن قریب ہے ارشادِ باری ہے۔

اَتَىٰ اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۗ (النحل: ۱)

”قریب آگیا ہے حکم الہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو۔“

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاُنْشِقَ الْقَمَرُ ۝

”قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔“

جب ہم نے یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لائے جب آخری ہزار سال کے بھی کئی سال گزر چکے تھے تو پھر جب ہم نے سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات کو دیکھا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ چوبہ حروف ہیں جنہیں یہ قول جمع کرتا ہے۔ ”الم یسطع نص - ۱۔ کرہ“

معشر یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو۔ جب ہم مشرک تھے تو تم حضور ﷺ کے وسیلہ سے ہمارے خلاف فتح کی دعائیں مانگتے تھے، ہمیں بتاتے تھے کہ آپ ﷺ عنقریب مبعوث ہوں گے اور تم ہمارے لئے آپ ﷺ کے اوصافِ جلیلہ بیان کرتے تھے۔ سلام بن مشکم نے کہا ”وہ کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم جانتے ہوں اور نہ ہی وہ وہی ذات ہیں جن کا تذکرہ ہم تمہارے پاس کرتے تھے“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۖ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿١٠﴾ (بقرہ)

”اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) جب تشریف فرما ہوا، ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے سو پھٹکار ہوا اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر۔“

مالک بن صیف کا میثاق سے انکار

جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ ہوئی اور یہودیوں سے اس معاہدہ اور میثاق کا ذکر کیا گیا جو حضور ﷺ کے متعلق ان سے لیا گیا تھا تو مالک بن صیف نے کہا ”بخدا! ہم سے تو محمد عربی ﷺ کے متعلق ایسا کوئی عہد نہیں لیا گیا۔“

ابوصلو یا الفطیونی نے کہا ”اے محمد ﷺ! آپ ﷺ ایسی کوئی چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم جانتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کوئی ایسی آیت بھی نازل نہیں کی جس کی وجہ سے ہم آپ ﷺ کی اتباع کریں“ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل کیں۔

جب ہم ابی جاد کے حساب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ”ق“ ”سو“ ”ر“ ”دو“ ”س“ ”تین“ ”سو“ یہ کل چھ سو ہو گئے۔ ”ع“ ”ستر“ ”ص“ ”ساٹھ“ ”اب“ یہ کل سات سو تیس ہو گئے۔ ”ن“ ”پچاس“ ”ک“ ”بیس“ ”اب“ یہ آٹھ سو ہو گئے۔ ”م“ ”چالیس“ ”ل“ ”تیس“ ”اب“ یہ تعداد آٹھ سو ستر ہو گئی۔ ”ی“ ”دس“ ”ط“ ”نو“ ”اور الف“ ”ایک“ ”اب“ تعداد آٹھ سو نوے ہو گئی۔ ”ح“ ”آٹھ“ ”ھ“ ”پانچ“ ”اب“ یہ تعداد نو سو تیس ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز میں انہی حروف کو ذکر فرمایا ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ ان حروف کے بعض مقتضات اور بعض فوائد کا اشارہ سالوں کی اس تعداد کے متعلق بھی ہو جس طرح کہ ہم نے پہلے ساتویں ہزار سال کا ذکر کیا ہے جس میں حضور ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔ ممکن ہے کہ یہ حساب آپ ﷺ کی بعثت یا وصال

أَوْ كَلَّمَا عَهْدًا وَعَهْدًا تَبَذَّلَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ (بقرہ)

”کیا (یوں نہیں) کہ جب کبھی انہوں نے وعدہ کیا تو پھر توڑ پھینکا اسے انہیں میں سے ایک گروہ نے۔“

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿١١﴾ (بقرہ)

”اور یقیناً ہم نے اتارے ہیں آپ پر روشن نشان اور کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ان کا بجز نافرمانوں کے۔ ان کی اکثریت ایمان نہیں لائی۔“

ابن حریملہ اور وہب کے بارے نازل ہونے والی آیت

رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ! ہمارے پاس ایسی کتاب لے کر آئیں جسے آپ ﷺ نے آسمان سے اتارا ہو تاکہ ہم اسے پڑھیں ہمارے لئے نہریں رواں فرمادیں، ہم آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے اور آپ ﷺ کی اتباع کریں گے۔“ اللہ رب العزت نے یہ آیت اتاری۔

أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٢﴾ (بقرہ)

”کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسول سے کہ (ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ بھٹک گیا سیدھے رستہ سے۔“

ابن ہشام کہتے ہیں سَوَاءَ السَّبِيلِ کا معنی ہے راستہ کے وسط میں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

يَا وَيْحَ أَنْصَارِ النَّبِيِّ وَ رَهْطِهِ بَعْدَ الْمَغِيبِ فِي سَوَاءِ الْمَلْحَدِ

یا ہجرت سے شروع ہو۔ ہر اعتبار سے یہ ایک دوسرے کے قریب تر ہی ہے۔ قیامت کی علامت کا ظہور ہو چکا ہے، قیامت تو تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی۔ روایت ہے کہ متوکل عباسی نے قاضی جعفر بن عبد الواحد عباسی سے سوال کیا کہ دنیا کی عمر کتنی باقی رہ گئی ہے؟ اس نے حضور اکرم ﷺ سے مرفوع حدیث بیان کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اگر میری امت نے عمدہ افعال سرانجام دیئے تو اس کی بقا کی مدت آخرت کے ایام میں ایک ”یوم“ ہوگی اور آخرت کا یوم ایک ہزار سال کے برابر ہے اگر اس نے برے اعمال کئے تو پھر اس کی عمر نصف یوم ہے۔ اس حدیث میں سابقہ حدیث کی تقسیم اور بیان ہے، پانچ سو سال تو بیت چکے ہیں مگر امت مرحومہ روئے زمین پر موجود ہے۔ الحمد للہ۔

حضور ﷺ کے انصار اور آپ ﷺ کے قبیلہ کے لوگ قابل رحم ہیں بعد اس کے کہ آپ مرقد انور کے وسط میں تشریف فرما ہو گئے۔

حیی بن اخطب اور اس کے بھائی کا کردار

ابن اسحاق کہتے ہیں، حیی بن اخطب اور ابویاسر بن اخطب اہل عرب کے سب سے زیادہ حاسد تھے۔ جب اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو نبوت کے تاج زریں کے لئے مخصوص فرمایا تو ان کے حسد و بغض کی آتش مزید بھڑک اٹھی، وہ حتی المقدور لوگوں کو اسلام سے روکنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا ۚ حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥﴾ (بقرہ)

”دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنادیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کفران کی یہ آرزو بوجہ اس حسد کہ ہے جو ان کے دلوں میں ہے (یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے ان پر حق پس (اے غلامانِ مصطفیٰ) معاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ (ان کے بارے میں) اپنا حکم بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

بارگاہ رسالت میں یہود و نصاریٰ کا تنازعہ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب نجران کے عیسائیوں کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو علمائے یہود بھی وہیں آ گئے۔ وہ حضور ﷺ کے پاس ہی جھگڑنے لگے۔ رافع بن حریملہ نے عیسائیوں سے کہا تم کسی چیز پر نہیں ہو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل مقدس کا انکار کر دیا۔ اہل نجران

سورتوں کے اوائل میں حروف مقطعات ذکر کرنے میں کئی اسرار نہاں اور فوائد لطیفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب حکیم میں وہ چیز کیسے نازل کر سکتا تھا جس کا فائدہ ہی نہ ہو اور اپنے نبی محترم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے الفاظ سے کیسے خطاب کر سکتا تھا جنہیں وہ سمجھ ہی نہ سکتے ہوں اس نے تو قرآن کو لوگوں کے لئے واضح بیان بنا کر نازل کیا ہے۔ یہ سینوں کے روگوں کے لئے شفاء ہے ان چودہ حروف کو مختص کرنے میں حکمت پنہاں ہے بلکہ کئی حکمتیں ہیں۔ انہیں حروف تہجی کی ہیئت میں نازل کرنے میں کئی علمی اور فقہی فوائد ہیں۔ انہیں سورتوں کے آغاز میں ذکر کرنے میں اور پھر بعض سورتوں کے ساتھ مختص کرنے میں بھی کئی راز ہیں۔ ”ال“ کے ملنے اور حروف سے پہلے آنے میں بھی کئی اسرار ہیں۔ ”ال“

کے ایک شخص نے کہا اے یہودیو! تم کسی چیز پر نہیں ہو، اس نے بھی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی نبوت اور تورات مقدس کا انکار کر دیا۔ اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتْ النَّصْرَانِيَّةُ لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ الْبَصَرَانِيَّةُ لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ ۖ وَهُمْ يَتَّبِعُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ قَالَ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ (بقرہ)

”اور کہتے ہیں، یہودی کہ نہیں ہیں عیسائی سیدھی راہ پر اور کہتے ہیں عیسائی نہیں ہیں، یہودی سیدھی راہ پر حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں (آسمانی) کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو کچھ نہیں جانتے ان کی سی بات تو (اب) اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔“

ان میں سے ہر ایک گروہ کتاب میں سے وہ حصہ تلاوت کرتا ہے جو اس کے کفر کی تصدیق کرتا ہے مثلاً یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں وہ معاہدہ بھی مرقوم ہے جس میں ان کو حضرت موسیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کی تصدیق کریں اور انجیل میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کے شواہد موجود ہیں اور تورات کی صداقت کے بھی دلائل ہیں ہر گروہ اپنے نبی کی تعلیمات کا انکار کر رہا ہے۔

ابن حریملہ کی تمنا

ابن اسحاق کہتے ہیں حریملہ بن رافع نے حضور اکرم ﷺ سے کہا ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ! اگر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ وہ ہم سے کلام کرے اور ہم اس کے کلام کو سنیں۔“ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی۔

کے بعد کبھی میم اور کبھی راء ذکر کرنے کے بھی کئی راز ہیں پھر یہ ال سورتوں کے آغاز میں تیرہ مرتبہ آئے ہیں اس میں بھی راز ہے ہاء سے پہلے کاف، یاء سے پہلے ہاء، پھر عین اور پھر ص کو ذکر کرنے میں بھی کئی معانی مخفی ہیں۔ ان میں سے اکثر پر آیات قرآنیہ آگئی بخشی ہیں اور غور و تدبر کرنے والوں کو عرفان کی دولت سے نوازیتی ہیں۔ اہل دانش اور اصحاب فکر پر ضروری ہے کہ وہ ان معانی میں فکر و خوض کریں اور دریائے فکر سے گوہر ہائے آبدار نکالیں اور کتاب و سنت سے ان کے شواہد کی جستجو کریں۔ اگر ہم نے اس اسرارِ نہاں اور حکمتِ پنہاں سے نقاب کشائی شروع کی تو ہم موضوع سے ہٹ جائیں گے اور بحث بحث طویل ہو جائے گی۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾

ابن صوریہ کے سوال کا جواب

عبداللہ بن صوریہ الاغور الفطیونی نے حضور ﷺ سے کہا ”ہدایت وہی ہے جس پر ہم گامزن ہیں۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ آپ ہماری اتباع کر لیں ہدایت پا جائیں گے۔“ عیسائیوں نے بھی اسی طرح کہا، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیات نازل کیں۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٠﴾ قُلُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣١﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٢﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ ﴿١٣٣﴾ قُلْ أَتَحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٤﴾ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا قُلْ عَأْتَلْتُمْ أَعْلَمَ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٣٥﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٦﴾ (بقرہ)

”اور (یہودی) کہتے ہیں یہودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں) عیسائی بن جاؤ (تب) ہدایت پا لو گے۔ آپ فرمائیے میرا دین تو دین ابراہیم ہے جو باطل سے منہ موڑنے والا حق پسند تھا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں سے کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہے ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم واسماعیل واسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں تو اگر یہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی مخالفت پر کمر بستہ ہیں تو کافی ہو جائے گا آپ کو ان کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے (ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے) اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ

کے رنگ سے ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں آپ فرمائیے کیا تم جھگڑتے ہو اللہ تعالیٰ کے بارے حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک اور ہمیں ہمارے اعمال اور تمہیں تمہارے اعمال فائدہ پہنچائیں گے ہم تو اسی کی اخلاص سے عبادت کرتے ہیں کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم واسماعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کے بیٹے یہودی تھے یا عیسائی فرمائیے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے اور اللہ بے خبر نہیں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو وہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔ اسے ملے گا جو اس نے کمایا اور تمہیں ملے گا جو تم نے کمایا اور تم سے نہ پوچھا جائے گا اس سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

تحويل قبلہ کے وقت یہودیوں کا وادیلہ

ابن اسحاق کہتے ہیں جب کعبہ مقدسہ کو قبلہ بنایا گیا تو اس وقت حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کو سترہ ماہ گزر چکے تھے۔ رفاعہ بن قیس، قردم بن عمرو، کعب بن اشرف، رافع بن ابی رافع حجاج بن عمرو (کعب بن اشرف کا حلیف)، ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع بن ابی حقیق بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ”اے محمد عربی ﷺ! پہلے قبلہ سے آپ ﷺ کو کس نے پھیر دیا ہے؟ حالانکہ آپ ﷺ گمان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ملت ابراہیمی پر ہیں۔ اپنے پہلے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں، ہم آپ ﷺ کی اتباع کریں گے، آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے“ ایسے قول سے وہ حضور ﷺ کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے تھے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل کی۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّيْتُمْ عَنْ قِبَلَتِكُمْ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الشَّرِيقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ

تحويل قبلہ

ابن اسحاق نے تحويل قبلہ کا ذکر کیا ہے اور ان بے سرو پا باتوں کا بھی ذکر کیا ہے جو اس وقت یہودیوں نے کی تھیں۔ وہ احمق تھے یہ آیت سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ... انہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے فعل مستقبل اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ اس کے علم قدیمی میں تھا کہ بے وقوف ایسی باتیں کریں گے میں نے تحويل قبلہ کا حکم صرف اسی لئے دیا ہے کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ احمق کیا کہیں گے

الرَّسُولَ وَمَنْ يَتَّقِلْبُ عَلَى عَقِبَيْهِ ۖ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۚ (بقرہ: ۱۴۳)

”اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔ آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف اور اسی طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو) بہترین امت تاکہ تم گواہ بنو لوگوں پر اور (ہمارا) رسول تم پر گواہ ہو، اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ اب تک رہے مگر اس لئے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے ہمارے رسول کی اور کون مڑتا ہے اس لئے پاؤں بے شک یہ حکم بہت بھاری ہے مگر ان پر بھاری نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمہارا ایمان۔

تمہارے پہلے قبلہ پر ایمان ضائع نہیں کرے گا اپنے نبی محترم ﷺ کی تصدیق کو ضائع نہیں کرے گا اور تم نے جو دوسرے قبلہ میں حضور ﷺ کی اتباع کی ہے اسے ضائع نہیں کرے گا اور تمہیں اجر عظیم سے نوازے گا۔

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَءَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (بقرہ)

”بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت ہی مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔“

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ (بقرہ: ۱۴۴)

”ہم دیکھ رہے ہیں آسمان کی طرف بار بار آپ کا منہ کرنا تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (تو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف۔“

ابن ہشام کہتے ہیں شَطْرُہ کا معنی ہے نَحْوُہ وَقَصْدُہ۔ عمرو بن احمد الباہلی اوٹنی کی تعریف میں کہتا ہے۔

تَعْدُو بِنَا شَطْرَ جَمْعٍ وَ هِيَ عَاقِدَةٌ قَدْ كَارَبَ الْعَقْدُ مِنْ إِيفَادِهَا الْحَقْبَا

ہم نے حضرت براء بن معرور کے واقعہ میں تحویل قبلہ کے فوائد ذکر کر دیئے ہیں وہاں سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ تَعْدُو بِنَا شَطْرَ جَمْعٍ کی کتاب کے حاشیہ میں مِنْ إِيفَادِهَا کی جگہ مِنْ إِشْرَافِهَا ہے، محمد بن عبد اللہ ابرقی نے بھی اسی طرح لکھا ہے انہوں نے كَارَب کی جگہ قَارَب لکھا ہے۔ یہ شعر اس طرح بھی روایت ہے۔

اونٹنی ہمیں لے کر مزدلفہ کی طرف بھاگ رہی ہے۔ وہ گردن اٹھائے ہوئے ہے اور برق رفتاری کی وجہ سے اس کی دم اس کے تنگ کو چھونے لگی ہے۔
قیس بن الہذلی اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے۔

إِنَّ النَّعُوسَ بِهَذَا مُخَامِرُهَا مَشْطَرُهَا نَظَرُ الْعَيْنَيْنِ مَحْسُودٌ
نعوس ایسی بیماری میں مبتلا ہے جو اس کے اندر تک سرایت کئے ہوئے ہے۔ اس کی طرف دیکھنا نگانا ہوں کو تھکا دیتا ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں، نعوس اس کی اونٹنی کا نام جسے ایک خطرناک بیماری تھی اسے دیکھنا نگانا ہوں کو تھکا دیتا تھا۔

وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝ وَلَيُنَزِّلَنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ كُلِّ آيَةٍ مَا تَتَّبِعُوا قِبَلَتَكَ ۖ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبَلَتِهِمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبَلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَيُنَزِّلَنَّ اللَّهُ آيَاتَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ اتَّبَعْتَهُمْ يَخْلَفُونَ بِمَا لَعُنُوا أَنَّهُمْ ۚ وَإِنْ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ (بقرہ)

”اور بے شک وہ جنہیں کتاب دی گئی ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل پھر بھی نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ آپ پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر بفرض محال آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں سے ہو جائیں گے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انہیں جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز بن جانا شک کرنے والوں سے۔“

تَعْدُوْا بِنَا غُرُضَ جَمْعٍ وَ هِيَ مُوقَدَّةٌ قَدْ كَارَبَ الْعَرَضُ مِنْ اِيْفَادِهَا الْحَقْبَا

تَعْدُوْا، الْعَدُوْا سے مشتق ہے، بِنَا سے مراد ساز و سامان ہے غُرُض جمع سے مراد مکہ معظمہ ہے میرے نزدیک عرض کہنا زیادہ بہتر ہے، عرض سے مراد لوگوں کا اڑدھام ہوتا ہے۔ علامہ اسمعی کہتے ہیں

یہودیوں کا تورات میں سے حق چھپانا

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت سعد بن معاذ اور حضرت خارجہ بن زید نے یہودی علماء سے ان اشیاء کے متعلق پوچھا جن کا ذکر تورات میں تھا مگر انہوں نے انہیں پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی اور انہیں بتانے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۚ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿١٥﴾ (بقرہ)

دعوتِ اسلام پر گستاخانہ جواب

حضور ﷺ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں اس کی ترغیب دی، انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سزا سے ڈرایا تو رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف نے گستاخی سے کہا ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ ہم انہی عقائد کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے وہ ہم سے بہتر اور زیادہ عالم تھے“۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءُنَا ۖ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ (بقرہ)

”اور جب کہا جاتا ہے ان سے پیروی کرو اس کی جو نازل فرمایا ہے اللہ نے تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو۔ اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں“۔

مَوْقِدَةً سے مراد بلند ہونے والی ہے۔ وَهِيَ عَاقِدَةٌ سے مراد ہے کہ وہ اپنی گردن مروڑے ہوئے تھی۔ العرض سے مراد کجاوے کا تنگ ہے۔ اِيْفَادُهَا سے مراد اس کی رفعت ہے، اِقْتَادَتْ سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنی گردن بلند کی دم کو اٹھایا اور انہیں تنگ کے قریب کر دیا۔ اس شعر سے پہلے یہ شعر ہے۔
أَنشَأْتُ أَسْأَلُ عَنْ حَالِ رُفْقَتِهِ فَقَالَ حَيٌّ فَإِنَّ الرُّكْبَ قَدْ نَصَبَا
میں کارواں کی کیفیت کے متعلق پوچھنے لگا، اس نے کہا آؤ قافلہ تھک چکا ہے۔

بنوقینقاع کے بازار میں یہود کا اجتماع

جب غزوہ بدر میں قریش مکہ کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور یہودیوں کو بنوقینقاع کے بازار میں جمع کیا، آپ ﷺ نے فرمایا ”اے معشر یہود! اسلام قبول کر لو اس سے قبل کہ تمہیں بھی ویسے ہی عذاب کا سامنا کرنا پڑے جیسے عذاب کا سامنا قریش کو کرنا پڑا ہے۔“ یہودیوں نے کہا ”اے محمد عربی! آپ ﷺ کا نفس آپ ﷺ کو فریب نہ دے۔ آپ ﷺ قریش کے ان لوگوں سے معرکہ آزما ہوئے ہیں جو جنگی چالوں سے نا آشنا تھے بخدا! اگر آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ جنگ کی تو آپ ﷺ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیسے جنگجو افراد ہیں۔“ اس وقت ان آیات کا نزول ہوا۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سُلْطَانٌ وَهُمْ يُخْشَوْنَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْهَادِ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ
الَّتِيقَاتِ ۖ فِئَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَهُمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ ۖ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ
بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ (آل عمران)

”اے میرے رسول فرما دو ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، بے شک تھا تمہارے لیے عبرت کا نشان ان دو گروہوں میں جو ملے تھے میدان بدر میں ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا۔ دیکھ رہے تھے (مسلمان انہیں) اپنے سے دو چند اپنی آنکھوں سے اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے، یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لئے۔“

بیت المدارس میں تشریف آوری

داعی حق ﷺ بیت المدارس میں تشریف لے گئے اور یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ نعمان بن عمرو اور حارث بن زید نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی ”اے محمد عربی! آپ کس دین پر ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”مِلّت ابراہیمی اور دین ابراہیم پر ہوں“ انہوں نے کہا حضرت

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَهُمْ

اس کا معنی یہ ہے کہ کفار مومنین کو دو گنا دیکھ رہے تھے، اگرچہ یہ تعداد میں کم تھے، کیونکہ ملائکہ بھی مسلمانوں کے ہم رکاب تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دوسری آیت میں تو ارشاد ہے۔ يُقَلِّلُكُمْ فِي اَعْيُنِهِمْ۔ ”قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں۔“ یہ تضاد کیسے دور ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ

ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تورات لے کر آؤ وہ ہمارے مابین فیصلہ کرے گی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ فَوِثْقًا مِّنْهُمُ وَعَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿١٠﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَسْنَأَ النَّاسُ إِلَّا آيَاتًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١١﴾ (آل عمران)

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا کچھ حصہ کتاب کا جب بلائے جاتے ہیں کتاب الہی کی طرف تاکہ تصفیہ کر دے ان کے باہمی جھگڑوں کا تو پیٹھ پھیر لیتا ہے ان میں سے ایک گروہ درآں حال کہ وہ روگردانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس بے باکی کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہ چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گئے ہوئے اور فریب میں مبتلا رکھا انہیں ان کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ خود گھڑا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے یہود و نصاریٰ کا اختلاف

جب یہودی اور نصاریٰ نجران بارگاہ رسالت میں جمع ہوئے تو وہ جھگڑنے لگے۔ یہودی علماء نے دعویٰ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا وہ عیسائی تھے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت اتاری۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٠﴾ هَآؤُنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣١﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٢﴾ إِنَّ أَوَّلِي النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لِلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٣﴾ (آل عمران)

”اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا اتنا بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔ سنتے ہو تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے رہے ہو اب تک ان باتوں میں جن کا تمہیں کچھ نہ علم تھا، پس اب کیوں جھگڑنے لگے ہو ان باتوں میں نہیں

کیفیت قتال سے قبل تھی جب کفار، مومنین کے بالمقابل تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو قلیل سمجھا اور اس پر فخر کرنے لگے تو اللہ رب العزت نے مسلمانوں کی مدد ملائکہ سے فرمادی پھر انہیں مسلمان کثیر تعداد میں نظر آئے اور انہیں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ کہا جاتا ہے کہ يَوْمَ نَهَمُ فِيْهِمْ ”ہم“ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے

ہے تمہیں جن کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے۔ بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیم سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی کریم اور جو اس نبی پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا۔“

یہودیوں کی انتہائی گھناؤنی سازش

عبداللہ بن صیف، عدی بن زید اور حارث بن عوف نے باہمی مشاورت کی کہ ہم صبح کے وقت اس پیام پر ایمان لے آتے ہیں جو محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا ہے اور وقت شام اس کا انکار کر دیں گے پھر مسلمانوں پر دین حق ملتبس ہو جائے گا اور وہ اپنے دین سے لوٹ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿١﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢﴾ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اؤْمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٣﴾ وَلَا تَوْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٤﴾ (آل عمران)

”اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ اور کیوں چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم جانتے ہو، کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت اور انکار کر دو اس کا سر شام شاید اس طرح وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں کہ مت مانو کسی کی بات سوائے ان لوگوں کے جو پیروی کرتے

مسلمان انہیں دو گنا دیکھ رہے تھے، وہ مسلمانوں سے تین گنا تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں نگاہ مومنین میں قلیل کر دکھایا۔ بعض علماء نے ”تَوْنَهُمْ“ پڑھا ہے، ممکن ہے یہ خطاب یہودیوں کو ہو۔ ”اے یہود! تم غزوہ بدر کے دن دیکھ رہے تھے کہ مشرکین مسلمانوں سے دو گنا تھے۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کی تعداد ایک ہزار تھی۔ انص بن شریق بنوزہرہ کے ہمراہ ان سے علیحدہ ہو گیا ان کی تعداد سات سو ہو گئی۔ ممکن ہے کہ خطاب مشرکین سے ہو، یعنی اے مشرک! تم مسلمانوں کو دو گنا دیکھ رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے ان کی نصرت فرمائی تو یہ معنی پہلے معنی کی مانند ہو گیا۔

ہیں تمہارے دین کی۔ فرمائیے ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو۔ اور یہ بھی نہ ماننا کہ دیا جا سکتا ہے کسی کو جیسے تمہیں دیا گیا یا کوئی حجت لا سکتا ہے تم پر تمہارے رب کے پاس، اے حبیب فرما دیجئے کہ فضل و کرم تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

ابورافع کی گستاخی

جب علماء یہود اور نصاریٰ نجران حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو ابورافع نے کہا۔ ”اے محمد عربی! ﷺ کیا آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی اس طرح پوجا کریں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔“ ایک نصرانی رئیس نے کہا ”اے محمد عربی! ﷺ کیا آپ ﷺ ہم سے یہی تمنا کرتے ہیں اور اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”معاذ اللہ! اللہ کی پناہ کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کروں یا اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنے کا حکم دوں۔ میری بعثت کا مقصد یہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔“ اللہ رب العزت نے اس وقت یہ آیت نازل کی۔“

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ① وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَالِيَّةَ وَالنَّيِّبِينَ أَمْ يَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ② (آل عمران)

”نہیں ہے مناسب کسی انسان کے لئے کہ جب عطا فرما دے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکمت اور نبوت تو پھر وہ کہنے لگے لوگوں سے کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو چھوڑ کر (وہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے۔ اس لئے تم دوسروں کو تعلیم دیتے رہتے ہو کتاب کی اور بوجہ اس کے کہ تم خود بھی رَبَّانِيِّينَ

ابن ہشام نے کہا ہے کہ اس سے مراد علماء، فقہاء اور سردار ہیں۔ بخاری شریف میں بعض اہل علم سے روایت ہے کہ رَبَّانِيُّونَ سے مراد وہ علماء ہیں جو لوگوں کو علم کی رفعتوں پر آشیاں بند کرتے ہیں۔ اہل علم کے لئے رب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اسم کی تخم کے لئے الف، نون کا اضافہ کیا گیا ہے۔ القوس سے مراد صومعہ ہے ضرب المثل ہے۔ اَنَا بِالْقَوْسِ وَ أَنْتَ بِالْقَرْقُوسِ فَكَيْفَ نَجْتَبِعُ۔ میں گر جاؤں اور تو کشادہ میدان میں ہے ہم کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

اسے پڑھتے تھے اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا تمہیں اس بات کا کہ بنا لو فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا (تم خود سوچو) کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمہیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو۔

ابن ہشام کہتے ہیں۔ ”الرَّبَّانِيُونَ“ سے مراد علماء، فقہاء اور سردار ہیں شاعر کہتا ہے۔
لَوْ كُنْتُ مُرْتَهَنًا فِي الْقَوْسِ أَفْتَنِي مِنْهَا الْكَلَامُ وَ رَبَّانِي أَحْبَابُ
اگر میں کسی گرجا میں بھی خلوت گزیر ہوتا تو پھر بھی مجھے اور گرجا کے راہب کو اس کا کلام فتنہ میں مبتلا کر دیتا۔

ابن ہشام کہتے ہیں قوس سے مراد راہب کا گرجا ہے۔ ”أَفْتَنِي“ بنو تمیم کی لغت ہے اور ”فَتَنِي“ بنو قیس کی لغت ہے، جریر کہتا ہے۔

لَا وَصَلَ إِذْ صَرَمْتُ هِنْدُ وَ لَوْ وَقَفْتُ لَا سَتَنْزَلَتْنِي وَ ذَالِيسُحَيْنِ فِي الْقَوْسِ
اب وصال کی کوئی امید نہیں جبکہ ہند جدا ہو چکی ہے اگر وہ کھڑی ہو جاتی تو پھر مجھے اور گرجا کے پادری کو مقام زہد سے نیچے اتار لیتی۔

رَبَّانِي، رَبٌّ سے مشتق ہے اس کا معنی سردار یا آقا ہے۔ قرآن پاک میں ہے فَيَسْقِي رَبُّهُ خَمْرًا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں، ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا السَّلَاطَةَ وَاللَّيْثِينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ①

”اور وہ مقبول بندہ نہیں ہے حکم دے گا تمہیں اس بات کا کہ بنا لو فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا تم خود سوچو کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمہیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو۔“

فَتْنَةُ اور أَفْتَنَتُهُ میں فرق

سیہویہ نے ان دونوں کے مابین فرق کیا ہے انہوں نے خلیل کے قول سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ أَفْتَنَتُهُ کا معنی ہے میں نے اسے فتنہ میں مبتلا کر دیا اور فَتْنَتُهُ کا معنی ہے میں نے اس میں بگاڑ پیدا کر دیا جس طرح كَحَلَّتْهُ کا معنی ہے میں نے اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈال دیا۔ اس فرق کا لب لباب یہ ہے کہ فَتْنَتُهُ کا معنی ہے صَرْفَتُهُ میں نے اسے پھیر دیا ہے یہ اسی لئے اس کے وزن پر ہے کیونکہ مفتون کو حق سے پھیر دیا جاتا ہے۔ أَفْتَنَتُهُ أَضَلَّتْهُ اور أَغْوَيْتُهُ کے معنی میں ہے اسی لئے یہ اس کے وزن پر ہے فَتْنٌ کا لفظ لوہے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اس کا معنی لوہے کو پرکھنا ہے۔

انبیائے کرام سے میثاق لینے کا تذکرہ

پھر اللہ رب العزت نے اس میثاق کا تذکرہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام سے لیا کہ جب آپ ﷺ تشریف لائیں گے تو وہ آپ ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کریں گے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا اقرار کریں گے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَإِذَا خَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَدِينِ لِمَا أَتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ
لْتُؤْمِنُوا بِهِ وَلْتَنْصُرُوهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۚ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ
فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ (آل عمران)

”اور یاد کرو جب لیا اللہ نے انبیاء سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی اس کے بعد فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“

انصار کے مابین فساد کی کوشش

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ شاس بن قیس ایک عمر رسیدہ شخص تھا کفر میں پختہ اور مسلمانوں کے خلاف شدید کینہ و بغض رکھتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک محفل میں جمع تھے وہ وہاں مجو گفتگو تھے ان کی جمعیت اور الفت کو دیکھ کر اس کی آتش غیض بھڑک اٹھی۔ اسے یہ بات سخت ناگوار گزری کہ اسلام نے ان کے مابین صلح و آشتی کے رشتے قائم کر دیئے ہیں حالانکہ پہلے ان کے مابین عداوت و دشمنی تھی۔ اس نے کہا ”بنو قیلہ کے سردار ان شہروں میں جمع ہو گئے ہیں قسم بخدا! ان کے اس اجتماع سے ہمارا چین و سکون ختم ہو گیا ہے۔ اس نے ایک یہودی جو ان کو حکم دیا کہ ان کی طرف جا۔ اس کے ہمراہ بیٹھ جا۔ یوم بعاث کو یاد کر اور ان اشعار کو پڑھ جو اس موقع پر کہے گئے تھے۔“

یوم بعاث وہ دن تھا جب اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے تھے اوس کو خزرج پر فتح ہوئی۔ اس دن اوس کے سردار حفص بن سہام الاشہلی اور ابواسید بن خفیر تھے اور خزرج کا سردار عمرو بن نعمان البیاضی تھا۔ یہ تمام جنگ میں کام آگئے۔ ابن ہشام کہتے ہیں ابو

قیس بن اسلت نے کہا ہے۔

عَلَى أَنْ قَدْ فُجِعْتُ بِذِي حِفَاطٍ فَعَاوَدَنِي لَهُ حُزْنٌ دَصِينٌ
فِيمَا تَقْتُلُوهُ فَإِنَّ عَمْرًا أَعْصَى بِرَأْسِهِ عَضْبٌ سَنِينٌ
ایک خوددار شخص کی وجہ سے مجھے تکلیف دی گئی اس کی وجہ سے مجھے اندوہناک غم نے آلیا
کیا تم اسے قتل کر دو گے۔ عمرو نے اپنے سر کے ساتھ ایک شمشیر براں باندھی ہوئی تھی۔

جنگ بعاث کے تذکرہ سے سیرت میں انقطاع آجائے گا اس لئے اسے ترک کیا جاتا ہے۔
ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس نو جوان نے اسی طرح کیا۔ قوم کے مابین گفتگو میں تلخی آنے
لگی وہ جھگڑنے لگے باہمی فخر کرنے لگے اوس بن قنیطی (بنو حارثہ بن حارث میں سے) اور جبار
بن صخر (بنو سلمہ میں سے) ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اگر تم
چاہو تو جنگ کا آغاز دوبارہ ہو سکتا ہے۔ آتش غضب انتہائی عروج پر تھی انہوں نے کہا اب تم سے
ملاقات اس سخت میدان میں ہوگی ہر طرف ہتھیار لاؤ! ہتھیار لاؤ! کی صدا آنے لگی۔ لوگ ہتھیار
لے کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ یہ خبر حضور اکرم ﷺ تک بھی پہنچ گئی۔ آپ ﷺ مہاجرین کو
ساتھ لے کر وہاں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اے مسلمانو! اللہ اللہ! جاہلیت جیسے
کام حالانکہ میں تمہارے سامنے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں راہ ہدایت پر گامزن کر دیا ہے اور
اسی دین متین سے تمہیں اعزاز بخشا ہے اس نے جاہلیت کو ختم کر دیا ہے، تمہیں کفر سے بچا لیا ہے
اور تمہارے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی ہے“ یہ دلنشین الفاظ سن کر صحابہ کرام سمجھ گئے کہ یہ
شیطانی امر تھا اور اس کے دشمنوں کا مکر تھا، وہ اشک فشاں ہو گئے۔ بنو خزرج اور بنو اوس ایک
دوسرے سے بغل گیر ہو گئے، پھر سر جھکائے، دیدہ و دل فرس راہ کئے حضور ﷺ کے ہمراہ ہو
گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے شاس بن قیس کی لگائی ہوئی آگ کو سرد کر دیا۔ اس واقعہ کے متعلق
اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل کیا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا
اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ (آل عمران)

”آپ فرمائیے، اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو
کچھ تم کرتے ہو، آپ فرمائیے، اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اسے جو ایمان لا
چکا تم چاہتے ہو کہ اس راہ راست کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود اس کی راستی کے گواہ ہو اور نہیں ہے

اللہ بے خبران کرتوتوں سے جو تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اوس بن قیظی، حضرت جبار بن صخر اور ان کے ساتھیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَتَّىٰ تَقْتَرِبَ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَلَتَكُن مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

”اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہل کتاب سے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم پھر کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ کے دامن کو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا اور خبردار نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو ضرور ہونی چاہئے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان

لوگوں کے لئے عذاب ہے بہت بڑا۔

وَمَا آمَنَ إِلَّا شَرَّارُنَا

ابن اسحاق کہتے ہیں جب حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثعلبہ بن سعیہ، حضرت اسید بن سعیہ، حضرت اسد بن عبید اور دیگر یہودی دامن اسلام سے وابستہ ہوئے، ایمان و تصدیق کی لازوال نعمت سے بہرہ ور ہوئے تو علمائے یہود اور کافروں نے کہا۔ ”ہم میں سے برے لوگوں نے ہی محمد عربی ﷺ کی اتباع کی ہے۔ اگر وہ بہتر ہوتے تو پھر اپنے آباء کے دین کو نہ چھوڑتے اور نہ دوسرے کسی مذہب کو اپناتے“ اللہ رب العزت نے اس وقت یہ آیت نازل کی۔

لَيُسْوَءَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتَتَلَوْنَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿٥٠﴾
(آل عمران)

”سب یکساں نہیں اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں۔“

ابن ہشام کہتے ہیں، آناء اللیل سے مراد رات کی گھڑیاں ہیں اس کا واحد انئی ہے۔ مالک بن عویر المتخلل الہذلی اپنے بیٹے کا مرثیہ کہتے ہوئے لکھتا ہے۔

حُلُوٌّ وَ مَرٌّ كَعَطْفِ الْقِدْحِ شِمَّتُهُ فِي كُلِّ إِنِّي قَضَاءُ اللَّيْلِ يَنْتَعِلُ
تیر کے کنارے کی طرح اس کی طبیعت شیریں و تلخ تھی وہ رات کے ہر لمحہ میں جوتے پہنتا تھا۔
لبید بن ربیعہ وحشی گدھے کی تعریف میں کہتا ہے۔

يُطَرَّبُ آنَاءَ النَّهَارِ كَأَنَّهُ غَوِيٌّ سَقَاءٌ فِي التِّجَارِ نَدِيمٌ
وہ دن کے اوقات میں خوشی کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ گویا کہ وہ گمراہ ہو گیا ہے اور شراب خانے میں کسی ساتھی نے اسے شراب پلا دی ہے۔

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي

آناء اللیل کی تفسیر

علامہ ابن ہشام نے آناء اللیل کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ آناء کا واحد انئی ہے اور اس پر ہذلی کے قول سے استشہاد کیا ہے۔ پھر اس سے بھی عجیب یونس کا قول ہے کہ یہ قرآن کریم کی لغت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غَيْرَ نَظِيرٍ إِنَّهُ (احزاب: ۵۴)۔

الْخِزْيَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الْقُلُوبِ الْغَائِبَةِ (آل عمران)

”ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور جلدی کرتے ہیں نیکوں میں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔“

یہودیوں کو راز دان بنانے کی ممانعت

ابن اسحاق کہتے ہیں، مسلمانوں میں سے کچھ لوگ یہود کے پڑوس اور ان سے عہد و پیمان ہونے کی وجہ سے صلہ رحمی کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل کیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّأْنَاكُمْ الْاَلِيَّتَ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هَآئِثُمْ أُولَآءِ مَنُجِبُونَهُمْ وَلَا يُجِيبُونَ ۚ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ (آل عمران: ۱۱۹)

”اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنا راز دار غیروں کو وہ کسر نہ اٹھا رکھیں گے تمہیں خرابی پہنچانے میں وہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمہیں ضرر دے، ظاہر ہو چکا ہے بعض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں سے) اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے ہم نے صاف بیان کر دیں ہیں تمہارے لئے اپنی آیتیں اگر تم سمجھدار ہو۔ سنو تم تو وہ پاک دل ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور وہ ذرا محبت نہیں کرتے تم سے اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو۔“

یعنی تم اپنی کتاب پر ایمان لاتے ہو سابقہ کتب پر بھی ایمان رکھتے ہو جبکہ یہودی تمہاری

علمائے یہود کے متعلق نازل کردہ آیات میں سے بعض جملوں کا ذکر

علامہ ابن اسحاق نے علمائے یہود کے متعلق نازل کردہ بعض آیات کا ذکر کیا ہے۔ ان کے تمام سوالات واضح ہیں اور ان پر کلام غرض کتاب کے بجائے تفسیر قرآن کی طرف لے جاتا ہے۔ ان سوالات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَيْتَانِ مَرْسُومَتَا۔ ایلین کے متعلق فراء نے کہا ہے یہ دو کلمے ہیں جنہیں ملا کر ایک کلمہ بنا دیا گیا۔ یہ اصل میں آئی آن تھا اور الآن اور الا وان کا ایک ہی معنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: راح اور رباح۔ شاعر کا قول ہے

نَشَاوِي تَسَافَوَا بِالرِّيَّاحِ الْمَفْلَقِ

ہروی نے ایان کے متعلق ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے کہ ممکن ہے اس کی اصل ایوان ہو پس واؤ کو یاء میں مدغم کر دیا گیا جیسے قیام میں ہوا۔

کتاب مقدس کا انکار کرتے ہیں تم اس بات کے زیادہ سزاوار ہو کہ تم ان سے بغض رکھو۔
وَإِذَا لَقُّوْكُمْ قَالُوا اٰمَنَّا۟ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلٰیْكُمْ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُؤْتُوْا
بِغَيْظِكُمْ (آل عمران: ۱۱۹)

”اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصے سے، اے حبیب آپ فرمائیے مر جاؤ اپنے غصہ کو آگ میں جل کر۔“
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غیرتِ ایمانی

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ”بیت المدارس“ میں یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص کے پاس لوگوں کا ہجوم تھا اس شخص کا نام ”فخاص“ تھا۔ یہ ایک ماہر عالم تھا اس کے ارد گرد علماء یہود مجتمع تھے، اسے ”اشیع“ کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فخاص سے کہا ”اے فخاص! اللہ سے ڈر اور اسلام قبول کر لے۔ اللہ کی قسم! تو خوب آگاہ ہے کہ محمد عربی ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول معظم ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ بارگاہِ ربوبیت سے پیغامِ حق لے کر تشریف لائے ہیں تمہارے پاس تورات و انجیل میں بھی آپ ﷺ کے تذکرے مرقوم ہیں۔“ فخاص نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا ”اے ابو بکر! بخدا! ہم اللہ کے محتاج نہیں وہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کی طرف اتنی آہ و زاری نہیں کرتے جتنی آہ و زاری وہ ہماری طرف کرتا ہے، ہم اس سے مستغنی ہیں لیکن وہ ہم سے مستغنی نہیں ہے، اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو پھر ہمارے اموال بطور قرض طلب نہ کرتا جس طرح تمہارے صاحب بھی گمان کرتے ہیں، وہ تمہیں سود سے منع کرتا ہے مگر ہمیں سود دیتا ہے اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔“ (نعوذ باللہ من هذه الخرافات) یہ بکواسات سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے چہرے پر ایک شدید طمانچہ رسید کیا اور کہا ”ارے گستاخ! مجھے اس ذات والا کی قسم! اگر ان معاہدوں کا پاس نہ ہوتا جو ہمارے مابین ہیں تو میں تیرا سرتن سے جدا کر دیتا۔“

فخاص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ! ذرا دیکھیں تمہارے اس ساتھی نے میرا کیا حشر کیا ہے؟“ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ”اے ابو بکر! کس چیز نے تمہیں اس کام پر ابھارا؟“ انہوں نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ اس دشمن خدا نے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی گستاخی کی ہے، اس نے

گمان کیا ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات فقیر اور یہ غنی ہیں۔ اس کی اس گستاخی پر مجھے غصہ آیا اور میں نے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا۔“ فحیص نے انکار کر دیا اس نے کہا ”میں نے یہ بات نہیں کی“، اللہ رب العزت نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں فرمایا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۳﴾ (آل عمران)

”بے شک سنا اللہ نے قول ان گستاخوں کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے، ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا انبیاء کو ناحق اور ہم کہیں گے کہ اب چکھو آگ کے عذاب کا مزہ۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غیض و غضب کے متعلق ارشاد ہوا۔

وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَاتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۴﴾ (آل عمران)

”اور یقیناً سنو گے تم ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی باتیں اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔“

پھر فحیص اور دیگر علمائے یہود کے متعلق فرمایا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكُونُ نَفْسٌ عَلَيْهِمْ حَبِيلًا ۚ فَيُشْرِكُ مَا يُشْرِكُونَ ﴿۵﴾ لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُتُوا وَيُجِبُونَ أَنْ يُحْسَدُوا بِهَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسِبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶﴾ (آل عمران)

”اور یاد کرو جب لیا اللہ نے پختہ وعدہ ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے اور نہ چھپانا اس کو تو الٹا انہوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور انہوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی سی قیمت سو بہت بری ہے وہ چیز جو وہ خرید رہے ہیں۔ ہرگز آپ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنی کارستانیوں پر اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو انہوں نے کیے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ وہ امن میں ہیں عذاب سے ان کے لئے ہی تو دردناک عذاب ہے۔“

وہ علمائے یہود عذاب الیم کے مستحق ہیں جو دنیاوی زیب و آرائش پر فرحان و شاداں ہیں، ان کا وطرہ لوگوں کو راہِ ضلالت پر گامزن کرنا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کا رناموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے سرانجام نہیں دیئے، لوگ انہیں ”علماء“ کہیں حالانکہ وہ اہل علم نہیں ہیں۔ وہ لوگوں کو شاہراہ حق و ہدایت پر چلاتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔

مومنین کو بخل کا مشورہ

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ کردم بن قیس (کعب بن اشرف کا حلیف) اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع، بحری بن عمرو، حی بن اخطب اور رفاعہ بن زید بن تابوت انصار کے ساتھ ملتے رہتے تھے اور انہیں ناصحانہ مشورے دیتے رہتے تھے، وہ ان سے کہتے ”اپنے اموال خرچ نہ کیا کرو، ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں تم افلاس کا شکار نہ ہو جاؤ خرچ کرنے میں سرعت نہ کیا کرو تم نہیں جانتے کہ بالآخر انجام کیا ہو“۔ اللہ رب العزت نے ان آیات کا نزول فرمایا۔

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ
الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ۝ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
أَنفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝ (نساء)

”جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا ہے اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روز قیامت پر اور وہ بد قسمت ہو جائے شیطان جس کا ساتھی پس وہ بہت برا ساتھی ہے اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روز آخرت پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے۔“

انکارِ حق

ابن اسحاق کہتے ہیں، رفاعہ بن زید بن تابوت یہودیوں کا سردار تھا جب یہ حضور ﷺ سے گفتگو کرتا تو اپنی زبان مروڑتا اور کہتا۔ اَرَعِنَا سَمْعَكَ يَا مُحَمَّدٌ۔ اے محمد مصطفیٰ ﷺ ہماری طرف نظر کرم فرمائیں تاکہ ہم آپ ﷺ کی گفتگو کو سن سکیں (یہ اپنی زبان کو مروڑ کر کہتا جس سے

مذکورہ بالا مفہوم تبدیل ہو جاتا) پھر یہ اسلام پر اعتراض کرتا۔ اللہ رب العزت نے فرمایا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ (نساء)
يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِيَّائِيَا لَسْتُمْ لَهُمْ وَ
طَعْنَانِي الَّذِينَ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۚ وَلَكِن لَّعَنَهُمُ
اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (نساء)

”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ مول لے رہے ہیں مگر اہی کو اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ بہک جاؤ تم بھی راہِ راست سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ حمایتی اور اللہ تعالیٰ مددگار۔ کچھ لوگ جو یہودی ہیں پھیر دیتے ہیں اس کی اصلی جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی اور کہتے ہیں سنو تم نہ سنائے جاؤ اور کہتے ہیں، راعنا بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں اور اگر وہ یوں کہتے ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور اسے مان لیا اور ہماری عرض سنیے اور نگاہ فرمائیے ہم پر تو ہوتا بہت بہتر ان کے لئے اور بہت درست لیکن دور کر دیا انہیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لائیں مگر تھوڑے سے۔“

ایک دفعہ حضور ﷺ نے یہودی علماء سے گفتگو فرمائی ان علماء میں عبد اللہ بن صوریہ الاغور اور کعب بن سعد بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ”اے معشر یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ، اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ وہ کتاب حکیم جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں وہ حق ہے“ انہوں نے کہا ”اے محمد عربی ﷺ ہم نہیں جانتے“ انہوں نے اس چیز سے انکار کر دیا جس سے وہ واقف تھے کفر پر اصرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلُ ۚ أَن تَطِغُوا وَجُوهَا
فَسَرْدٌ هَآءِلٌ أَدْبَارُهَا ۚ أَوَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَفْعُولًا ۝ (نساء)

”اے وہ لوگو! جنہیں دی گئی کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے ہم نے تاکہ تصدیق کرے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے پھر پھیر دیں انہیں پشتوں کی طرف یا لعنت کریں ان پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔“

ابن ہشام کہتے ہیں ”نَطِيسُ“ کا معنی ہے ہم چہرے کو مسخ اور برابر کر دیں گے اس طرح کہ اس میں کوئی آنکھ، ناک اور منہ نظر نہ آ سکے گا۔ ”فَطَسْنَا اَعْيُنَهُمْ“ کا معنی بھی یہی ہے۔ ”مطموس العین“ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی پلکوں کے مابین شگاف نہ ہو۔ کہا جاتا ہے۔ طَمَسْتُ الْكِتَابَ وَالْاَثَرَ میں نے کتاب اور تصنیف کے حروف کو مٹا دیا وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اظہل، غوث بن ھبیرہ بن صلت تغلمی اونٹوں کی تعریف میں کہتا ہے۔

تَكْلِيفُنَا هَا كُلَّ طَامِسَةِ الصَّوَى شَطُونٍ تَرَى حِرْبَاءَ هَا يَتَمَلَّلُ
ہر مٹنے والی جدا جدا نشانیوں پر ہم نے انہیں تکلیف دی تو دیکھے گا کہ اس کی پشت کا گوشت متحرک ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں، صَوَى کا واحد صَوَّةٌ ہے اور صَوَى ان نشانیوں کو کہا جاتا ہے جن سے راستوں اور پانیوں تک راہ نمائی لی جاتی ہے مُسِحَتِ الْاَرْضُ کا معنی ہے زمین کو برابر کر دینا ابن اسحاق کہتے ہیں قریش، غطفان اور بنو قریظہ میں سے جن لوگوں نے باہمی گٹھ جوڑ کیا وہ حی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، ابورافع، ربیع بن ربیع بن ابی الحقیق، ابوعمار، وحوح بن عامر، ھوذہ بن قیس (وحوح، ابوعمار اور ھوذہ کا تعلق بنو وائل سے تھا) تھے۔ جب یہ لوگ قریش مکہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا یہ یہودیوں کے علماء ہیں یہ سابقہ کتاب کے حامل ہیں، ذرا ان سے پوچھو تو سہی کہ تمہارا دین بہتر ہے یا دین محمدی عمدہ ہے۔ انہوں نے ان سے یہ سوال کیا علمائے یہود نے کہا ”تمہارا دین، دین محمدی سے کہیں عمدہ تر ہے۔ تم ان سے اور ان کے ساتھیوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو“ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اٰذَنُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ (نساء: ۵۱)
”کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ اب اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر“۔

ابن ہشام کہتے ہیں، جِبْت سے مراد ہر وہ چیز ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کی پوجا کی جائے اور ہر وہ چیز جو راہِ حق سے منحرف کر دے اسے طاغوت کہتے ہیں۔ جِبْت کی جمع جُبُوت آتی ہے اور طاغوت کی جمع طَوَاغِيت آتی ہے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابن ابی شیح سے روایت ہے کہ جبت کا معنی جادو اور طاغوت کا معنی شیطان ہے۔

وَيَقُولُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰؤُلَاءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ

اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فْلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝۵۱ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝۵۲ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ ثُلُكًا عَظِيمًا ۝۵۳ (نساء)

”اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں یہی وہ (بد نصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو قتل برابر کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے اللہ نے اپنے فضل سے وہ حسد کی آگ میں جلا کریں ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت۔“

نزولِ قرآن کا انکار

ابن اسحاق کہتے ہیں سکین اور عدی بن زید نے کہا ”اے محمد عربی ﷺ! ہم نہیں جانتے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی بشر پر کوئی کلام نازل کیا ہو“ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیات نازل کیں۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۚ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۵۴ (نساء)

”بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو نوح کے بعد آئے اور جیسے وحی بھیجی ہم نے ابراہیم، اسمعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹوں اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤد کو زبور اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا اور کلام فرمایا اللہ نے موسیٰ سے خاص کلام (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسول خوشخبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر رسولوں کے آنے کے بعد اور اللہ تعالیٰ غالب

ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم نہ کرے تو اس کی مرضی)۔“

بارگاہ رسالت میں یہودیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ”قسم بخدا! تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس جماعت نے کہا ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہم اس کی گواہی دیتے ہیں۔“ اللہ رب العزت نے آیات نازل کیں۔

لَٰكِن اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِۦ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۗ وَكَفٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا ۝۱۱ (نساء)

”لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعے جو اس نے آپ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ۔“

حضور ﷺ پر پتھر گرانے کی سازش

حضور ﷺ بنو نضیر کے پاس گئے تاکہ ان دو عامری شخصوں کی دیت میں ان کی مدد کریں جنہیں عمرو بن امیہ الضمری نے قتل کیا تھا۔ یہودیوں نے تنہائی میں مشاورت کی، انہوں نے کہا ”محمد عربی ﷺ آج جتنے تمہارے قریب ہیں پھر کبھی اتنے قریب نہ ہو سکیں گے کوئی ایسا شخص ہو جو اس گھر کی چھت پر چڑھے اور ان پر ایک بڑا سا پتھر گرا دے اور ہمیں ان سے نجات دے۔“ عمرو بن جحاش بن کعب نے کہا ”میں یہ کام کروں گا۔“ حضور ﷺ کو ان کی گھناؤنی سازش کا علم ہو گیا۔ آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ اللہ رب العزت نے اس واقعہ کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هُمْ قَوْمٌ اٰنٍ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ (مائدہ)

”اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو۔“

محبوب خداوندی کا دعویٰ

نعمان بن اضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان سے گفتگو فرمائی، انہیں اسلام کی دعوت کی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے

ڈرایا انہوں نے عیسائیوں کی طرح کہا ”اے محمد عربی ﷺ! آپ ﷺ ہمیں اللہ سے کیا ڈراتے ہیں ہم تو اس کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّثْلَ خَلْقٍ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۚ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۸﴾ (مائدہ)

”اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں، آپ فرمائیے اگر تم سچے ہو تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہی بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف سب نے لوٹ کر جانا ہے۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی انہیں یہ دین متین قبول کرنے کی ترغیب دلائی۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کفرانہ روش اختیار کی۔ حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہم نے ان سے کہا۔ ”اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو، اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ حضور ﷺ اللہ کے رسولِ معظم ہیں، آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے تم ہم سے حضور ﷺ کا تذکرہ کرتے تھے، ہمیں آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ بتاتے تھے۔“ رافع بن حریملہ اور وہب بن یہود نے کہا ”ہم نے تمہیں کب یہ کہا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ اس نے ان کے بعد کسی کو بشیر و نذیر بنا کر نہیں بھیجا۔“ اللہ رب العزت نے ان کا جواب اس طرح ارشاد فرمایا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۚ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۹﴾ (مائدہ)

”اے اہل کتاب بے شک آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمہارے لئے احکام الہی بعد اس کے کہ رسولوں کا آئندہ توں بند رہا تھا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا، اب تو آگیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا ذکر خیر کیا، ان تکالیف کا تذکرہ کیا جو یہودیوں سے آپ ﷺ کو پہنچیں۔ انہوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور اللہ کے امر کا رد کیا پھر وہ کس طرح چالیس سال تک میدانِ تیہہ میں بھٹکتے پھرتے رہے۔

بنو اسرائیل میدانِ تیہہ میں

جب بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کی تو وہ چالیس سال تک میدانِ تیہہ میں سرگرداں رہے۔ جب وہ ”جبارین“ کے عظیم اجسام دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے تو ان سے یوشع بن نون اور کالب بن یوفیا نے کہا۔

اَدْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُْوْا هٗ فَاِنَّكُمْ غَالِبُوْنَ۔

”داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گئے دروازہ سے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے۔“ مگر انہوں نے ان کی بات نہ مانی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے یہ بددعا کی یہ چھ فرسخ زمین میں ہی پھرتے رہے۔ سارا دن چلتے رہتے مگر رات کو وہیں ہوتے جہاں سے آغاز کرتے اور صبح وہیں کرتے جہاں رات بسر کی ہوتی۔ اسی صحراء میں اللہ تعالیٰ نے ان پر من و سلویٰ اتارا کیونکہ اس میدان میں سرگرداں ہونے کی وجہ سے انہیں معیشت کی ہوش تک نہ تھی۔ ان کے کپڑے ان کے اجسام پر اسی حالت میں رہے بوسیدہ نہ ہوئے اور نہ پھٹے۔ اگر کسی کا جسم لمبا ہوتا تو کپڑے بھی لمبے ہو جاتے۔ اسی میدان میں ہی حضرت موسیٰ نے ان کے لئے ابرکرم کی دعا مانگی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ کو ہر طور سے ایک پتھر لیں اور اپنا عصا مبارک اس پر ماریں۔ آپ علیہ السلام نے یہ عمل فرمایا تو اس پتھر سے بارہ چشمے رواں ہو گئے۔ اسی میدان میں بنو اسرائیل پر بادل سایہ فلکن ہوا تھا کیونکہ وہ ایک چٹیل میدان میں تھے۔ بادل نے انہیں دھوپ کی شدت سے بچایا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میدانِ تیہہ میں ان کی محنت و حیرت دیکھی تو اپنی بددعا پر نادم ہوئے۔ آپ علیہ السلام نے ان کے لئے مذکورہ بالا انعاموں کی التجاء کی تھی تا کہ وہ اس چٹیل میدان میں بھوکے، پیاسے اور عریاں ہی نہ ہو جائیں۔ جب آپ علیہ السلام نے ان سے ہمدردی فرمائی تو ارشاد ہوا۔

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (مائدہ)

”وہ قوم جس نے آپ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کی ہے انکے لئے اظہارِ ہمدردی نہ فرمائیں“ اسی میدان میں ان کے تمام سن رسیدہ لوگ مر گئے مگر یوشع اور کالب زندہ رہے۔ جبارین کی زمین میں ان کی اگلی نسل ہی گئی کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا وصال بھی اسی میدان میں ہوا تھا اور آپ یوشع

رجم کے حکم میں یہودیوں کا رجوع

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو علماء یہود بیت المدارس میں جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک شادی شدہ مرد نے شادی شدہ عورت سے فعل شنیع کیا تھا انہوں نے مشاورت کی کہ اس مرد اور عورت کو محمد عربی ﷺ کے پاس لے جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان کا حکم کیا ہے؟ آپ ﷺ کو دونوں کا حکم بنا لو۔ اگر انہوں نے تمہاری طرح ”تجبیہ“ (تجبیہ یہ ہے کہ کھجور کی رسی پر تیل مل کر اسے کوڑا بنا لیا جاتا ہے۔ فعل بد کرنے والے مرد و زن کو مارا جاتا ہے پھر دونوں کو پیچھے کی طرف منہ کر کے بٹھایا جاتا ہے ان کا منہ کالا کیا جاتا ہے) کا فیصلہ کیا تو ان کی اتباع کر لینا اور ان کی تصدیق کر لینا کیونکہ وہ بادشاہ ہوں گے اور اگر انہوں نے رجم کا فیصلہ کیا تو پھر وہ نبی محترم ﷺ ہیں پھر ان سے پہلو تہی کر لینا تاکہ وہ نبوت جو تمہارے ہاتھوں میں ہے وہ سلب نہ ہو سکے۔ یہودی ان تیرہ بختوں کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ! اس شادی شدہ مرد نے شادی شدہ عورت سے بدکاری کی ہے ان کے مابین فیصلہ فرمادیں۔ ہم آپ ﷺ کو ان کا ثالث تسلیم کرتے ہیں۔“ حضور ﷺ وہاں سے بیت المدارس میں علمائے یہود کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ”اے گروہ یہود! اپنے علماء کو میرے پاس بھیجو، عبد اللہ بن صوریہ حاضر خدمت ہوا۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں، بنو قریظہ کے ایک شخص نے مجھے بیان کیا ہے کہ اس دن عبد اللہ بن صوریہ کے ساتھ ساتھ ابو یاسر بن اخطب اور وہب بن یہوذ ابھی تھے۔ یہودیوں نے کہا یہ ہمارے چوٹی کے علماء ہیں پھر آپ ﷺ نے ان سے مختلف سوالات کئے یہاں تک کہ انہوں نے اقرار کر لیا کہ عبد اللہ بن صوریہ تو رات کا سب سے بڑا عالم ہے۔ حضور ﷺ اس کے ساتھ

کے ساتھ فتح میں شرکت نہ کر سکے۔ دوسرا قول اس قول کے برعکس ہے۔

سنگسار ہونے والی عورت

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ جب اس بدکار مرد کو پتھر کی ضرب لگی تو وہ اپنی بدکارہ ساتھی عورت پر جھکا تاکہ اسے آڑ بنا کر پتھروں سے بچ سکے۔ ابوالولید کی روایت کے مطابق یہ لفظ حَنَا ہے۔ موطا میں یحییٰ کی بھی یہی روایت ہے۔ وہاں فَجَعَلَ يَحْنِي عَلَيْهَا ہے۔ ابوالولید کی دوسری روایت کے

خلوت میں تشریف لے گئے۔ عبد اللہ نو جوان تھا اور علمائے یہود میں سے سب سے کم عمر تھا۔ حضور ﷺ نے اس مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا ”اے عبد اللہ بن صوری! میں تجھے اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور ان نعمتوں کو یاد دلاتا ہوں جو اس نے بنی اسرائیل پر کیں، کیا تو جانتا ہے کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کی بدکاری کا تورات میں حکم کیا ہے؟“ اس نے کہا ”ہاں اللہ کی قسم! اے ابوالقاسم! یہ سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی مرسل ہیں لیکن یہ آپ ﷺ سے حسد کرتے ہیں“ حضور ﷺ وہاں سے تشریف لائے اور ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کی مسجد کے دروازے کے پاس انہیں سنگسار کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابن صوری نے بھی آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں، اللہ رب العزت نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَقْوَامِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْهُمْ قُلُوبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۖ سَتَّعُونَ لِلْكَذِبِ سَتَّعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ ۚ لَمْ يَأْتُواكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْا فَاحْذَرُوا ۚ (مائدہ: ۴۱)

”اے رسول! نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم ایمان لائے صرف اپنے (منہ) سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں، جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے والے کے لئے جاسوس ہیں، دوسری قوم کے، جو نہیں آئی آپ کے پاس بدل دیتے ہیں اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے کہتے ہیں اگر تمہیں دیا جائے تو یہ حکم مان لو اسے اور اگر نہ دیا جائے تمہیں یہ حکم تو بچو۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ انہیں مسجد نبوی ﷺ کے دروازہ پر سنگسار کر دیا گیا جب یہودی کو پتھر پڑا تو وہ اس عورت کی طرف گیا۔ فَجَنَّا عَلَيْهَا يَقِيهَا مَسَّ الْحِجَارَةِ حَتَّى قُتِلَا

مطابق یہ لفظ ”جَنَّا“ ہے ابو عبید نے بھی اسی لفظ کی تشریح کی ہے۔ جَنَّا، انحراف کو کہتے ہیں، عوف بن محکم کہتا ہے۔

وَ بَدَّلْتَنِي بِالشَّطَاطِ الْجَنَّا وَ كُنْتُ كَالصَّعْدَةِ تَحْتَ السِّنَانِ
تو نے مجھے سیدھے قد سے ٹیڑھا کر دیا ہے حالانکہ میں پہلے نیزے کے پھل کے نیچے مضبوط تیر کی

بَسِيعًا۔ اس پر جھکا تا کہ پتھروں سے بچ سکے پھر وہاں دونوں ہلاک ہو گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں، حضرت نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب نے حضور ﷺ کو ان دونوں کے لئے ثالث بنایا تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو تورات لانے کے لئے کہا ان کا ایک عالم تورات پڑھنے لگا۔ جب وہ آیتہ رجم پر پہنچا تو اس نے اس پر ہاتھ رکھ لیا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس عالم کے ہاتھ پر مارا پھر عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ یہ رجم کی آیت ہے مگر یہ ظالم آپ ﷺ کو سنانے سے پہلو تہی کر رہا ہے۔“ حضور ﷺ نے فرمایا ”اے گروہ یہود! حکم الہی تمہارے ہاتھوں میں ہے اسے ترک کرنے کا حکم تمہیں کس نے دیا؟“ انہوں نے عرض کی ”قسم بخدا! ہمارے ہاں یہی فیصلہ ہوتا تھا حتیٰ کہ ایک امیر گھرانہ کے شخص نے بدکاری کی، بادشاہ نے اسے رجم کرنے سے روک دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص نے بدکاری کی، بادشاہ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔“ علماء نے کہا ”اس کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جائے گا جب تک اس امیر زادہ کو رجم نہ کیا جائے۔“ پھر علماء اور بادشاہ نے ”تحمیہ“ پر اتفاق کر لیا رجم کے ذکر اور اس پر عمل کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا ”میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے حکم، اس کی کتاب اور اس پر عمل کو حیاتِ نوبختی“۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں ان لوگوں میں موجود تھا جنہوں نے ان کو رجم کیا تھا۔

دیت کی ہراسیگی میں یہودیوں کا ظلم

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک

فَاَحْكُم بَيْنَهُم اَوْ اَعْرَضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْرَضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرَّوكَ شَيْئًا ۚ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ٥ (مائدہ)

”تو چاہے فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے ان سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ منہ پھیر لیں ان سے تو نہ نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی اور اگر آپ فیصلہ کریں تو طرح تھا۔

اس واقعہ میں ایک فقہی مسئلہ یہ ہے کہ ان فعلِ شنیع کرنے والوں کو رجم کرنے کے لئے گڑھا نہیں کھودا گیا تھا۔ کثیر فقہاء کا یہی نقطہ نظر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے شراح

فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔
 کا شانِ نزول یہ ہے کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے مابین دیت کی عجیب کیفیت تھی کیونکہ بنو نضیر
 قبیلہ کو صاحبِ شرف سمجھا جاتا تھا اس لئے ان کی مکمل دیت دی جاتی تھی جبکہ بنو قریظہ کے مقتولین
 کی دیت نصف ادا کی جاتی تھی۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت مذکورہ بالا مسئلہ کے متعلق نازل
 کی۔ حضور ﷺ نے انہیں حق پر اکسایا اور انہیں ایک جیسی دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔

حضور ﷺ کو فتنہ میں ڈالنے کی سازش

ابن اسحاق کہتے ہیں، کعب بن اسد، ابن صلوٰی، عبد اللہ بن صوریہ اور شاس بن قیس نے ایک
 دوسرے سے کہا ”محمد عربی ﷺ کے پاس جاتے ہیں شاید ہم انہیں دین سے منحرف کرنے میں
 کامیاب ہو جائیں وہ ایک بشر ہی تو ہیں۔“ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”اے
 محمد مصطفیٰ ﷺ! آپ ﷺ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء، اشراف اور سردار ہیں۔ اگر ہم
 نے آپ ﷺ کی اتباع کر لی تو سارے یہودی آپ ﷺ کے پیروکار بن جائیں گے۔ وہ
 ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ ہمارے اور ہماری قوم کے مابین مخالفت ہو گئی ہے۔ اگر ہم
 آپ ﷺ کو ثالث مقرر کریں اور آپ ﷺ ہمارے حق میں فیصلہ کر دیں تو ہم آپ ﷺ
 پر ایمان لے آئیں گے اور آپ ﷺ کی تصدیق کریں گے“ مگر حضور ﷺ نے ایسا فیصلہ
 کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل کیں۔

وَإِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ يَأْتِ أُنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا
 أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنْ كَثُرَ زَوَاقِنَ النَّاسِ
 لَفَسِقُونَ ۖ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ (مائدہ)

”اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ
 نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کر دیں
 آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان
 لو کہ بے شک ارادہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انہیں ان کے بعض گناہوں کی اور بے شک

بنت مالک ہمدانیہ کو رجم کرتے وقت گڑھا کھودا تھا مگر اکثر احادیث میں ہے کہ مرجوم کے لئے گڑھا نہ
 کھودا جائے، اس مرجومہ عورت کا نام بسرۃ تھا۔ ان کے واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

وَكَيْفَ يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ

بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار

ابن اسحاق کہتے ہیں، یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ ان میں ابویاسر بن اخطب، نافع بن ابی نافع، عازر بن ابی عازر، خالد، زید، ازار بن ابی ازار اور اشبع تھے۔ آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کن کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعٖلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى ۚ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن سَرٰرِهِمْ ۗ لَا نَفَرَّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾ (البقرہ: ۱۳۶)

”کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو عنایت کیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں۔“

جب حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا تو علمائے یہود نے آپ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ ”ہم نہ تو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی اس ذات پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول برحق سمجھے“ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

قُلْ يَا هَلْ الْكِتٰبُ هَلْ تَتَّقُونَ مَنَّا إِلَّا أَن آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ مِن قَبْلُ ۚ وَأَن أَكْثَرُكُمْ فَاسِقُونَ ﴿۱۳۷﴾ (المائدہ)

”آپ فرمائیے اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے

بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۸﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا (مائدہ: ۴۳)

”اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس تورات ہے (اس میں اللہ کا حکم ہے) پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی۔“

تم میں سے فاسق ہیں۔“

حق کا دعویٰ

رافع بن حارثہ، سلام بن مشکم، مالک بن صیف اور رافع بن حریمہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ! کیا آپ ﷺ یہ گمان نہیں کرتے کہ آپ ﷺ ملت و دین ابراہیمی پر ہیں۔ ہماری تورات پر بھی ایمان لاتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے حق ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں! مگر تم نے اس کتاب میں تبدیلی کی ہے تم نے اس عہد کا انکار کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم سے لیا تھا اور اس الہامی کتاب میں مذکور تھا۔ تم نے ان امور کو پوشیدہ رکھا جن کو عیاں کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا۔ میں تمہارے اس تغیر و تبدل سے بری ہوں“ علمائے یہود نے کہا ”ہم اسی کو پکڑتے ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ہم راہ حق و ہدایت پر ہیں ہم نہ تو آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے اور نہ ہی آپ ﷺ کی اتباع کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا الشُّرُوعَ وَالْأَنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّنْ رَبِّكُمْ ۖ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٨﴾ (مائدہ)

”آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں پس آپ نہ افسوس کریں قوم کفار پر۔“

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک

ابن اسحاق کہتے ہیں، نجام بن زید، قردم بن کعب اور بحری بن عمرو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ”اے محمد عربی! ﷺ کیا آپ ﷺ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے

اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات اور وہ علماء ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے رجم کا حکم کرتے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کے لئے رجم کا ہی فیصلہ فرمایا جنہوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ثالث بنایا تھا اور ان کے دیگر علماء مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور ابن صوری کا بھی یہی فیصلہ تھا کیونکہ انہیں

ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود نہیں اسی پیامِ حق کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیات نازل فرمائیں۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَدَعَ ۚ اَيْتَكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهَةٌ اُخْرٰى ۚ قُلْ لَا اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهُ وَاحِدٌ وَّ اِنِّىْ بَرِئٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتٰبُ يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ ۚ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (انعام)

”آپ پوچھئے کون سی چیز بڑی (معتبر) ہے گواہی کے لحاظ سے، آپ ہی بتائیے اللہ وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں۔“ آپ فرمائیے میں تو (ایسی جھوٹی) گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرمائیے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو جنہوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے۔“

رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث نے منافق تھے، انہوں نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ مسلمان ان سے محبت کرنے لگے۔ ارشادِ بانی ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ اُولٰٓئِھِمْ اَلَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاَلْكُفٰرَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اِثْخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ اُولٰٓئِھِمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَتَّقُوْنَ ۚ مِّنْ اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَاَنْ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ دَلٰلِكُمْ مَّشُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مِّنْ لَّعْنَةِ اللّٰهِ وَ غَضَبٍ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَاَلْخٰزِيْرَ وَ عِبَدَ الطَّاغُوْتِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ سُرُّ مَكَانًا وَاَصْلُ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ وَاِذَا جَاۤءُوكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا مِنْهُ ۚ وَاَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ (مائدہ)

”اے ایمان والو! مت بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے بنا رکھا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل

معلوم تھا کہ تورات میں اس فعلِ شنیع کی سزا رجم ہے مگر یہودیوں نے اس سزا کو تبدیل کر دیا تھا۔

ان سے جنہیں دی گئی کتاب اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایمان دار اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو) تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشا یہ (حماقت) اس لئے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے آپ فرمائیے اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں۔ آپ (انہیں) فرمائیے کیا میں آگاہ کروں تمہیں کہ کون برا ہے اس سے باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک۔ وہ لوگ (برے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سورا اور (وہ برے ہیں) جنہوں نے پوجا کی شیطان کی وہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہ راست سے اور جب آتے ہیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے، حالانکہ وہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپا رہے تھے۔

قیامت کے متعلق سوال

جبل بن ابی قثیر اور شمویل بن زید نے حضور ﷺ سے کہا ”اے محمد مصطفیٰ ﷺ ہمیں قیامت کے متعلق بتائیں کہ کب قائم ہوگی؟“ اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجِيبُهَا يَوْمَئِذٍ إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضُ لَا تَأْتِيكُمُ إِلَّا بَغْثَةٌ يَسْأَلُونَكَ كَالَّذِیْ هُمْ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّا أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ (الاعراف)

”وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے قیامت کے متعلق کہ کب ہوگا اس کا وقوع آپ کہیے کہ اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی یہ (حادثہ) بہت گراں ہے آسمانوں اور زمین میں، نہ آئے گی تم پر مگر اچانک۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کر چکے ہیں اس کے متعلق۔ آپ فرمائیے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

ابن ہشام کہتے ہیں۔ اَيَّانَ مُرْسَاهَا کا معنی ہے مَتَى مُرْسَاهَا قیس بن حداد یہ خزاہی کہتا

حضور ﷺ نے بھی رجم کا فیصلہ فرمایا، اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں بھی اس کی سزا رجم ہے۔ امام مالک نے یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے دو افراد سے فرمایا ”میں

ہے۔

فَجَنَّتْ وَ مُحْفَى السِّرِ بَيْنِي وَ بَيْنَهَا لَا سَأَلَهَا أَيَّانَ مَنْ سَارَ رَاجِعُ
”میرے اور اس کے مابین سر نہاں تھا میں اس کے پاس آیا تا کہ اس سے پوچھوں کہ جانے
والا واپس کب آئے گا۔“

مُرْسَاهَا کا معنی مُنْتَهَا ہا ہے۔ اس کی جمع مَرَاسِ آتی ہے کیت بن زید الاسدی کہتا ہے۔
وَالْبَصِيْبَيْنِ بَابَ مَا أَخْطَأَ النَّاسُ وَ مُرْسَى قَوَاعِدِ الْإِسْلَامِ
حَفِي عَنْهَا میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی يَسْأَلُونَكَ عَنْهَا كَأَنَّكَ حَفِيٌّ بِهِمْ۔ وہ
آپ ﷺ سے اس طرح پوچھ رہے ہیں گویا کہ آپ ﷺ ان پر بڑے مہربان ہیں اور
آپ ﷺ انہیں اس علم سے آگاہ کر دیں گے جس سے آپ ﷺ نے دوسروں کو آگاہ نہیں
کیا۔ ”حَفِيٌّ“ کا معنی پا کباز اور مہربان ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: إِنَّهُ كَانَ فِي حَفِيًّا (مریم)
اس کی جمع اَحْفَاءِ آتی ہے۔ اَعشى بن قيس بن ثعلبه کہتا ہے۔

فَإِنْ تَسْأَلِي عَنِّي فَيَا رَبِّ سَائِلٍ حَفِيٌّ عَنِ الْآعْشَى بِهِ حَيْثُ أَصْعَدَا
اگر تو میرے متعلق پوچھ رہی ہے (تو اس میں تعجب کیا ہے) اَعشى جہاں بھی جاتا ہے وہاں
کتنے ہی سائل اس کے متعلق انتہائی دلچسپی سے پوچھتے ہیں۔
حَفِيٌّ علم کی جستجو میں انتہائی کوشش کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔

یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سلام بن مشکم، ابوانس نعمان بن اونی، محمود بن دجیہ، شاس بن قیس
اور مالک بن صیف بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ ”ہم آپ ﷺ کی اتباع کیسے کر
سکتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے ہمارے قبلہ کو بھی ترک کر دیا ہے اور آپ ﷺ یہ عقیدہ بھی
نہیں رکھتے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں“ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ
يُضَاهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَلَىٰ يُؤْفَكُونَ (توبہ)

”اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی
(بے سرو پا) بات ہے ان کے مونہوں سے نکلی ہوئی نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے قول کی

تمہارے مابین اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کروں گا پھر آپ ﷺ نے رجم کا حکم فرمایا۔ تورات

جنہوں نے کفر کیا پہلے ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔“
ابن ہشام کہتے ہیں ”يُضَاهَوْنَ“ کا معنی ہے کہ ان کے اقوال میں مشابہت ہے مثلاً اگر
ایک شخص کوئی بات کرے اور دوسرا بھی اسی کی مثل گفتگو کرے تو کہا جاتا ہے فَهُوَ يُضَاهِيكَ۔

نزول کتاب کا مطالبہ

ابن اسحاق کہتے ہیں محمود بن سحمان، نعمان بن اضاء، بحری بن عمرو عزیر بن ابی عزیر اور سلام
بن مشکم حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی ”اے محمد مصطفیٰ! ﷺ کیا
آپ ﷺ اللہ کی طرف سے جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ یہ پیغام اس طرح منظم نہیں
جس طرح تورات منظم ہے۔“ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ”اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ یہ
پیغام اللہ رب العزت کی طرف سے ہے تم اسے اپنے پاس تورات میں بھی مرقوم دیکھتے ہو۔ اگر
جن وانس اس جیسا کلام لانے پر اتفاق بھی کر لیں تو پھر بھی وہ ایسا کلام نہ کر سکیں گے۔“ اس وقت
ان کے علمائے یہود (فخاص، عبد اللہ بن صوریاء، ابن صلوٰہ، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، اشیع،
کعب بن اسد، شمویل بن زید اور جبل بن عمرو بن سکیمنہ نے کہا ”اے محمد مصطفیٰ! ﷺ کیا جن و
انس میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کو یہ تعلیم نہیں دیتا؟“ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ”قسم اللہ
کی! تم جانتے ہو کہ یہ پیغام اللہ کی طرف سے ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔ یہ تمام امر
تمہارے پاس تورات میں مرقوم ہے۔“ انہوں نے عرض کی ”اے محمد مصطفیٰ! ﷺ اللہ تعالیٰ
جب کسی بندے کو رسول بنا کر مبعوث کرتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دیتا
ہے۔ آپ ﷺ آسمان سے ہمارے لئے کتاب نازل کریں جسے ہم پڑھیں اور اسے جانیں
ورنہ ہم ایسا کلام پیش کر دیں گے جیسا کلام آپ ﷺ لے کر آئے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے ان کے
بارے یہ آیت نازل کی۔

قُلْ لِّدِينِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ (الاسراء)

(بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے
آئیں اس قرآن کی مثل تو ہرگز نہیں لاسکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے
مددگار۔

میں بھی یہی حکم تھا۔ قرآن پاک میں بھی یہی حکم ہے۔ اس حدیث کے متعلق اور بھی بہت سے اقوال

ابن ہشام کہتے ہیں ”ظہیر“ کا معنی مددگار ہے۔ اسی سے اہل عرب کا یہ قول ہے ”تَظَاهَرُوا عَلَيْهِ“ اس کے خلاف مدد کرو۔ شاعر کہتا ہے۔

يَا سَيِّئُ النَّبِيِّ أَصْبَحْتَ لِلَّذِينَ قَوَّامًا وَ لِلْإِمَامِ ظَهِيرًا
اے نبی مکرم ﷺ کے ہم نام دین کا نگہبان اور امام کا معاون بن جا۔

ذوالقرنین کے متعلق سوال

جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو حی بن اخطب، کعب بن اسد، ابورافع، اشیع اور شمویل بن زید نے ان سے کہا۔ ”عرب میں نبوت نہیں ہوتی تمہارے صاحب (ﷺ) تو بادشاہ ہیں“ پھر وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے انہیں وہ کلام سنایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ذوالقرنین کے متعلق اتارا تھا۔ آپ ﷺ نے یہی آیات قریش مکہ کو بھی اسی سوال کے جواب میں سنائی تھیں۔ جب قریش نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہودیوں کے پاس بھیجا تو انہوں نے انہیں نبی محترم ﷺ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھنے کے لئے کہا۔

بارگاہ ربوبیت میں گستاخی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں آیا انہوں نے عرض کی ”اے محمد عربی! ﷺ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کس نے بنایا ہے؟ (نعوذ باللہ) یہ گستاخی سن کر حضور ﷺ کو شدید غصہ آیا، چہرہ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اسی عالم میں آپ ﷺ ان پر حملہ آور ہوئے حضرت جبرائیل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ پیارے مصطفیٰ! ﷺ نرمی اختیار فرمائیں پھر سورۃ اخلاص کا نزول ہوا۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝
”(اے حبیب) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔“

کئے گئے ہیں مگر صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

جب آپ ﷺ نے یہودیوں کو یہ سورت سنائی تو انہوں نے کہا ”اے محمد عربی! ﷺ آپ بیان فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کیسی ہے، اس کے بازو کیسے ہیں اس کے ہاتھ کیسے ہیں؟؟؟ آپ ﷺ یہ گستاخی سن کر پہلے سے زیادہ غصہ میں آ گئے اور ان پر حملہ آور ہو گئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی ”یا رسول اللہ! ﷺ آپ ﷺ نرمی اختیار فرمائیں اور یہ آیت نازل کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۗ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۰﴾ (الزمر)

”اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی، جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا اور (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر لوگوں کے شرک سے۔“

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے عنقریب لوگ باہمی سوالات کریں گے، حتیٰ کہ ان میں سے ایک سوال کرنے والا پوچھے گا یہ کائنات تو اللہ نے تخلیق کی ہے مگر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے جب لوگ ایسے سوالات کریں اس وقت یوں کہا کرو۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۚ اللَّهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۚ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

”پھر وہ شخص اپنے دائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔“

الصمد

اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی طرف مصائب میں قصد کیا جاتا ہے اور مشکلات میں اس کا دامن پکڑا جاتا ہے۔ ہند بنت معد بن نضلہ، عمرو بن مسعود اور خالد بن نضلہ کے مرثیہ میں کہتی ہے۔ ان دونوں کو نعمان بن منذر النخعی نے قتل کیا تھا۔

أَلَا بَكَرَ النَّاعِي بِخَيْرِي بِنِي أَسَدٍ بَعَثُوا بَنَ مَسْعُودٍ وَبِالسَّيِّدِ الصَّدِّ

صبح کے وقت موت کی خبر دینے والے نے بنو اسد کے دو بہترین شخصوں کی موت کی خبر دی۔ ان میں سے ایک عمرو بن مسعود اور دوسرا سید صمد (وہ سردار مشکل میں جس کی پناہ لی جائے) ہے۔

بروز اتوار مورخہ 08-09-2002 بوقت 11 بجے دن ”الروضِ الانف“ کی دوسری جلد کا ترجمہ مکمل کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَۃِ الْعَالَمِیْنَ وَ عَلٰی اِلٰہِ الطَّیِّبِیْنَ وَ عَلٰی اَصْحَابِہِ الطَّاهِرِیْنَ وَ عَلٰی جَمِیْعِ اُمَّتِہِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

غبارِ راہِ حجاز

ذوالفقار علی

مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

خوشخبری

معروف محدث و مفسر حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم شاہکار

تفسیر مظہری

جلد 10

جس کا جدید، عام فہم، سلیس اور مکمل اردو ترجمہ ”ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف“

نے اپنے نامور فضلاء جناب الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان صاحب

جناب الاستاذ سید محمد اقبال شاہ صاحب اور جناب الاستاذ محمد انور مگھالوی صاحب

سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔ چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے۔ آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی۔ پاکستان

فون:- 7220479- 042-7221953 فیکس:- 042-7238010

042-7247350-7225085

021-2212011-2630411

